خانقاہ قادریہ ایوبیہ کا دینی و علمی ترجمان

سال نامہ **یادگارِ ایوبی** کشی نگر

خصوصی پیش کش

انوارِ امام احمد رضا

امام احمد رضا سیمینار ممبئی کے مقالات کا مجموعہ

حصہ دوم

ترتیب وتدوین

نفیس احمد قادری مصباحی

اختر حسین فیضی مصباحی

مدیر

شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی

اہتمام واشاعت

مجلس ایوبی، خانقاہ قادریہ ایوبیہ رضا نگر، پپراکنک، کشی نگر، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بیادگار
عالم باعمل شیخ طریقت
حضرت علامہ شاہ
محمد ایوب شریف القادری رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ رضویہ شمس العلوم
پپرا کنک، کشی نگر یوپی
خانقاہ قادریہ ایوبیہ کا دینی و علمی ترجمان
جلد: ۸
حصہ دوم
سال نامہ
یادگارِ ایوبی
کشی نگر
۲۸/۲۹ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ / ۵/۶ جنوری ۲۰۱۹ء کو ناگ پاڑہ اور گوونڈی ممبئی
میں منعقد "امام احمد رضا سیمینار" کے مقالات کا مجموعہ
بنام
انوارِ امام احمد رضا
زیر نگرانی
علامہ محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
علامہ یٰسین اختر مصباحی
بانی دار القلم دہلی
مفتی نظام الدین رضوی
صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور
بموقع عرس ایوبی
۹/۱۰/ رجب ۱۴۴۰ھ
۱۷/۱۸/ مارچ ۲۰۱۹ء
ترتیب و تدوین
نفیس احمد قادری مصباحی
اختر حسین فیضی مصباحی
مجلس مشاورت
مولانا فروغ احمد مصباحی، دوست پور
مولانا محمد نظام الدین، جمداشاہی
مولانا قاضی امید علی مصباحی، جمداشاہی
مولانا محمد قاسم مصباحی، مبارک پور
مولانا محمد ہارون مصباحی، مبارک پور
تحریک و اہتمام
مولانا محمد کونین رضا ایوبی
جناب محمد ثقلین رضا ایوبی
انجینئر محمد حسنین رضا ایوبی
مدیر
شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی
MARKAZ-US-SUNNIYA JAMIA AYYUB
Markaz Sharif, Pipra Kanak, Kushi Nagar
Uttar Pradesh
ناشر
مجلس ایوبی، خانقاہ قادریہ ایوبیہ رضا نگر، پپرا کنک، کشی نگر یوپی

تفصیلات

○ انوار امام احمد رضا (دوم)

ترتیب وتدوین: ● **نفیس احمد قادری مصباحی**، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
● **اختر حسین فیضی مصباحی**، استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مدیر : **شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی**، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر (پپرا کنک)، کشی نگر

محرّک : ● محمد کونین رضا قادری ایوبی ● محمد ثقلین رضا قادری ایوبی ● محمد حسنین رضا قادری ایوبی

تصحیح : ● مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی ● مولانا محمد ہارون مصباحی ● مولانا محمد اشرف خاں مصباحی ● مولانا محمد ارشاد احمد مصباحی ● مولانا عبد الرحمن مصباحی ● مولانا رئیس اختر مصباحی ● مولانا محمد ذیشان مصباحی (اساتذۂ جامعہ اشرفیہ)
● مولانا محمد اعظم مصباحی ● مولانا فیضان سرور مصباحی ● مولانا محمد داؤد مصباحی ● مولانا محمد قمر رضا مصباحی ● مولانا عبد السلام مصباحی ● مولانا عدیل احمد مصباحی ● مولانا معین الدین مصباحی ● مولانا محمد سفیان مصباحی ● مولانا ریحان رضا مصباحی (طلبہ درجات تخصص جامعہ اشرفیہ)۔

ایصال ثواب : ● مرحوم حاجی احمد حسین، پینپرنگ، چنچپور، پونہ، مہاراشٹر ● مرحوم حاجی زین العابدین، پپرا کنک، دھسواں، کشی نگر ● مرحوم حاجی غریب محمد، امرتی، ریوا، ایم پی ● مرحوم محمد نعیم امام علی، شیواجی نگر، گوونڈی، ممبئی ● مرحوم نصر اللہ انصاری، سدواں بانگر بھاٹ، پڈرونہ، کشی نگر ● مرحومہ شیخ بشیر النساء زوجہ حاجی عظمت علی، شیواجی نگر، گوونڈی، ممبئی ● مرحومہ حجّن کرم بی بی پپرا کنک، دھسواں، کشی نگر

کمپوزنگ : ● مولانا محمد اسلم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
● حافظ محمد زاہد اختر مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

اشاعت بار اول : رجب، ۱۴۴۰ھ / مارچ، ۲۰۱۹ء، بموقع : **عرس قادری ایوبی**، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر، پپرا کنک، کشی نگر، یوپی

صفحات : ۵۹۲ تعداد : ۱۱۰۰ قیمت :

ناشر : مجلس ایوبی، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر پپرا کنک، کُشی نگر، یوپی

مشمولات

حصۂ دوم

بقیہ بابِ سوم (حصہ اول): خدمات اور کارنامے

بابِ چہارم: افکار و نظریات

بابِ پنجم: مہارتِ علوم وفنون

بابِ ششم: روابط وتعلقات

بابِ ہفتم: شعروسخن

بابِ ہشتم: سوغات عقیدت

امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات

مولانا جنید احمد مصباحی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

اللہ رب العزت نے انسانوں کی فلاح وہدایت کے لیے اپنے برگزیدہ انبیا اور پسندیدہ رسول مبعوث فرمائے اور پھر سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر بھیجا اور اس امت مرحومہ کے لیے ایک ایسی شریعت عطا فرمائی جس نے احکام اسلام کو واضح طور پر بیان فرما دیا۔ شریعت اسلامیہ نے حرام و حلال، جائز و ناجائز، واجب و مستحب ہر ایک کو متعیّن کر دیا، کیوں کہ شریعت کے نزول کا مقصد اعلیٰ یہی تھا کہ عقائد قطعیہ کے ساتھ ساتھ حرام، حلال، فرائض و واجبات کا تعین ہو تا کہ مکلف بندے بآسانی شرعی احکام پر عمل کر سکیں۔ خیر القرون میں ان امور پر سختی سے عمل ہوتا رہا اور حدود شرعیہ کا پاس ولحاظ رکھا گیا، بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے تساہلی برتنا شروع کی اور حال یہ ہو گیا کہ مسلمانوں نے اپنی بعض قومی، ملی اور اسلامی تقریبات منانے اور اپنی زندگی کے ایام گزارنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ اسلامی قوانین اور اسلامی ہدایتوں سے منحرف تھا۔ تقریبات کی تیاریوں میں اسلامی ہدایت پر عمل نہیں کیا جاتا اور انسان نے ایسی رسوم و رواج اور بدعات و خرافات کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا کہ جن کی شریعت اسلامیہ یک سر اجازت نہیں دیتی۔

ان حالات میں ضرورت اس امر کی تھی کہ علماے حق اس طرف توجہ دیں اور عوام میں پھیلی برائیوں کا خاتمہ کریں اور الحمد للہ علما نے ان برائیوں کو مٹانے کی کوشش کی مگر اس میدان میں بھی سب سے بلند و بالا کردار جس ذات نے ادا کیا وہ اعلیٰ حضرت کی ذات ہے۔

آپ نے جس طرح دیگر موضوعات پر قلم اٹھایا اسی طرح آپ نے معاشرے میں پھیلی بدعات و خرافات کا بھی ڈٹ کر سامنا کیا اور اسلام کی صحیح صورت لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے اپنی توانائی صرف کی۔ عوام الناس میں پھیلی بدعات و منکرات کے خلاف محاذ بنایا اور فسق و فجور و خرافات کے سد باب کے لیے تحریر و تقریر کی صلاحیتیں بروے کار لائے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان بدعات و خرافات کے رد میں تفصیلی اور تحقیقی فتاویٰ لکھے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی بھرپور کوشش کی۔

فتاویٰ رضویہ میں بے شمار فتاویٰ ایسے ہیں جن کے اندر صرف ان بدعات و خرافات کی تردید موضوع سخن ہے۔

آج اس امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس کے موقع پر میں ''امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات'' کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوں۔ اس عنوان پر حضرت مولانا یسین اختر مصباحی نے اپنی کتاب میں کثیر شواہد جمع کر دیے ہیں، اس سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اس مقالے میں چند نمونے پیش ہیں۔

کیا شریعت و طریقت الگ الگ ہیں؟

سوال: زید کہتا ہے: حدیث شریف ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' میں علمائے شریعت و طریقت دونوں داخل ہیں۔ اور جو جامع شریعت و طریقت ہیں وہ وراثت کے رتبہ اعظم و اجل و درجہ اتم و اکمل پر فائز ہیں۔

اور عمرو کا بیان ہے:

(۱) شریعت نام ہے چند فرائض و واجبات و سنن واستحباب و چند مسائل حلال و حرام کا۔ جیسے وضو، نماز وغیرہ. ؟

(۲) اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالیٰ کا۔

(۳) اس میں حقیقت نماز وغیرہ منکشف ہوتی ہے۔

(۴) یہ بحر ناپیدا کنار و دریائے زخار ہے اور وہ بمقابلہ اس دریا کے ایک قطرہ ہے۔

(۵) وراثت انبیامیں وصول الی اللہ تعالیٰ مقصود و منشا اور یہی شان رسالت و نبوت کا مقتضیٰ، خاص اسی کے لیے وہ مبعوث ہوئے۔

(۶) بھائیو! علمائے صوری و قشری کسی طرح اس وراثت کی قابلیت نہیں رکھتے۔

(۷) نہ وہ علمائے ربانی وغیرہ کہے جا سکتے ہیں۔

(۸)) ان کے دام تزویر سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔ معاذ اللہ یہ شیطان ہیں۔

(۹) منزل اصلی طریقت کے سد راہ ہوئے ہیں۔

(۱۰) یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بہت سے علمائے حقانی و اولیائے ربانی نے اپنی اپنی تصانیف میں ان کو تصریح سے لکھا ہے۔

التماس یہ کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح اور اس مسئلہ کی کیا تنقیح ہے؟ اگر عمرو غلطی پر ہے تو اس پر کوئی شرعی تعزیر بھی ہے یا نہیں۔ وہ کہتا ہے میری غلطی جب ثابت ہو جائے گی کہ میرے اقوال کا ابطال اولیاء کے اقوال ہدایت مآل سے کیا جائے ورنہ نہیں۔ بینوا بالتفصیل التام و توجروا یوم القیام.

الجواب:۔ بعد الحمد و الصلوۃ۔

زید کا قول حق و صحیح اور عمرو کا زعم باطل و الحاد صریح ہے۔ اس کے کلام شیطنت نظام میں دس فقرے ہیں۔ ہم اس کے متعلق مجمل بحث کریں کہ ان شاء اللہ الکریم مسلمانوں کو مفید و نافع اور شیطانوں کو قالع و قامع۔ و باللہ التوفیق.

(۱) عمرو کا قول کہ شریعت چند احکام فرض و واجب، حلال و حرام کا نام ہے، محض اندھاپن ہے۔ شریعت تمام احکام جسم و جان و روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے۔ جن میں سے ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے ولہذا باجماع قطعی جملہ اولیاے کرام تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے۔ اگر شریعت کے مطابق ہوں تو حق و مقبول ہیں ورنہ مردود و مخذول۔

تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی محک و معیار ہے، شریعت راہ کو کہتے ہیں اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا أفضل الصلاۃ و التحیہ کا ترجمہ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہ یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص۔

یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت بلکہ ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا۔ اس پر ثبات و استقامت کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾، ہم کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہ چلا۔ ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ ...

قرآن عظیم میں فرمایا: اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ بے شک اس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بد دین و گمراہ ہے۔

قرآن عظیم نے فرمایا: وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

شروع رکوع سے احکام شریعت بیان کر کے فرماتا ہے: اور اے محبوب تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ وہ تمھیں خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے۔ اللہ تمھیں اس کی تاکید فرماتا ہے تاکہ تم پرہیز گاری کرو۔

دیکھو! قران عظیم نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا۔ اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔

(۲) عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون و جہالت ہے۔ ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق، طریقہ راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا۔

یقیناً طریقت یہی شریعت ہے۔ اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے، اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناسزا ہے جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے اسے راہ خدا سے توڑ کر راہ ابلیس مانتا ہے مگر حاشا! طریقت حقہ راہ ابلیس نہیں، قطعًا راہ خدا ہے تو یقیناً وہ شریعت مطہرہ ہی کا ٹکڑا ہے۔

(۳) طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے۔ ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو ہوتے ہیں۔ پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں۔ اسی نار جحیم و عذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔

(۴) شریعت کو قطرہ، طریقت کو دریا کہنا، اس مجنون پکے پاگل کا کام ہے جس نے دریا کا پاٹ کسی سے سن لیا۔ اور نہ جانا کہ یہ وسعت اس میں کہاں سے آئی؟ اس کے خزانے سے! اس کے منبع سے! خزانے میں وسعت نہ ہوتی تو اس میں کس گھر سے آتی؟

شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا۔ بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔ منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے انہیں سیراب کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں۔ نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت مگر شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے۔ منبع سے اس کا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لیے مدد موقوف ہو جائے گی۔ فی الحال جتنا پانی آچکا ہے چند روز تک پینے، نہانے، کھیتیاں، باغات سینچنے کا کام دے۔ نہیں، نہیں، منبع سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائے گا۔ بوند تو باند نم کا نام نظر نہ

آئے گا۔ نہیں، نہیں، میں نے غلطی کی، کاش! اتنا ہی ہوتا کہ دریا سوکھ گیا پانی معدوم ہوا۔ باغ سوکھے، کھیت مرجھائے۔ آدمی پیاسے تڑپ رہے ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ یہاں اس مبارک منبع سے تعلق چھوٹتے ہی یہ تمام دریا البحر المسجور ہوکر شعلہ فشاں آگ ہو جاتا ہے جس کے شعلوں سے کہیں پناہ نہیں۔ پھر کاش! وہ شعلے ظاہری آنکھوں سے سوجھتے تو جو تعلق توڑنے والے جلے خاک سیاہ ہوئے تھے اتنے ہی جل کر باقی بچ جاتے کہ ان کا یہ بد انجام دیکھ کر عبرت پاتے۔ مگر نہیں وہ تو "نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝" (سورۃ الھُمزۃ، آیت:۷،۶) ہے۔ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ کہ دلوں پر چڑھتی ہے۔ اندر سے دل جل جل گئے۔ ایمان خاک سیاہ ہوا۔ اور ظاہر میں وہی پانی نظر آرہا ہے۔ دیکھنے میں دریا اور باطن میں آگ کا دہرا۔

آہ! آہ! کہ اس پردے نے لاکھوں کو ہلاک کیا۔ پھر دریا و منبع کی مثال سے ایک اور فرق عظیم ہے جس کی بابت اشارہ گزرا کہ نفع لینے والوں کو اس وقت منبع کی حاجت نہیں۔ مگر حاشا! یہاں منبع سے تعلق بھی نہ توڑیے کہ پانی باقی نہ رہے۔ اور آگ نہ ہو جائے۔ جب بھی ہر آن منبع سے اس کی جانچ پڑتال کی حاجت ہے۔ وہ یوں کہ یہ پاکیزہ وشیریں دریا جو اس برکت والے منبع سے نکل کر اس دار الالتباس کی وادیوں میں لہریں لے رہا ہے۔ یہاں اس کے ساتھ ایک ناپاک سخت کھاری دریا بھی بہتا ہے۔ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ ایک خوب میٹھا شیریں ہے اور ایک سخت نمک کھاری۔ وہ دریائے شور کیا ہے شیطان ملعون کے وسوسے، دھوکے۔ تو دریائے شیریں سے نفع لینے والوں کو ہر آن احتیاج ہے کہ ہر نئی لہر پر اس کی رنگت، مزے، بو کو اصل منبع کے لون، طعم، ریح سے ملاتے رہیں کہ یہ لہر اسی منبع سے آئی ہوئی ہے یا شیطانی پیشاب کی بدبودار، کھاری دھار دھوکا دے رہی ہے۔ سخت دقت یہ ہے کہ اس پاک مبارک منبع کی کمال لطافت سے اس کا مزہ جلد زبان سے اتر جاتا ہے۔ رنگت بو کچھ یاد نہیں رہتی اور ساتھ ہی ذائقہ، شامہ، باصرہ کا معنیٔ حس فاسد ہو جاتا ہے کہ آدمی منبع سے جدا ہوا اور پھر اسے گلاب اور پیشاب میں تمیز نہیں رہتی۔ ابلیس کا کھاری، بدبودار، بد رنگ مُوت غٹ غٹ چڑھاتا اور گمان کرتا ہے کہ دریائے طریقت کا شیریں خوشبودار خوش رنگ پانی پی رہا ہوں۔ لہٰذا شریعت منبع و دریا کی مثال سے بھی متعالی ہے۔ وللہ المثل الأعلی.

شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں۔ اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں۔ زیادت چاہنے، افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہ روشنی بڑھ

کر صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیا کا انکشاف ہوتا اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ یہ مرتبۂ علم میں معرفت اور مرتبۂ تحقیق میں حقیقت ہے تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے کہ باختلات مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔

جب یہ نور بڑھ کر صبح روشن کے مثل ہوتا ہے۔

ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا اور اس سے کہتا ہے: ”أطفئ السراج فقد اشرق الأصباح“ چراغ ٹھنڈا کر کہ اب تو صبح خوب روشن ہوگئی۔ اگر آدمی دھوکے میں نہ آیا اور نور فانوس بڑھ کر دن ہوگیا۔ ابلیس کہتا ہے: کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا؟ آفتاب روشن ہے۔ احمق اب چراغ کی کیا حاجت ہے۔

ع ابلہے کو در روز روشن شمع کافوری نہد۔

ہدایت الٰہی اگر دستگیر ہے تو بندہ لاحول پڑھتا اور اس ملعون کو دفع کرتا ہے کہ اے اللہ کے دشمن! یہ جسے تو دن یا آفتاب کہہ رہا ہے آخر کیا ہے؟ اسی فانوس کا تو نور ہے اسے بجھایا تو نور کہاں سے آئے گا؟ اس وقت وہ دغا باز خائب و خاسر پھرتا ہے اور بندہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ کی حمایت میں نور حقیقی تک پہنچتا ہے۔ اور اگر دام میں آگیا اور سمجھا کہ ہاں دن تو ہوگیا۔ اب مجھے چراغ کی کیا حاجت رہی۔ ادھر فانوس بجھایا اور معاً اندھیرا گھپ کہ ہاتھ سے ہاتھ نہیں سجھائی دیتا۔ جیسا کہ قرآن عظیم نے فرمایا: ”ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۠“ ایک پر ایک اندھیریاں ہیں اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے اور جسے خدا نور نہ دے اس کے لیے نور کہاں؟

یہ ہیں وہ کہ طریقت بلکہ حقیقت تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے مستغنی سمجھتے اور ابلیس کے فریب میں آکر اس الٰہی فانوس کو بجھا بیٹھے۔ کاش! یہی ہوتا کہ اس کے بجھنے سے جو عالمگیر اندھیرا ان کی آنکھوں میں چھایا، جس نے دن دہاڑے چوپٹ کر دیا۔ ان کو اس کی خبر ہوتی تو شاید توبہ کرتے۔ فانوس کا مالک ندامت والوں پر مہر رکھتا ہے۔ پھر انہیں روشنی دیتا۔ مگر ستم اندھیر تو یہ ہے کہ دشمن ملعون نے جہاں فانوس ختم کرائی اس کے ساتھ ہی معاً اپنی سازشی بتی جلا کر ان کے ہاتھ میں دے دی۔ یہ اسے نور سمجھ رہے ہیں۔ اور وہ حقیقۃً نار ہے۔

یہ مگن ہیں شریعت والوں کے پاس کیا ہے؟ ایک چراغ ہے۔ ہمارا نور آفتاب کو لجا رہا ہے۔ وہ قطرہ اور یہ ایک دریا ہے۔

اور خبر نہیں کہ وہ حقیقۃً نور ہے اور یہ دھوکے کی ٹٹی۔ آنکھ بند ہوتے ہی حال کھل جائے.... بالجملہ

شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے۔ اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ، کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت۔ ولہذا حدیث میں آیا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: المتعبد بغير فقه كالحمار في الطاحون. بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں۔ الخ[۱]

(۵) عمرو کا طریقت کو غیر شریعت جان کر حصر کر دینا کہ یہی مقصود ہے انبیا صرف اسی کے لیے مبعوث ہوئے۔ صراحۃ شریعت مطہرہ کو معاذ اللہ معطل ولغو وباطل کر دینا ہے اور یہ صریح کفر و ارتداد و زندقہ والحاد و موجب لعنت و ابعاد ہے۔ الخ[۲]

(۶) جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر اسی کی طرف بلایا اور یہی راستہ ہمارے لیے چھوڑا تو اس کا حامل، اس کا خادم، اس کا حامی، اس کا عالم، کیوں کر ان کا وارث نہ ہوگا؟

ہم پوچھتے ہیں، اگر بالفرض شریعت صرف فرض، واجب، سنت، مستحب، حلال، حرام ہی کے علم کا نام ہو تو یہ علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا ان کے غیر سے۔ اگر اسلام کا دعوی رکھتا ہے تو ضرور کہے گا حضور سے ہے پھر اس کا عالم حضور کا وارث نہ ہوا تو اور کس کا ہوگا۔ علم ان کا ترکہ پھر اس کا پانے والا ان کا وارث نہ ہو اس کے کیا معنی؟

اگر کہے کہ ملا تو ضرور ان کا ہے مگر دوسرا حصہ یعنی علم باطن اس نے نہ پایا۔ لہذا وارث نہ ٹھہرا۔ تو اے جاہل! کیا وارث کے لیے یہ ضروری ہے کہ مورث کا کل مال پائے۔ یوں تو عالم میں کوئی عالم، کوئی ولی، کوئی صدیق ان کا وارث نہ ٹھہرے گا۔ اور ارشاد اقدس: ”العلماء ورثة الأنبياء“ معاذ اللہ غلط بن کر محال ہو جائے گا کہ ان کا کل علم تو کسی کو مل ہی نہیں سکتا۔ اور اگر بفرض غلط شریعت طریقت دو جدا راہیں مانیں اور قطرہ و دریا کی نسبت جانیں جس طرح یہ جاہل بکتا ہے جب بھی علمائے شریعت سے وراثت انبیا کا سلب کرنا جنون محض ہوگا۔ کیا ترکۂ مورث سے تھوڑا حصہ پانے والا وارث نہیں ہوتا؟ جسے ملا ان کے علم میں سے تھوڑا ہی ملا ہے۔ ”وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۸۵“ الخ[۳]

(۷) جب قرآن عظیم نے سب وارثان کو ”ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا“

(۱) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما، ص:۱ تا ۸، مطبوعہ کتب خانہ سمنانی میرٹھ۔
(۲) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما، ص:۹، مطبوعہ کتب خانہ سمنانی میرٹھ۔
(۳) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما، ص:۹، ۱۰، مطبوعہ کتب خانہ سمنانی میرٹھ۔

اپنے چنے ہوئے بندے فرمایا تو وہ قطعاً اللہ والے ہوئے اور جب اللہ والے ہوئے تو ضرور ربانی ہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ''وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ﴿۷۹﴾'' ربانی ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس لیے کہ تم پڑھتے ہو۔

اور فرماتا ہے: ''اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ ۚ'' بے شک ہم نے اتاری توریت اس میں ہدایت و نور ہے، اس سے ہمارے فرماں بردار ربانی اور دانش مند لوگ یہودیوں پر حکم کرتے تھے، یوں کہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان ٹھہرائے گئے۔ اور اس سے خبر دار تھے۔

ان آیات میں اللہ عزوجل نے ربانی ہونے کی وجہ اور ربانیوں کی صفات اسی قدر بیان فرمائیں کتاب پڑھنا، پڑھانا۔ اس کے احکام سے باخبر ہونا اس کی نگہداشت رکھنا۔ اس کے ساتھ حکم کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اوصاف علمائے شریعت میں ہیں تو وہ ضرور ربانی ہیں۔[۱]

(۸) جب کہ اللہ عزوجل علمائے شریعت کو اپنا چنا ہوا بندہ کہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں اپنا وارث، اپنا خلیفہ اور انبیا کا جانشین بناتے ہیں تو انہیں شیطان نہ کہے گا مگر ابلیس یا اس کی ذریت کا کوئی منافق خبیث۔ الخ[۲]

(۹) بیانات بالا سے واضح ہے کہ علمائے شریعت ہر گز طریقت کے سد راہ نہیں۔ بلکہ وہی اس کے فتح باب اور وہی اس کے نگہبان راہ ہیں۔ ہاں! وہ طریقت جسے بندگان شیطان طریقت کا نام دیں اور اسے شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جدا کریں۔ علما اس کے لیے ضرور سد راہ ہیں۔ علما کیا، خود اللہ عزوجل نے اس راہ کو مسدود و مردود و ملعون و مطرود فرمایا۔ اوپر گزرا کہ علمائے شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ہر آن ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والے کو اور زیادہ۔ ورنہ حدیث میں اسے چکی کھینچے والا گدہا فرمایا تو اگر علما نے تمھیں گدھا بننے سے روکا، کیا گناہ کیا؟[۳]

(۱۰) عمرو کا اپنی خرافات شیطانیہ، توہین شریعت، و سب و شتم علمائے شریعت و علمائے حقانی و اولیائے ربانی کی طرف نسبت کرنا اس کا محض کذب مہین و افترائے لعین ہے۔ الخ[۴]

---

(۱) مقال عرفا باعزاز شرع و علما، ص:۱۲، مطبوعہ کتب خانہ سمنانی میرٹھ۔
(۲) مقال عرفا باعزاز شرع و علما، ص:۱۳، مطبوعہ کتب خانہ سمنانی میرٹھ۔
(۳) مقال عرفا باعزاز شرع و علما، ص:۱۴، مطبوعہ کتب خانہ سمنانی میرٹھ۔
(۴) مقال عرفا باعزاز شرع و علما، ص:۱۴، مطبوعہ کتب خانہ سمنانی میرٹھ۔

''شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت میں باہم اصلاً کوئی تخالف نہیں۔ اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے۔ اور سمجھ کر کہے تو گمراہ بد دین۔

شریعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں، اور طریقت حضور کے افعال، اور حقیقت حضور کے احوال، اور معرفت حضور کے علوم بے مثال۔''(۱)

شریعت و طریقت دو راہیں متبائن نہیں بلکہ بے اتباع شریعت خدا تک وصول محال۔ نہ بندہ کسی وقت کیسی ہی ریاضت و مجاہدہ بجالائے اس رتبہ تک پہونچے گا کہ تکالیف شرع اس سے ساقط ہو جائیں اور اسے اسپ بے لگام شترِ بے زمام کر کے چھوڑ دیا جائے۔

صوفی وہ ہے کہ اپنے ہویٰ کو تابع شرع کرے نہ وہ کہ ہویٰ کی خاطر شرع سے دست بردار ہو۔ شریعت غذا ہے اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی قوت آپ زوال پائے گی۔ شریعت آئینہ اور طریقت نظر۔ آنکھ پھوٹ کر نظر رہنا غیر متصور۔

بعد از وصول گر اتباع شریعت سے بے پروائی ہوتی تو سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امام الواصلین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس کے ساتھ ہوتے، نہیں بلکہ جس قدر قرب زیادہ ہوتا ہے شرع کی باگیں اور سخت ہوتی جاتی ہیں۔ حسنات الأبرار سيئات المقربين-(۲)

شریعت پر افترا کرنے والے کا حکم

سوال: ''زید اپنی نماز پنجگانہ و تلاوت و اوراد و وظائف وغیرہ کی زبان سے قراءت نہیں کرتا بلکہ دل دھیان کے ساتھ ادا کرتا ہے اور دلیل یہ دیتا ہے کہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر القا ہوا تھا اور یہ مسائل اہل ذوق اور اصفیاے کرام کے ہیں۔ ظاہرین ان مسائل کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی نماز صحیح اور اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے یا نہیں۔ زید کی امامت درست ہے یا نہیں۔ الخ (ملخصًا)

الجواب: زید نے شریعت پر افترا کیا، صوفیۂ کرام پر افترا کیا، اپنی نمازیں سب برباد کیں، اُس کی ایک نماز بھی نہیں ہوئی، نہ اس کے پیچھے دوسروں کی ہوئی، اس پر فرض ہے کہ جتنی نمازیں ایسی پڑھی ہوں سب کی

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص:۶۰، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) اعتقاد الاحباب، ص:۲۷، مطبوعہ ادارہ اشاعت رضا، بریلی شریف۔

قضا کرے اور جتنی نمازیں اوروں نے اس کے پیچھے پڑھی ہیں اُن پر بھی فرض ہے کہ اُن کی قضا کریں۔ قرآن عظیم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ضرور قلب مبارک پر نازل ہوا مگر پڑھنے کیلئے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ ۔ اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا کہ تم لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ"۔ نماز میں قرآن پڑھو جتنا آسان ہو۔

اس کا نام پاک ہی قرآن ہے قرآن قراءت سے اور قراءت پڑھنا اور پڑھنا نہ ہوگا مگر زبان سے، دل میں تصوّر کرنے کو پڑھنا نہیں کہتے حالتِ جنابت میں قرآن پڑھنا حرام ہے اور تصوّر منع نہیں۔

نماز میں قراءت کلام مجید پر اجماعِ مسلمین کا خلاف جہنم کا خیال ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝١١٥ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم[1]

کیا عرس کی شیرینی سے جنت ملتی ہے

سوال: "زید نے یہ دستور مقرر کر رکھا ہے کہ ہر ششماہی یا سالانہ یوم معین و تاریخ مقرر پر اپنے پیر کا عرس ہوا کرے۔ لوگوں کو یہ کہتا ہے کہ جو شخص عرس کرے اور عرس کی نیاز کردہ شیرینی کو کھائے گا۔ اس پر بلاشبہ جنت مقام۔ دوزخ حرام ہے یہ کہنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: یہ کہنا جزاف اور یاوہ گوئی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ کس کا جنت مقام اور کس پر دوزخ حرام، عرس کی شیرینی کھانے پر اللہ تعالیٰ ورسول کا کوئی وعدہ ایسا ثابت نہیں جس کے بھروسے پر یہ حکم لگا سکیں، تو یہ تقوّل علی اللہ ہوا اور وہ ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝٧٨

قال اللہ تعالیٰ: اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٢٨ - واللہ تعالیٰ اعلم۔[2]

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد سوم، ص:۶۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) فتاوی رضویہ، جلد سوم، ص:۲۱۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

تحقیر صوم و صلوۃ

سوال: (۱) اگر کوئی مسلمان قبل شروع رمضان المبارک یہ لفظ استعمال کرے کہ ہندو ہوتے تو بہتر تھا یہ تیس روزے تو نہ رکھنا پڑتے۔

(۲) دوسرا شخص ایسے لفظ بصراحت یہ بیان کرے کہ اللہ پاک نے تیس روزے بنائے ہیں پوری قید ہے۔ بھوک پیاس لے کر آتے ہیں، بڑا ظلم ہے، رمضان کے روزے بڑے ظالم ہیں، لیکن جو ظلم کرتا ہے تھوڑے دن رہتا ہے۔ (ایسا کہنے والے کا کیا حکم ہے؟)

الجواب: یہ دونوں شخص یقیناً کافر و مرتد ہیں۔ اگر عورت رکھتے ہوں تو ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں، عورتوں کو اختیار ہے بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔

یہ کافر اگر توبہ نہ کریں از سر نو اسلام نہ لائیں، تو مسلمانوں کو ان سے میل جول حرام، سلام کلام حرام، بیمار پڑیں تو انھیں پوچھنے جانا حرام، مرجائیں تو ان کے جنازے میں شرکت حرام، انھیں غسل دینا حرام، ان پر جنازہ پڑھنا حرام، ان کا جنازہ کندھے پر رکھنا حرام، جنازے کے ساتھ جانا حرام، مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام۔ الخ[1]

تحقیر رمضان

سوال: بلا عذر شرعی علی الاعلان روزے رمضان المبارک کے ترک کرے اور اگر کسی نے نماز پڑھنے کے لیے کہا کہ اٹھو نماز پڑھو، تو جواب دیا کہ کون اٹھک بیٹھک کرے، اجی جتنے نمازی حاجی و حافظ ہیں سب بے ایمان ہیں۔

یا کسی نے روزہ رکھنے کو کہا تو جواب دیا کہ کون بھوکا مرے جس کے گھر میں کھانا نہ ہو وہ روزہ رکھے، ہم سے تو بھوکا نہیں مرا جاتا، تمھیں روزہ رکھ کر بہشت میں چلے جانا۔

اور ماہ رمضان المبارک میں سر راہ دروازہ پر بیٹھ کر آب نوشی و حقہ نوشی خود کرتا اور کراتا ہے اگر کوئی منع کرتا ہے کہ روزہ داروں کے سامنے مت کھاؤ پیو، تو جواب دیتا ہے کہ خدا سے چوری نہیں ہے۔ تو بندے سے کون چوری ہے؟

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد ششم، ص:۱۲۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

سو یہ سب باتیں زید کی کیسی ہیں؟ زید ان باتوں سے مسلمان ہے یا نہیں؟ الخ

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید پر حکم کفر ہے اور وہ لوگ جو اس کی ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں ان پر بھی یہی حکم ہے۔

ان کے جمعہ و عیدین باطل ہیں، ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں، مسلمانوں کو ان سے میل جول حرام ہے، ان کے پاس بیٹھنا ناجائز۔ الخ(۱)

بے علم صوفی

جاہل صوفیوں کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اولیاے کرام فرماتے ہیں ''جاہل صوفی شیطان کا مسخرہ ہے'' اس لیے حدیث میں آیا حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد، (ترمذی وابن ماجۃ)

ترجمہ: ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے ''وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾''

اور وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

میرے پیر حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دعا دی: جعلك الله صاحب حديث صوفيا و لا جعلك صوفيا صاحب حديث.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں حدیث داں کر کے صوفی بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمھیں صوفی نہ کرے۔

حضرت امام غزالی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

اشار الى ان من حصل الحديث والعلم ثم تصوف افلح ومن تصوف قبل العلم خاطر بنفسه (احیاء، ص:۱۳).

ترجمہ: حضرت سری سقطی نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے پہلے حدیث و علم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا، اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد ششم، ص:۱۵۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

آپ کو ہلاکت میں ڈالا، (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

حضرت سیدی ابو القاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں:

من لم يحفظ القرآن ولم يكتب الحديث لا يقتدى به في هذا الامر لأن علمنا هذا مقيد بالكتاب والسنة. (رساله قشيريه، مطبوعه مصر، ص: ٢٤)

جس نے قرآن یاد کیا نہ حدیث لکھی یعنی جو علم شریعت سے آگاہ نہیں دربارہ طریقت اس کی اقتدا نہ کریں اسے اپنا پیر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب و سنت کا پابند ہے۔

حضرت سیدنا سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

تصوف تین وصفوں کا نام ہے، اول یہ کہ اس کا نور معرفت اس کے نور ورع کو نہ بجھائے، دوسرے یہ کہ باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہر قران یا ظاہر حدیث کے خلاف ہو، تیسرے یہ کہ کرامتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری پر نہ لائیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائیں۔ (رسالہ قشیریہ ص ۱۴۳)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كل حقيقة ردتها الشريعة فهي زندقة. (عوارف المعارف، جلد: اول، ص:۴۳)

جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔[1]

مبتدعین کی بیخ کنی

سوال: یہ تو اگر اسی کا ہو رہے تو ہو سکتا ہے۔ دنیوی ذرائع معاش اگر چھوڑ دیے جائیں تو یہ بھی نہایت دقت طلب ہے۔ اور یہ دینی خدمت جو اپنے ذمہ لی ہے اسے چھوڑنا پڑے گا۔

الجواب: اس کے لیے یہی خدمات مجاہدات ہیں۔ بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ۔

امام ابو اسحاق اسفرائنی، جب انہیں مبتدعین کی بدعات کی اطلاع ہوئی. پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس تشریف لے گئے جو ترک دنیا و مافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے، ان سے فرمایا:

يا أكلة الحشيش: أنتم ههنا و أمة محمد صلى الله عليه وسلم في الفتن.

ترجمہ: اے سوکھی گھاس کے کھانے والو! تم یہاں ہو اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتنوں میں ہے۔

---

(۱) مقال عرفا، ص:۱۶ تا ۲۲۔

انہوں نے جواب دیا کہ امام یہ آپ کا کام ہے ہم سے نہیں ہو سکتا۔ وہاں سے واپس آئے اور مبتدعین کے رد میں نہریں بہائیں۔ الخ[۱]

بدعتی کی امامت کا حکم

سوال: بدعتی اور فاسق کی امامت مکروہ وممنوع ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں! ممنوع و مکروہ ہے۔ دیکھو طحطاوی در مختار اور طحطاوی مراقی الفلاح اور تبیین الحقائق امام زیلعی اور ردالمحتار اور غنیہ اور فتح المعین۔[۲]

سوال: امام بنانا دینی تعظیم ہے یا نہیں۔ اور مبتدع کی دینی تنظیم حرام ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہاں! دیکھو رد المحتار اور فتح اور طحطاوی اور زیلعی وغیرہ اور مشکاۃ وغیرہ۔ کہ جو کوئی بدعت والے کی تعظیم کرے بے شک اس نے اسلام ڈھانے میں مدد دی۔[۳]

بے علم مفتی کا رد

بے علم صرف سند لے کر دھاک جمانے والے موجودہ دور کے مفتی بننے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

سند حاصل کرنا کچھ ضروری نہیں۔ ہاں! باقاعدہ تعلیم پانا ضروری ہے۔ مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے پاس۔ اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرۂ ایمان ہوگا۔ ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرأت حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من أفتىٰ بغير علم لعنته ملئكة السماء والأرض.

ترجمہ: جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔

اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح میں ہو، وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع مقصود ہے تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا: أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ

(۱) الملفوظ، حصہ اول، ص:۸۔

(۲) عرفان شریعت، ص:۹۴، مکتبہ جام نور، دہلی۔

(۳) عرفان شریعت، ص:۹۴، مکتبہ جام نور، دہلی۔

فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ ۠ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

ترجمہ: ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (ص:۳۰۸، فتاوی رضویہ جلد نہم)

پیشہ ور جاہل مقررین

سوال: : کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے؟

الجواب: غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔[۱]

عالم کی تعریف یہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستقل ہو، اپنی ضروریات کو کتابوں سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے۔[۲]

”رہا یہ کہ اب وہ وعظ کرے یا نہیں۔ اگر وہ وعظ اللہ عزوجل کے لیے کرتا ہے اور طلب مال یا اپنی شہرت و ریاست مقصود نہیں اور اس کا وعظ مطابق شرع ہے اتنا علم دین کافی ووافی رکھتا ہے جس سے اسے وعظ کی اجازت ہو جب تو ظاہر ہے کہ ایسے بندۂ خدا ہادی راہ ہدیٰ کا وعظ کہنا ہی اس کے اور ان مسلمانوں کے سب کے حق میں بہتر ہے۔

اور اگر ان باتوں میں سے کوئی بات کم ہے مثلاً علم دین کافی نہیں یا کسی غرض فاسد یا عقیدۂ فاسدہ کے باعث وعظ خلاف شرع کہے جب تو ظاہر ہے کہ اس کا وعظ اس کے اور مسلمانوں سب کے حق میں برا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار. (رواه الترمذي وصححه عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما.)

اور اگر مال یا شہرت مقصود ہے تو اگرچہ مسلمانوں کے لیے اس کا وعظ مفید ہو خود اس کے حق میں سخت مضر ہے۔ علما فرماتے ہیں: ایسے اغراض کے لیے وعظ ضلالت اور یہود و نصاریٰ کی سنت ہے۔

درمختار میں ہے:

التذكير على المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الأنبياء والمرسلين ولرياسة

---

(۱) الملفوظ، حصہ اول، ص:۷۔

(۲) الملفوظ، حصہ اول، ص:۷۔

ومال وقبول عامة من ضلالة اليهود والنصارى. الخ[1]

کیا جاہل و فاسق میلاد پڑھ سکتا ہے

سوال: مجلس میلاد حضور خیر العباد عليه الوف تحية إلى يوم التناد میں جو شخص کہ مخالفِ شرع مطہر ہو۔ مثلاً تارک صلاۃ، شارب خمر ہو، داڑھی کتر واتا یا منڈواتا ہو، مونچھیں بڑھاتا ہو، بے وضو، بے ادبی اور گستاخی سے بروایات موضوعہ تنہا یا دو چار آدمیوں کے ساتھ بیٹھ کر مولود پڑھتا ہو اور اگر کوئی مسئلہ بتائے، تنبیہ کرے تو استہزاو مزاح کرے بلکہ اپنے معتقدین کو حکم کرے کہ داڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں کیونکہ جیسے ان کے رخسار صاف ہوتے ہیں ایسے ہی ان کے دل مثل آئینہ کے صاف و شفاف ہیں۔

ایسے شخص سے مولود شریف پڑھوانا یا اس کو پڑھنا یا منبر و مسند پر تعظیماً بیٹھنا بٹھانا بانی مجلس وحاضرین وسامعین کا ایسے اشخاص کو بوجہ خوش آوازی کے چوکی پر مولود پڑھنے بٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی سے رب العزت جل مجدہ اور روح حضور فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوش ہوتی ہے یا ناخوش؟ اور پروردگار عالم ایسی مجالس سے خوش ہوکر رحمت نازل فرماتا ہے یا غضب؟ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان محافل میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں؟ بانیان اور حاضرین محافل کے مستحق رحمت ہیں یا غضب؟

الجواب: افعال مذکورہ سخت کبائر ہیں اور ان کا مرتکب اشد فاسق و فاجر، مستحق عذاب یزداں و غضب رحمن اور دنیا میں مستوجب ہزاراں ذلت و ہوان، خوش آوازی خواہ کسی علت نفسانی کے باعث اسے منبر و مسند پر کہ حقیقۃً مسند حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے تعظیماً بٹھانا اس سے مولود پڑھوانا حرام ہے۔

روایات موضوعہ پڑھنا بھی حرام سننا بھی حرام، ایسی مجالس سے اللہ عزوجل اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کمال ناراض ہیں، ایسی مجالس اور ان کا پڑھنے والا اور اس حال سے آگاہی پاکر بھی حاضر ہونے والا سب مستحق غضب الٰہی ہیں۔

یہ جتنے حاضرین ہیں سب وبال شدید میں جدا جدا گرفتار ہیں اور ان سب کے وبال کے برابر اس پڑھنے والے پر وبال ہے اور خود اس کا اپنا گناہ اس پر علاوہ اور ان حاضرین و قاری سب کے برابر گناہ ایسی مجلس کے بانی پر ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد پنجم، ص: ۵۸۸، ۵۸۹۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پاک و منزہ ہیں اس سے کہ ایسی ناپاک جگہ تشریف فرما ہوں۔ البتہ وہاں ابلیس وشیاطین کا ہجوم ہوگا، والعیاذ باللہ رب العالمین۔

ذکر شریف حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوضو ہونا مستحب ہے اور بے وضو بھی جائز اگر نیت معاذاللہ استخفاف کی نہ ہو، اور اگر عیاذاً باللہ استخفاف وتحقیر کی نیت ہو تو صریح کفر ہے۔

یوہیں مسائل شرعیہ کے ساتھ استہزا صراحۃً کفر ہے، یوہیں وہ کلمۂ ملعونہ کہ داڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں الخ صاف سنت متواترہ کی توہین اور کلمۂ کفر ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔[1]

کفار سے مشابہت

کفار سے مشابہت اختیار کرنے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

جب حضرت عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ اکابر علمائے یہود سے تھے مشرف بہ اسلام ہوئے، عادت سابقہ کے باعث تعظیم روز شنبہ کا ارادہ کیا اور گوشت شتر کھانے سے کراہت ہوئی، رب عزوجل نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اے ایمان والو! اسلام لائے ہو تو پورا اسلام لاؤ اسلام کی سب باتیں اختیار کرو، یہ نہ ہو کہ مسلمان ہوکر کچھ عادتیں کافروں کی رکھو، اور اگر نہ مانا تو خوب جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے تم پر عذاب لاتے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ پھر فرمایا: جو مسلمان ہو کر بعض کفری خصلتیں اختیار کریں وہ کا ہے کا انتظار کررہے ہیں یہی نا کہ آسمان سے ان پر عذاب اترے اور ہونے والی ہوچکے یعنی ہلاک و تمام کردیے جائیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

ان آیات میں رب العزت جلا وعلا نے خصلت کفار اختیار کرنے پر کیسی تہدید اکید و وعید شدید فرمائی، اور شک نہیں کہ داڑھی منڈانا کترنا خصلت کفار ہے۔ عنقریب بعونہٖ تعالیٰ بکثرت احادیث معتمدہ سے اس کا بیان آتا ہے۔ اور خود بیان کی حاجت کیا ہے کہ امر آپ ہی واضح اور نیز تقریرات سابقہ سے لائح، اصل میں یہ خصلت ملعونہ مجوس ملاعنہ کی تھی، ان سے اور کفار نے سیکھی، جب عہد معدلت مہد امیر المومنین غیظ المنافقین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں عجم فتح ہوا اور کسریٰ خبیث کا تخت ہمیشہ کے لئے الٹ دیا گیا۔ مجوس منحوس کچھ اسلام لائے کچھ بقبول جزیہ رہے کچھ پریشان وسرگرداں دارالکفر ہندوستان میں آنکلے۔

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص:۲۱۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

یہاں کے راجہ نے ان سے تعظیم گاؤ و تحریم مادر و دختر و خواہر کا عہد لے کر جگہ دی، ہنود بے بہبود نے داڑھی منڈانا نوروز و مہر گان بنام ہولی و دیوالی منانا، ان میں آگ پھیلانا و غیر ذٰلك من الخصال الشنیعه ان سے اڑایا۔

مجوس ایران کہ مسلمان ہوئے تھے ان میں بہت بدباطن اپنی تباہی ملک و افسر تاراج مال و دختر کے باعث دلوں میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کینہ رکھتے تھے مگر مسلمان کہلاکر اسلام کی عزت و شوکت اسلام کی قوت و دولت اسلام کے تاج و معراج یعنی امیر المومنین کی شان میں گستاخی کی کیا مجال تھی۔

جب ابن سبا یہودی خبیث نے مذہب رفض ایجاد کیا اور شدہ شدہ یہ ناشدنی مذہب ایرانیوں تک پہنچا ان آتش پرست مغبچوں کی دبی آگ نے موقع پایا کہ اہل اسلام میں بھی ایسا مذہب نکلا کہ امیر المومنین پر تبرا کہیے اور خاصے مومنین بنے رہیے۔ انھوں نے بہزار جان لبیک کہی اور نئے دین کی تاصیل تفریع بڑھ چلی، باپ دادا کی قدیم سنتیں اپنا رنگ لائیں۔ نوروز منائے، داڑھیاں کتروائیں، اتیان ادبار و اباحت و اعارت و اجارت فرج کی کیا گنتی؟ نکاح محارم تک منظور رہا مگر پردۂ حریر میں مستور رہا۔

ادھر اسلامی فاتحوں کی شیرانہ تاخت نے سیاہان ہند کے منہ سپید کردیے، ہزاروں مارے، لاکھوں قید کیے یہاں تک کہ ہندو کے معنی ہی غلام ٹھہر گئے۔ یہاں کے نومسلم مسلم تو ہو گئے مگر ہزاروں اپنے آبائی خصال کے پابند رہے۔ داڑھیاں منڈائیں، بسنت منائیں، سادی کریں، چنریاں رنگائیں، عورتیں بدلحاظی کے کپڑے پہنیں، کنبے بھر کی سب غیریں سامنے آنے کے واسطے بہنیں، شادیوں میں معاذ اللہ فحش، سالی بہنوئی میں ہنسی کی ریت، یہاں تک کہ بہت پوربی اضلاع میں چھوت اور چوکا تک مشہود، اور اکثر دیہات میں ہولی دیوالی، بلکہ اس سے زائد شیطنت موجود، پھر اس عملداری میں شیوع نیچریت بے قیدیِ شرع و آزادیِ نفس کے لیے سونے پہ سہاگا، کچھ اتباع فرنگ، کچھ زنانی امنگ، صفائی رخسار کا نصیب جاگا۔

لاجرم اس حرکت کے عادیوں کو چند حال سے خالی نہ پائیے گا۔ نسلاً مجوسی، یا مذہباً رافضی، یا یورپی تہذیب کا دلدادہ نیچری، یا جھوٹے متصوفہ، یا مبتلائے رفض خفی، یا باپ دادا ہندو نومسلم غافل، یا ان صحبتوں کا بگڑا آوارہ جاہل۔

بہر حال! اس کا مبدا و منبع و مرجع وہی خصلت کفار جس سے خدا ناراض رسول بیزار، جس پر قرآن عظیم میں وہ سخت وعید، وہ قاہر مار، آئندہ ماننے نہ ماننے کا ہر شخص مختار، والتوفیق باللہ العزیز الغفار۔ (۱)

---

(۱) لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ، ص: ۲۴ تا ۲۶، مطبع اہل سنت و جماعت بریلی، (۱۳۱۵ھ)

بدمذہبوں سے میل جول اور معاملات

سوال: اہل سنت و جماعت کو رافضیوں سے ملنا جلنا اور کھانا پینا اور رافضیوں سے سودا سلف خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص سنی ہو کر ایسا کرتا ہے اس کی نسبت شرعاً کیا حکم آیا ہے؟

الجواب: روافض زمانہ علی العموم مرتد ہیں کما بیناہ فی ردالرفضۃ۔ ان سے کوئی معاملہ اہلِ اسلام کا سا کرنا حلال نہیں، ان سے میل جول نشست و برخاست سلام کلام سب حرام ہے،

قال اللہ تعالیٰ: وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سیأتی قوم لهم نبز یقال لهم الرافضة یطعنون السلف ولایشهدون جمعة ولاجماعة فلاتجالسوهم ولاتؤاكلوهم ولاتشاربوهم ولاتناكحوهم وإذا مرضوا فلاتعودوهم واذاماتوا فلاتشهدوهم ولاتصلوا علیهم ولاتصلوا معهم.

ترجمہ: عنقریب کچھ لوگ آنے والے ہیں ان کا ایک بدلقب ہوگا انہیں رافضی کہا جائے گا سلف صالحین پر طعن کریں گے اور جمعہ و جماعات میں حاضر نہ ہوں گے، ان کے پاس نہ بیٹھنا، نہ ان کے ساتھ کھانا کھانا، نہ ان کے ساتھ پانی پینا، نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا، بیمار پڑیں تو انہیں پوچھنے نہ جانا، مرجائیں تو ان کے جنازے پر نہ جانا، نہ ان پر نماز پڑھنا نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا۔

جو سنی ہو کر ان کے ساتھ میل جول رکھے اگر خود رافضی نہیں تو کم از کم اشد فاسق ہے، مسلمانوں کو ان سے بھی میل جول ترک کرنے کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

سوال: اکثر لوگ جان بوجھ کر بدمذہبوں کے پاس بیٹھتے ہیں۔ ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حرام ہے اور بدمذہب ہو جانے کا اندیشہ کامل اور دوستانہ ہو تو دین کے لیے زہرِ قاتل۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ.

ترجمہ: انھیں اپنے سے دور کرو اور ان سے دور بھاگو وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈالیں۔

اور اپنے نفس پر اعتماد کرنے والا بڑے کذّاب پر اعتماد کرتا ہے، ”اِنَّھَا اَکْذَبُ شَیْءٍ اِذَا

(۱) احکام شریعت، ص:۳۹، حصہ دوم۔

حَلَفَتْ فَکَیْفَ اِذَا وَعَدَتْ"۔

ترجمہ: نفس اگر کوئی بات قسم کھا کر کہے تو سب سے بڑھ کر جھوٹا ہے نہ کہ جب خالی وعدہ کرے۔

صحیح حدیث میں فرمایا: جب دجال نکلے گا، کچھ اسے تماشے کے طور پر دیکھنے جائیں گے کہ ہم تو اپنے دین پر مستقیم ہیں، ہمیں اس سے کیا نقصان ہو گا؟ وہاں جا کر ویسے ہی ہو جائیں گے۔

حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حلف سے کہتا ہوں جو جس قوم سے دوستی رکھتا ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہو گا۔ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہمارا ایمان اور پھر حضور کا حلف سے فرمانا۔

دوسری حدیث ہے۔: جو کافروں سے محبت رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "شرح الصدور" میں نقل فرماتے ہیں:

ایک شخص روافض کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ جب اس کی نزع کا وقت آیا، لوگوں نے حسبِ معمول اسے کلمۂ طیبہ کی تلقین کی۔ کہا: نہیں کہا جاتا۔ پوچھا کیوں؟ کہا: یہ دو شخص کھڑے کہہ رہے ہیں تُو ان کے پاس بیٹھا کرتا تھا جو ابو بکر و عمر کو برا کہتے تھے، اب یہ چاہتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر اُٹھے، ہرگز نہ پڑھنے دیں گے۔ یہ نتیجہ ہے بدمذہبوں کے پاس بیٹھنے کا۔

جب صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بدگویوں سے میل جول کی یہ شامت۔ تو قادیانیوں اور وہابیوں اور دیوبندیوں کے پاس نشست و برخاست کی آفت کس قدر شدید ہو گی؟ ان کی بدگوئی صحابہ تک ہے ان کی انبیا اور سَیِّدُ الانبیاء اور اللہ عَزَّوَجَلَّ تک۔ [1]

ہنود کے میلوں میں شرکت

سوال: ہندوؤں کے رام لیلا وغیرہ دیکھنے جانا کیسا ہے؟

الجواب: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾

ترجمہ: مسلمان ہو تو پورے مسلمان ہو جاؤ۔ شیطان کی پیروی نہ کرو، وہ تمھارا ظاہر دشمن ہے۔

---

(۱) الملفوظ، حصہ دوم، ص:۷۹، ۸۰۔

حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِستِدعا (یعنی اِلتجا) کی کہ اگر اِجازت ہو تو نماز میں کچھ آیتیں توریت شریف کی بھی ہم لوگ پڑھ لیا کریں؟ اِس پر یہ آیہ کریمہ اِرشاد فرمائی۔ توریت شریف پڑھنے کے واسطے تو یہ حکم ہوا، رام لیلا کے واسطے کیا کچھ حکم نہ ہوگا؟[۱]

سوال: اہل ہنود کے میلوں مثلاً دسہرہ وغیرہ میں مسلمانوں کا جانا کیسا ہے؟ کیا میلوں میں جانے سے ان لوگوں کی عورتیں نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں؟ کیا تجارت پیشہ لوگوں کو بھی جانا ممنوع ہے؟

الجواب:۔ ان کا میلا دیکھنے کے لیے جانا مطلقا ناجائز ہے۔ اگر ان کا مذہبی میلہ ہے جس میں وہ اپنا کفر شرک کریں گے۔ کفر کی آوازوں سے چلائیں گے۔ جب تو ظاہر ہے۔ اور یہ صورت سخت حرام من جملہ کبائر ہے پھر بھی کفر نہیں اگر کفری باتوں سے نافر ہے۔ ہاں معاذ اللہ ان میں سے کسی بات کو پسند کرے یا ہلکا جانے تو آپ ہی کافر ہے۔ اس صورت میں عورت نکاح سے نکل جائے گی اور یہ اسلام سے۔ ورنہ فاسق ہے اور فسق سے نکاح نہیں جاتا۔ پھر بھی وعید شدید ہے اور کفریات کا تماشا بنانا ضلال بعید ہے۔

اور اگر مذہبی میلا نہیں، لہو ولعب کا ہے جب بھی ناممکن کہ منکرات وقبائح سے خالی ہو۔ اور منکرات کا تماشا بنانا جائز نہیں۔

اور گر تجارت کے لیے جائے اگر میلہ ان کے کفر وشرک کا ہے۔ جانا ناجائز و ممنوع ہے کہ اب وہ جگہ ان کا معبد ہے اور معبد کفار میں جانا گناہ۔ اور اگر لہو ولعب کا ہے اور خود اس سے بچے، نہ اس میں شریک ہو، نہ اسے دیکھے۔ وہ چیزیں جو ان کے لہو ولعب ممنوع کی ہوں ان سے بچے تو جائز ہے۔ پھر بھی مناسب نہیں کہ ان کا مجمع ہے۔ ہر وقت محل لعنت ہے تو اس سے دوری ہی میں خیر۔ اور اگر خود شریک ہو یا تماشا دیکھے یا ان کے لہو ممنوع کی چیزیں بیچے تو آپ ہی گناہ و ناجائز ہے۔

ہاں ایک صورت جواز مطلق کی ہے وہ یہ کہ عالم انہیں ہدایت اور اسلام کی طرف دعوت کے لیے جائے جب کہ اس پر قادر ہو۔ یہ جانا حسن و محمود ہے۔ اگرچہ ان کا مذہبی میلہ ہو۔ ایسا تشریف لے جانا خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہا ثابت ہے۔ (ملخصا)[۲]

کافروں کے میلے میں جانے سے آدمی کافر نہیں ہوتا کہ عورت نکاح سے نکل جائے، جو لوگ ایسے فتوے دیتے ہیں شریعت مطہرہ پر افترا کرتے ہیں، البتہ اس میں شریک ہونا مسلمان کو منع ہے۔

---

(۱) الملفوظ، حصہ چہارم، ص:۲۵،۲۶۔

(۲) عرفان شریعت اول، ص:۲۷،۲۸، حسنی پریس، بریلی۔

حدیث میں ہے: من کثر سواد قوم فهو منهم.

دوسری حدیث میں ہے: من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله.

علما فرماتے ہیں:

مسلمان کو چاہئے کہ مجمع کفار پر ہو کر نہ گزرے کہ ان پر لعنت اترتی ہے اور ظاہر کہ ان کا میلہ صدہا کفر کے شعار اور شرک کی باتوں پر مشتمل ہوگا اور یہ ممانعت وازالۂ منکر پر قادر نہ ہوگا تو خواہی نخواہی گونگا، شیطان اور کافر کا تابعدار ہو کر مجمع کفار میں رہنا اور ان کے کفریات کو دیکھنا سننا مسلمان کی ذلت ہے۔[1]

سجدۂ تعظیمی

آج بہت سے لوگ مسلمانوں پر قبر پرستی کا بہتان لگاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ جاہل مسلمان قبروں کی چوما چاٹی کرنے لگتے ہیں، لیکن سجدہ نہیں کرتے اور اگر بالفرض سجدہ کریں بھی تو وہ زیادہ سے زیادہ تعظیمی ہوتا ہے جس کی وجہ سے مسلمان مشرک نہیں ہوتا، لہذا ان پر مشرک کا حکم لگانا صحیح نہیں لیکن جاہل مسلمانوں کو بھی اجتناب چاہیے۔

سنو! اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں:

مسلمان! اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عزجلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً بالاجماع شرک مہین وکفر مبین۔ اور سجدۂ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین۔ اور اس کے کفر ہونے میں اختلاف علمائے دین۔ ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول اور عندالتحقیق وہ کفر صوری پر محمول۔ کما سيأتي بتوفيق المولىٰ سبحنه وتعالى

ہاں! مثل صنم وصلیب وشمس وقمر کے لیے سجدے پر مطلقاً اکفار، کما في شرح المواقف وغيره من الأسفار. ان کے سوا مثل پیر و مزار کے لیے ہرگز ہرگز نہ جائز ومباح جیسا کہ زید کا ادعائے باطل نہ شرک حقیقی نامغفور جیسا کہ وہابیہ کا زعم عاطل۔ بلکہ حرام ہے۔ اور کبیرہ وفحشا۔ فيغفر لمن يشاء و يعذب من يشاء .

ابطال شرک کے لیے تو وہی واقعۂ حضرت آدم اور مشہور جمہور پر حضرت یوسف علیہما الصلوۃ والسلام بھی دلیل کافی ہیں۔ محال ہے کہ مولیٰ ملائکہ وانبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی مخلوق کو اپنا

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص: ۶۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

شریک کرنے کا حکم دے اگر چہ پھر اسے منسوخ بھی فرمائے اور محال ہے کہ ملائکہ وانبیا علیھم الصلاۃ والسلام میں سے کوئی کسی کو ایک آن کے لئے شریک خدا بنائے یا اسے روا ٹھہرائے۔ (۱)

تو قرآن عظیم نے ثابت فرمایا کہ سجدۂ تحیت ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ صحابۂ کرام نے حضور کو سجدۂ تحیت کی اجازت چاہی اس پر ارشاد ہوا کیا تمھیں کفر کا حکم دیں۔

معلوم ہوا کہ سجدۂ تحیت ایسی قبیح چیز، ایسا سخت حرام ہے جسے کفر سے تعبیر فرمایا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سجدۂ تحیت کا یہ حکم ہے پھر اوروں کا کیا ذکر۔ واللہ الهادی. (۲)

مسلمانوں کی ایذا رسانی کا حکم

سوال: جو شخص کسی عالم کی نسبت یا کسی دوسرے کی نسبت لفظ مردود کہے یا یوں کہے کہ وہ بیوقوف ہے کچھ نہیں جانتا۔ اس کی نسبت شرع کیا حکم دے گی۔ (ملخصا)

الجواب: بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا مسلمان کو ناحق ایذا دینا ہے۔ اور مسلمان کی ناحق ایذا شرعاً حرام۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من آذی مسلما فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله .

ترجمہ: جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (رواه الطبرانی فی الاوسط.)

پھر علماے دین متین کی شان تو نہایت ارفع واعلیٰ ہے۔ ان کی جناب میں گستاخی کرنے والے کو حدیث میں منافق فرمایا:

ثلثة لا یستخف بحقهم الا منافق. ذو الشیبة فی الاسلام وذو العلم وامام مقسط.

یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین شخص ہیں جن کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر منافق، ایک اسلام میں بڑھاپے والا دوسرا عالم تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔ رواه الطبرانی فی الکبیر.

ایسا شخص شرعاً لائق تعزیر ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم (۳)

(۱) الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ، ص:۵، کتب خانہ سمنانی، میرٹھ۔
(۲) الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ، ص:۱۰، کتب خانہ سمنانی، میرٹھ۔
(۳) فتاوی رضویہ، جلد پنجم، ص:۹۱۔۷، ۹۲۔۷، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔

فخر بالنسب کی رذالت

آج کل نسب پر فخر کا اظہار ایک عام بات ہو چکی ہے جس میں عوام تو در کنار بہت سے خواص بھی ملوث ہیں، حالاں کہ یہ سراسر خلاف شرع ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

شرع شریف میں شرافت قوم پر منحصر نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ.

ترجمہ: تم میں زیادہ مرتبے والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔ ہاں! دربارۂ نکاح اس کا ضرور اعتبار رکھا ہے۔ الخ(۱)

سوال: مومن کہنا تخصیص رکھتا ہے قومِ نورباف سے یا عام امتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے؟ دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص براہِ طعنہ قوم مذکور کی نسبت مومن کہے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

الجواب: الحمد للہ ہر مسلمان مومن ہے اور بعض بلاد ہند کے عرف میں اس قوم کو مومن کہنا شاید اس بنا پر ہو کہ یہ لوگ اکثر سلیم القلب حلیم الطبع ہوتے ہیں جن سے اور مسلمانوں کو آزار کم پہنچتا ہے، اور حدیث میں فرمایا کہ مومن وہ ہے جس کے ہمسایے اس کی ایذاؤں سے امان میں ہوں۔ المؤمن من أمن جاره بوائقه.

پھر یہ لفظ بطور طعن انہیں کہنا دوسری شناعت ہے ایک تو مسلمان کو اس کی نسبت یا پیشہ کے سبب حقیر جاننا دوسرے ایسے عظیم جلیل لفظ کو محل طعن میں استعمال کرنا، ایسے شخص کو چاہئے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنی زبان کی نگہداشت کرے۔

اللّٰهم اهدني والمسلمين إنك أنت أرحم الراحمين. اٰمين. واللہ تعالیٰ اعلم.(۲)

سوال: ایک شخص معزز باوقعت ہے اور علم بھی رکھتا ہے اور نیز روزہ نماز کا بھی پابند ہے، اس کی نسبت چند معزز اشخاص کا ایک ہندو حکام اعلیٰ کے روبرو جن کے نزدیک وہ شخص باوقعت سمجھا گیا یہ لفظ ایک توہین کے ساتھ کہنا کہ یہ شخص قوم کا جولاہا ہے یہ کہنا بروئے شرع شریف کیسا ہے؟

الجواب: اگر وہ شخص واقع میں قوم کا جولاہا نہیں تو کذب ہوا، افترا ہوا، مسلمان کی ناحق ایذا ہوئی،

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد پنجم، ص:۷۹۵، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔

(۲) فتاوی رضویہ، جلد پنجم، ص:۷۹۲، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔

کہنے والا متعدّد کبائر کا مرتکب ہوا، حق العبد میں گرفتار اور مستحق عذاب نار ہوا، اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور اس شخص سے اپنی خطا کی معافی چاہے۔

اور اگر واقع میں وہ شخص جولاہا تھا مگر اس کے اظہار میں اس وقت کوئی مصلحت شرعی نہ تھی صرف اس کی ایذاو تفضیح مقصود تھی جب بھی یہ شخص گنہگار ہوا، توبہ کرنا اور اس سے معافی چاہنا اب بھی فرض ہے۔

اور اگر اس کے اظہار میں کوئی مصلحت شرعی تھی اور بات واقعی تھی تو اس قائل پر کوئی الزام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم[1]۔

سوال: ایک شخص حافظ قرآن پاک ہے اور امامت جامع مسجد کی کرتا ہے اور پابندِ صوم و صلوٰۃ ہے زوجہ اس کی پردہ نشین ہے مگر قوم سے شخص مذکور قصاب ہے کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس کی طہارت و نماز صحیح ہے اور مذہب کا وہابی یا دیوبندی وغیرہ بے دین و بد دین نہیں سنّی صحیح العقیدہ ہے اور فاسق معلن نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی بیشک جائز ہے، قصاب ہونا کوئی مانع امامت نہیں، متعدّد اکابرِ دین نے یہ پیشہ کیا ہے۔[2]

سوال: دھوبی کے یہاں گیارہویں شریف کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دھوبی کے یہاں کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ دھوبی کے یہاں کا کھانا ناپاک ہے محض باطل ہے۔ الخ[3]

سوال: مسلمان حلال خور جو پنج وقتہ نماز پڑھتا ہو اس طرح پر کہ اپنے پیشہ سے فارغ ہو کر غسل کر کے طاہر کپڑے پہن کر مسجد میں جائے تو وہ شریک جماعت ہو سکتا ہے یا نہیں، اور اگر جماعت میں شریک ہو تو کیا پچھلی صف میں کھڑا ہو یا جہاں اس کو جگہ ملے یعنی اگلی صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے اور اس طرف بعد نماز صبح و بعد نماز جمعہ نمازی آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو کیا وہ بھی مسلمانوں سے مصافحہ اور مسجد کے لوٹوں سے وضو کر سکتا ہے؟

الجواب: بیشک شریک جماعت ہو سکتا ہے اور بیشک سب سے مل کر کھڑا ہوگا اور بے شک صف اول یا ثانی میں جہاں جگہ پائے گا قیام کرے گا۔

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص:۶۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۲) فتاوی رضویہ، جلد سوم، ص:۲۵۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۳) الملفوظ اول، ص:۱۰۔

کوئی شخص بلا وجہ شرعی کسی کو مسجد میں آنے یا جماعت میں ملنے یا پہلی صف میں شامل ہونے سے ہرگز نہیں روک سکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے: إن المسٰجد لله-

ترجمہ: بیشک مسجدیں خاص اللہ کے لیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: العباد عباد الله. بندے سب اللہ کے بندے ہیں۔

جب بندے سب اللہ کے، مسجدیں سب اللہ کی، تو پھر کوئی بندے کو مسجد کی کسی جگہ سے بے حکم الٰہی کیونکر روک سکتا ہے۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ”وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ“.

ترجمہ: اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں خدا کا نام لینے سے۔

اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ بادشاہ حقیقی عزجلالہ کا یہ عام دربار خاں صاحب، شیخ صاحب، مغل صاحب یا تجار، زمیندار، معافی دار ہی کے لیے ہے کم قوم یا ذلیل پیشہ والے نہ آنے پائیں۔

اور جو بندۂ خدا اللہ عزوجل کے احکام پر گردن رکھ کر اپنے نفس کو دبائے گا اور اس مزاحمت ونفرت سے بچے گا مجاہدۂ نفس و تواضع کا اللہ سے ثواب جلیل پائے گا۔

بھلا فرض کیجیے کہ ان مساجد سے تو ان مسلمانوں کو روک دیاوہ مظلوم بے چارے گھروں پر پڑھ لیں گے، سب میں افضل و اعلیٰ مسجد مسجد الحرام شریف سے انہیں کون روکے گا، اس مسلمان پر اگر حج فرض ہو تو کیا اسے حج سے روکیں گے اور خدا کے فرض سے باز رکھیں گے یا مسجد الحرام سے باہر کوئی نیا کعبہ اسے بنادیں گے کہ اس کا طواف کرے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشے۔ آمین۔ (۱)

نومسلم کا اعزاز

سوال: زید پہلے ٹھاکر تھا اب اپنے والدین و عیال و اطفال کو چھوڑ کر مشرف باسلام ہوگیا، زید کی خواہش ہے کہ نکاح کرے، زید کا کل خاندان اس سے برعکس ہے۔ زید مشرف باسلام ہونے کے بعد کس قوم سے شمار کیا جائے گا اگر شیخ تو کون سا شیخ کیونکہ شیخ بہت قسم کے ہیں۔ الخ (ملخصًا)

الجواب: مسلمان ہونے سے دونوں جہان کی عزت حاصل ہوتی ہے مگر مذہب کسی قوم کا نام نہیں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں جس قوم و قبیلہ کے لوگ اسلام لاتے بعد اسلام بھی اس قوم و قبیلہ کی طرف نسبت کیے جاتے۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، ص: ۳۴۶، ۳۴۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

ہندوانی قوموں میں چار قومیں شریف گنی جاتی ہیں ان میں چھتری یعنی ٹھاکر دوسرے نمبر پر ہے، ہندوستان میں اکثر سلطنت اسی قوم کی ہے، ولہذا انھیں راجپوت کہتے ہیں تو ہندی قوموں میں ان کا معزز ہونا ظاہر ہے اور ہماری شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے کہ: اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ۔ جب تمھارے پاس کسی قوم کا عزت دار آدمی آئے تو اس کی خاطر کرو۔

خالی آنے پر تو یہ حکم تھا اور جو بندۂ خدا بہ ہدایت الٰہی بالکل ٹوٹ کر ہم میں آملا ہم میں کا ہو گیا اس کا کس قدر اعزاز و اکرام اللہ سبحانہ کو پسند ہو گا، اسلام کی عزت کے برابر اور کیا عزت ہے، اس نے تو اسے چار چاند نہیں، بلکہ ہزار چاند لگا دیے۔

اگر کوئی چمار بھی مسلمان ہو تو مسلمان کے دین میں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے وہ ہمارا دینی بھائی ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انما المومنون اخوۃ.

اور فرماتا ہے: فاخوانکم فی الدین ۔ پھر جو کسی معزز قوم کا اسلام لائے اسے کیونکر حقیر سمجھا جائے۔ الخ(۱)

تعزیہ داری

سوال: تعزیہ بنانا سنت ہے جس کا یہ عقیدہ ہو یا قرآن شریف کی کسی آیت یا حدیث سے سند پکڑے ایسا شخص علمائے اہل سنت و جماعت کے نزدیک خارج از اسلام تو نہ سمجھا جائے گا اس پر کفر کا اطلاق جائز ہے یا نہیں اور یہ کیسے شروع ہوا اگر سامنے آجائے تو، بہ نظر تحقیر و تعظیم دیکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: وہ جاہل، خطاوار مجرم ہے مگر کافر نہ کہیں گے، تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض و روگردانی کریں۔ اس کی جانب دیکھنا ہی نہ چاہیے۔ اس کی ابتدا سنا جاتا ہے کہ امیر تیمور بادشاہ دہلی کے وقت سے ہوئی۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب(۲)

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد پنجم، ص: ۲۹۴ سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔

(۲) عرفان شریعت، اول۔

انتباہ: تفصیلات کی لیے امام احمد رضا قادری بریلوی کا اس موضوع سے متعلق یہ رسالہ مطالعہ فرمائیں۔ اعالی الإفادۃ فی تعزیۃ الھند و بیان الشھادۃ.

تعزیہ داری: تعزیہ داری کہ واقعات کربلا کے سلسلہ میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے اور ان کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ پاک کی شبیہ کہتے ہیں۔

کہیں تخت بنائے جاتے ہیں، کہیں ضریح بنتی ہے اور علم اور شدے نکالے جاتے ہیں، ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں، تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے، آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں، کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتیں ہیں، کہیں چبوترے کھودوائے جاتے ہیں، تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں، سونے چاندی کے عَلَم چڑھائے جاتے ہیں، ہار پھول ناریل چڑھاتے ہیں، وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں۔
تعزیوں کے اندر دو مصنوعی قبریں بناتے ہیں، ایک پر سبز غلاف اور دوسری پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں، سبز غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر یا شبیہ قبر بتاتے ہیں اور وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلواتے ہیں۔ یہ تصور کر کے کہ حضرت امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہہ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جا کر دفن کرتے ہیں گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے پھر تیجہ دسواں چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے۔
حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منہدی نکالتے ہیں گویا ان کی شادی ہو رہی ہے اور منہدی رچائی جائے گی اور اسی تعزیہ داری کے سلسلہ میں کوئی پیک بنتا ہے جس کے کمر سے گھنگرو بندھے ہوتے ہیں گویا یہ حضرت امام عالی مقام کا قاصد اور ہرکارہ ہے جو یہاں سے خط لے کر ابن زیاد یا یزید کے پاس جائے گا اور وہ ہرکاروں کی طرح بھاگا پھرتا ہے۔
کسی بچہ کو فقیر بنایا جاتا ہے اوس کے گلے میں جھولی ڈالتے اور گھر گھر اس سے بھیک منگواتے ہیں، کوئی سقہ بنایا جاتا ہے، چھوٹی سی مشک اس کے کندھے سے لٹکتی ہے گویا یہ دریائے فرات سے پانی بھر کر لائے گا، کسی علم پر مشک لٹکتی ہے اور اس میں تیر لگا ہوتا ہے، گویا یہ حضرت عباس علم دار ہیں کہ فُرات سے پانی لا رہے ہیں اور یزیدیوں نے مشک کو تیر سے چھید دیا ہے، اسی قسم کی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں یہ سب لغو خرافات ہیں ان سے ہرگز سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہیں۔
یہ تم خود غور کرو کہ انھوں نے اِحیائے دین و سنت کے لیے یہ زبردست قربانیاں کیں اور تم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنالیا۔
بعض جگہ اسی تعزیہ داری کے سلسلہ میں براق بنایا جاتا ہے جو عجب قسم کا مجسمہ ہوتا ہے کہ کچھ حصہ انسانی شکل کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ جانور کا سا۔ شاید یہ حضرت امام عالی مقام کی سواری کے لیے ایک جانور ہوگا۔ کہیں دلدل بنتا ہے، کہیں بڑی بڑی قبریں بنتی ہیں، بعض جگہ آدمی ریچھ، بندر، لنگور بنتے ہیں اور کودتے پھرتے ہیں جن کو اسلام تو اسلام انسانی تہذیب بھی جائز نہیں رکھتی ایسی بری حرکت، اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ افسوس کہ محبت اہلِ بیت کرام کا دعویٰ اور ایسی بے جا حرکتیں یہ واقعہ تمھارے لیے نصیحت تھا اور تم نے اس کو کھیل تماشا بنالیا۔
اسی سلسلے میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی ہوتی ہے، اتنے زور زور سے سینہ کوٹتے ہیں کہ ورم ہو جاتا ہے، سینہ سرخ ہو جاتا ہے بلکہ بعض جگہ زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں کہ سینے سے خون بہنے لگتا ہے۔ تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور تعزیہ جب گشت کو نکلتا ہے اس وقت بھی اس کے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے، مرثیہ میں غلط واقعات نظم کیے جاتے ہیں، اہل بیت کرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع فزع کا ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ اکثر مرثیے رافضیوں ہی کے ہیں، بعض میں تبرّا بھی ہوتا ہے۔

سوال: تعزیہ داری میں لہو ولعب سمجھ کر جائے تو کیسا ہے؟

الجواب: نہیں چاہیے۔ ناجائز کام میں جس طرح جان مال سے مدد کرے گا یونہی سواد بڑھا کر بھی مدد گار ہوگا۔ ناجائز بات کا تماشا دیکھنا بھی ناجائز ہے۔ بندر نچانا حرام ہے، اس کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔ دُرِّ مختار و حاشیہ علامہ طحطاوی میں ان مسائل کی تصریح ہے۔ آج کل لوگ ان سے غافل ہیں۔ متقی لوگ جن کو شریعت کی احتیاط ہے، ناواقفی سے ریچھ یا بندر کا تماشا یا مرغوں کی پالی (یعنی لڑائی) دیکھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس سے گنہگار ہوتے ہیں۔

حدیث میں ارشاد ہے کہ "اگر کوئی مجمع خیر کا ہو اور وہ نہ جانے پایا اور خبر ملنے پر اس نے افسوس کیا تو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا حاضرین کو اور اگر مجمع شر کا ہو اس نے اپنے نہ جانے پر افسوس کیا تو جو گناہ ان حاضرین پر ہوگا وہ اس پر بھی۔

ایک دوسری جگہ تعزیہ سے متعلق لکھتے ہیں:

"ہر جگہ نئی تراش نئی گھڑت - جسے اس اصل سے نہ کچھ علاقہ نہ نسبت - پھر کسی میں پریاں کسی میں براق، کسی میں اور بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ و دشت بدشت اشاعت غم کے لیے ان کا گشت، اور اس کے گرد سینہ زنی ماتم سازشی کی شور افگنی، حرام مرثیوں سے نوحہ کنی، عقل و نقل سے کٹی چھنی، کوئی ان کھپچیوں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے کوئی مشغول طواف کوئی سجدہ میں گرا ہے کوئی اس مایہ بدعات کو معاذاللہ جلوہ گاہ حضرت امام عالی مقام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے۔ عرضیاں باندھتا حاجت روا جانتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طُرہ ہیں،

(چند سطروں کے بعد) اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے، بجتے چلے۔ رنگ رنگ کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن فاسقانہ، یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ ڈھانچے بعینہا حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کے پاک جنازے ہیں: ع اے مومنو! اٹھاؤ جنازہ حسین کا

گاتے ہوئے مصنوعی کربلا پہنچے، وہاں کچھ نوچ اتار، باقی توڑ تاڑ دفن کر دیے، یہ ہر سال اضاعت

مگر اس رو میں سنّی بھی اسے بے تکلف پڑھ جاتے ہیں اور انھیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں، یہ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔ (بہار شریعت، حصہ شانزدہم، ص: ۲۴۷،۲۴۸)

مال کا جرم و وبال جداگانہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ صدقہ شہدائے کرام کربلا علیہم الرضوان والثناء کا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبہ دے آمین آمین۔

تعزیہ داری کہ اس طریقہ نا مرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ان خرافات کے شیوع نے اس اصل مشروع کو بھی اب محذور و محظور کر دیا کہ اس میں اہل بدعت سے مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے۔ وما یؤدی الی محظور محظور.[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

تعزیہ جس طرح رائج ہے نہ ایک بدعت، مجمع بدعات ہے نہ وہ روضہ مبارک کا نقشہ ہے اور ہو تو ماتم اور سینہ کوبی اور تاشے باجوں کے گشت اور خاک میں دبانا یہ کیا روضہ مبارک کی شان ہے اور پریوں اور براق کی تصویریں بھی شاید روضہ مبارکہ میں ہوں گی امام عالی مقام کی طرف اپنی ہوسات مخترعہ کی نسبت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین ہے کیا توہین امام قابل تعظیم ہے۔ کعبہ معظمہ میں زمانہ جاہلیت میں مشرکین نے سیدنا ابراہیم و سیدنا اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں بنائیں اور ہاتھ میں پانسے دیے تھے جن پر لعنت فرمائی اور ان تصویروں کو محو فرما دیا یہ تو انبیائے عظام کی طرف نسبت تھی کیا اس سے وہ ملعون پانسے معظم ہو گئے یا تصویریں قابل ابقا۔ اور اسے ضروری کہنا تو اور سخت ترافترائے اخبث ہے وہ بھی کس پر شرع مطہر پر، ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔

اور اس کے منکر کو یزید کہنا رفض پلید ہے تعزیہ میں کسی قسم کی امداد جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

طریقہ مذکورہ ضرور فسق واتباع روافض اور تعزیہ کو جائز سمجھنا فسق عقیدہ مگر انکار ضروریات دین نہیں کہ کافر ہو، نہ اس سے حنفیت زائل ہو کہ گناہ مزیل حنفیت ہو تو سوا اجلہ اکابر اولیا کے کوئی حنفی نہ ہو سکے۔ معتزلہ اصولاً بددین تھے اور فروعاً حنفی، جو قول باطل دوسرے کو کہا جائے اس کا وبال قائل پر آتا ہے بعینہ وہی قول پلٹنا مطلق نہیں کسی کو ناحق گدھا کہنے سے قائل گدھا نہ ہو جائے گا، یوں ہی کسی مسلمان سنی کو یزید کہنے والا یزید نہ ہو جائے گا بلکہ اس میں روافض کا پیرو۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی

(۱) بدر الانوار فی آداب الآثار، ص:۴۶ تا ۴۸، مطبوعہ مبارک پور۔

ہے اور اس سے بیعت ممنوع و ناقابل ابقا۔ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا گناہ ہے اور بانی دواعی پر اُن سب کے برابر۔ لا ینقص من اوزارھم شيء. واللہ تعالیٰ اعلم[1]

نشہ، بھنگ اور چرس کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ سوائے شراب کے بھنگ، افیون، تاڑی، چرس کوئی شخص اتنی مقدار میں پیے کہ اس سے نشہ نہ آئے وہ شخص حرام کا مرتکب ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: نشہ بذاتہ حرام ہے، نشہ کی چیزیں پینا جس سے نشہ بازوں کی مشابہت ہو اگرچہ نشہ تک نہ پہنچے یہ بھی گناہ ہے یہاں تک کہ علمانے تصریح فرمائی ہے کہ خالص پانی دورِ شراب کی طرح پینا بھی حرام ہے ہاں اگر دوا کے لئے کسی مرکب میں افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جز ڈالا جائے جس کا عقل پر اصلاً اثر نہ ہو حرج نہیں بلکہ افیون میں اس سے بھی بچنا چاہیے کہ اس خبیث کا اثر ہے کہ معدے میں سوراخ کر دیتی ہے جو افیون کے سوا کسی بلا سے نہیں بھرتے تو خواہی نخواہی بڑھانی پڑتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالی۔ واللہ تعالیٰ اعلم[2]

عورتوں کے لیے زیارت قبور

سوال: عورتوں کے واسطے زیارت قبور درست ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لعن اللہ زورات القبور.

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الافزوروھا.

علما کو اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت بعد نہی میں عورات بھی داخل ہوئیں یا نہیں، اصح یہ ہے کہ داخل ہیں کمافی البحر الرائق۔ مگر جوانیں ممنوع ہیں جیسے مساجد سے اور اگر تجدید حُزن مقصود ہو تو مطلقاً حرام۔

اقول: قبور اقربا پر خصوصاً بحال قُربِ عہد ممات تجدید حزن لازم نسا ہے اور مزارات اولیاء پر حاضری میں احدی الشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط ناجائز تو سبیل اطلاق منع ہے ولہذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا البتہ حاضری و خاک بوسی آستان عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اعظم

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص: ۱۷۴ تا ۲۷۴، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) احکام شریعت، حصہ دوم۔

المندوبات بلکہ قریب واجبات ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم [۱]

سوال: بزرگوں کے مزار پر عرُسوں میں یا اس کے علاوہ میں عورتیں جاتی ہیں یا ناپاکی کی حالت میں بھلائی کی طلب میں حاجت برآری کے لیے، اور وہاں ٹھہرتی ہیں اور ان کے لیے ٹھہرنے کے لیے وہی قبرستان ہے، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ باتیں بری ہیں تو اس بزرگ میں تصرف اور قوت اس کے روکنے کی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہا جاتا ہے کہ دربار بزرگان میں آنے والے ان کے مہمان ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگ لوگ اپنے مزار سے تصرف نہیں کرسکتے اور یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر وہ تصرف کرسکتے تو وہاں رنڈیاں گاتی ہیں، ناچتی ہیں، بجاتی ہیں، عورتیں غیر محرم رہتی ہیں، ان کے بچے پیشاب وغیرہ کرتے ہیں تو کیوں نہیں روکتے، یہ کہنا اور ان لوگوں کی یہ دلیل صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کا کیا جواب؟

الجواب: عورتوں کو مقابر اولیاء و مزارات عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ اولیاے کرام کا مزارات سے تصرف کرنا بیشک حق ہے۔ اور وہ بیہودہ دلیل محض باطل ہے۔ اصحاب مزارات دارِ تکلیف میں نہیں وہ اس وقت محض احکامِ تکوینیہ کے تابع ہیں، سیکڑوں ناحفاظیاں لوگ مسجدوں میں کرتے ہیں اللہ عزوجل تو قادر مطلق ہے کیوں نہیں روکتا؟ حاضرانِ مزار مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ مہمان ہیں۔ [۲]

عورت اور پردہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) عورات کو اس مکان میں جہاں محارم و غیر محارم مرد اور عورتیں ہوں جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) جس گھر میں نامحرم مرد و عورات ہیں وہاں عورت کو کسی تقریب یا شادی یا غمی میں برقعہ کے ساتھ جانا اور شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جس مکان کا مالک نامحرم ہے لیکن اس جلسۂ عورات میں نہیں ہے اور اس کا سامنا بھی نہیں ہوتا ہے مگر مالک مکان کی جورو اس عورت کی محرم ہے تو اس کو وہاں جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایسے گھر میں جس کے مالک تو نامحرم ہیں۔ مگر اس گھر میں کوئی عورت بھی اس عورت کی محرم نہیں ہے تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص: ۱۶۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) احکام شریعت، دوم، ص: ۱۸۔

(۵) ایسے گھر میں کہ جس کا مالک نامحرم ہے۔ مگر وہاں ایک عورت اس عورت کی محرم ہے۔ اور جو عورت محرم ہے وہ مالک مکان کی نامحرم ہے۔ تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں ؟

(٦) ایسے گھر میں جہاں مالک تو نامحرم ہے مگر اس گھر میں عورات اس عورت کی محرم ہیں اور مالک جو نامحرم ہے وہ گھر میں جہاں جلسۂ عورات ہے آتا نہیں ہے تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۷) جس گھر کا مالک تو نامحرم ہے اور گھر میں آتا نہیں اور عورات بھی اس گھر کی نامحرم ہیں تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۸) جس گھر کا مالک محرم ہے اور لوگ نامحرم ہیں تو جانا جائز ہے یا ناجائز ہے ؟

(۹) جس گھر میں مالک نامحرم ہے مگر دوسرے شخص محرم ہیں حالانکہ سامنا نامحرموں سے نہیں ہوتا تو اس عورت کا جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۱۰) جس گھر کے دو مالک ہیں ایک اس عورت کا خاوند اور دوسرا نامحرم ہے تو اس گھر میں جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۱۱) جس گھر میں عام محفل ہے جہاں مذکور الصدر سب اقسام موجود ہیں اور عورات پردہ نشین و غیر پردہ نشین دونوں قسم کی موجود ہیں اور مرد بھی محارم اور غیر محارم ہیں مگر یہ عورت نامحرم مرد سے چادر وغیرہ سے پردہ کیے ان عورتوں میں بیٹھ سکتی ہے تو ایسی حالت میں جانا جائز ہے یا ناجائز ہے ؟

(۱۲) جس گھر میں ایسی تقریب ہو رہی ہے جس میں منہیات شرعیہ ہو رہے ہیں اس میں کسی مرد یا عورت کو اس طرح سے جانا کہ وہ علیحدہ ایک گوشہ میں بیٹھے جہاں مواجہہ تو اس کی شرکت میں نہیں ہے مگر آواز وغیرہ آ رہی ہے گو اس آواز وغیرہ ناجائز امور سے اسے حظ بھی نہیں ہے اور نہ متوجہ اس طرف ہے تو جانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۱۳) جس گھر میں مالک وغیرہ نامحرم مگر اس عورت کے ساتھ محارم عورات بھی ہیں گو اس گھر کے لوگ ان عورات کے نامحرم ہیں تو اس کو جانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۱۴) شقوق مذکور الصدر میں سے جو شقوق ناجائز ہیں ان میں سے کسی شق میں عورت کو شوہر کا اتباع جائز ہے یا نہیں ؟

(۱۵) مرد کو اپنی بی بی کو ایسی مجالس و محافل میں شرکت سے منع کرنے اور نہ کرنے کا کیا حکم ہے اور عورت پر اتباع و عدم اتباع سے کس درجہ نافرمانی کا اطلاق اور کیا اثر ہو گا اور مرد کو شریک ہونے اور نہ

ہونے کا کیا حکم ہے؟

(۱۶) جس مکان میں مجمع عورات محارم و غیر محارم کا ہو اور عورات محارم و نامحارم ایک طرف خاص پردہ میں باہم مجتمع ہوں اور مجمع مردوں کا بھی ہر قسم کے اسی مکان میں عورات سے علیحدہ ہو لیکن آواز نامحرم مردوں کی عورات سنتی ہیں اور ایسے مکان میں مجلس وعظ یا ذکر شریف نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام منعقد ہے تو ایسے جلسہ میں اپنے محارم کو بھیجنا یا نہ بھیجنا کیا حکم ہے اور نہ بھیجنے سے کیا محظور شرعی لازم ہوتا ہے اور انعقاد ایسی مجالس کا اپنے زنانہ مکانات میں کیسا ہے اور اس ذاکر یا واعظ کو اپنے محارم یا غیر محارم کے ایسے مکان میں جانا چاہئے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا عنداللہ الوھاب

مقصود سائل عورات محارم سے وہ قرابت دار ہیں جن کے مرد فرض کرنے سے نکاح جائز نہ ہو۔

بینوا توجروا

الجواب: صور جزئیہ کے عرض جواب سے پہلے چند اصول و فوائد ملحوظ خاطر عاطر رہیں کہ بعونہ عزمجدہ شقوق مذکورہ و غیر مزبورہ سب کا بیان مبین اور فہم حکم کے مؤید و معین ہوں و باللہ التوفیق۔

اول: اصل کلی یہ ہے کہ عورت کا اپنے محارم رجال خواہ نسا کے پاس ان کے یہاں عیادت یا تعزیت یا اور کسی مندوب یا مباح دینی یا دنیوی حاجت یا صرف ملنے کے لئے جانا مطلقا جائز ہے جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو مثلا بے ستری نہ ہو، مجمع فساق نہ ہو۔ تقریب ممنوع شرعی نہ ہو، ناچ یا گانے کی محفل نہ ہو، زنان فواحش و بے باک کی صحبت نہ ہو، چوبے شربت کے شیطانی گیت نہ ہوں۔ سمدھنوں کی گالیاں سننا سنانا نہ ہو، نامحرم دولھا کو دیکھنا دکھانا نہ ہو، رتجگے وغیرہ میں ڈھول بجانا گانا نہ ہو۔

دوم: اجانب کے یہاں جہاں کے مردوزن سب اس کے نامحرم ہوں شادی، غمی، زیارت، عیادت ان کی کسی تقریب میں جانے کی اجازت نہیں اگرچہ شوہر کے اذن سے، اگر اذن دے گا خود بھی گنہگار ہوگا سوا چند صور مفصلہ ذیل کے۔ اور ان میں بھی حتی الوسع تستر و تحرز اور فتنہ سے تحفظ فرض۔

سوم: کسی کے مکان سے مراد اس کا مکان سکونت ہے نہ مکان ملک مثلا اجنبی کے مکان میں بھائی کرایہ پر رہتا ہے جانا جائز، بھائی کے مکان میں اجنبی عاریۃً ساکن ہے جانا ناجائز۔

چہارم: محارم میں مردوں سے مراد وہ ہیں جن سے بوجہ علاقۂ جزئیت ہمیشہ ہمیشہ کو نکاح حرام کہ کسی صورت سے حلت نہیں ہو سکتی۔ نہ بہنوئی یا پھوپھا یا خالو کہ بہن پھوپھی خالہ کے بعد ان سے نکاح ممکن۔ علاقہ جزئیت رضاع و مصاہرت کو بھی عام مگر زنان جوان خصوصا حسینوں کو بلا ضرورت ان سے

احتراز ہی چاہئے۔ اور برعکس رواج عوام بیاہیوں کو کنواریوں سے زیادہ کہ ان میں نہ وہ حیا ہوتی ہے، نہ اتنا خوف، نہ اس قدر لحاظ اور نہ ان کا وہ رعب، نہ عامہ محافظین کو اس درجہ ان کی نگہداشت اور ذوق چشیدہ کی رغبت انجان نادان سے کہیں زائد، لیس الخبر کالمعاینۃ. تو ان میں موانع ہلکے اور مقتضی بھاری اور صلاح وتقوٰی پر اعتماد سخت غلط کاری، مرد خود اپنے نفس پر اعتماد نہیں کر سکتا اور کرے تو جھوٹا۔ اذ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ نہ کہ عورت جو عقل و دین میں اس سے آدھی اور رغبت نفسانی میں سو گنی۔ ہر مرد کے ساتھ ایک شیطان اور ہر عورت کے ساتھ دو۔ ایک آگے اور ایک پیچھے، تقبل شیطان وتدبر شیطان. والعیاذ باللہ العزیز الرحمٰن. اللھم انی اسألك العفو والعافیۃ فی الدین والدنیا والاٰخرۃ لی وللمؤمنین وللمؤمنات جمیعا، اٰمین.

پنجم: محرم عورتوں سے وہ مراد کہ دونوں میں جسے مرد فرض کیجئے نکاح حرام ابدی ہو۔ ایک جانب سے جریان کافی نہیں مثلاً ساس بہو تو باہم نامحرم ہی ہیں کہ ان میں جسے مرد فرض کریں دوسرے سے بیگانہ ہے سوتیلی ماں بیٹیاں بھی آپس میں محرم نہیں کہ اگر بیٹی کو مرد فرض کرنے سے حرمت ابدیہ ہے کہ وہ اس کے باپ کی مدخولہ ہے مگر ماں کو مرد فرض کرنے سے محض بیگانگی کہ اب وہ اس کے باپ کی کوئی نہیں۔

ششم: رہے وہ مواضع جو محارم واجانب کسی کے مکان نہیں اگر وہاں تنہائی و خلوت ہے تو شوہر یا محرم کے ساتھ جانا ایسا ہی ہے جیسے اپنے مکان میں شوہر و محارم کے ساتھ رہنا اور مکان قید و حفاظت ہے کہ ستر و تحفظ پر اطمینان حاصل اور اندیشہائے فتنہ یکسر زائل۔ تو یوں بھی حرج نہیں۔ اس قید کے بعد استثنائے یک روزہ راہ کی حاجت نہیں کہ بے معیت شوہر یا محرم عاقل بالغ قابل اعتماد حرام ہے اگرچہ محل خالی کی طرف۔ وجہ یہ ہے کہ عورت کا تنہا مقام دور کو جانا اندیشہ فتنہ سے عاری نہیں، تو وہی قید اس کے اخراج کو کافی، اور اگر مجمع محل جلوت ہے تو بے حاجت شرعی اجازت نہیں خصوصًا جہاں فضولیات وبطالات وخطیئات وجہالات کا جلسہ ہو۔ جیسے سیر تماشے، باجے تاشے، ندیوں کے پن گھٹ، ناؤ چڑھانے کے جمگھٹ، بے نظیر کے میلے، پھول والوں کے جھمیلے، نوچندی کی بلائیں، مصنوعی کربلائیں، علم تعزیوں کے کاوے، تخت جریدوں کے دھاوے، حسین آباد کے جلوے، عباسی درگاہ کے بلوے، ایسے مواقع مردوں کے جانے کے بھی نہیں، نہ کہ یہ نازک شیشیاں جنھیں صحیح حدیث میں ارشاد ہوا: رو یدك انجشہ رفقا بالقواریر. اور محل حاجت میں جس کی صورتیں مذکور ہوں گی بشرط تستر وتحفظ و تحرز فتنہ اجازت یک روزہ راہ بلکہ نزد تحقیق مناط اس سے کم میں بھی محافظ مذکور کی حاجت۔

ہفتم: یہ اور وہ سب یعنی مکان غیر و غیر مکان میں جانا بشرائط مذکورہ جائز ہونے کی نو صورتیں ہیں:

(۱) قابلہ (۲) غاسلہ (۳) نازلہ (۴) مریضہ (۵) مضطرہ (۶) حاجہ (۷) مجاہدہ (۸) مسافرہ (۹) کاسبہ۔

قابلہ: یہ کہ کسی عورت کو درد زہ ہو یہ دائی ہے۔

غاسلہ: جب کوئی عورت مرے یہ نہلانے والی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اگر شوہر دار ہے تو اذن شوہر ضرور جبکہ مہر معجل نہ ہو یا تھا تو پا چکی۔

نازلہ: جب اسے کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئے اور خود عالم کے یہاں جائے بغیر کام نہیں نکل سکتا۔

مریضہ: کہ طبیب کو بلا نہیں سکتی نبض کو دکھانے کی ضرورت ہے اسی طرح زچہ و مریضہ کا علاجاً حمام کو جانا جبکہ وہاں کسی طرف سے کشف عورت اور بند مکان میں گرم پانی سے گھر میں نہانا کفایت نہ ہو۔

مضطرہ: کہ مکان میں آگ لگی یا گرا پڑتا ہے یا چور گھس آئے یا درندہ آتا ہے غرض ایسی کوئی حالت واقع ہوئی کہ حفظ دین یا ناموس یا جان کے لئے گھر چھوڑ کر کسی جائے امن وامان میں جائے بغیر چارہ نہیں اور عضو شق نفس اور مال اس کا شقیق ہے۔

حاجہ: ظاہر ہے اور زائرہ اس میں داخل کہ زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تتمہ حج بلکہ متممہ حج ہے۔

مجاھدہ: جب عیاذا باللہ عیاذا باللہ عیاذا باللہ اسلام کو حاجت اور بحکم امام نفیر عام کی نوبت ہو فرض ہے کہ ہر غلام بے اذن مولی، ہر پسر بے اذن والدین، ہر پردہ نشین بے اذن شوہر، جہاد کو نکلے جبکہ استطاعت جہاد و سلاح وزاد ہو۔

مسافرہ: جو عورت سفر جائز کو جائے مثلاً والدین مدت سفر پر ہیں یا شوہر نے کہ دور نوکر ہے اپنے پاس بلایا اور محرم ساتھ ہے تو منزلوں پر سرائے وغیرہ میں اترنے سے چارہ نہیں۔

کاسبہ: عورت بے شوہر ہے یا شوہر بے جوہر کہ خبر گیری نہیں کرتا۔ نہ اپنے پاس کچھ کہ دن کاٹے، نہ اقارب کو توفیق یا استطاعت، نہ بیت المال منتظم، نہ گھر بیٹھے دستکاری پر قدرت، نہ محارم کے یہاں ذریعہ خدمت، نہ بحال بے شوہری کسی کو اس سے نکاح کی رغبت۔ تو جائز ہے کہ بشرط تحفظ و تحرز اجانب کے یہاں جائز وسیلۂ رزق پیدا کرے جس میں کسی مرد سے خلوت نہ ہو حتی الامکان وہاں ایسا کام لے جو اپنے گھر آکر کرلے جیسے سینا پینا، ورنہ اس گھر میں نوکری کرلے جس میں صرف عورتیں ہوں یا نابالغ بچے، ورنہ جہاں کا مرد متقی پرہیزگار ہو اور ساٹھ ستر برس کی پیرزال بدشکل کریہ المنظر کو خلوت میں بھی مضائقہ نہیں۔

تنبیہ: ان کے سوا تین صورتیں اور بھی ہیں: شاہدہ، طالبہ، مطلوبہ۔

شاہدہ: وہ جس کے پاس کسی حق اللہ مثل رویت ہلال رمضان و سماع طلاق وعتق وغیرہا میں شہادت ہو اور ثبوت اس کی گواہی وحاضری دار القضا پر موقوف خواہ بشرط مذکور کسی حق العبد مثل عتق غلام و نکاح و معاملات مالیہ کی گواہی اور مدعی اس سے طالب اور قاضی عادل اور قبول مامول اور دن کے دن گواہی دے کر واپس آسکے۔

طالبہ: جب اس کا کسی پر حق آتا ہو اور بے جائے دعویٰ نہیں ہو سکتا۔

مطلوبہ:-جب اس پر کسی نے غلط دعویٰ کیا اور جواب دہی میں جانا ضرور۔

یہ صورتیں بھی علما نے شمار فرمائیں۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ پردہ نشینوں کو ان کی حاجت نہیں کہ ان کی طرف سے وکالت مقبول اور حاکم شرع کا خود آکر یا نائب بھیج کر ان سے شہادت لینا معمول۔ یہ بیان کافی وصافی، بحمد اللہ تعالیٰ تمام صور کو حاوی ووافی، بعونہٖ تعالیٰ اب جواب جزئیات ملاحظہ ہو۔

جواب(۱): وہ مکان محارم ہے یا مکان غیر یا غیر مکان اور وہاں جانے کی طرف حاجت شرعیہ داعی یا نہیں سب صور کا مفصل بیان مع شرائط و مستثنیات گزرا۔

جواب(۲): اگر یہ مراد کہ نامحرم بھی ہیں تو وہی سوال اول ہے اور اگر یہ مقصود کہ نامحرم ہی ہیں تو جواب ناجائز مگر بصور استثناء۔

جواب(۳): زن محرم کے یہاں اس کی زیارت، عیادت، تعزیت کسی شرعی حاجت کے لیے جانا بشرائط مذکورہ اصل اول جائز مگر کتب معتمدہ مثل مجموع النوازل و خلاصہ و فتح القدیر و بحر الرائق و اشباہ و غمز العیون و طریقہ محمدیہ و در مختار و ابو السعود و شرنبلالیہ و ہندیہ وغیرہ میں ظاہر کلمات ائمہ کرام شادیوں میں جانے سے مطلقا ممانعت ہے اگرچہ محارم کے یہاں علامہ احمد طحطاوی نے اسی پر جزم اور علامہ مصطفی رحمتی و علامہ شامی نے اسی کا استظہار کیا اور یہی مقتضی ہے حدیث عبد اللہ بن عمرو و حدیث خولہ بنت الیمان و حدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا، فلتنظر نفس ما ذا تری، اور اگر شادیاں ان فواحش و منکرات پر مشتمل ہوں جن کی طرف ہم نے اصل اول میں اشارہ کیا تو منع یقینی ہے اور شوہر دار کو تو شوہر بہر حال اس سے روک سکتا ہے جبکہ مہر معجل سے کچھ باقی نہ ہو۔

جواب(۴): نہ مگر باستثنائے مذکور۔

جواب(۵): وہ مکان اگر اس زن محرم کا مسکن ہے تو اس کے پاس جانا تفصیل مذکور جواب

سوم پر ہے ورنہ یوں کہ نامحرموں کے یہاں دو بہنیں جائیں کہ وہاں ہر ایک دوسرے کی محرم ہوگی اجازت نہیں کہ ممنوع و ممنوع مل کر نا ممنوع نہ ہوں گے۔

جواب (۶): اگر وہ مکان ان زنان محارم کا ہے تو جواب جواب سوم ہے کہ گزرا، ورنہ جواب ہفتم کہ آتا ہے۔

جواب (۷): اللھم انی اعوذبك من الفتن والآفات وعوار العورات

یہ مسئلہ مکان اجانب میں زنان اجنبیہ کے پاس عورتوں کے جانے کا ہے علمائے کرام نے مواضع استثنا ذکر کرکے فرمایا: الا فیما عداذلك وان اذن کانا عاصیین. نہ ان کے ماورا میں اور اگر شوہر اذن دے تو وہ بھی گنہ گار۔ اس نفی کا عموم سب کو شامل پھر ان مواضع میں ماں کے پاس جانا بھی شمار فرمایا اور دیگر محارم کے پاس بھی، اور اس کی مثال خانیہ وغیرہا میں خالہ و عمہ و خواہر سے دی، نیز علما نے قابلہ وغاسلہ کا استثنا کیا اور پھر ظاہر کہ وہ نہ جائیں گی مگر عورات کے پاس اگر زنان اجنبیہ کے پاس جانا مواضع استثنا سے مخصوص نہ ہوتا تو استثنا میں مادر و خالہ و خواہر و عمہ و قابلہ وغاسلہ کے ذکر کے کوئی معنی نہ تھے۔

احادیث ثلثہ مشار الیہا میں ارشاد ہوا عورتوں کے اجتماع میں خیر نہیں حدیثین اولین میں اس کی علت فرمائی کہ وہ جب اکٹھی ہوتی ہیں بیہودہ باتیں کرتی ہیں ۳۔ حدیث ثالث میں فرمایا ان کے جمع ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے صیقل گرنے لوہا تپایا جب آگ ہوگیا کوٹنا شروع کیا جس چیز پر اس کا پھول پڑا جلادی۔ رواھن جمیعا الطبرانی فی الکبیر۔

عورتیں کہ بوجہ نقصان عقل و دین سنگدل اور امر حق سے کم منفعل ہیں ولذا لم یکمل منھن الا قلیل۔ لوہے سے تشبیہ دی گئی اور نار شہوات و خلاعات کہ ان میں رجال سے سو حصہ زائد مشتعل لوہار کی بھٹی اور ان کا محلے بالطبع ہوکر اجتماع لوہے اور ہتھوڑے کی صحبت، اب جو چنگاریاں اڑیں گی دین، ناموس، حیا، غیرت، جس پر پڑیں گی صاف پھونک دیں گی، سلمٰی پارسا ہے ہاں پارسا ہے وبارک اللہ۔ مگر جان برادر! کیا پارسائیں معصوم ہوتی ہیں کیا صحبت بد میں اثر نہیں جب قیّموں سے جدا خود سرو آزاد ایک مکان میں جمع اور قیّموں کے آنے دیکھنے سے بھی اطمینان حاصل فانما خلقت من ضلع اعوج۔ کج سے بنی کج ہی چلے گی آپ نادان ہے تو شدہ شدہ سیکھ کر رنگ بدلے گی جسے تثقیف زنان کی پروا نہیں یا حالات زماں سے آگاہ نہیں اول ظالم کا تو نام نہ لیجیے اور ثانی صالح سے گزارش کیجیے

ع   معذور دار مت کہ تو او را ندیدۂ

مجمع زنان کی شناعات وہ ہیں کہ لا ینبغی ان تذکر فضلا ان تسطر جسے ان نازک "شیشیوں" کو صدمے سے بچانا ہو تو راہ یہی ہے کہ شیشیاں شیشیاں بھی بے حاجت شرعیہ نہ ملنے پائیں کہ آپس میں مل کر بھی ٹھیس کھا جاتی ہیں حاجات شرعیہ وہی جو علماے کرام نے استثنا فرمادیں، غرض احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہلکا نہیں کہ اجتماع نسا میں خیر و صلاح نہیں۔ آیندہ اختیار بدست مختار۔

جواب (۸ ، ۹): ان دونوں سوالوں کا جواب بعد ملاحظہ اصل سوم و جوابات سابقہ ظاہر کہ بعد اسقاط اعتبار ملک و لحاظ سکونت یہ ان سے جدا کوئی صورت نہیں۔

جواب (۱۰): ملک کا حال وہی ہے جو اوپر گزرا، اور شوہر کے پاس جانا مطلقا جائز جب کہ ستر حاصل اور تحفظ کامل اور ہر گونہ اندیشۂ فتنہ زائل اور موقع غیر موقع ممنوع و باطل ہو۔ اور شوہر جس مکان میں رہے اگر چہ ملک مشترک بلکہ غیر کی ملک ہو اس کے پاس رہنے کی بھی بشرائط معلومہ مطلقا اجازت بلکہ جب نہ مہر معجل کا تقاضا نہ مکان مغصوب ہونے کے باعث دین یا جان کا ضرر ہو اور شوہر شرائط سکناے واجبہ مذکورۂ فقہ بجا لایا ہو تو واجب۔ انھیں شرائط سے واضح ہوگا کہ مسکن میں اوروں کی شرکت، سکونت کہاں تک تحمل کی جاسکتی ہے؟ اتنا ضروری ہے کہ عورت کو ضرر دینا بنص قطعی قرآن عظیم حرام ہے۔ اور شک نہیں کہ اجنبی مرد تو مرد ہیں سوتن کی شرکت بھی ضرر رساں، اور جہاں ساس، نند، دیورانی، جٹھانی سے ایذا ہو تو ان سے بھی جدا رکھنا حق زنان۔ والتفصیل فی ردالمحتار.

جواب (۱۱): یہ تقریبا وہی سوال ہے محارم کے یہاں بشرائط جائز، جواب سوم بھی ملحوظ رہے ورنہ خدا کے گھر یعنی مساجد سے بہتر عام محفل کہاں ہوگی۔ اور ستر بھی کیسا کہ مردوں کی ادھر ایسی پیٹھ کہ منہ نہیں کرسکتے اور انھیں حکم کہ بعد سلام جب تک عورتیں نہ نکل جائیں نہ اٹھو مگر علما نے اولا کچھ تخصیصیں کیں جب زمانہ فتن کا آیا مطلقا ناجائز فرمادیا۔

جواب (۱۲): اگر جانے کہ میں اس حالت میں جانے سے انکار کروں تو انھیں منہیات کا چھوڑنا پڑے گا تو جب تک ترک نہ کریں جانا ناجائز اور جانے کہ میں جاؤں تو میرے سامنے منہیات نہ کر سکیں گے تو جانا واجب۔ جبکہ خود اس جانے میں منکر کا ارتکاب نہ ہو اور اگر نہ یہ نہ وہ تو محل عار و طعن و بدگوئی و بدگمانی سے احتراز لازم، خصوصا مقتدا کو، ورنہ بشرائط معلومہ جبکہ حالت مذکورہ سوال ہو کہ اسے نہ حظ نہ توجہ، اگر چہ تحریم نہیں مگر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ شہنائی کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں دیں اور یہی فعل حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کیا اس سے احتراز کی طرف داعی خصوصا نازک دل

عورتوں کے لئے حدیث انجشہ ابھی گزری اور صلاح پر اعتماد نری غلطی

ع بسا کیں آفت از آواز خیزد

ع حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے۔

جواب (۱۳): جواب پنجم ملاحظہ ہو، عورت کا عورت کے ساتھ ہونا زیادت عورت ہے نہ حفاظت کی صورت۔ سونے پر سونا جتنا بڑھاتے جائیے محافظ کی ضرورت ہوگی نہ کہ ایک توڑا دوسرے کی نگہداشت کرے۔

جواب (۱۴): گناہ میں کسی کا اتباع نہیں ہاں وہ صورتیں جہاں منع صرف حق شوہر کے لیے ہے جیسے مہر معجل نہ رکھنے والی کا ہفتے کے اندر والدین یا سال کے اندر دیگر محارم کے یہاں جانا وہاں شب باش ہونا یہ اجازت شوہر سے جائز ہو جائے گا۔ والا فلا۔

جواب (۱۵): الرجال قوامون علی النساء۔ مرد کو لازم کہ اپنی اہلیہ کو حتی المقدور مناہی سے روکے۔ یایھاالذین اٰمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا- عورت بحال نافرمانی دُہری گناہگار ہوگی۔ ایک گناہ شرع، دوسرے گناہ نافرمانی شوہر، اس سے زیادہ اثر جو عوام میں مشتہر کہ بے اذن جائے تو نکاح سے جائے غلط اور باطل۔ مگر جب کہ شوہر نے ایسے جانے پر طلاق بائن معلق کی ہو، مرد ہر مجلس خالی عن المنکرات میں شریک ہو سکتا ہے اور نہی عن المنکر کے لئے مجالس منکرہ میں بھی جانا ممکن جبکہ مثیر فتنہ نہ ہو، والفتنة اکبر من القتل. مگر تجسس واتباع عورات و دخول دار غیر بے اذن کی اجازت نہیں۔

جواب (۱۶): عورتوں کے لئے محرم عورت کے معنی اصل پنجم میں گزرے اور نہ بھیجنے میں اصلا محذور شرعی نہیں اگر چہ مجلس محارم زن کے یہاں ہو بلکہ اگر واعظ اکثر واعظان زمانہ کی طرح کہ جاہل وناعاقل و بے باک و ناقابل ہوتے ہیں، مبلغ علم کچھ اشعار خوانی یا بے سروپا کہانی یا تفسیر مصنوع یا تحدیث موضوع، نہ عقائد کا پاس نہ مسائل کا احتفاظ۔ نہ خدا سے شرم نہ رسول کا لحاظ، غایت مقصود پسند عوام اور نہایت مراد جمع حطام۔ یا ذاکر ایسے ہی ذاکرین غافلین مبطلین جاہلین سے کہ رسائل پڑھیں تو جہال مغرور کے۔ اشعار گائیں تو شعرا بے شعور کے، انبیا کی توہین، خدا پر اتہام اور نعت و منقبت کا نام بدنام، جب تو جانا بھی گناہ، بھیجنا بھی حرام۔ اور اپنے یہاں انعقاد مجمع آثام، آج کل اکثر مواعظ و مجالس عوام کا یہی حال پر ملال۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون.

اسی طرح اگر عادت نسا سے معلوم یا مظنون کہ بنام مجلس وعظ و ذکر اقدس جائیں اور سنیں نہ سنائیں بلکہ

عین وقت ذکر اپنی کچریاں پکائیں جیسا کہ غالب احوال زنان زماں، تو بھی ممانعت ہی سبیل ہے کہ اب یہ جانا اگر چہ بنام خیر مگر مروجہ غیر ہے۔ ذکر و تذکیر کے وقت لغو لفظ شرعا ممنوع و غلط، اور اگر ان سب مفاسد سے خالی ہو اور وہ قلیل و نادر ہے تو محارم کے یہاں بشرائط معلومہ بھیجنے میں حرج نہیں۔

اور غیر محارم یعنی مکان غیر یا غیر مکان میں بھیجنا اگر کسی طرح احتمال فتنہ یا منکر کا مظنہ یا وعظ و ذکر سے پہلے پہنچ کر اپنی مجلس جمانا یا بعد ختم اسی مجمع زنان کا رنگ منانا ہو تو بھی نہ بھیجے کہ منکر و نا منکر مل کر منکر۔

اور بلحاظ تقریر جواب سوم و ہفتم یہ شرائط عام تر، اور اگر فرض کیجئے کہ واعظ و ذاکر عالم، سنی، متدین، ماہر اور عورتیں جاکر حسب آداب شرع بحضور قلب سمع میں مشغول رہیں اور حال مجلس و سابق و لاحق و ذہاب و ایاب بلکہ جملہ اوقات میں جمیع منکرات و شنائع مالوفہ و غیر مالوفہ معروفہ و غیر معروفہ سب سے تحفظ تام و تحرز تمام پر اطمینان کافی و وافی ہو اور سبحان اللہ کہاں تحرز اور کہاں اطمینان تو محارم کے یہاں بھیجنے میں اصلا حرج نہیں ہے۔

وجیز کردری میں فرمایا: عورت کا وعظ سننے کو جانا لا باس بہ ہے۔ جس کا حاصل کراہت تنزیہی۔ امام فخر الاسلام نے فرمایا: وعظ کی طرف عورت کا خروج مطلقا مکروہ ہے جس کا اطلاق مفید کراہت تحریمی۔

اور انصاف کیجیے تو عورت کا بستر کامل و حفظ شامل اپنے گھر کے پاس مسجد میں صلحا محارم کے ساتھ تکبیر کے وقت جاکر نماز میں شریک ہونا اور سلام ہوتے ہی دو قدم رکھ کر گھر میں جانا ہرگز فتنہ کی گنجائشوں توسیعوں کا ویسا ہی احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ غیر محلہ غیر جگہ بے معیت محرم مکان اجانب واحاطہ مقبوضہ اباعد میں جاکر مجمع ناقصات العقل والدین کے ساتھ مخلّٰی بالطبع ہونا پھر اسے علما نے بلحاظ زمان مطلقا منع فرما دیا باآنکہ صحیح حدیثوں میں اس سے ممانعت کی ممانعت موجود اور حاضریِ عیدین پر تو یہاں تک تاکید اکید کہ حیض والیاں بھی نکلیں۔ اگر چادر نہ رکھتی ہوں دوسری اپنی چادروں میں شریک کر لیں، مصلے سے الگ بیٹھیں خیر و دعائے مسلمین کی برکت لیں تو یہ صورت اولی بالمنع ہے۔ شرع مطہر فقط فتنہ ہی سے منع نہیں فرماتی بلکہ کلیۃً اس کا سد باب کرتی اور حیلہ و وسیلۂ شر کے یکسر پر کترتی ہے۔

غیروں کے گھر جہاں نہ اپنا قابو نہ اپنا گزر حدیث میں تو اپنے مکانوں کی نسبت آیا لا تسکنو ھن الغرف. عورتوں کو بالا خانوں پر نہ رکھو۔ یہ وہی طائر نگاہ کے پر کترنے ہیں۔

شرع مطہر نہیں فرماتی کہ تم خاص لیلٰی و سلمٰی پر بدگمانی کرو یا خاص زید و عمرو کے مکانوں کو مظنہ فتنہ کہو یا خاص کسی جماعت زنان کو مجمع نا بایستنی بتاؤ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتی ہے کہ ان من الحزم

سُوء الظن. ؎

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ دُر کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

صالح و طالح کسی کے منہ پر نہیں لکھا ہو تا ظاہر ہزار جگہ خصوصا اس زمن فتن میں باطن کے خلاف ہوتا ہے۔ اور مطابق بھی ہو تو صالحین و صالحات معصوم نہیں اور علم باطن و ادراک غیب کی طرف راہ کہاں اور سب سے در گزر کرے تو آج کل عامہ ناس خصوصا نسا میں بڑا ہنر، اَن ہوئی جوڑ لینا طوفان لگادینا ہے کاجل کی کوٹھری کے پاس ہی کیوں جائے کہ دھبا کھائے۔ لاجرم سبیل یہی ہے کہ بالکل دربا ہی جلا دیا جائے

ع وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو ساماں کا

شرع مطہر حکیم ہے اور مؤمنین اور مومنات پر رؤف و رحیم۔ اس کی عادت کریمہ ہے کہ ایسے مواضع احتیاط میں ما بہ باس کے اندیشہ سے مالا باس بہ کو منع فرماتی ہے۔ جب شراب حرام فرمائی اس صورت کے برتنوں میں نبیذ ڈالنی منع فرمادی جن میں شراب اٹھایا کرتے تھے۔ اگر زید کہے بارہا ایسے مجامع ہوتے ہیں کبھی فتنہ نہ ہوا۔ جان برادر علاج واقعہ کیا بعد الوقوع چاہئے؟ ماكل مرة تسلم الجرة.

ع ہر بار سبوز چاہ سالم نرسد

اکل و شرب وغیرہما کی صدہا صورتوں میں اطبا لکھتے ہیں یہ مضر ہے اور لوگ ہزار بار کرتے ہیں طبیعت کی قوت، ضد کی مقاومت، تقدیر کی مساعدت کہ ضرر نہیں ہوتا۔ اس سے اس کا بے غائلہ ہونا سمجھا جائے گا؟

خدا پناہ دے بری گھڑی کہ کر نہیں آتی اجنبیوں سے علما کا ایجاب حجاب آخر اسی سد فتنہ کے لیے ہے پھر سوا چند توفیق رفیق بندوں کے چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹوں کنبے بھر کے رشتہ داروں کے سامنے ہونے کا کیسا رواج ہے اور اللہ بچاتا ہے فتنہ نہیں ہوتا اس سے بدتر عام خدا ناترس ہندیوں کے وہ بدلحاظی کے لباس آدھے سر کے بال اور کلائیاں اور کچھ حصہ گلو و شکم و ساق کا کھلا رہنا تو کسی گنتی شمار ہی میں نہیں، اور زیادہ بانکپن ہوا تو دوپٹہ شانوں پر ڈھلکا ہوا کریب یا جالی باریک یا خاص ململ کا جس سے سب بدن چمکے اور اس حالت کے ساتھ ان رشتہ داروں کے سامنے پھرنا بایں ہمہ وہ رؤف و رحیم حفظ فرماتا ہے فتنہ نہیں ہوتا۔ ان اعضا کا ستر کیا بعینہٖ واجب تھا حاشا بلکہ وہی داعی و سد باب پھر اگر ہزار بار داعی نہ ہوئے تو کیا وہ حکم حکمت باطل ہو جائیں گے شرع مطہر جب مظنہ پر حکم دائر فرماتی ہے اصل علت پر اصلا مدار نہیں رکھتی وہ چاہے کبھی نہ ہو نفس مظنہ پر حکم چلے گا فقیر کے پاس تو یہ ہے اور جو اس سے بہتر جانتا ہو مجھے مطلع کرے۔ بہر حال اس قدر یقینی کہ بھیجنا محتمل اور نہ بھیجنا بالاجماع جائز و بے خلل، لہذا فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے نزدیک اسی پر عمل۔ رہا واعظ و ذاکر وہ

بشرطیکہ جس منکر پر اطلاع پائے حسب قدرت انکار وہدایت کرے ہر مجلس میں جاسکتا ہے۔ و اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم.(۱)

پیر سے پردے اور بیعت کا حکم

سوال(۱): پیر سے پردہ ہے یا نہیں ؟

(۲) ایک بزرگ عورتوں سے بغیر حجاب کے حلقہ کراتے ہیں اور حلقہ کے بیچ میں خود بزرگ صاحب بیٹھتے ہیں، توجہ ایسی دیتے ہیں کہ عورتیں بے ہوش ہوجاتی ہیں، اچھلتی کودتی ہیں اور ان کی آواز مکان سے باہر دور دور سنائی دیتی ہے۔ ان سے بیعت ہونا کیسا ہے ؟

الجواب: (۱) پیر سے پردہ واجب ہے جبکہ محرم نہ ہو۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

(۲) یہ صورت محض خلاف شرع و خلاف حیا ہے۔ ایسے پیر سے بیعت نہ چاہیے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم.(۲)

بے اصل روایات

سوال: ایک واعظ صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا: تم وحی کہاں سے اور کس طرح لاتے ہو؟ آپ نے جواب میں عرض کیا کہ ایک پردہ سے آواز آتی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا: کبھی تم نے پردہ اٹھا کر دیکھا ؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ میری مجال نہیں کہ پردہ اٹھا سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ اب کے پردہ اٹھا کر دیکھنا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ پردہ کے اندر خود حضور پر نور جلوہ فرما ہیں اور عمامہ سر سے باندھے ہیں، اور سامنے شیشہ رکھا ہے اور فرما رہے ہیں کہ میرے بندے کو یہ ہدایت کرنا۔ یہ روایت کہاں تک صحیح ہے ؟ اگر غلط ہے تو اس کا بیان کرنے والا کس حکم کے تحت میں داخل ہے ؟

الجواب: یہ روایت محض جھوٹ اور کذب و افترا ہے اور اس کا یوں بیان کرنے والا ابلیس کا مسخرہ ہے اور اگر اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہے تو صریح کافر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔(۳)

---

(۱) احکام شریعت، حصہ سوم، ص:۲۸۴۔

(۲) احکام شریعت، حصہ دوم، ص:۴۰۔

(۳) عرفان شریعت، اول، ص: ۲۱، ۲۲۔

سوال: اگر لوگ ۳، ۱۳، ۲۳ یا ۸، ۱۸، ۲۸ وغیرہ تواریخ اور پنج شنبہ و یک شنبہ و چہار شنبہ وغیرہ ایام کو شادی وغیرہ نہیں کرتے۔ اعتقاد یہ ہے کہ سخت نقصان پہنچے گا۔ ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ یہ سب باطل و بے اصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم [۱]

سوال: بدمذہب کہتا ہے کہ نور حضرت کا غیر مخلوق ہے۔

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور یقیناً مخلوق الٰہی ہے، مصنف عبدالرزاق میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یاجابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیك۔ اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ جو حضور کے نور کو غیر مخلوق کہے منکر قرآن عظیم ہے۔ [۲]

اجرت پر قرآن خوانی کرنا

سوال: ثواب رسانی کی نیت سے قرآن مجید پڑھ کر اس پر اُجرت دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک قرآن مجید پڑھ کر چالیس درم سے کچھ کم اُجرت لینا اور پڑھانے والے کے لیے چالیس درہم سے کم اُجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ثواب رسانی کے لیے قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے، اور چالیس درہم اجرت محض بے اصل ہے۔ [۳]

جمعہ کی اذان ثانی

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازے پر ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۵۶ میں ہے:

عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذاجلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر.

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص: ۱۷۰۔

(۲) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص: ۱۴۰۔

(۳) فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص: ۲۱۸۔

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔

اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو، اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔

(۲) جوابِ اول سے واضح ہوگیا کہ خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مروی ہے اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بعض صاحب جو "بین یدیہ" سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں غلط ہے۔ دیکھو حدیث میں "بین یدی" ہے اور ساتھ ہی "علی باب المسجد" ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چہرہ انور کے مقابل مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی بس اسی قدر "بین یدیہ" کے لئے درکار ہے۔

(۳) بیشک فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے۔ فتاوی قاضی خان طبع مصر جلد اول صفحہ ۷۸ لایؤذن فی المسجد۔ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔

فتاوی خلاصہ قلمی صفحہ ۶۲ لایؤذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان نہ ہو۔ خزانۃ المفتین قلمی فصل فی الاذان لایؤذن فی المسجد۔ مسجد کے اندر اذان نہ کہیں۔ فتاوی عالمگیری طبع مصر جلد اول صفحہ ۵۵ لایؤذن فی المسجد۔ مسجد کے اندر اذان منع ہے۔ بحرالرائق طبع مصر جلد اول صفحہ ۲۶۸ لایؤذن فی المسجد۔ مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے۔ شرح نقایہ علامہ برجندی صفحہ ۸۴۔ فیہ اشعار بانہ لایؤذن فی المسجد. امام صدرالشریعۃ کے کلام میں اس پر تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ ہو۔ غنیہ شرح منیہ صفحہ ۳۵۷ الاذان انما یکون فی المئذنۃ اوخارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ۔ اذان نہیں ہوتی مگر منارہ یا مسجد سے باہر اور تکبیر مسجد کے اندر۔ فتح القدیر طبع مصر جلد اول صفحہ ۱۷۱ قالوا لایؤذن فی المسجد۔ علمانے مسجد میں اذان دینے کو منع فرمایا ہے۔

ایضا باب الجمعۃ صفحہ ۴۱۴ "ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ". جمعہ کا خطبہ مثل اذان ذکر الٰہی ہے مسجد میں یعنی حدودِ مسجد میں اس لیے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح طبع مصر صفحہ ۱۲۸ یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم۔ یعنی نظم امام زندویسی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ اب زمانہ حال کے ایک عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۲۴۵

میں لکھتے ہیں: "قوله بين يديه" اى مستقبل الامام فى المسجد كان اوخارجه والمسنون هو الثانى۔ یعنی بین یدیہ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ امام کے رُوبرو ہو مسجد میں خواہ باہر اور سنّت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔

جب وہ تصریح کر چکے کہ باہر ہی ہونا سنّت ہے تو اندر ہونا خلافِ سنّت ہُوا تو اُس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ چاہے سنّت کے مطابق کرو چاہے سنت کے خلاف دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ ایسا کون عاقل کہے گا بلکہ معنی وہی ہیں کہ "بين يديه" سے یہ سمجھ لینا کہ خواہی نخواہی مسجد کے اندر ہو غلط ہے۔ اُس کے معنے صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو اندر باہر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں ہوتی لفظ دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنّت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو۔ تو ضرور ہے کہ وہی معنی لیے جائیں جو سنت کے مطابق ہیں، بہرکیف اتنا ان کے کلام میں صاف مصرح ہے کہ اذانِ ثانی جمعہ بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مطابق سنّت ہے تو بلاشبہہ مسجد کے اندر ہونا خلافِ سنّت ہے وللہ الحمد۔

(۴) ظاہر ہے کہ حکم حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اَڑے رہنا مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہیے۔

(۵) ظاہر ہے جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفاے راشدین واحکام فقہ کے خلاف نکلی ہو وہی نئی بات ہے، اُسی سے بچنا چاہیے نہ کہ سنت وحکم حدیث وفقہ سے۔

(۶) مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد حرام شریف مطاف ہی تک تھی۔ مسلک متقسط علی قاری طبع مصر صفحہ ۲۸۰: المطاف هو ماكان فى زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مسجدا۔ تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد ومحل اذان تھا اور مسجد جب بڑھالی جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لیے مقرر تھی بدستور مستثنیٰ رہے گی ولہذا مسجد اگر بڑھاکر کنواں اندر کرلیا وہ بند نہ کیا جائے گا جیسے زمزم شریف، حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا ہرگز جائز نہیں۔ فتاوی قاضیخان وفتاوی خلاصہ وفتاوی عالمگیری، صفحہ ۴۰: تكره المضمضة والوضوء فى المسجد الاان يكون ثمه موضع اعد لذلك ولا يصلى فيه.

وہیں ہے: لا يحفر فى المسجد بئر ماء ولو قديمة تترك كبئر زمزم. تو مکہ معظمہ میں اذان ٹھیک محل پر ہوتی ہے مدینہ طیبہ میں خطیب سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ایک بلند مکبّرہ پر کہتے ہیں۔ طریق ہند کے تو یہ بھی خلاف ہوا اور وہ جو "بين يديه" وغیرہ سے منبر کے متّصل ہونا سمجھتے تھے اس سے بھی رد ہو گیا تو ہندی فہم وطریقہ خود ہی دونوں حرم محترم سے جدا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ

یہ مکبّرہ قدیم سے ہے یا بعد کو حادث ہوا اگر قدیم ہے تو مثل منارہ ہوا کہ وہ اذان کے لیے مستثنیٰ ہے جیسا کہ غنیہ سے گزرا، اور اسی طرح خلاصہ و فتح القدیر و برجندی کے صفحات مذکورہ میں ہے کہ اذان منارہ پر ہو یا مسجد سے باہر، مسجد کے اندر نہ ہو۔ اس کی نظیر موضع وضو و چاہ ہیں کہ قدیم سے جُدا کر دیے ہوں، نہ اس میں حرج نہ اس میں کلام، اور اگر حادث ہے تو اس پر اذان کہنا بالاے طاق۔ پہلے یہی ثبوت دیجیے کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کر دینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے؟ قطع صف بلاشبہہ حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من قطع صفا قطعه الله۔ رواه النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما.

نیز علما نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا نہ یہ کہ مکبّرہ کہ چار جگہ سے گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے۔ بالجملہ اگر وہ جائز طور پر بنا تو مثل منارہ ہے جس سے مسجد میں اذان ہونا نہ ہوا۔ اور ناجائز طور پر ہے تو اسے ثبوت میں پیش کرنا کیا انصاف ہے۔ اب ہمیں افعال موذنین سے بحث کی حاجت نہیں مگر جوابِ سوال کو گزارش کہ ان کا فعل کیا حجت ہو حالانکہ خطیب خطبہ پڑھتا ہے اور یہ بولتے جاتے ہیں، جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لیتا ہے یہ باآواز ہر نام پر رضی اللہ عنہ کہتے جاتے ہیں، جب وہ سلطان کا نام لیتا ہے یہ باآواز دُعا کرتے ہیں، اور یہ سب بالاتفاق ناجائز ہے، صحیح حدیثیں اور تمام کتابیں ناطق ہیں کہ خطبہ کے وقت بولنا حرام ہے۔ در مختار و ردالمحتار جلد اول صفحہ ۸۵۹: اماما یفعله المؤذنون حال الخطبة من الترضی ونحوه، فمکروه اتفاقا. یعنی وہ جو یہ مؤذن خطبے کے وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کہتے جاتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

یہی مؤذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علما کا کیا اختیار۔ علماے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر درکنار اس طرح تو اُن کی نمازوں کی بھی خیر نہیں، دیکھو فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳ و در مختار و ردالمحتار صفحہ ۲۱۵ خود مفتیِ مدینہ منورہ علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہما اللہ تعالیٰ نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں۔ دیکھو فتاویٰ اسعدیہ جلد اول صفحہ ۸ر کے آخر میں فرمایا ہے: اما حرکات المکبرین وصنعهم، فانا ابرأالی الله تعالیٰ منه. یعنی ان مکبروں کی جو حرکتیں، جو کام ہیں میں ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ اور اُوپر اس سے بڑھ کر لفظ لکھا، پھر کسی عاقل کے نزدیک اُن کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے نہ وہ علما ہیں نہ علما کے زیرِ حکم۔

(۷) بیشک احادیث میں سنّت زندہ کرنے کا حکم اور اُس پر بڑے ثوابوں کے وعدے ہیں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احیا سنتی، فقدا حبنی، ومن احبنی کان معی فی الجنة. (اللھم ارزقنا).
رواہ السجزی فی الابانة والترمذی بلفظ من احب.

جس نے میری سنت زندہ کی بیشک اُسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ سے محبت ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احیاسنة من سنتی قدامیتت بعدی فان له من الاجرمثل اجور من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شیئا. رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجة عن عمرو بن عوف رضی الله تعالیٰ عنه.

جو میری کوئی سنت زندہ کرے کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑدی ہو جتنے اس پر عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تمسك بسنتی عند فسادا متی فله اجر مائة شهید. رواہ البیهقی فی الزهد.

جو فسادِ اُمت کے وقت میری سنت مضبوط تھامے، اسے سَو شہیدوں کا ثواب ملے۔

اور ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنّت کی جائے گی جو مُردہ ہوگئی اور سنت مُردہ جبھی ہوگی کہ اُس کے خلاف رواج پڑجائے۔

(۸) احیاے سنت، علما کا تو خاص فرض منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لیے حکم عام ہے۔ ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے شہر یا کم از کم اپنی اپنی مساجد میں اس سنّت کو زندہ کریں اور سَو سَو شہیدوں کا ثواب لیں اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے یوں ہو تو کوئی سنّت زندہ ہی نہ کرسکے۔ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی سُنتیں زندہ فرمائیں اس پر ان کی مدح ہُوئی نہ کہ الٹا اعتراض کہ تم سے پہلے تو صحابہ و تابعین تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۹) حوض کہ بانیِ مسجد نے قبل مسجدیت بنایا اگرچہ وسط مسجد میں ہو وہ اور اُس کی فصیل ان احکام میں خارج از مسجد ہے لانه موضع اعد للوضوء کما تقدم.

(۱۰) لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، اسے گوشہ محراب میں رکھ کر محاذات ہو جائے گی اور اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار ہے تو اُسے قیامِ مؤذن کے لائق تراش کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں۔

مسلمان بھائیو!

یہ دین ہے کوئی دنیوی جھگڑا نہیں۔ دیکھ لو کہ تمھارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے؟ تمھاری مذہبی کتابوں میں کیا لکھا ہے؟ (احکام شریعت، حصہ دوم)

صلعم، ع، رض، وغیرہ لکھنا

جواب مسئلہ سے پہلے ایک اور مسئلہ گزارش کرلوں، لقولہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من رأی منکم منکر افلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ. الحدیث.

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کریم کے ساتھ جس طرح زبان سے درود شریف پڑھنے کا حکم ہے اللھم صل وسلم و بارك علیه وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ ابدا اور درود شریف کی جگہ فقط صاد یا عم یا صلعم یا صللم کہنا ہرگز کافی نہیں بلکہ وہ الفاظ بے معنیٰ ہیں۔ الخ[1]

ایک سائل نے اپنے سوال میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے بعد صلعم لکھا۔ اس پر آپ تنبیہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہٖ وبارک وسلم۔ سائل کو جوابِ مسئلہ سے زیادہ نافع یہ بات ہے کہ درود شریف کی جگہ جو عوام و جہال صلعم یا ع یا م یا ص یا صللم لکھا کرتے ہیں، محض مہمل و جہالت ہے۔ القلم احدی اللسانین۔ جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود کو ادا نہ کرے گا یوں ہی ان مہملات کا لکھنا، درود لکھنے کا کام نہ دے گا، ایسی کوتاہ قلمی سخت محرومی ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ کہیں ایسے لوگ فبدل الذین ظلموا قولاغیرالذی قیل لھم۔ میں نہ داخل ہوں۔ نام پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے، صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔[2]

تنبیہ ضروری ! یہ سوال میں جو عبارت دلیل الاحسان نقل کی اس میں اور خود عبارتِ سوال

(۱) صلاتُ الصفا فی نور المصطفیٰ، ص: ۱۴، ۱۵، مطبوعہ مبارک پور۔

(۲) فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص: ۵۴۔

میں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جگہ صلعم لکھا ہے۔ اور یہ سخت ناجائز ہے۔ یہ بلا عوام تو عوام چودہ صدی کے بڑے بڑے اکابر و فحول کہلانے والوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی صلعم کہتا ہے، کوئی صللم کوئی فقط ص، کوئی علیہ الصلوۃ والسلام کے بدلے عم یا ءم ایک ذرہ سیاہی یا ایک انگل کاغذ، یا ایک سکنڈ وقت بچانے کے لیے کیسی کیسی عظیم برکات سے دور پڑتے اور محرومی و بے نصیبی کا ڈنڈا پکڑتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پہلا وہ شخص جس نے درود شریف کا ایسا اختصار کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

علامہ سید طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:

فتاویٰ تاتارخانیہ سے نقل ہے من کتب علیہ السلام بالھمزۃ والمیم یکفر لانہ تخفیف، وتخفیف الانبیاء کفر۔ یعنی کسی نبی پاک کے ساتھ درود یا سلام کا ایسا اختصار لکھنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ کہ یہ ہلکا کرنا ہوا اور معاملہ شان انبیا سے متعلق ہے اور انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی شان کا ہلکا کرنا ضرور کفر ہے۔

شک نہیں کہ اگر معاذ اللہ قصدا استخفاف شان ہو تو قطعا کفر ہے کہ مذکور اسی صورت کے لیے ہے۔

یہ لوگ صرف کسل، کاہلی، نادانی، جاہلی سے ایسا کرتے ہیں تو اس حکم کے تحت نہیں مگر بے برکتی بے دولتی، کم بختی، زبوں قسمتی میں شک نہیں۔

اقول: ظاہر ہے کہ القلم احد اللسانین، قلم بھی ایک زبان ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جگہ مہمل، بے معنی صلعم لکھنا ایسا ہے کہ نام اقدس کے ساتھ درود شریف کے بدلے یوں ہی کچھ الم غلم بکنا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝“. جس بات کا حکم ہوا تھا ظالموں نے اسے بدل کر اور کچھ کر لیا۔ تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب اتارا بدلہ ان کے فسق کا۔ وہاں بنی اسرائیل کو فرمایا گیا تھا:

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ۔ یوں کہو کہ ہمارے گناہ اتریں۔

انہوں نے کہا: ”حنطۃ“ ہمیں گیہوں ملے۔ یہ لفظ بامعنی تو تھا اور اب بھی ایک نعمت الٰہی کا ذکر تھا۔

یہاں حکم یہ ہوا ہے: **یایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما.**

اے ایمان والو! اپنے نبی پر درود و سلام بھیجو۔ اللّٰھُمَّ صل وسلم وبارک علیہ وعلی آلہ وصحبہ ابدا۔

اور یہ حکم وجوبا خواہ استحبابا ہر بار نام اقدس سننے یا زبان سے لینے یا قلم سے لکھنے پر ہے۔ تحریر میں اس کی بجا آوری نام اقدس کے ساتھ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے میں تھی۔ اسے بدل کر صلعم، صلعم، ع، م کر لیا جو کچھ معنی ہی نہیں رکھتا کیا اس پر نزول عذاب کا خوف نہیں کرتے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین .

یہ تو محل درود ہے جس کی عظمت اس (درجہ) پر ہے کہ اس کی تخفیف میں پہلوے کفر موجود ہے۔ اس سے اتر کر صحابہ و اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماے طیبہ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ رض لکھنے کو علماے کرام نے مکروہ و باعث محرومی بتایا۔

سید علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

یکرہ الرمز بالترضی بالکتابۃ بل یکتب ذلک کلہ بکمالہ.

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں :

ومن اغفل ھذا حرم خیرا عظیما وفوت فضلاجسیما.

جو اس سے غافل ہوگا خیر عظیم سے محروم رہا اور بڑا افضل اس سے فوت ہوا. والعیاذ باللہ تعالیٰ.

یوہیں قدس سرہ یا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ ق یا رح لکھنا حماقت و حرمان برکت ہے۔ ایسی باتوں سے احتراز چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین [1]

حرمت تصاویر

سوال: بزرگانِ دین کی تصاویر بطورِ تبرک لینا کیسا ہے؟

الجواب: کعبہ معظمہ میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل و حضرت مریم کی تصاویر بنی تھیں کہ یہ متبرک ہیں ناجائز فعل تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک سے انہیں دھو دیا۔ [2]

سوال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و حضرت جبرئیل علیہ السلام و براق نبوی کی تصویر بنانا اپنے پاس رکھنا اور لمس و بوسہ کی ترغیب دینا کیسا ہے؟ ملخصًا

الجواب:۔۔۔اللہ عزوجل پناہ دے۔ ابلیس لعین کے مکائد سے سخت ترکید یہ ہے کہ آدمی سے

---

(۱) فتاوی افریقہ، ص:۴۵، ۴۶۔

(۲) الملفوظ، دوم۔

حسنات کے دھوکے میں سئیات کراتا ہے اور شہد کے بہانے زہر پلاتا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین .

اس مسکین تینوں تصویرات مذکورہ بنانے والے، ان کی زیارت ولمس وتقبیل کرانے والے نے گمان کیا کہ وہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق محبت بجالاتا اور حضور کو راضی کرتا ہے۔ حالانکہ حقیقۃً وہ اپنی ان حرکات باطلہ سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی کررہا ہے۔ اس پر پہلے ناراض ہونے والے حضور والا ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضور سرور عالم صلی للہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا، اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا ہے اوراس پر سخت سخت وعیدیں ارشاد کیں اور ان کے دور کرنے مٹانے کا حکم دیا، احادیث اس بارے میں حد تواتر پر ہیں۔

مسلمان بنظر ایمان دیکھے کہ صحیح وصریح حدیثوں میں اس پر کیسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئیں اور یہ تمام احادیث عام شامل محیط کامل ہیں جن میں اصلاً کسی تصویر کسی طریقے کی تخصیص نہیں تو معظمین دین کی تصویروں کو ان احکام خدا و رسول سے خارج کرنا محض باطل و وہم عاطل ہے۔

اور خود ابتدائے بت پرستی انھیں تصویرات معظمین سے ہوئی، قرآن عظیم میں جو پانچ بتوں کا ذکر سورہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فرمایا: (۱) ود (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر۔ یہ پانچ بندگان صالحین تھے کہ لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد باغوائے ابلیس لعین ان کی تصویریں بناکر ان کی مجلسوں میں قائم کیں، پھر بعد کی آنے والی نسلوں نے انھیں معبود سمجھ لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز فتح مکہ کعبہ معظمہ کے اندر تشریف فرما ہوئے۔ اس میں حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل وحضرت مریم وملائکۂ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہم کی تصویریں نظر پڑیں کچھ پیکر دار کچھ نقش دیوار۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویسے ہی پلٹ آئے اور فرمایا خبر دار رہو بے شک ان بنانے والوں کے کان تک بھی یہ بات پہنچی ہوئی تھی کہ جس گھر میں کوئی تصویر ہو اس میں ملائکۂ رحمت نہیں جاتے، پھر حکم فرمایا کہ جتنی تصویریں منقوش تھیں سب مٹادی گئیں اور جتنی مجسم تھیں سب باہر نکال دی گئیں۔ انھیں میں حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ وحضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی ابنیہما الاکرم وعلیہما وبارک وسلم کی تصویریں بھی باہر لائی گئیں جب تک کعبہ معظمہ سب تصاویر سے پاک نہ ہوگیا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قدم اکرم سے اسے شرف نہ بخشا۔ ملخصاً[1]

---

(۱) شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ (۱۳۱۵ھ)، ص: ۳ تا ۱۰، حسنی پریس، بریلی۔

سوال: ''بغرض پیشہ کے جو شخص تصاویر دیوتاے اہلِ ہنود کی مثل ٹیسو وراون ورام چندر و سیتا وغیرہ کی بناتا ہے اور فوٹو گرافر اور معلم اور علی العموم جن اشخاص کی عورات بے پردہ سرِبازار پھرتی ہیں تو اس حالت میں اشخاص مذکورین کے پیچھے پڑھنا نماز کا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر پڑھ لی تو اعادہ اس کا چاہیے یا نہیں ؟ الخ

الجواب: جاندار کی تصویر بنانی دستی ہو یا خواہ عکسی حرام ہے، اور معبودانِ کفار کی تصویریں بنانا اور سخت تر حرام واشد کبیرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون۔ بیشک سب سے زیادہ سخت عذاب روزِ قیامت مصوّروں پر ہوگا۔ رواہ الأئمة والشیخان.

ان سب لوگوں کو امام بنانا گناہ ہے اور ان کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی قریب بحرام ہے، نہ پڑھی جائے۔ اور پڑھ لی تو اِعادہ ضَرور ہے۔ الخ ملخصا[1]

سوال: ان دنوں شہر احمد آباد میں کاپیاں فوٹو گراف کی ۲۰ر کو بک رہی ہیں اور نمونہ اصلی آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔ آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

یہ فوٹو حضرت پیر ابراہیم بغدادی عم فیضہ الصوری والمعنوی سجادہ نشین خانقاہ حضرت غوث اعظم پیران پیر قدس اللہ سرہ العزیز کا ہے اس کو احمد آبادی وغیرہ تبرک کے طور پر رکھتے ہیں۔

اس کا رکھنا مکانوں میں حرام ہے یا نہیں۔ اور جس مکان میں یہ فوٹو ہوگا اس میں رحمت کے فرشتے آئیں گے یا نہیں ؟ اور اس فوٹو کے رکھنے سے برکت نازل ہوگی یا نہیں۔ اور برزخ شیخ جمانے کے لیے فوٹو شیخ کا سامنے رکھ کر اس کا برزخ جمانا شریعت وطریقت میں جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔۔۔۔۔ اللہ عزوجل ابلیس کے مکر سے پناہ دے، دنیا میں بت پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بنا کر گھروں اور مسجدوں میں تبرکاً رکھیں اور ان سے لذت عبادت کی تائید سمجھی، شدہ شدہ وہی معبود ہوگئیں۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیہ کریمہ:

وَقَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوۡثَ وَيَعُوۡقَ وَنَسۡرًا ۚ﴿۲۳﴾ کی تفسیر میں ہے:

قال: کانوا اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما هلکوا اوحی الشیطان

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد سوم، ص:۱۹۰۔

الیٰ قومهم ان نصبوا الی مجالسهم التی کانوا یجلسون انصابا وسموها باسمائهم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا هلك اولٰئك ونسخ العلم عبدت.[۱]

عبد بن حمید اپنی تفسیر میں ابو جعفر بن المهلب سے راوی:

قال: کان ود رجلا مسلماً وکان محببا فی قومه فلما مات عسکروا حول قبره فی ارض بابل وجزعوا علیه فلما رأی ابلیس جزعهم علیه تشبه فی صورة انسان ثم قال: اری جزعکم علی هذا فهل لکم ان اصور لکم مثله فیکون فی نادیکم فتذکرونه به قالوا: نعم فصور لهم مثله فوضعوه فی نادیهم وجعلوا یذکرونه فلما رأی مالهم من ذکره قال: هل لکم ان اجعل لکم فی منزل کل رجل منکم تمثالا مثله فیکون فی بیته فتذکرونه قالوا نعم فصور لکل اهل بیت تمثالا مثله فاقبلوا فجعلوا یذکرونه به قال وادرك ابنائهم فجعلوا یرون مایصنعون به وتناسلوا ودرس امر ذکرهم ایاه حتی اتخذوه الٰها یعبدونه من دون الله قال وکان اول ماعبد غیر الله فی الارض ود الصنم الذی سموه بود.[۲]

نیز صحیحین بخاری و مسلم میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:

لما اشتکی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ذکر بعض نسائه کنیسة یقال لها

---

(۱) ترجمہ: یہ (ود، سواع یغوث ویعوق ونسر) قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام تھے، جب یہ لوگ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کے بعض رشتہ داروں کے دل میں خیال ڈالا کہ ان کی نشست گاہوں میں ان کے مجسمے کھڑے کر دو تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب تک ان رشتہ داروں نے وفات نہ پائی ان کی عبادت نہ ہوئی جب ان کی وفات ہوئی اور علم رخصت ہو گیا تو ان کی پرستش ہونے لگی۔

(۲) ترجمہ: "ود" ایک مسلمان شخص تھا اور اپنی قوم میں محبوب تھا جب اس کا انتقال ہوا تو ارض بابل کے لوگ اس کی قبر کے آس پاس آکر جمع ہوئے۔ اس ود پہ جزع وفزع کیا۔ جب ابلیس نے ان کی یہ گریہ وزاری دیکھی تو انسان کا روپ دھارا اور کہا کہ میں اس شخص پر تمھاری گریہ وزاری دیکھتا ہوں تو کیا میں تمھارے لیے اس کی تصویر بنا دوں جو تمھاری بیٹھک میں ہو تاکہ تم اسے تصویر سے یاد کرو۔ ان سب نے کہا ہاں بنا دو۔ چناں چہ اس نے تصویر بنا دی اور انھیں نے اس کو اپنی بیٹھک میں رکھا۔ اور ود کی یاد کرنے لگے۔ جب شیطان نے اس کی یاد کا یہ عالم دیکھا تو کہا کیا میں اس کی تصویر ہر شخص کے گھر میں رکھ دوں کہ اس کے گھر میں رہے تو تم سب اس کو خوب یاد کروگے؟ انھوں نے کہا ہاں رکھ دو تو اس نے ہر گھر میں ایک مجسمہ بنا دیا تو یہ لوگ اس مجسمہ کو دیکھ کر ود کی یاد کرتے۔ پھر ان کے بیٹے آئے۔ انھوں نے وہ سب کچھ دیکھا پھر ان کے بیٹے آئے اور ود کی یاد محو ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کو خدا بنا لیا جسے اللہ کے سوا پوجتے تھے اور روئے زمین پر سب سے پہلا جو صنم پوجا گیا وہ یہی ود نام کا صنم تھا۔

مار یة وکانت ام سلمة و ام حبیبة رضی اللہ تعالیٰ عنہما اتتا ارض الحبشة فذکرتا من حسنہا و تصاو یرفیہا فرفع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأسه فقال: أولٰئك اذا مات فیہم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوّروا فیه تلك الصور و اولٰئك شرار خلق اللہ۔[1]

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے: صوروا ای صور الصلحاء تذکیرا بہم ترغیبا فی العبادۃ لاجلہم ثم جاء من بعدہم فزیّن لہم الشیطٰن اعمالہم وقال: لہم سلفکم یعبدون ھذہ الصور فوقعوا فی عبادۃ الاصنام۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتدخل الملٰئکة بیتا فیه کلب و لاصورۃ. رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

اور اس میں کسی معظم دینی کی تصویر ہونا نہ عذر ہو سکتا ہے نہ اس وبال عظیم سے بچا سکتا ہے بلکہ معظم دینی کی تصویر زیادہ موجب وبال و نکال ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے گی اور تصویر ذی روح کی تعظیم خاصی بت پرستی کی صورت اور گویا ملت اسلامی سے صریح مخالفت ہے۔

ابھی حدیث سن چکے کہ وہ اولیا ہی کی تصویریں رکھتے تھے جس پر ان کو بدترین خلق اللہ فرمایا۔

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون معظم دین ہوگا اور نبی بھی کون حضرت شیخ الانبیاء خلیل کبریا سیدنا ابراہیم علی ابنہ الکریم وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کہ ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تمام جہان سے افضل واعلیٰ ہیں ان کی اور حضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ و حضرت بتول مریم علیہم الصلوٰۃ کی تصویریں دیوار کعبہ پر کفار نے منقش کی تھیں، جب مکہ معظمہ فتح ہوا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے بھیج کر وہ سب محو کرادیں، جب کعبہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے بعض کے نشان کچھ باقی پائے پانی منگا کر بنفس نفیس انہیں دھویا اور بنانے

---

(۱) جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مریض ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک گرجا گھر کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا۔ ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سرزمین حبشہ سے آئی تھیں۔ انہوں نے حبشہ کا حسن اور اس میں تصویروں کا ذکر کیا، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا پھر کہا: جب نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے ہیں پھر اس میں یہ تصویریں بناتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں۔

(۲) یعنی نیکوں کی تصویریں بناتے تھے تا کہ انھیں دیکھ کر اللہ کو یاد کریں۔ اور عبادت میں رغبت ہو پھر ان کے بعض لوگ آئے تو شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کیا اور کہا تمھارے اگلے ان تصویروں کو پوجا کرتے تھے پھر وہ صنم پرستی میں پڑ گئے۔

والوں کو قاتل اللہ فرمایا۔ اللہ انہیں قتل کرے۔[1]

۔۔۔۔۔۔ بالقصد تصویر کی عظمت و حرمت کرنا، اسے معظم دینی سمجھنا، اسے تعظیماً بوسہ دینا، سر پر رکھنا، آنکھوں سے لگانا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کے لائے جانے پر قیام کرنا، اسے دیکھ کر سر جھکانا وغیر ذلک افعال تعظیم بجالانا یہ سب سے اخبث اور قطعاً یقیناً اجماعاً اشد حرام و سخت کبیرہ ملعونہ ہے اور صریح کھلی بت پرستی سے ایک ہی قدم پیچھے ہے۔ اسے کوئی مسلمان کسی حال میں حلال نہیں کہہ سکتا اگرچہ لاکھ مقطوع یا صغیر یا مستور ہو۔۔۔۔۔۔ قصداً تعظیم تصویر ذی روح کی حرمت شدیدہ عظیمہ میں نہ کوئی تقیید ہے نہ کسی مسلمان کا خلاف متصور بلکہ قریب ہے کہ اس کی حرمت شدیدہ اس ملت حنفیہ کے ضروریات سے ہو تو اس کا استحسان بلکہ صرف استحلال یعنی جائز جاننا ہی سخت امر عظیم کا خطرہ رکھتا ہے والعیاذ باللہ تعالی

صورت مذکورۂ سوال یہی صورت چہارم ہے کہ اسے تبرک کے طور پر رکھنا اس کے سبب نزول برکت جاننا اسے برزخ ٹھہرانا رب عزوجل تک وصول کا ذریعہ بنانا یہ سب وہی سخت اشد کبیرہ ہے اور عادۃً اس حالت میں اس کے ساتھ وہی افعال تعظیم بجالائیں گے جن کے حلال جاننے پر تجدید اسلام مناسب ہے۔ نسأل اللہ السلامة و لاحول و لاقوة الاباللہ العلی العظیم.

ناواقف سمجھتے ہیں کہ حضور پُرنور سید الاسیاد، امام الافراد، واہب المراد باذن الجواد، غوث الاقطاب والاوتاد، سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی اس حرکت سے خوش ہوں گے کہ ان کے صاحبزادہ کی ایسی تعظیم کی۔

حالانکہ سب سے پہلے اس پر سخت ناراض ہونے والے سخت غضب فرمانے والے حضور اقدس ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اللہ تعالیٰ ہدایت و استقامت بخشے، آمین![2]

فرضی قبریں بنوانے والے کی تردید

سوال: زید نے ایک فرضی اور مصنوعی قبر بنواکر اس کی عظمت کی جھوٹی روایتیں لوگوں میں بیان

---

(۱) عطایا القدیر فی حکم التصویر، ص:۲تا۸، (۱۳۳۱ھ) اختر بک ڈپو محلہ خواجہ قطب بریلی۔

(۲) عطایا القدیر، ص:۶۷،۶۸۔

کیں۔ لوگ اس قبر پر چادریں، مرغ، بکری، مٹھائیاں اور روپیہ پیسہ چڑھانے لگے۔ اس سے منتیں مانگنے لگے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ کیا ایسا شخص فاسق و کافر ہوا۔ اس کے نکاح کا کیا حکم ہے۔ ایسے شخص کے جلسے میں شرکت اور اس سے رشتہ و قرابت کا کیا حکم ہے جو لوگ اس معاملہ میں اس کے مدد و معاون ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ (ملخص)

الجواب: قبر بلا مقبور کی طرف بلانا اور اس کے لیے وہ افعال کرانا گناہ ہے، اور جبکہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کر رہا ہے تو فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور نماز پھیرنی واجب۔ اس جلسہ زیارت قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں۔

زید کے اس معاملہ سے جو خوش ہیں خصوصًا وہ جو مدد و معاون ہیں سب گنہگار و فاسق ہیں۔

قال تعالی: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ بلکہ وہ بھی جو باوصفِ قدرت ساکت ہے۔

قال تعالیٰ: كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

مگر ان میں سے کوئی بات کفر نہیں کہ اس سے نکاح باطل ہو سکے۔ قرابت اپنے اختیار کی نہیں کہ چاہے رکھی چاہے توڑ دی،۔ یونہی مرد سے رشتہ کہ اختیاری رشتہ بذریعہ نکاح ہوتا ہے اس کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، قال تعالی: بیدہ عقدة النکاح.

ہاں عزیز داری کا برتاؤ اگر یہ سمجھیں کہ اس کے چھوڑنے سے اس پر اثر پڑے گا تو چھوڑ دیں یہاں تک کہ باز آئے اور اگر سمجھیں کہ اسے قائم رکھ کر سمجھانا مؤثر ہوگا تو یوں کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم [1]

سوال: کسی ولی اللہ کا مزار شریف فرضی بنانا اور اس پر چادر وغیرہ چڑھانا، اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور اصل مزار کا سا ادب و لحاظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مرشد اپنے مریدوں کے واسطے بنانے اپنے فرضی مزار کے خواب میں اجازت دے تو وہ قول مقبول ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل سا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے اور خواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع نہیں ہو سکتی۔ [2]

سوال: جس شہید یا اولیاء اللہ کے مزار کا حال ہم کو معلوم نہیں ہے کہ آیا کسی کی مزار ہے یا

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:۱۱۵۔

(۲) فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:۱۱۵۔

نہیں؟ اور اگر ہے تو کس کی ہے؟ مرد اہل اسلام، یہودی یا نصاریٰ یا عورت یہود، یا نصاریٰ یا مسلمان کی، تو اس مزار پر فاتحہ پڑھنا یا بطریق مذکور نیاز وغیرہ کرنا کیسا ہے، چاہیے یا نہیں؟

الجواب:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جس قبر کا یہ بھی حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان کی ہے یا کافر کی، اس کی زیارت کرنی، فاتحہ دینی ہرگز جائز نہیں کہ قبر مسلمان کی زیارت سنت ہے اور فاتحہ مستحب، اور قبر کافر کی زیارت حرام ہے اور اسے ایصال ثواب کا قصد کفر۔۔۔۔۔۔۔۔ تو جو امر سنت و حرام یا مستحب و کفر میں متردد ہو وہ ضرور ممنوع و حرام ہے۔ ملخصًا۔ (۱)

مردہ پر گریہ وزاری

سوال: عزیزوں پر جو اثر ہوتا ہے کیا اس کا اثر میت پر بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: عزیزوں کو اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اس کا ملال میت کو بھی ہوتا ہے۔ اموات پر رونے کی ممانعت میں فرمایا کہ جب تم روتے ہو مردہ بھی رونے لگتا ہے تو اسے غمگین نہ کرو۔ الخ واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

ایصال ثواب برائے کفار و مشرکین

کافر خواہ مشرک ہو یا غیر مشرک جیسے آج کل کے عام رافضی کہ منکرانِ ضروریات دین ہیں، اسے ہرگز کسی طرح کسی فعل خیر کا ثواب نہیں پہنچ سکتا، قال اللہ تعالی: وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۝ انھیں ایصال ثواب کرنا معاذ اللہ خود راہ کفر کی طرف جانا ہے کہ نصوص قطعیہ کو باطل ٹھہرانا ہے۔ رافضی تبرائی کا فقہاے کرام کے نزدیک یہی حکم ہے، ہاں جو تبرائی نہیں جیسے تفضیلی، انھیں ثواب پہنچ سکتا ہے اور پہنچانا بھی حرام نہیں جبکہ ان سے دینی محبت یا ان کی بدعت کو سہل و آسان سمجھنے کی بنا پر نہ ہو، ورنہ انکم اذا مثلھم یہ بھی انھیں میں شمار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۳)

کبوتر و بٹیر بازی

سوال: کبوتر اڑانا اور پالنا اور مرغ بازی، بٹیر بازی، کنکیّا بازی اور فروخت کرنا کنکیّا اور ڈور اور

(۱) فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:۱۴۱۔
(۲) فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:۱۲۵۔
(۳) فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:۲۲۳۔

مانجھا جائز ہے یا ناجائز؟ اور ان لوگوں سے سلام علیک کرنا اور سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: کبوتر پالنا جائز ہے جبکہ دوسروں کے کبوتر نہ پکڑے، اور کبوتر اُڑانا کہ گھنٹوں ان کو اُترنے نہیں دیتے حرام ہے اور مرغ یا بٹیر کا لڑانا حرام ہے۔ ان لوگوں سے ابتدا بسلام نہ کی جائے جواب دے سکتے ہیں، واجب نہیں۔ کنکیّا اڑانے میں وقت، مال کا ضائع کرنا ہوتا ہے۔ یہ بھی گناہ ہے اور گناہ کے آلات کنکیّا ڈور بیچنا بھی منع ہے اصرار کریں تو ان سے بھی ابتدا بسلام نہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

تاش و شطرنج اور گنجفہ و چوسر

سوال: تاش و شطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دونوں ناجائز ہیں اور تاش زیادہ گناہ و حرام کہ اس میں تصاویر بھی ہیں۔ الخ (۲)

”یہ سب کھیل (گنجفہ، چوسر، شطرنج) ممنوع اور ناجائز ہیں اور ان میں چوسر اور گنجفہ بدتر ہیں، گنجفہ میں تصاویر ہیں اور انھیں عظمت کے ساتھ رکھتے اور وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ امر اس کے سخت گناہ کا موجب ہے۔ اور چوسر کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جس نے چوسر کھیلی اس نے گویا اپنا ہاتھ سور کے گوشت خون میں رنگا۔

چوسر بالاجماع حرام و موجب فِسق و ردِّ شہادت ہے۔ یہی حال گنجفہ کا سمجھنا چاہیے۔

شطرنج کو اگرچہ بعض علمانے بعض روایات میں چند شرطوں کے ساتھ جائز بتایا ہے، مگر تحقیق یہ کہ مطلقاً منع ہے اور حق یہ ہے کہ ان شرطوں کا نباہ ہرگز نہیں ہوتا۔ (۳)

---

(۱) احکام شریعت، حصہ سوم، ص:۱۰۔

لہو ولعب: مسئلہ: گنجفہ، چوسر کھیلنا ناجائز ہے، شطرنج کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح لہو ولعب کی جتنی قسمیں ہیں سب باطل ہیں صرف تین قسم کے لہو کی حدیث میں اجازت ہے، بی بی سے ملاعبت اور گھوڑے کی سواری اور تیر اندازی کرنا۔ (بہار شریعت، حصہ شانزدہم، ص:۱۳۱)

رقص وسرود: مسئلہ: ناچنا، تالی بجانا، ستار، ایک تارہ، دو تارہ، ہارمونیم، چنگ، طنبورہ بجانا، اسی طرح دوسرے قسم کے باجے سب ناجائز ہیں۔ (ایضا، ص:۱۳۱)

جانوروں کی بازی: جانوروں کو لڑانا مثلاً مرغ، بٹیر، تیتر، مینڈھے، بھینسے وغیرہ کہ ان جانوروں کو بعض لوگ لڑاتے ہیں یہ حرام ہے اور اس میں شرکت کرنا یا اس کا تماشا دیکھنا بھی ناجائز ہے۔ (بہار شریعت، حصہ: شانزدہم، ص:۱۳۱)

(۲) احکام شریعت، حصہ سوم، ص:۲۔

(۳) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص:۴۴۔

مراسم شادی

سوال: ہمارے دیار میں اس طرح کا رواج ہے کہ شادی کے دن طرح بطرح کا تماشا کرتے ہیں یعنی آتش بازی و بندوق اور گانا بجانا، اور لکڑی کھیلنا وغیرہ ان سب سامان کے ساتھ نوشاہ کو پالکی پر سوار کر کے تماشا کرتے ہوئے دلہن کے مکان میں جاتے ہیں۔ آیا یہ سب امور مذکورہ بحسب شرع شریف جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب: نوشہ کو پالکی میں سوار کرنا مباح و جائز ہے لانه من الرسوم العادية التی لا مغمز فیها من الشرع. اور لکڑی پھینکنا بندوقیں چھوڑنا اور اس قسم کے سب کھیل جائز ہیں جبکہ اپنے اور دوسرے کی مضرت کا اندیشہ نہ ہو، اور ان سے مقصود کوئی غرض محمود جیسے فن سپہ گری کی مہارت ہو، نہ مجرد لہو ولعب لانهما حینئذ من جنس المنضال المستثنیٰ فی الحدیث.

اور اگر صرف کھیل کود مقصود ہو تو مکروہ۔ فی الدرالمختار کره کل لهو لقوله علیه الصلوٰة والسلام کل لهو المسلم حرام الا ثلاثه ملا عبته باهله وتادیبه لفرسه و مناضلته بقوسه، اھ، وفی ردالمحتار فی الجواهر قد جاء الا ثر فی رخصة المصارعة لتحصیل القدرة علی المقاتلة دون التلهّی فانه مکروه اھ

آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے بیشک حرام اور پورا جرم ہے کہ اس میں تضییع مال ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی فرمایا۔

قال الله تعالیٰ: وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۝۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝۲۷

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الله تعالیٰ کره لکم ثلثا: قیل وقال، واضاعة المال، وکثرة السوال. رواه البخاری، عن المغیرة بن شعبة رضی الله تعالیٰ عنه.

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنة میں فرماتے ہیں: من البدع الشنیعة ماتعارف الناس فی اکثر بلاد الهند من اجتماعهم للهو واللعب بالنار، واحراق الکبریت، اھ مختصرا.

اسی طرح یہ گانے بجانے کہ ان بلاد میں معمول و رائج ہیں بلا شبہہ ممنوع و ناجائز ہیں خصوصا وہ

ناپاک وملعون رسم کہ بہت خران بے تمیز احمق جاہلوں نے شیاطین ہنود ملاعین بے بہبود سے سیکھی یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس کے حاضرین وحاضرات کو لچھے دار سنانا، سمدھیانہ کی عفیف و پاکدامن عورتوں کو الفاظ زنا سے تعبیر کرنا کرانا خصوصا اس ملعون بے حیا رسم کا مجمع زنان میں ہونا، ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا، قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بدلحاظیاں سکھانا، بے حیا، بے غیرت، خبیث، بے حمیت مردوں کا اس شہدہ پن کو جائز رکھنا، کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا، مگر بندوبست قطعی نہ کرنا، یہ وہ شنیع، گندی اور مردود رسم ہے جس پر صدہا لعنتیں اللہ عزوجل کی اترتی ہیں، اس کے کرنے والے اس پر راضی ہونے والے، اپنے یہاں اس کا کافی انسداد نہ کرنے والے سب فاسق فاجر، مرتکب کبائر، مستحق غضب جبار و عذاب نار ہیں والعیاذ باللہ تبارک وتعالیٰ، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔

جس شادی میں یہ حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں اور اگر نادانستہ شریک ہوگئے تو جس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو تو سب مسلمان مردوں عورتوں پر لازم ہے کہ فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی جورو بیٹی، ماں، بہن کو گالیاں نہ دلوائیں، فحش نہ سنوائیں، ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضب الٰہی سے حصہ لیں گے والعیاذ باللہ رب العالمین۔ زنہار زنہار اس معاملہ میں حقیقی بہن بھائی بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت ومروت روا نہ رکھیں کہ: لا طاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالی.

ہاں شرع مطہر نے شادی میں بغرض اعلان نکاح، صرف دف کی اجازت دی ہے جبکہ مقصود شرع سے تجاوز کر کے لہو مکروہ وتحصیل لذت شیطانی کی حد تک نہ پہنچے، ولہذا علما شرط لگاتے ہیں کہ قواعد موسیقی پر نہ بجایا جائے، تال سم کی رعایت نہ ہو نہ اس میں جھانج ہوں کہ وہ خواہی نخواہی مطرب وناجائز ہیں۔ پھر اس کا بجانا بھی مردوں کو ہر طرح مکروہ ہے، نہ شرف والی بیبیوں کے مناسب بلکہ نابالغہ چھوٹی چھوٹی بچیاں یا لونڈیاں باندیاں بجائیں، اور اگر اس کے ساتھ کچھ سیدھے سادے اشعار یا سہرے سہاگ ہوں جن میں اصلا نہ فحش ہو نہ کسی بے حیائی کا ذکر، نہ فسق وفجور کی باتیں، نہ مجمع زنان یا فاسقان میں عشقیات کے چرچے، نہ نامحرم مردوں کو نغمۂ عورات کی آواز پہنچے، غرض ہر طرح منکرات شرعیہ ومظانِّ فتنہ سے پاک ہوں، تو اس میں مضائقہ نہیں۔ جیسے انصار کرام کی شادیوں میں سمدھیانے جا کر یہ شعر پڑھا جاتا تھا ؎

اتینا کم اتیناکم فحیانا وحیاکم

ہم تمھارے پاس آئے ہم تمھارے پاس آئے، اللہ ہمیں زندہ رکھے تمھیں بھی جلائے۔

بس اس قسم کے پاک وصاف مضمون ہوں، اصل حکم میں تو اسی قدر کی رخصت ہے مگر حال زمانہ کے مناسب یہ ہے کہ مطلق بندش کی جائے کہ جہال حال، خصوصا زنان زمان سے کسی طرح امید نہیں کہ انھیں جو حد باندھ کر اجازت دی جائے اس کی پابند رہیں اور حد مکروہ وممنوع تک تجاوز نہ کریں۔ لہذا سرے سے فتنہ کا دروازہ ہی بند کیا جائے نہ انگلی ٹیکنے کی جگہ پائیں گی نہ آگے پاؤں پھیلائیں گی، خصوصا بازاری فاجرہ فاحشہ عورتوں، رنڈیوں، ڈومنیوں کو تو ہرگز ہرگز قدم نہ رکھنے دیں کہ ان سے حد شرع کی پابندی محال عادی ہے۔ وہ بے حیائیوں فحش سرائیوں کی خوگر ہوتی ہیں منع کرتے کرتے اپنا کام کر گزریں گی بلکہ شریف زادیوں کا ان آوارہ بدوضعوں کے سامنے آنا ہی سخت بیہودہ وبیجا ہے۔ صحبت بد زہر قاتل ہے اور عورتیں نازک شیشیاں ہیں جن کے ٹوٹ جانے کے لئے ایک ادنی سی ٹھیس بھی بہت ہوتی ہے اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یا انجشة رُوَیْدا بالقوار یر. فرمایا۔ الخ[1]

اسراف واضاعت مال

سوال: آج کل خیرات اس قسم کی کرتے ہیں کہ چھتوں اور کوٹھوں پر سے روٹیاں اور روٹیوں کے ٹکڑے بسکٹ وغیرہ پھینکتے ہیں اور صدہا آدمی ان کو لوٹتے ہیں۔ ایک کے اوپر ایک گرتا ہے۔ بعض کے چوٹ لگ جاتی ہے۔ اور وہ روٹیاں نیچے زمین میں گر کر پاؤں سے روندی جاتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات غلیظ نالیوں میں بھی گرتی ہیں اور رزق کی سخت بے ادبی ہے۔ اور یہی حال شربت کا ہے کہ اوپر سے آبخوروں میں وہ لوٹ مچائی جاتی ہے کہ آدھا آب خورہ بھی شربت کا نہیں رہتا اور تمام شربت زمین پر گر کر بہتا ہے۔ ایسی خیرات ایسا لنگر جائز ہے یا بوجہ رزق کی بے ادبی کے گناہ ہے؟

الجواب: یہ خیرات نہیں شرور وسیآت ہے۔ نہ ارادۂ وجہ اللہ کی یہ صورت ہے، بلکہ ناموری اور دکھاوے کی۔ اور وہ حرام ہے۔ اور رزق کی بے ادبی اور شربت کا ضائع کرنا گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم[2]

سوال: "گھڑے بدھنے میت کو غسل دینے کے بعد پھوڑ ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟؟؟

الجواب: گناہ ہے کہ بلا وجہ تضییع مال ہے کہ اگر وہ ناپاک بھی ہوجائیں تاہم پاک کرلینا

(۱) ھادی الناس فی رسوم الاعراس، ص:۲ تا ۴، حسنی پریس، بریلی۔

(۲) احکام شریعت، حصہ اول، ص:٦٦۔

ممکن۔ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ کرہ لکم ثلثا. اللہ تعالیٰ تین باتیں تمھارے لئے ناپسند رکھتا ہے۔ قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال، فضول بک بک اور سوال کی کثرت اور مال کی اضاعت۔ رواہ الشیخان وغیرھما.

اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ ان سے مُردے کو نہلایا ہے تو ان میں نحوست آگئی تو یہ خیال اوہامِ کفارِ ہند سے بہت ملتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

مسجد میں سوال

مسجد میں سوال نہ کرے کہ حدیث شریف میں اس سے ممانعت آئی (۲) اور اسے دینا بھی نہ چاہیے کہ شنیع (بُرے) پر اِعانت ہے۔ علما فرماتے ہیں: مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے تو ستر پیسے اور درکار ہیں جو اس دینے کا کفارہ ہوں۔ کما في "الهندية" و "الحديقة الندية" وغيرهما.

اور اگر ایسی بدتمیزی سے سوال کرتا ہے کہ نمازیوں کے سامنے گزرتا ہے یا بیٹھے ہوؤں کو پھاند کر جاتا ہے تو اسے دینا بالاتفاق ممنوع۔

وهو المختار على ما في "الدرّ المختار" من الحظر وقد جزم في الصلاة بإطلاق الحظر وعبّر عن هذا بقيل. (۲)

داڑھی کی مقدار

سوال: ''داڑھی منڈانے اور خسخسی کرانے والا اور حدِ شرعی سے کم رکھنے والا فاسق ہے یا نہیں۔ اور اس کے پیچھے نماز فرض خواہ تراویح پڑھنا چاہیے یا نہیں اور حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ نے اس کے حق میں کیا ارشاد فرمایا ہے اور وہ حشر کے دن کس گروہ میں اٹھے گا؟''

الجواب: داڑھی منڈانے اور کتروانے والا فاسق معلن ہے۔ اسے امام بنانا گناہ ہے۔ فرض ہو یا تراویح کسی نماز میں اسے امام بنانا جائز نہیں۔ حدیث میں اس پر غضب اور ارادۂ قتل وغیرہ کی وعیدیں وارد ہیں۔ اور قرآن عظیم میں اس پر لعنت ہے۔ نبی ﷺ کے مخالفوں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۳)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص:۱۷۶۔

(۲) احسن الوعاء، ص:۱۲۲۔

(۳) احکام شریعت، حصہ دوم، ص:۲۳۔

سوال: داڑھی شرعًا کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب: ٹھوڑی سے نیچے چار انگل چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

مرد کی انگوٹھی

چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے اور دو انگوٹھیاں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے، کانسے، پیتل، لوہے، تانبے کی مطلقا ناجائز ہے۔ گھڑی کی زنجیر سونے یا چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں منع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (۲)

سیاہ خضاب

سوال: ”خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں بعض علما جواز کا فتوی دیتے ہیں؟

الجواب: سرخ یا زرد خضاب اچھا ہے اور زرد بہتر۔ اور سیاہ خضاب کو حدیث میں فرمایا کافر کا خضاب ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا منھ کالا کرے گا۔ یہ حرام ہے جواز کا فتوی باطل و مردود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ملخصًا (۳)

سوال: ”وسمہ نیل کا جس سے بال سیاہ ہو جائیں جائز ہے یا نہیں۔ اور نیل میں حنا ملا کر لگانا درست ہے یا نہیں؟“

الجواب: صحیح مذہب میں سیاہ خضاب حالت جہاد کے سوا مطلقا حرام ہے جس کی حرمت پر احادیث صحیحہ و معتبرہ ناطق۔ الخ (۴)

سوال: ”خضاب سیاہ رنگ یعنی مہندی و نیل باہم مخلوط کر کے بلا ضرورت شرعی استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ الخ

---

(۱) احکام شریعت، حصہ دوم، ص: ۳۳۔

(۲) احکام شریعت، حصہ دوم، ص: ۳۰۔

(۳) احکام شریعت، حصہ اول، ص: ۲۷۔

(۴) حکُّ العیب فی حرمۃ تسوید الشیب (۱۳۰۷ھ) رضوی پریس، بریلی۔

الجواب: سیاہ خضاب خواہ مازو و ہلیلہ و نیل کا ہو خواہ نیل و حنا مخلوط خواہ کسی چیز کا سوا مجاہدین کے سب کو مطلقا حرام ہے۔ اور صرف مہندی کا سرخ خضاب یا اس میں نیل کی کچھ پتیاں اتنی ملا کر جس سے سرخی میں پختگی آجائے اور رنگ سیاہ نہ ہونے پائے سنت مستحبہ ہے۔

شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ الشریف اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں: خضاب بسواد حرام ست و صحابہ وغیرہم خضاب سرخ می کردند گاہے زرد نیز اھ۔ ملخصا۔

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصفرۃ خضاب المؤمن والحمرۃ خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر.

زرد خضاب ایمان والوں کا، سرخ خضاب اسلام والوں کا اور سیاہ خضاب کافروں کا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (۱)

سوال: حضور ایک کتاب میں میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت رِیش مبارک میں خضاب تھا۔

الجواب: خضاب سیاہ یا اس کی مثل حرام ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے: غَیِّرُوْا ھٰذَا بِشَیْءٍ وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ. اس سپیدی کو بدل دو اور سیاہی کے پاس نہ جاؤ۔

سننِ نسائی شریف کی حدیث میں ہے: یَاتِیْ نَاسٌ یَخْضِبُوْنَ بِالسَّوَادِ کَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا یُرِیْحُوْنَ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ.

کچھ آئیں گے کہ سیاہ خضاب کریں گے جیسے جنگلی کبوتروں کے نیلگوں پوٹے وہ جنت کی بُو نہ سونگھیں گے۔

تیسری حدیث میں ہے: مَن خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللہُ وَجْھَہٗ، یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ.

جو سیاہ خضاب کرے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کا منھ کالا کرے گا۔

چوتھی حدیث میں ہے: اَلصُّفْرَۃُ خِضَابُ الْمُؤْمِنِ وَالْحُمْرَۃُ خِضَابُ الْمُسْلِمِ وَالسَّوَادُ خِضَابُ الْکَافِرِ.

زرد خضاب مومن کا ہے اور سرخ خضاب مسلم کا اور سیاہ خضاب کافر کا۔

---

(۱) حکُّ العیب فی حرمۃ تسوید الشیب، ص: ۱۱ تا ۱۲، رضوی پریس، بریلی۔

پانچویں حدیث میں ہے: اِنَّ اللهَ يُبْغِضُ الشَّيْخَ الْغِرْبِيْبَ. اللہ دشمن رکھتا ہے بڈھے کوے کو۔

چھٹی حدیث میں ہے: اَوَّلُ مَنِ اخْتَضَبَ بِالسَّوَادِ فِرْعَوْنُ.

سب میں پہلے جس نے سیاہ خضاب کیا فرعون تھا۔ دیکھو فرعون کا ہے (یعنی کس) میں ڈوبا؟ نیل میں، یہ لوگ بھی نیل میں ڈوبتے ہیں۔

"سیاہ خضاب صرف مجاہدین کو جائز ہے۔" جیسے جنگ میں رَجز پڑھنا اور خود سِتائی ان کو جائز ہے، اکڑ کر چلنا ان کو جائز ہے۔ ریشمی بانے کا دَبیز لباس ان کو پہننا جائز ہے۔ چالیس دن سے زیادہ لبیں اور چہرے کے بال اور ناخن بڑھانا ان کو جائز ہے۔ اوروں کو یہ سب باتیں حرام ہیں۔ فوجی قانون عام قانون سے جدا ہوتا ہے، اس میں سیاہ خضاب داخل ہے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہد تھے، اُنھیں جائز تھا تم کو حرام ہے۔[1]

عرض: خِضَاب سیاہ اگر وَسْمَہ سے ہو؟

ارشاد: وَسْمَہ سے ہو یا تَسْمَہ سے! سیاہ خِضَاب حرام ہے۔

عرض: کوئی صُورت بھی اس کے جواز کی ہے؟

ارشاد: ہاں جِہاد کی حالت میں جائز ہے۔

عرض: اگر جوان عورت سے مردِ ضَعِیف نکاح کرنا چاہے تو خِضَاب سیاہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

ارشاد: بوڑھا بیل سینگ کاٹنے سے بچھڑا نہیں ہو سکتا۔

عرض: بعض کُتُب میں ہے کہ وقتِ شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وَسْمَہ کا خِضَاب تھا۔

ارشاد: حضرت امام حَسَن و حُسَیْن و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم خِضَاب وَسْمَہ کا کیا کرتے تھے کہ یہ سب حضرات مُجاہدین تھے۔[2]

زُلف دراز

سوال: اکثر بال بڑھانے والے لوگ حضرت "گیسو دراز" کو دلیل لاتے ہیں۔

(۱) الملفوظ، حصہ دوم، ص:۹۴۔

(۲) الملفوظ، حصہ سوم، ص:۱۷۔

الجواب: جہالت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت احادیثِ صحیحہ میں ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں سے مشابہت پیدا کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں سے۔ اور تَشَبُّہ کے لیے ہر بات میں پوری وضع بنانا ضرور نہیں (صرف) ایک ہی بات میں مشابہت کافی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت کو مُلاحَظہ فرمایا کہ مَردوں کی طرح کندھے پر کمان لٹکائے جا رہی ہے۔ اس پر بھی یہی فرمایا کہ ان عورتوں پر لعنت جو مردوں سے تَشَبُّہ کریں۔

اُمُّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو مردانہ جوتا پہنتی تھی، اس پر بھی یہی حدیث روایت فرمائی کہ مَردوں سے تَشَبُّہ کرنے والیاں ملعون ہیں۔

جب صرف جوتے یا کمان لٹکانے میں مشابہت مُوجِبِ لعنت ہے تو عورتوں کے سے بال بڑھانا اس سے سخت تر موجبِ لعنت ہوگا کہ وہ ایک خارجی چیز ہے اور یہ خاص جزوِ بدن تو شانوں سے نیچے گیسو رکھنا بحکمِ احادیثِ صحیحہ ضرور موجب لعنت ہے اور چوٹی گندھوانا اور زیادہ، اس میں موباف ڈالنا اور اس سے سخت تر۔

حضرت سیدی محمد گیسو دراز قُدِّسَ سِرُّہٗ نے تَشَبُّہ نہ کیا تھا، ایک گیسو محفوظ رکھا تھا اور اس کے لیے ایک وجہ خاص تھی کہ اکابرِ عُلَما و اَجِلَّہ (یعنی بلند رتبہ) سادات سے تھے، جوانی کی عمر تھی۔ سادات کی طرح شانوں تک دو گیسو رکھتے تھے کہ اِس قدر شرعًا جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ ایک بار سرِ راہ بیٹھے تھے۔ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سواری نکلی۔ انہوں نے اٹھ کر زانوئے مبارک پر بوسہ دیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: ''سیّد فروتر'' سید اور نیچے بوسہ دو۔ انہوں نے پائے مبارک پر بوسہ لیا۔ فرمایا: ''سید فروتر'' انہوں نے گھوڑے کے سُم پر بوسہ دیا۔ ایک گیسو کہ رِکاب مبارک میں اُلجھ گیا تھا وہیں اُلجھا رہا اور رِکاب سے سُم تک بڑھ گیا۔ حضرت نے فرمایا: ''سید فروتر'' انہوں نے ہٹ کر زمین پر بوسہ دیا۔ گیسو رِکاب مبارک سے جدا کر کے حضرت تشریف لے گئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایسے جلیل سید اتنے بڑے عالم نے زانو پر بوسہ دیا اور حضرت راضی نہ ہوئے، اور نیچے بوسہ دینے کو حکم فرمایا، انہوں نے پائے مبارک کو بوسہ دیا، اور نیچے کو حکم فرمایا، گھوڑے کے سم پر بوسہ دیا، اور نیچے کو حکم فرمایا یہاں تک کہ زمین پر بوسہ دیا۔

یہ اعتراض حضرت سید گیسو دراز نے سنا۔ فرمایا: لوگ نہیں جانتے کہ میرے شیخ نے ان چار بوسوں میں کیا عطا فرما دیا؟ جب میں نے زانوئے مبارک پر بوسہ دیا، "عالَمِ ناسُوت "منکشف ہو گیا۔ جب پائے اقدس پر بوسہ دیا، "عالَمِ مَلَکُوت "منکشف ہوا۔ جب گھوڑے کے سُم پر بوسہ دیا، ''عالَمِ جَبرُوت'' منکشف تھا۔ جب زمین پر بوسہ دیا، ''عالَمِ لاہُوت'' کا انکشاف ہو گیا۔

اس ایک گیسو کو کہ ایسی جلیل نعمت کا یادگار تھا اور اسے ایسی تجلیِ رحمت نے بڑھایا تھا نہ ترشوایا۔
اسے تَشَبُّہ سے کیا عِلاقہ؟

عورتوں کا ایک گیسو بڑا نہیں ہوتا، نہ اتنا دَراز (یعنی لمبا) اور (نہ) اس کے محفوظ رکھنے میں یہ راز اس کی سند ابو مَحذُورَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف شریف فتح فرمایا۔ اذان ہوئی، بچوں نے اس کی نقل کی، اُن میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ان کی آواز بہت اچھی تھی۔ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے آپ کو بلایا اور سر پر دستِ مبارک رکھا اور ان کو مؤذِّن مقرر فرمادیا۔ برکت کے لیے پیشانی کے ان بالوں کو جن پر دستِ اقدس رکھا گیا تھا، محفوظ رکھا۔ جس وقت بال کھولے جاتے تو زمین پر آجاتے تھے۔ اسے بھی تَشَبُّہ سے کچھ عِلاقہ نہیں۔ عورتیں فقط پیشانی کے بال نہیں بڑھاتیں اور ان (یعنی حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا محفوظ رکھنا اس برکت کے لیے تھا۔[1]

سوال: ”زید امامت کرتا ہے اور اس کے سر کے بال لمبے یعنی دوش سے نیچے قریب سینہ تک ہیں، عمرو کہتا ہے کہ دوش سے نیچے بال بڑھانا حرام ہیں اور ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے، زید کہتا ہے کہ اتنے لمبے بال رکھنا یعنی دوش سے نیچے جائز ہے اور مشائخ سادات کا یہ شعار ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مدظلہ نے اپنے رسالہ ”الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن“ کے صفحہ: ۱۹، سطر: ۱ میں حضرت سیّدنا امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے دو ۲ گیسو شانہ پر لٹک رہے تھے لہذا سوال یہ ہے کہ زید کا کہنا صحیح یا عمرو کا، اگر قول عمرو کا صحیح ہے تو جتنی نمازیں ہم مقتدیوں نے زید کے پیچھے پڑھی ہیں حساب کرکے سب کا اعادہ کریں یا نہیں؟

الجواب: مسلمانوں کو اتباعِ شریعت چاہیے۔ حکم نہیں مگر اللہ ورسول کے لئے۔ سینہ تک بال رکھنا شرعًا مرد کو حرام، اور عورتوں سے تشبّہ اور بحکم احادیث صحیحہ کثیرہ معاذاللہ باعث لعنت ہے۔

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعن اللہ المتشَبِّھین من الرجال بالنساء.الخ
اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک عورت کو مردانہ جوتا پہنے دیکھا اُسے لعنت کی خبر دی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت کو کمان لٹکائے ملاحظہ فرمایا، ارشاد فرمایا: ”اللہ کی لعنت ہو اُن عورتوں پر کہ مردوں سے تشبّہ کریں اور ان مردوں پر کہ عورتوں سے مشابہت کریں“۔

---

(۱) ملفوظات، حصہ دوم، ص: ۹۴ تا ۹۶۔

حالانکہ جُوتا کوئی جزو بدن نہیں جزو لباس ہے اور کمان جزو لباس بھی نہیں ایک خارج شئے ہے جب ان مشابہت پر لعنت فرمائی تو بال جزوِ بدن ہیں ان میں مشابہت کس درجہ حرام اور باعثِ لعنت ہوگی۔

الحرف الحسن میں یہ ہے کہ شانہ پر لٹک رہے تھے یا یہ کہ شانہ سے اُتر کر سینہ تک پہنچے تھے۔ شانہ تک لمبے گیسوں کا ہونا کہ آگے اصلا نہ بڑھیں ضرور جائز بلکہ سنن زوائد سے ہے۔ حساب کر کے نمازوں کا اعادہ چاہیے اور امام صاحب سے امید ہے کہ حکم شرع قبول فرما کر خود معصیت سے بچیں گے اور اپنی اور مقتدیوں کی نماز کراہت سے بچائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم [1]

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

سوال: ''مسلمان کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے بلند مکان پر جائز ہے۔

الجواب: کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ سنّتِ نصاریٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: من الجفاء ان یبول الرجل قائما. بے ادبی و بد تہذیبی ہے کہ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے۔ الخ [2]

متفرقات

(الف) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج براق پر سوار ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے وعدہ لے لیا ہے کہ روز قیامت جب کہ سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے ہر ایک مسلمان کی قبر پر اسی طرح ایک ایک براق بھیجوں گا جیسا کہ آج آپ کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ یہ مضمون صحیح ہے یا نہیں ؟ کیوں کہ کتاب معارج النبوۃ سے لوگ اس کو بیان کرتے ہیں۔

(ب) کتاب معارج النبوۃ کیسی کتاب ہے اور اس کے مصنف عالم اہل سنت معتبر محقق تھے یا نہیں ؟

(ج) طوائف جس کی آمدنی صرف حرام پر ہے اس کے یہاں مجلس میلاد شریف پڑھنا اور اس کی اسی حرام آمدنی کی منگائی ہوئی شیرینی پر فاتحہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(د) مجلس میلاد شریف میں بعد بیان مولود شریف کے ذکر شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور واقعات کربلا پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) فتاوی رضویہ، حصہ سوم، ص:۲۵۹۔

(۲) فتاوی افریقہ، ص:۹،۱۰۔

(ہ) خاتون جنت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت یہ بیان کرنا کہ روز محشر وہ برہنہ سروپا ظاہر ہوں گی اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون آلود اور زہر آلود کپڑے کاندھے پر ڈالے ہوئے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک جو جنگ احد میں شہید کیا گیا تھا، ہاتھ میں لیے ہوئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گی اور عرش کا پایہ پکڑ کر ہلائیں گی اور خون کے معاوضہ میں امت عاصی کو بخشوائیں گی۔ صحیح ہے یا نہیں؟

(و) مجلس میلاد شریف پڑھنے کے پیش تر ٹھہرا لینا کہ ایک روپیہ دو تو ہم پڑھیں گے اور اس سے کم پر نہیں پڑھیں گے اور وہ بھی اس سے پیشگی بطور بیعانہ یا سائی جمع کرا دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ز) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شب معراج عرش الٰہی پر مع نعلین مبارک تشریف لے جانا صحیح ہے یا نہیں؟

(ح) رافضیوں کے یہاں محرم میں ذکر شہادت و مصائب شہدائے کربلا و سوز خوانی و مرثیہ مصنفہ انیس و دبیر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(ط) بیان کیا جاتا ہے کہ شب معراج حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عذاب دکھایا گیا اور ارشاد باری ہوا کہ اے حبیب! یا ماں باپ کو بخشوا لے یا امت کو۔ آپ نے ماں باپ کو چھوڑا۔ امت کو اختیار کیا۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(ی) زید باوجود اطلاع پانے جوابات سوالات مذکور الصدر کے اگر اپنے اقوال و افعال مذکورہ بالا سے باز نہ آئے اور تائب نہ ہو اور ان جوابات کو جھوٹا تصور کرے اور یہی بیانات اور طریقے جاری رکھے تو اس سے مجلس شریف پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (الف) بے اصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) سنی واعظ تھے۔ کتاب میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ج) اس مال کی شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے مگر جب کہ اس نے مال بدل کر مجلس کی ہو۔ یہ لوگ جب کوئی کار خیر کرنا چاہتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں اور اس کے لیے کوئی شہادت کی حاجت نہیں۔ اگر وہ کہے کہ میں نے قرض لے کر یہ مجلس کی ہے اور وہ قرض اپنے مال حرام سے ادا کیا ہے تو اس کا قول مقبول ہوگا۔ کما نص علیہ فی الھندیۃ وغیرھا۔

بلکہ شیرینی اگر اپنے مال حرام ہی سے خریدی اور خریدنے میں اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے۔ یعنی

حرام روپیہ دکھا کر اس کے بدلے خریدی اور خرید کر وہی حرام روپیہ دیا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو مذہب مفتی بہ پر وہ شیرینی بھی حرام نہ ہوگی- جو شیرینی اسے خاص اجرت زنا یا غنا میں ملی، یا اس کے کسی آشنا نے تحفہ میں بھیجی یا اس کی خریداری میں عقد و نقد مال حرام پر جمع ہوئے وہ شیرینی حرام اور اس پر فاتحہ حرام ہے۔
یہ حکم تو شیرینی و فاتحہ کا ہوا۔ مگر ان کے یہاں جانا اگرچہ مجلس شریف پڑھنے کے لیے ہو معصیت یا مظنۂ معصیت یا تہمت یا مظنۂ تہمت سے خالی نہیں اور ان سب سے بچنے کا حکم ہے۔

حدیث میں ہے: من كان يومن بالله واليوم الاخر فلا يقِفَنَّ مواقع التهم- جو اللہ عزوجل اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ ہرگز تہمت کی جگہ نہ کھڑا ہو۔

اول تو ان کی چوکی اور فرش اور ہر استعمالی چیز انہیں احتمالات خباثت پر ہی ہے۔ جو اہل تقویٰ نہیں اسے ان کے ساتھ قرب آگ اور بارود کا قرب ہے۔ اور جو اہل تقویٰ ہے اس کے لیے وہ لوہار کی بھٹی ہے کہ کپڑے جلے نہیں تو کالے ضرور ہوں گے۔ پھر اپنے نفس پر اعتماد کرنا اور شیطان کو دور سمجھنا احمق کا کام ہے۔

و من وقع حول الحمى أوشك أن يقع فيه. جو رَمنے کے گرد چرائے گا کبھی اس میں پڑ بھی جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(د) علمائے کرام نے محل میلاد شریف میں ذکر شہادت سے منع فرمایا ہے کہ وہ مجلس سرور ہے۔ ذکر حزن مناسب نہیں. کما فی مجمع البحار۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(ہ) یہ سب محض جھوٹ ہے اور افترا اور کذب۔ اور گستاخی اور بے ادبی ہے مجمع اولین و آخرین میں ان کا برہنہ سر تشریف لانا جن کو برہنہ سر کبھی آفتاب نے بھی نہ دیکھا۔ وہ کہ جب صراط پر گزر فرمائیں گی زیر عرش سے منادی ندا کرے گا۔ اے اہل محشر! اپنے سر جھکا لو اور اپنی آنکھیں بند کر لو کہ فاطمہ بیٹی محمد ﷺ کی صراط پر گزر فرماتی ہیں۔ پھر وہ نور الٰہی ایک برق کی طرح ستر ہزار حوریں جلو میں لیے ہوئے گزر فرمائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(و) اللہ عزوجل فرماتا ہے: لا تشتروا بآياتي ثمنا قليلا. یہ ممنوع ہے اور ثواب عظیم سے محرومی مطلق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ز) یہ محض جھوٹ اور موضوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ح) حرام ہے۔ ع کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

حدیث میں ارشاد ہوا: لا تجالسوهم. ان کے پاس نہ بیٹھو۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

من کثر سواد قوم فھو منھم. جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انھیں میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ط) محض جھوٹ افترا اور کذب وبہتان ہے۔ اللہ ورسول پر بہتان کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔ جل وعلا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ی) جو بعد اطلاع احکام شرعیہ نہ مانے اور انھیں افعال پر مصر رہے اور فتوی شریعت کو جھوٹا تصور کرے وہ گمراہ ہے۔ اس سے مجلس شریف پڑھوانا اس کا سننا اس سے امید ثواب رکھنا اس کی تعظیم کرنا سب ناجائز ہے جب تک تائب نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم [1]

سوال: بعض لوگ جناب پیران پیر کا پیوند دیتے ہیں کیفیت اس کی اس طرح ہے کہ جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اس کا نام پیوندی رکھتے ہیں اور جب سال کا ہوا اس کے گلے میں ہنسلی ڈال دیتے ہیں اور اسی طرح دوسرے برس- ۱۴ یا ۱۵ سال تک - جب وہ لڑکا اس عمر تک پہنچ جائے وہ ہنسلیاں اور لڑکے کی قیمت کرواکے اس کا دسواں حصہ جناب پیران پیر کے نام سے دیتے ہیں اور اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے لڑکا جیتا رہتا ہے۔

اور ایسا ہی جانوروں میں اگر بیل ہے یا بھینسا ہے تو اسے ہل جوتنے کے وقت اور اگر مادہ ہے تو اس کے بیانے کے وقت قیمت کا دسواں حصہ دیتے ہیں۔

اور نیز درختوں کو پیر صاحب کا کرکے اس کا جلانا اور دیگر استعمال میں لانا حرام سمجھتے ہیں حتی کہ وہ یودہا ہوکر گر پڑے اور پڑا پڑا یودہا ہوجائے۔

اور کھیتوں سے بھی حصہ پیر صاحب کے نام دیتے ہیں۔

جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے حق میں کیا حکم ہے؟

اور نیز بودی یعنی چوٹی مثلاً قوم ہنود بچوں کے سروں پر رکھتے ہیں اگر پوچھا جائے یہ کیا ہے تو پیر صاحب کی بودی بتلاتے ہیں

اور ایسے ہی مدار پیر کی چٹا پھر مدت معہود کے بعد اسے پیر صاحب کی منت دے کر نہایت ادب کے ساتھ اپنی رسمیں پوری کرکے منڈواتے ہیں۔

---

(۱) احکام شریعت، حصہ دوم، ص: ۸ تا ۱۰۔

جو شخص اس دسوندی بچہ وغیرہ کی قیمت پاتا ہے اس قیمت اور ہنسلیاں کے دسویں حصہ سے نیاز لیتا ہے آیا ایسے شخص کی امامت اور بیعت درست ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) دسوندی نام کفار ہنود سے ماخوذ ہے اور مسلمان کو ممانعت ہے کہ کافروں کے نام رکھے۔ اور لڑکے کو ہنسلی وغیرہ زیور پہنانا حرام ہے اور لڑکے کی قیمت کرنی جہالت ہے اور یہ اعتقاد کہ ایسا کرنے سے لڑکا جیتا ہے، اگر اس معنی پر سمجھے ہیں کہ یوں کرینگے تو جیے گا ورنہ مرجائے گا تو سخت جہل بے بہبود اعتقاد مردود و مشابہ خرافات ہنود و غیرہم کفار عنود ہے۔

ہاں اگر ان بیہودہ باتوں کو چھوڑ کر صرف اس قدر کرتے کہ مولیٰ عزوجل کے نام پر محتاجین کو صدقہ دیتے اور اس کا ثواب نذر روح سرکار غوث پاک کرتے اور نیت یہ ہوتی کہ رب تبارک و تعالیٰ صدقے کے سبب بلاؤں سے محفوظ رکھے گا اور بوجہ ایصال ثواب سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برکات رضا و دعا و توجہ شامل حال ہوں گے اور ان پر محبوب کریم رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں عقیدت و نیاز مندی کے اظہار سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوش ہوگا اور اس کی خوشی جالب رحمت و سالب زحمت ہوگی اور حیات نہ ہوگی مگر وقت معہود تک اور موت نہ رکے گی مگر اجل معلوم تک تو یہ اعتقاد و عمل صحیح و بے خلل ہوتے۔

(۲) یوہیں جانوروں کی قیمت کا دسواں حصہ اگر ان خیالات باطلہ کے طور پر ہے تو مذموم اور صرف اس طریق صحیح پر ہو تو ایک تصدق ہے جس سے دفع بلا مقصود اور بیشک صدقہ ردِ بلا کرتا اور باذنہٖ تعالیٰ موت سے بچاتا ہے۔ اگرچہ قضائے الٰہی کا کوئی پھیرنے والا نہیں۔ رہی ہل جوتنے اور بیانے کے وقت کی خصوصیت وہ اگر کسی اعتقاد عمل باطل کے ساتھ نہیں، نہ اسے تخصیص شرعی و ضروری سمجھا جائے تو

لا ینفع و لا یضر، کسائر التخصیصات العرفیہ التی لا حاجز علیھا من الشرع.

(۳) درختوں کو رب خواہ عبد کسی کے نام کا ٹھہرا کر ان کا جلانا اور صرف میں لانا، حرام سمجھنا اپنی طرف سے شریعت جدیدہ نکالنا اور بحیرہ و سائبہ مشرکین کی پیروی کرنا ہے جس پر ردو انکار شدید خود قرآن مجید میں موجود۔ مسلمانوں پر ایسی بدعت شنیعہ باطلہ سے احتراز فرض ہے اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور جلد توبہ کریں۔

(۴) کھیت میں سے حضور پر نور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پاک پر حصہ دینا اگر یوں ہے کہ حضور کو اس حصہ کا مالک سمجھا جاتا ہے یا اس دینے سے تصدق لوجہ اللہ منظور نہیں بلکہ حضور کی طرف تقرب

بالذات مقصود دیا یہ سمجھتے ہیں کہ یوں نہ کریں گے تو حضور معاذاللہ ناراض ہوکر مضرت دیں گے کوئی بلا پہنچے گی تو یہ سب اعتقاد باطلہ وفاسدہ وبدعات سیئہ ہیں اور اگر یوں نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے لیے تصدق منظور، توکھیتوں سے ایسا حصہ دینا خود قرآن عظیم میں مطلوب۔

اور اس کا ثواب نذر روح اقدس کرنا اس عمل طیب میں طیب وخوبی ہی بڑھائے گا جبکہ کسی عقیدہ باطلہ کے ساتھ نہ ہو۔

(۵) لڑکوں کے سر پر چوٹی رکھنی ناجائز اور فعل مذکور رسوم ملعونہ کفار سے تشبہ ہے جس سے احتراز لازم۔

(۶) جو شخص اپنے احوال مذکورہ بروجوہ مذمومہ سے صدقہ لیتا ہے اگر ان اعتقادات باطلہ میں ان کا شریک تو خود بھی فاسق و مبتدع ہے جس کی امامت مکروہ اور اس کے ہاتھ پر بیعت جہالت۔[1]

سوال: (۱) مردہ کے نام کھانا جو امیر و غریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہیے اور کس کو نہیں؟ اور یوں بھی کہتے ہیں کہ مردہ کے نام کا کھانا مصلّی امیر و غریب سب کو کھلاتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بزرگوں کے مزار پر عرُسوں میں یا اس کے علاوہ میں عورتیں جاتی ہیں یا ناپاکی کی حالت میں بھلائی کی طلب میں حاجت برآری کے لیے، اور وہاں ٹھہرتی ہیں اور ان کے ٹھہرنے کے لیے وہی قبرستان ہے۔

آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ باتیں بری ہیں تو اس بزرگ میں تصرف اور قوت اس کے روکنے کی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہا جاتا ہے کہ دربار بزرگان میں آنے والے ان کے مہمان ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگ لوگ اپنے مزار سے تصرف نہیں کرسکتے، اور یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر وہ تصرف کرسکتے تو وہاں رنڈیاں گاتی ہیں، ناچتی ہیں، بجاتی ہیں، عورتیں غیر محرم رہتی ہیں، ان کے بچے پیشاب وغیرہ کرتے ہیں تو کیوں نہیں روکتے، یہ کہنا اور اس کی یہ دلیل صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا کیا جواب؟

(۳) بزرگوں کے مزار سے جو چراغ کی روشنی غیبی سے ہوتی ہے یہ کیسی ہے اور اس سے اس صاحب مزار کی بزرگی ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

(۴) بزرگوں کے مزار پر فاتحہ، قرآن پڑھنے اور کھڑے ہوکر وسیلہ چاہنے کے لیے عمارت

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص: ۵۳، ۵۴۔

بنادے اور عرس کرے کرائے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۵) قبر پر درخت لگانا، دیوار کھینچنا یا قبرستان کی حفاظت کے لیے اس کے چاروں طرف کھود کر جس میں جدید قدیم قبریں بھی ہیں محاصرہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(٦) کسی بزرگ کے روضہ کے گرد قبریں اور وسعت جگہ کے لیے اس قبہ سے لگاکر اسی گرد کے قبر پر مثل سائبان کے پایہ زینہ دے کر چھپر ڈالنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۷) ظاہر ولی اللہ یعنی زندہ اور صاحب مزار ولی اللہ سے ظاہر طریقہ سے ہمکلام ہونے کی کوئی خبر ہے یا نہیں ؟

(۸) کوئی شخص اپنی زندگی میں قُل کرائے، فاتحہ پڑھوائے، آیا جائز ہے یا نہیں، اور اس کا ثواب اپنے لیے بعد وفات رکھے، یعنی یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اس کا ثواب ملے۔

الجواب: (ا) مردے کا کھانا صرف فقرا کے لیے ہو، عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے، غنی نہ کھائے، کمافی فتح القدیر و مجمع البرکات۔

(۲) عورتوں کو مقابر اولیا و مزارات عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ اولیاے کرام کا مزارات سے تصرف کرنا بیشک حق ہے۔ اور وہ بیہودہ دلیل محض باطل ہے۔ اصحاب مزارات دارِ تکلیف میں نہیں وہ اس وقت محض احکام تکوینیہ کے تابع ہیں، سیکڑوں ناحفاظیاں لوگ مسجدوں میں کرتے ہیں اللہ عزوجل تو قادر مطلق ہے کیوں نہیں روکتا؟ حاضرانِ مزار مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ مہمان۔

(۳) اگر منجانب اللہ ہے تو ضرور بزرگی ثابت ہوتی اور اگر بزرگی ثابت ہے تو منجانب اللہ ہے ورنہ امر محتمل ہے۔ شیطان بھی بہت کرشمے دکھاتا ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ازواجِ مطہرات سے ایک بی بی جب اندھیرے میں جاتیں ایک شمع روشن ہوجاتی، ایک روز حضور نے ملاحظہ فرمایا۔ اسے بجھادیا اور فرمایا کہ یہ شیطان کی جانب سے ہے پھر ایک ربانی نوران کے ساتھ فرمادیا۔ کما فی بھجۃ الاسرار و معدن الانوار.

(۴) جائز ہے۔ کمافی مجمع بحار الانوار۔ ہاں منکراتِ شرعیہ مثل رقص و مزامیر سے بچنا لازم ہے۔

(۵) حفاظت کے لیے حصار بنانے میں حرج نہیں۔ اور درخت اگر سایہ زائرین کے لیے ہوں تو اچھا

ہے، مگر قبر سے جدا ہوں۔

(٦) کسی قبر پر کوئی پایہ چُننا جائز نہیں۔

(٧) بکثرت ہیں کہ امام جلال الدین (سیوطی) کی شرح الصدور وغیرہ میں مذکور۔

(٨) جائز ہے اور قبول ہوا تو ثواب ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (١)

"غازی میاں کا بیاہ کوئی چیز نہیں۔ محض جاہلانہ رسم ہے۔ نہ ان کے نشان کی کوئی اصل۔" (٢)

سوال: "ناواقف جاہل لوگ بنام طاق شہید طاق پرستی کرتے ہیں، منتیں مانتے ہیں، ریوڑی، گٹا، پھول، ہار طاق پر چڑھاتے ہیں، جھک جھک کر سلام کرتے ہیں، اپنی حاجت روائی طاق سے چاہتے ہیں، اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے لیے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

الجواب: یہ سب رسوم جہالت وحماقت وممنوعات بیہودہ ہیں مگر بت پرستی میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ جہال پرستش بمعنی حقیقی نہیں کرتے کہ کافر ہو جائیں گے ہاں گنہ گار و مبتدع ہیں۔ (٣)

☆☆☆☆☆

(١) فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص: ١٦١، ١٦٢۔

(٢) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص: ١٨٩۔

(٣) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص: ١٦٤۔

باب چہارم

افکار و نظریات

امام احمد رضا اور تعظیم شان رسالت

مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی
شیخ الحدیث دار العلوم مدینۃ العربیہ، دوست پور، سلطان پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دین اسلام کے بنیادی عقیدے دو ہیں۔ (۱) عقیدۂ توحید اور (۲) عقیدۂ رسالت محمدی یہی دونوں عقیدے کلمہ طیبہ کے دو جملوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

لا الہ الا اللہ . محمد رسول اللہ ﷺ

ترجمہ: (۱) اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے (۲) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

عقیدۂ توحید: ''الہ'' بمعنی معبود ہے اور معبود عبادت سے بنا ہے اور عبادت کے معنی ہیں غایت خضوع یعنی کسی کو سب سے زیادہ قابل تعظیم اور سب سے بڑا مان کر اس کے لیے بالکل انتہائی حد تک عاجزی اور فرماں برداری اور تعظیم پیش کی جائے۔ کلمۂ طیبہ کی روشنی میں اسلام میں اصلاً عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو حقیقۃً موجود ہے جو ایک ہے وہی سب کا خالق ہے وہی سب کا مالک ہے وہی جلانے والا وہی موت دینے والا ہے۔ وہی ہر ممکن پر قدرت رکھنے والا ہے وہی سب عیبوں سے پاک ہے اور وہ قدیم اور واجب الوجود ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہی رزق دینے والا ہے اور وہی بندوں پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے بڑا احسان کرنے والا ہے یعنی وہ ساری صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ اور اتنی ساری کمالی صفات اور خوبیاں کسی اور میں ہرگز نہیں ہیں لہٰذا صرف اسی کی ذات عبادت کے لائق ہے اور وہی معبود حقیقی ہے، انہی سب باتوں کو دل سے ماننے کا نام عقیدۂ توحید ہے۔ نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور ایک لاکھ سے زیادہ دیگر انبیاے کرام اور پیغمبران اسلام دنیا میں اسی عقیدۂ توحید کی تعلیم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے پاس بھیجے گئے، اور سب نے اسی کی تبلیغ فرمائی۔

عقیدۂ توحید کے بغیر کوئی بھی بندہ ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا، اور نہ جہنم کے دائمی عذاب سے بچ

سکتا ہے، نہ جنت میں جا سکتا ہے اور نہ اسے ہدایت یاب اور دنیا و آخرت میں کامیاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

توحید کی ضد شرک ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس کے سوا کسی اور کو شریک کیا جائے، اور اسے واجب الوجود مانا جائے۔

ہر مومن کے لیے توحید کو دل سے ماننا اور زبان سے اقرار کرنا اور شرک سے بچنا ضروری ہے۔ توحید میں سب سے زیادہ اور انتہائی درجے کی تعظیم اور احترام کا معنیٰ موجود ہے، اس لیے مطلقاً اللہ تعالیٰ ہی محبت و اطاعت اور تعظیم و احترام کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ اتنا حقدار کہ دوسرا کوئی بھی نہیں، نہ انسان نہ کوئی دیگر۔

عقیدۂ رسالت: اسلامی کلمے کے دوسرے حصہ میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی کی طرح رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو بھی دل سے ماننا اور زبان سے اس کی گواہی دینا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر ہرگز ہرگز کوئی بندہ مسلمان نہیں ہو سکتا، گویا مسلمان ہونے کے لیے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول دونوں ضروری ہیں۔ ”رسول“ وہ خاص انسان ہوتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے پاس اپنی کتاب دے کر اپنی باتیں سمجھانے سکھانے اور عمل کرانے کے لیے بھیجتا ہے یہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور یہ تمام ظاہری و باطنی اعمال و اخلاق میں انسانی سماج کا منتخب، صالح ترین اور جملہ ضروری خوبیوں کا جامع اور بے مثال شخص ہوتا ہے، جس کے اندر خرق عادات و اوصاف بھی لازمی طور سے موجود ہوتے ہیں، جو اس کی نبوت و رسالت کے دعوے کی دلیل ہوتے ہیں، جنھیں معجزہ کہا جاتا ہے۔

تعظیم شان رسالت: چوں کہ منصب رسالت کا تعلق بیک وقت اللہ اور بندوں دونوں سے ہوتا ہے تو اس منصب کی ذمہ داری بھی سب سے اہم و اعظم ہے اس لیے رسول کی ذات سب سے زیادہ مقدس و مبارک سب سے زیادہ معتبر و معتمد سب سے زیادہ عظیم صلاحیتوں اور خوبیوں کی مالک اور مخلوق میں سب سے زیادہ تعظیم و توقیر اور ادب و احترام کی حقدار ہوتی ہے۔ رسول ایک غیر معمولی شخص ہوتا ہے۔ نبی آخر الزماں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تو سب رسولوں کے سردار اور ان کے خاتم ہیں۔ اس لیے ان کی ذات عالی تو تمام انسانی خوبیوں اور پیغمبرانہ صلاحیتوں میں سب سے زیادہ کمال و اختصاص اور عظمت و انفرادیت رکھتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب و مقرب افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور ان صفات کمالیہ میں وہ سارے عالم سے منفرد ہیں۔ اسی لیے وہ سب سے زیادہ لائق تعظیم بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام

احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

''خلاصہ اعتقاد شان رسالت میں یہ ہے کہ مرتبۂ وجود میں صرف اللہ عزوجل ہے باقی سب ظلال اور مرتبۂ ایجاد میں صرف حضور اقدس ﷺ ہیں باقی سب عکس و پرتو............توحید دو ہیں:

نمبر(۱) ''توحید الٰہی'' کہ اللہ ایک ہے، اس کی ذات و صفات و اسماء و افعال واحکام و سلطنت کسی بات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

(۲) اور دوسری ''توحید رسول'' کہ حضور اپنے جمیع صفات کمالیہ میں تمام عالم سے منفرد ہیں۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِی مَحَا سِنِہ فَجَوْھَرُ الحُسْنِ فِیهِ غَیْرُ مُنقَسِم

خلاصہ ایمان یہ ہے جو شیخ محقق فرماتے ہیں۔

مخواں اورا خدا از بہر حفظِ شرع و پاس دیں
دِگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدح املا کن

ترجمہ: رسول کو خدا نہ کہو کیوں کہ شریعت کی حفاظت اور دین کا لحاظ ضروری ہے ہاں خدا کہنے کے علاوہ ان کی تعریف میں جو وصف چاہو لکھو وہ سب صحیح ہے۔

ترجمہ از ناقل اقتباس [حیات اعلیٰ حضرت ۱۲/۳ مطبوعہ بریلی شریف]

اعلیٰ حضرت ایک جگہ اور فرماتے ہیں:

''حضور اقدس ﷺ ہر فضل و کمال کے اہل اور حضور اکرم سے زائد اللہ کو کوئی محبوب نہیں، لازم ہے کہ الوہیت کے نیچے جتنے فضائل جس قدر کمالات جتنی نعمتیں جس قدر برکات ہیں مولیٰ عزوجل نے سب علیٰ وجہ کمال حضور کو عطا فرمائیں اگر الوہیت عطا فرمانا تحت قدرت ہوتا ضرور یہ بھی عطا فرماتا جیسے ارشاد فرمایا۔لو أردنا أن نتخذ لھواً لاتخذنا ہ من لدنا ان کنا فاعلین۔ اگر ہم بیٹا چاہتے تو ضرور اپنے پاس سے بنا لیتے''۔ [ایضا۳/۱۱۵]

یہی بات کسی عارف نے اپنی زبان میں یوں کہی ہے'' بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''یعنی مختصر بات یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہی سب سے بڑے اور اللہ تعالی کے بعد کائنات کے اندر سارے انسانوں میں سب سے زیادہ لائق تعظیم ہیں، رسول اللہ ﷺ سب سے آخری رسول اور سب رسولوں کے سردار و خاتم ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ افضلیت و عظمت کے مالک ہیں اور سب بندوں میں سب سے زیادہ عشق و محبت اور اطاعت و فرماں برداری اور تعظیم و احترام کے حقدار ہیں۔ خدا خود

بھی ان سے سب سے زیادہ محبت فرماتا ہے اپنے بندوں کو بھی ان سے محبت کرنے کا اور ان کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ فرماتا ہے: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" کہ دیجیے اے محبوب اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اطاعت کرو اللہ تمھیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ [سورہ آل عمران ۳۱]

یعنی خدا سے دعوائے محبت کا تقاضا اتباع و اطاعت رسول ہے اور اطاعت رسول کا فائدہ خدا کے یہاں بندے کی محبوبیت کا حصول ہے اور رسول کی زبان سے رسول کی اطاعت کا حکم دینے میں رسول کی تعظیم بھی ہے۔

تعظیم رسول کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۟ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۟"

ترجمہ: بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔ [سورۂ فتح ۹ ترجمہ رضویہ]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر ایمان لانے کے ساتھ رسول پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور اسی کے ساتھ رسول کی تعظیم و توقیر کا بھی مطالبہ کیا ہے اور فرماتا ہے۔

"قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ﹰاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۟" [سورۂ توبہ ۲۴/ترجمہ رضویہ]

ترجمہ: تم فرماؤ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری عورتیں اور تمھارا کنبہ اور تمھاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمھیں ڈر ہے اور تمھارے پسند کا مکان، یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

یعنی دنیا کی ساری محبوب چیزوں کے مقابل اللہ و رسول اور جہاد کی محبت زیادہ نہ ہونے پر عذاب کی وعید ہے، اور عذاب سے بچنا ضروری ہے لہٰذا اللہ و رسول سے سب سے زیادہ محبت کرنا بھی ضروری ہے۔

ایک حدیث میں اللہ کے رسول نے فرمایا:

عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ لا یؤمن احدكم حتى اكون احب

الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین. [صحیح مسلم]

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

یعنی دنیا کی ساری محبوب چیزوں کی محبت پر محبت رسول کو ترجیح دیے بغیر ایمان کا اعتبار ہی نہیں ہے۔

رسول سے محبت کی وجہیں:

کسی سے محبت کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ جیسے (۱) محب کے حواس یعنی آنکھ کان زبان کو محبوب شَے سے لذت ملتی ہو۔ (۲) محب کی عقل کو محبوب شَے سے لذت ملتی ہو (۳) محبوب محب کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہو اور اسے شر و ضرر سے بچاتا ہو۔ محبت کے یہ تمام اسباب رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہیں، کیوں کہ آپ میں سب سے زیادہ علم ہے، سب سے زیادہ زہد اور خوف خدا ہے اور آپ سب سے زیادہ امت کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے اور امت کو شر و ضرر سے بچانے والے ہیں۔ آپ ہی نے صراط مستقیم کی ہدایت دے کر جنت کی نعمت پانے اور جہنم کے عذاب سے بچنے کا طریقہ بتایا اور چونکہ یہ تمام فضائل و محاسن آپ کو اللہ کی عطا سے حاصل ہیں۔ اس لیے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے پھر اس کے بعد اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنی ضروری ہے۔ اور محبت اطاعت چاہتی ہے اور نیز تعظیم کا تقاضا کرتی ہے۔ ان المحب لمن یحب یطیع.

علامہ غلام رسول سعیدی محبت کی دس علامتیں گنواتے ہیں جن میں سے پانچویں علامت تعظیم و توقیر کو بتاتے ہیں، فرماتے ہیں: ”محبت کی پانچویں علامت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے وقت آپ کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: ابو ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جب اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو ادب و احترام سے سنے اور بدن کو جنبش تک نہ دے۔ اور خود پر اس طرح ہیبت و جلال طاری کرلے گویا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہے۔ حضرت ابو ایوب سختیانی کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو اس قدر روتے کہ لوگوں کو ان کے حال پر رحم آجاتا۔ جعفر بن محمد کثیر المزاح ہنس مکھ شخص تھے مگر جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ زرد پڑجاتا۔ [شرح صحیح مسلم ۱/۴۴۲]

اعلیٰ حضرت اور تعظیم شان رسالت:

تعظیم رسول، اللہ تعالیٰ کا فعل بھی ہے، حکم بھی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا واجبی حق بھی ہے اور ہم

امتیوں کا فرض بھی ہے۔ اللہ کے سچے بندے اور وفادار امتی میں تعظیم رسول سب سے زیادہ ہوتی ہے۔
حسان الہند عاشق رسول مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ کی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کے عشق و محبت، تعظیم شان رسالت، ادب و احترام مقام نبوت، اتباع سنت و شریعت اور تعریف و توصیف شاہ ہدایت سے عبارت تھی۔ ان کی ہر ہر ادا سنت مصطفی ہوتی ہے ان کے ہر ہر بول سے عظمت شان مصطفی کے پھول جھڑتے ہیں ان کی ہر ہر تقریر، ہر ہر تحریر سے محبت و عظمت رسول کا جام چھلکتا ہے۔ ان کی نثر میں، ان کی نظم میں عشق و سرمستی کی فراوانی شباب پر ہوتی ہے، اور ادب و حرمت کے عجیب و غریب انداز اور رنگارنگ جلوے دکھاتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے عاشق رسول، تعظیم رسالت کے سب سے بڑے علم بردار اور تحفظ ناموس رسالت کی تحریک کے میر کارواں اور سپہ سالارِ اعظم تھے انھوں اپنے دور میں نئی نسل تک جذبات عشق و محبت رسول کی ترسیل اور تعظیم شان رسالت کے پیغام کی تبلیغ میں سب سے اہم اور سب سے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کا سب سے ممتاز اور اہم وصف عشق رسول اور تعظیم شان رسالت ہے۔ وہ عملاً خود بھی اپنے اندر محبت و عظمت رسالت کے انوکھے انداز دکھاتے ہیں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دینے میں بھی نیا نیا طریقہ اپناتے ہیں۔

تمام اولیاے کرام اپنی پوری زندگی میں محبت و تعظیم شان رسالت کے اسی عقیدے پر کاربند رہے اور اعلیٰ حضرت کی ذات تو اپنے دور میں اس معاملے میں آئیڈیل ہے آپ ہر ممکن اور جائز طریقہ تعظیم کی دعوت دیتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں:

بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقہ سے کی جائے گی حسن اور محمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا، ہاں اگر کسی خاص طریقے کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانور ذبح کرتے وقت بجاے تکبیر حضور کا نام لینا، اسی لیے علامہ ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے۔
[اقامۃ القیامہ ۲۹]

اعلیٰ حضرت وفور محبت و جذبہ تعظیم رسول اور پاس شریعت و مرتبہ الوہیت دونوں کی واقعی حیثیت کو اپنی اپنی حدوں میں رکھتے ہوئے اس امتحان میں کامیابی کے ساتھ آگے گزر جاتے ہیں

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

اے شوق دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں
اچھا: وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو
نہ ہو آقا کو سجدہ آدم ویوسف کو سجدہ ہو
مگر سدّ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

اعلیٰ حضرت عشق رسول میں نہ حد سے آگے بڑھتے ہیں اور نہ مرتبۂ رسالت کو الوہیت کی سرحدوں میں داخل وشریک کرتے ہیں، ان کے دل میں شان الوہیت اور مرتبہ رسالت دونوں کے جذبات متوازن ہیں اور وہ اسی پر عامل بھی ہیں، آپ کو شان الوہیت کی عظمت کا حد درجہ پاس ولحاظ ہے آپ نعت گوئی میں انتہائی احتیاط کے قائل ہیں، لکھتے ہیں: نعت شریف لکھنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر اتنا بڑھا کہ الوہیت میں پہنچ جاتا ہے تو مارا گیا اور شمّہ برابر تنقیص ہوئی تو مارا گیا، آپ کے اندر تعظیم شان الوہیت اور تعظیم شان رسالت دونوں مرتبہ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں آپ کا ایمان بالتوحید اور ایمان بالرسالۃ دونوں انتہائی مضبوط اور کامل ہیں، کسی میں بھی کسی طرح کا کوئی بھی نقص اور جھول جھال نہیں ہے۔

تعظیم شان رسالت کے مظاہر:

(۱) اعلیٰ حضرت اپنے نام ''احمد رضا'' کے شروع میں عبد المصطفیٰ (مصطفیٰ کا غلام) اور نام کے بعد محمدی لکھتے ہیں ان کے فتاویٰ اس بات کے شاہد عدل ہیں۔

(۲) زندگی بھر اعلیٰ حضرت کی یہ عادت تھی کہ وہ سوتے وقت اپنے سراپا کی ہیئت کو نام نامی اسم گرامی لفظ ''محمد'' کی ہیئت میں ڈھال لیتے تھے جو سنّت کے ظاہری اتباع کی انوکھی مثال ہے۔

(۳) اعلیٰ حضرت نے شان رسالت میں بڑی احتیاط کے ساتھ ایسے الفاظ واستعارات استعمال کیے ہیں جو انتہائی ادب وعظمت اور محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں وہ اپنی شاعری میں مدینے کے لیے یثرب، حضور کے لیے رعنا، گل بدن اور دل بر اور تشبیہات تانیثی جیسے لیلیٰ جیسے الفاظ کے استعمال کو ممنوع سمجھتے ہیں، کالی کملیا، رشک قمر کو متروک کہتے ہیں۔

(۴) اعلیٰ حضرت کہتے ہیں کہ بجائے نام اقدس ''محمد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسمائے صفاتی ہوں تو بہتر ہے خصوصًا ندا کے وقت ''یا رسول اللہ یا حبیب اللہ'' ضروری ہے، نام اقدس لے کر ندا بھی حرام ہے، ساقی کوثر آفتاب رسالت، شفیع المذنبین وغیرہ کہنا اور لکھنا چاہیے۔

⑤ اعلیٰ حضرت حضور کے لیے ﷺ میں لفظی تخفیف کر کے صلعم کہنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

⑥ اعلیٰ حضرت کسی صاحب علاقہ، روسا، امرا میں سے کسی کو کوئی ''سرکار'' کہتا تو کبیدہ خاطر ہوتے اور فرماتے کہ کسی کو سرکار نہ کہیے، سرکار صرف سرکار مدینہ ﷺ ہیں۔

⑦ کارڈ یا کھلے خط میں نام اقدس۔ ''محمد ﷺ'' یا درود شریف بخیال بے حرمتی لکھنے سے منع فرماتے۔۔۔۔۔۔خط میں نام اقدس اور درود شریف لکھنا ہوتا تو نبی کریم سراپا رحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ارقام فرماتے۔

⑧ ایک جگہ فرماتے ہیں:

محمد نبی، احمد نبی، نبی جان، محمد یاسین، شفیع الدین، غفور الدین، رحمٰن احمد، سبحان احمد اسماے ممنوعہ ہیں، بجاے ان کے احمد نبیہ، نبیہ احمد، نبیہ جان، غلام نبی، غلام محمد، عبد الرحمٰن، عبد السبحان رکھ سکتے ہیں، غفور الدین کے معنی ہیں دین کو مٹانے والا۔ [حیات اعلیٰ حضرت ۱۳۰/۳]

⑨ اعلیٰ حضرت اپنی عزت کو نبی کی عزت وعظمت کے لیے ڈھال بنائے ہوئے تھے فرماتے ہیں:

''میں ان بے دینوں کا رد پوری شدّت سے اس لیے کرتا ہوں کہ یہ لوگ دربار رسالت کی گستاخی کو بھول کر مجھے طعن وتشنیع کا نشانہ بنالیں، مجھے اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ مجھے کیا کہتے ہیں، اتنی دیر میرے آقا و مولیٰ کی گستاخی سے باز رہیں گے۔ [امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، ص۳۵]

⑩ اعلیٰ حضرت حضور کے سبز گنبد کو کعبے کا بھی کعبہ اور کعبہ کو حضور کی تجلی کا ظل قرار دیتے ہیں:

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو　　کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

کعبہ بھی ہے انھیں کی تجلی کا ایک ظل　　روشن انھیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے

⑪ اعلیٰ حضرت دربار رسالت کی حاضری کے آداب تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب حرم محترم مدینہ میں داخل ہو، احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے روتا، سر جھکائے، آنکھیں نیچی کیے چلے، ہو سکے تو برہنہ پائی بہتر ہے۔ بلکہ جب در مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ و سلام عرض کر کے قدرے توقف کرے گویا سرکار سے اذن حضوری کا طالب ہے۔ اس وقت جو ادب و تعظیم واجب ہے مسلمان کا قلب خود واقف ہے زنہار زنہار اس مسجد اقدس میں کوئی حرف چلّا کر نہ کہے۔ یقین جان کہ وہ مزار اعطر وانور میں بحیات ظاہری، دنیاوی حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے۔ ائمہ دین فرماتے ہیں: حضور ہمارے ایک ایک قول و فعل بلکہ دل کے خطروں پر مطّلع ہیں۔

اب وہ وقت آیا کہ دل کی طرح رخ بھی اس پاک جالی کی طرف ہو گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب عظیم الشان کی آرام گاہ رفیع المکان ہے۔ گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کیے، لرزتا، کانپتا، بید کی طرح تھر تھراتا، ندامت گناہ سے عرق شرم میں ڈوبا قدم بڑھا۔ خضوع و وقار۔ خشوع وانکسار کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کر۔ سوا سجدہ و عبادت کے جو بات ادب و اجلال میں اکمل ہو، بجالا۔ زنہار جالی شریف کے بوسہ و مس سے دور رہ، کہ خلاف ادب ہے۔ اب نہایت ہیبت و وقار کے ساتھ مجرا و تسلیم بجالا۔ بہ آواز حزیں و صورت درد آگیں و دل شرمناک و جگر صد چاک معتدل آواز سے نہ نہایت نرم و پست نہ بہت بلند و سخت۔ عرض کر۔

السلام علیك ایها النبي و رحمة الله و برکاته،

السلام علیك یا رسول الله السلام علیك یا خیر خلق الله،

السلام علیك یا شفیع المذنبین ،

السلام علیك وعلیٰ اٰلك و اصحابك اجمعین،

[النیّرۃ الوضیه شرح الجوهرۃ المضیئه بحواله، امام احمد رضا اور تصوف، ص: ۳۳،۳۴]

⑫ ملک العلما لکھتے ہیں :

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ مولانا احمد رضا خان کا حسن ادب بارگاہ رسالت میں اس قدر تھا کہ ایک درود میں لفظ حُسَین و زاہد تھا۔ آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے نقل کرنا بھی پسند نہیں کیا، بلکہ نہایت لطافت کے ساتھ اسے وہاں اس طرح استعمال فرمایا کہ یہی صیغہ تصغیر حضور اقدس ﷺ کی عظمت شان ظاہر کر رہا ہے۔ [حیات اعلیٰ حضرت ۱/ ۲۲۲]

⑬ اعلی حضرت نے روضہ اطہر کے سامنے بہ ہیئت نماز کھڑے ہونے کو علما کا حکم قرار دیا ہے، فرماتے ہیں :

علماے دین نے روضہ منورہ کے حضور خاص بہ ہیئت نماز قیام کرنے کا حکم دیا، اختیار شرح مختار وفتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یتوجه الی قبره ﷺ و یقف کما یقف فی الصلوٰۃ

یعنی قبر شریف سید عالم ﷺ کی طرف توجہ کرے اور یوں کھڑا ہو، جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ [حیات اعلی حضرت ۴/ ۳۶۳/ ۳۶۲]

⑭ اعلی حضرت حضور کے ذکر کے وقت بھی ویسی ہی تعظیم کا حکم دیتے ہیں، جیسی تعظیم حضور کے رو

بروکی جاتی ہے، امام ابوابراہیم تجیبی کے حوالے سے فرماتے ہیں :

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کو یاد کرے یا اس کے سامنے حضور کا ذکر آئے، خشوع وخضوع بجالائے اور باوقار ہوجائے، اور اعضا کو حرکت سے باز رکھے اور حضور کے لیے ہیبت وتعظیم کی حالت پر ہوجائے، جو حضور اقدس ﷺ کے روبرو اس پر طاری ہوتی اور ادب کرے، جس طرح خدا نے ہمیں حکم دیا۔ [حیات اعلیٰ حضرت ۴/۳۶۴]

⑮ اعلیٰ حضرت حضور اقدس ﷺ کی ولادت کو تمام نعمتوں کی اصل مانتے ہیں، فرماتے ہیں،

''نعمت الٰہیہ کے بیان و اظہار کا ہمیں مطلقاً حکم دیا گیا، قال اللہ تعالیٰ: ''وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ۝'' .

اور ولادت اقدس ﷺ تمام نعمتوں کی اصل ہے، تو اس کے خوب بیان و اظہار کا نص قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا۔۔علیٰ ھذا القیاس نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر مسلمان کا ایمان ہے۔ اور اس کی خوبی قرآن سے ثابت ہے وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ''اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو'' ۔[حیات اعلیٰ حضرت ۴/۲۴۲]

کعبہ بھی ہے انھیں کی تجلی کا ایک ظل روشن انھیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے

⑯ اعلیٰ حضرت حضور کی عزت پر مرنے والے ہی کو مومن قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں ——

مومن ہے وہ جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

⑰ اعلیٰ حضرت نے ۱۳۲۴ھ میں دوسرے غیر متوقع سفر حج کو دربار رسول کی حاضری کا صدقہ اور اصل مراد قرار دیا ہے،

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرادیے اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے

⑱ اعلیٰ حضرت حضور کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کو مستحب اور وجہ تعظیم جانتے ہیں،

آپ درجنوں علمائے کرام اور بزرگوں کے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان سب دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر ولادت شریفہ کے وقت قیام مستحب ہے کہ اس میں نبی ﷺ کی تعظیم ہے [حیات اعلیٰ حضرت ۴/۲۳۵]

⑲ جبل پور قیام کے زمانے میں ایک بار اعلیٰ حضرت محفل میلاد شریف میں سرور عالم ﷺ کے

فضائل وکمالات بیان فرمارہے تھے، اسی دوران یکایک منبر سے اتر کر کھڑے ہو گئے اور صلوٰۃ و سلام عرض کرنے لگے، لوگوں کو حیرت ہوئی کہ بیچ تقریر میں اچانک یہ کیا ہوا؟

تھوڑی دیر کے بعد پھر تقریر شروع کی اور جلسہ ختم ہوا، بعد اجلاس مولانا مفتی برہان الحق صاحب اور ایک مرد صالح دونوں بزرگوں نے الگ الگ نشستوں میں بیان کیا کہ درمیان تقریر ہماری آنکھ لگ گئی، ہم نے ایک عجیب جلوۂ نور دیکھا جو پوری فضا کو محیط ہوتا جارہا تھا، اسی میں ہم محو تھے کہ صلوٰۃ و سلام کی آواز کانوں میں آنے لگی، جسے سن کر آنکھ کھل گئی، اعلیٰ حضرت نے فرمایا یہ سرکار کا کرم تھا کہ تجلی فرمائی، لوگوں نے اب سمجھا کہ درمیان تقریر اچانک منبر سے اتر کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کا سبب کیا تھا۔ [امام احمد رضا اور تصوف ص ۹۷]

اعلیٰ حضرت جمعہ کے دن کثرت درود کے فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

⑳ بعد نماز جمعہ مجمع کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے دست بستہ کھڑے ہو کر سو بار صلی الله علی النبی الامیّ و اٰله صلی الله تعالی علیه وسلم صلاة وسلاما علیك یا رسول الله، جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو جمعہ کے دن نماز صبح خواہ ظہر یا عصر کے بعد پڑھیں جو کہیں اکیلا ہو تنہا پڑھے یوں ہی عورتیں اپنے گھروں میں پڑھیں اس کے چالیس فائدے ہیں، جو صحیح معتبر حدیثوں سے ثابت ہیں، یہاں مشتے از نمونہ چند، ذکر کیے جاتے ہیں۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھے گا، جو ان کی عظمت، تمام جہان سے زیادہ دل میں رکھے گا، جو ان کی شان گھٹانے والوں، ان کے ذکر پاک مٹانے والوں سے دور رہے گا، دل سے بے زار ہو گا، ایسا جو کوئی مسلمان اسے پڑھے گا، اس کے لیے بے شمار فائدے ہیں، جن میں سے بعض درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) پڑھنے والے پر اللہ عزوجل اپنی تین ہزار رحمتیں اتارے گا۔

(۲) اس پر دو ہزار بار اپنا سلام بھیجے گا۔

(۳) پانچ ہزار نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھے گا۔

(۴) اس کے پانچ ہزار گناہ معاف فرمائے گا۔

(۵) اس کے پانچ ہزار درجے بلند فرمائے گا۔

(۶) اس کے ماتھے پر لکھ دے گا کہ یہ منافق نہیں۔

(۷) اس کے ماتھے پر تحریر فرمائے گا کہ یہ دوزخ سے آزاد ہے۔

(۸) اللہ اسے قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ رکھے گا۔

(۹) اس کے مال میں ترقی دے گا۔

(۱۰) اس کی اولاد اور اولادوں کی اولاد میں برکت رکھے گا۔

(۱۱) دشمنوں پر غلبہ دے گا۔

(۱۲) دلوں میں اس کی محبت رکھے گا۔

(۱۳) کسی دن خواب میں برکت زیارت اقدس سے مشرف ہو گا۔

(۱۴) ایمان پر خاتمہ ہو گا۔

(۱۵) رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اس کے لیے واجب ہوگی۔

(۱۶) قیامت میں رسول اللہ ﷺ اس سے مصافحہ فرمائیں گے۔

(۱۷) اللہ عزوجل اس سے ایسا راضی ہو گا کہ کبھی ناراض نہ ہو گا۔ [حیات اعلیٰ حضرت جلد ۲ ص۳۰۵ تا ۳۰۷]

(۲۱) کثرت درود کے مزید فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

درود شریف کی کثرت شب میں اور سوتے وقت کے علاوہ ہر وقت تکثیر رکھے بالخصوص اس درود شریف کو بعد عشا سو بار یا جتنی بار پڑھ سکے پڑھے:

اللھم صلی علیٰ سید نا محمد کما امر تنا ان نصلّی علیه
اللھم صلی علیٰ سید نا محمد کما ھو اھله
اللھم صلی علیٰ سید نا محمد کما تحب و ترضی له
اللھم صلی علی روح سیدنا محمد فی الارواح
اللھم صلی علی جسد سیدنا محمد فی الاجساد
اللھم صلی علی قبر سیدنا محمد فی القبور صلی الله علی سیدنا و مولانا محمد.

حصول زیارت اقدس کے لیے اس سے بہتر صیغہ نہیں مگر خالص تعظیم شان اقدس کے لیے پڑھے اس نیت کو بھی جگہ نہ دے کہ مجھے زیارت عطا ہو آگے ان کا کرم بے حد و بے انتہا۔ (الملفوظ، ص:۱۱۶، المکتبۃ المدینۃ)

(۲۲) اعلیٰ حضرت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حضور کی تعظیم کو لازم وملزوم مانتے تھے فرماتے ہیں:

عبادت الٰہی تعظیم و محبت حضرت رسالت پناہی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم متلازمین ہیں متلازمین میں ایک کا ذکر دوسرے کا موکد ہوتا ہے نہ کہ نافی و منافی - ایمان کے دو رکن ہیں ”لا إله إلا الله محمد

رسول اللہ ﷺ" آیت کریمہ رکن اول کو بتاتی ہے الا لیعبدون اس لیے بنایا کہ میری پرستش کریں اور حدیث شریف رکن دوم کا اشعار فرما رہی ہے لاعرفھم کرامتك اسی لیے بنایا کہ آپ کا مرتبہ پہچانیں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ و لہذا اہل ادب و ایمان کے نزدیک تعظیم و محبت حضور اقدس ﷺ اصل کار واہم فرائض و مناط قبول جملہ اعمال حسنہ ہے، اہم فرائض ارکان ہیں اور اہم ارکان اربعہ نماز اور تعظیم و محبت حضور پر نور ﷺ قطعاً نماز سے اہم واعظم ہے۔ [حیات اعلی حضرت ۱/۲۰۵]

اعلیٰ حضرت اور احترام سادات:

اعلیٰ حضرت حضور سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے بھی بے پناہ عقیدت و محبت اور ادب و احترام کا جذبہ رکھتے ہیں۔ شہر مدینہ، کوے مدینہ، روضۂ اقدس، موے مبارک، اور آپ کی آل واولاد یعنی سادات کرام کی تعظیم کے متعلق آپ کے نعتیہ مجموعۂ کلام حدائق بخشش اور نثری تصنیفات میں جگہ جگہ اس کے بے شمار نمونے بکھرے ہوئے ہیں اور اعلیٰ حضرت حضور کو عین نور اور سادات کرام کو نور کا گھرانا قرار دیتے ہیں ۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے عین نور تیر سب گھرانا نور کا

چند واقعات اور اعلیٰ کے نظریات و معمولات کی روشنی میں محبت و تعظیم سادات کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں :

(۱) کسی نے پوچھا سید زادے کو استاد مار سکتا ہے یا نہیں؟ تو اعلیٰ حضرت نے نہایت محبت بھرا جواب دیا :

قاضی جو حدود الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے، اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا، لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے، بلکہ دل میں یہ نیت کرے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے، اسے صاف کر رہا ہوں، تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے، اس کو تو یہ حکم، تا بہ معلم چہ رسد۔ [الملفوظ مکمل ص۱۷۱]

(۲) محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ فتویٰ نویسی کی مشق کے لیے پہلی بار بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ احترام و تعظیم کا جو واقعہ پیش آیا، انھیں کی زبانی سنیئے:

کار افتا کے لیے جب بریلی شریف حاضر ہوا تو میرے اندر لکھنؤ میں رہنے کی خوبو کافی موجود تھی، شہر کے جغرافیہ میں بازار اور تفریح گاہوں کو وہاں کے لوگوں سے پوچھتا رہا کہ جمعہ کے دن فرصت میں کچھ سیر سپاٹا کروں، جمعہ کا دن آیا تو مسجد میں سب سے آخری صف میں تھا، نماز ہو گئی تو مجھے دریافت کیا کہ کہاں

ہیں ؟میں بریلی میں بالکل نیا شخص تھا، لوگ ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے، یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت خود کھڑے ہوگئے اور باب مسجد پر مجھ کو دیکھ لیا تو مصلّیٰ سے اٹھ کر صف آخر میں آکر مجھے مصافحہ سے نوازا، اس سے زیادہ کا ارادہ فرمایا۔ تو میں تھرّا کر گر پڑا، اعلیٰ حضرت پھر مصلّیٰ پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے۔[خطبہ صدارت ناگپور]

اعلیٰ حضرت کو خاندان رسالت سے محبت و عقیدت اور تکریم و تعظیم کا جذبہ خاندانی ورثے میں ملا تھا، ان کے دادا مولانا رضا علی خان اور والد مولانا نقی علی خاں ہمیشہ بریلی نو محلہ کے سید صاحبان سے وابستہ رہے، دادا ان سادات کی خیریت معلوم کرنے اور سلام پیش کرنے کے لیے نو محلہ جایا کرتے تھے، یہ حضرات ان سادات کو اپنی دعوت اور ہر تقریب میں ضرور شریک کرتے تھے اور ان کا اعزازی حصہ دوگنا ہوتا تھا، اعلیٰ حضرت بھی اپنے زمانے میں یہی کرتے تھے اور ناراضگی میں ان کی بات پر سر تسلیم ضرور خم کر دیتے تھے، مولانا حسنین رضا خاں فرماتے ہیں :

(۳) اعلیٰ حضرت قبلہ نے ایک بار کھانا چھوڑا اور صرف ناشتے پر قناعت کی اس میں بھی کوئی اضافہ منظور نہ فرمایا، سارے خاندان اور ان کے احباب کی کوشش رائگاں گئی۔ سید مقبول صاحب کی خدمت میں نو محلہ حاضر ہوئے عرض کیا، آج دو مہینے ہونے کو آئے کہ اعلیٰ حضرت نے کھانا چھوڑ دیا ہے ہم سب کوشش کر کے تھک گئے ہیں، آپ ہی انھیں مجبور کر سکتے ہیں، اس پر انھوں نے فرمایا کہ ہماری زندگی میں انھیں یہ ہمت ہوگئی ہے کہ وہ کھانا چھوڑ بیٹھے ہیں، ابھی کھانا تیار کراتا ہوں اور لے کر آتا ہوں، حسب وعدہ سید مقبول صاحب ایک نعمت خانہ میں کھانا لے کر خود تشریف لائے، اعلیٰ حضرت قبلہ زنانے مکان میں تھے، سید صاحب کی اطلاع پاتے ہی باہر آگئے، سید صاحب سے قدم بوس ہوے، اب بات چیت شروع ہوئی سید صاحب نے فرمایا، میں نے سنا ہے کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا ہے، اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ میں تو روز کھاتا ہوں، سید صاحب نے فرمایا مجھے معلوم ہے جیسا آپ کھاتے ہیں اعلیٰ حضرت نے عرض کیا حضور میرے معمولات میں اب تک کوئی فرق نہیں پڑا ہے، میں اپنا سب کام بدستور کر رہا ہوں، مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، تو سید صاحب قبلہ برہم ہوگئے اور کھڑے ہو کر فرمانے لگے، اچھا تو میں کھانا لیے جاتا ہوں، کل میدان قیامت میں سرکار دوجہاں کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ ایک سیدانی نے بڑے شوق سے کھانا پکایا اور سید لے کر آیا، مگر آپ کے احمد رضا خان نے کسی طرح نہ کھایا، اس پر اعلیٰ حضرت کانپ گئے، عرض کیا کہ میں تکمیل حکم کے لیے حاضر ہوں، ابھی کھائے لیتا ہوں، سید قبلہ نے فرمایا کہ اب تو یہ کھانا جب ہی کھا سکتے ہو،

جب یہ وعدہ کرو کہ اب عمر بھر کھانا نہ چھوڑو گے، چناچہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے عمر بھر کھانا نہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تو سید قبلہ نے اپنے سامنے انھیں کھلایا اور خوش خوش تشریف لے گئے۔ [سیرت اعلیٰ حضرت ص۹۷،۹۶]

(۴) سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ فقیر اور برادرم سید قناعت علی کے بیعت ہونے پر بموقع عید الفطر بعد نماز دست بوسی کے لیے عوام نے ہجوم کیا، مگر جس وقت سید قناعت علی دست بوس ہوئے، حضور پر نور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کے ہاتھ چوم لیے۔ [حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۹۸]

(۵) انھیں کا بیان ہے کہ ایک کم عمر صاحبزادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لیے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سید زادے ہیں، لہٰذا گھر والوں کو تاکید فرمادی کہ صاحبزادے سے خبر دار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادہ ہیں، کھانا وغیرہ اور جس شئے کی ضرورت ہو، حاضر کی جائے، جس تنخواہ کا وعدہ ہے، وہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے، چنانچہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی، کچھ عرصہ بعد وہ صاحبزادے خود ہی تشریف لے گئے۔ [حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۹۷، ۲۹۸]

(۶) حضور کے یہاں مجلس میلاد مبارک میں سادات کرام کو بہ نسبت اور لوگوں کے دوگنا حصہ بر وقت تقسیم شیرینی ملا کرتا تھا اور اسی کا اتباع اہل خاندان بھی کرتے ہیں، ایک سال بموقع بارہویں شریف ماہ ربیع الاول ہجوم میں سید محمود جان صاحب علیہ الرحمہ کو خلاف معمول اکہرا حصہ یعنی دو تشتریاں شیرینی کی بلا قصد پہنچ گئیں، موصوف خاموشی کے ساتھ حصہ لے کر سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ حضور کے یہاں سے آج مجھے عام حصہ ملا، فرمایا سید صاحب تشریف رکھیے اور تقسیم کرنے والے کی فوراً طلبی ہوئی اور سخت اظہار ناراضی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، ابھی ایک سینی (خوان) میں جس قدر حصے آسکیں بھر کر لاؤ چنانچہ فوراً تعمیل ہوئی، سید صاحب نے عرض بھی کیا کہ حضور میرا یہ مقصد نہ تھا، ہاں دل کو ضرور تکلیف ہوئی، جسے برداشت نہ کرسکا، فرمایا سید صاحب یہ شیرینی تو آپ کو قبول کرنا ہوگی ورنہ مجھے سخت تکلیف رہے گی اور شیرینی تقسیم کرنے والے سے کہا، ایک آدمی سید صاحب کے ساتھ کردو، جو اس خوان کو مکان پر پہنچا آئے، انھوں نے فوراً تعمیل کی۔ [حیات اعلیٰ حضرت ص۳۰۰]

(۷) انھیں کا بیان ہے کہ بعد نماز جمعہ حضور پھاٹک میں تشریف فرما ہیں اور حاضرین کا مجمع ہے کہ شیخ امام علی صاحب قادری رضوی مالک ہوٹل آئیس کریم بمبئی کے برادر خرد مولوی نور محمد صاحب کی آواز جو بسلسلۂ تعلیم مقیم آستانہ تھے، باہر سے قناعت علی! قناعت علی! پکارنے کی گوش گزار ہوئی، انھیں فوراً طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا سید صاحب کو اس طرح پکارتے ہو، کبھی آپ نے مجھے بھی نام لیتے ہوئے سنا، مولوی نور

محمد صاحب نے ندامت سے نظر نیچی کرلی، فرمایا تشریف لے جائیے اور آئندہ سے اس کا لحاظ رکھیے۔
[حیات اعلیٰ حضرت ص ۳۰۰۔۳۰۱]

(۸) مکان کا ایک حصہ تعمیر کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت کے لیے مردانہ قرار پایا۔ مستورات دوسرے مکان میں بھیج دی گئیں۔ بعد تعمیر پھر منتقل ہوگئیں، ایک سید صاحب جو اس مکان میں پہلے مورد خاص و عام ہونے کے وقت تشریف لا چکے تھے، مستورات کے آنے کے بعد بھی ناواقفی میں آنگن تک چلے آئے، باہر کے خدام بھی کہیں جاچکے تھے، اس لیے کوئی بتانے والا بھی نہ ملا انھیں احساس ہوا کہ یہ مکان اب زنانہ ہوگیا ہے، تو بہت شرمندہ ہوئے، اعلیٰ حضرت کی نظر پڑی سمجھ گئے، اپنے پاس بٹھا کر باتوں میں لگا لیا۔ اور اس طرح دل جوئی فرمائی کہ ان کا احساس ندامت جاتا رہا پھر باہر تک آکر خود رخصت کیا۔ [امام احمد رضا اور تصوف ص ۴۶]

(۹) جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ موسم بارش میں رات کے وقت جناب سید محمود جان صاحب قادری برکاتی نوری علیہ الرحمہ ساکن گڑھی حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں حضور جو میں مانگوں عطا فرما دیں۔ ارشاد فرمایا سید صاحب اگر میرے امکان میں ہوا تو ضرور حاضر کردونگا، سید صاحب نے عرض کیا، حضور کے امکان میں ہے فرمایا، تو مجھے کوئی عذر نہیں ہے، فرمایا کیا درکار ہے۔ سید صاحب نے عرض کیا صرف ۲۲ گز کپڑا کفن کے لیے چاہتا ہوں۔ چنانچہ بازار کھلتے ہی ۲۲ گز کلا تھ منگوا کر سید صاحب کی نذر کردیا۔
[حیات اعلیٰ حضرت ۱/۱۲۳]

(۱۰) مولانا سید شاہ ابو سلمان محمد عبد المنان قادری ایک بار ملاقات اور کچھ مسائل حل کرنے کے لیے آئے تھے، ان کا بیان ہے: اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات سے ہے، تو آپ نے بڑی عزت بخشی اور جملہ شکوک چند منٹوں میں اس طرح رفع کردیے کہ گویا شکوک کبھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ پھر اخلاق کا یہ عالم کہ دو دن مجھے آپ کے اخلاق کریمانہ نے روک رکھا۔ ان دنوں میں اس فقیر نے بہت سے فیوض و برکات حاصل کیے، رخصت ہوتے وقت کچھ روپے جو الہ آباد کی آمد و رفت میں صرف ہوسکتے ہیں، بلکہ کچھ زائد ہی مرحمت فرمائے، میں نے انکار کیا، تو فرمایا، یہ تو آپ کے گھر کے عنایت کردہ ہیں۔ انھیں لے لیجیے تو فقیر نے وہ رقم لے لی، بعد وصال چند بار عرس میں حاضری ہوئی، اس وقت بھی اعلیٰ حضرت کی روحانیت نے اپنے فیوض و برکات سے محروم نہ رکھا۔ [حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۰۶]

(۱۱) ایک سید صاحب کی آواز کانوں میں پڑی ”دلواؤ سید کو“ اسی دن اخراجات کی رقمیں مولانا حسن

رضا خاں نے لاکر دی تھیں۔ پورا بکس لے جاکر پیش کیا، جس میں چھوٹے بڑے نوٹ اٹھنّیاں چونّیاں روپے پیسے دو سو کے قریب تھے۔ سید صاحب بغور دیکھتے رہے اور صرف ایک چونّی لے لی اعلیٰ حضرت نے کہا حضور سبھی حاضر ہے، فرمایا بس، اس کے بعد گھر والوں کو تاکید کردی کہ سید صاحب نظر آئیں تو ایک چونّی حاضر کردی جائے۔ انھیں مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

مولانا محمد احمد مصباحی اپنی کتاب امام احمد رضا اور تصوف میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

تعظیم سادات سے ان کی زندگی کی صبح و شام معطر ہے کوئی لکھے تو کہاں تک لکھے ان کا جلوہ ان کے صاحبزادے مفتیٔ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفی رضا خاں علیہ الرحمہ کی زندگی میں سیکڑوں حضرات بچشم خود ملاحظہ کرچکے ہیں۔ عشق رسول ہو تو تعظیم آل رسول خود بخود پیدا ہوجاتی ہے۔ سادات کرام تو جزو بدن ہیں۔ امام احمد رضا نے آثار مبارکہ کی تعظیم میں بھی رسالے لکھے ہیں۔ ”بدر الانوار فی آداب الآثار“ ۱۳۲۶ھ ”شفاء الواله فی صور الحبیب و مزارہٖ و نعالہٖ“ قابل دید ہیں۔ صرف محبت ہی نہیں بلکہ علم و شریعت کی زبان میں آثار کی تعظیم کو مدلل فرمایا ہے۔ عام طور سے جو شکوک و شبہات پیش کیے جاتے ہیں ان کا ازالہ فرمانے کے ساتھ بہت سے آداب و مسائل اور افراط و تفریط کے مابین حدود شرعیہ بھی لکھی ہیں۔ [امام احمد رضا اور تصوف ص ۴۷]

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور تحفظ عقیدۂ ختم نبوت

مولانا محمد نظام الدین قادری

دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی، بستی۔ یوپی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم ﷺ

چودہویں صدی ہجری کے عظیم مجدد، امام ربانی، عبقری متکلّم اسلام، امام احمد رضا قدس سرہ النورانی کو خدائے ذوالجلال نے علمائے ربانیین کی صف میں جو انفرادی اور ممتاز مقام عطا فرمایا ہے اور تجدیدی کارناموں اور خدمات سے امت مسلمہ کے ایمان و عقیدہ کے تحفظ کی انھیں جو سعادت بخشی ہے، وہ عالم آشکار ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ النورانی نے اپنی حیات مستعار کا لمحہ لمحہ باطل طاقتوں کی یلغار سے امت مسلمہ کے متاعِ دین وایمان کی حفاظت وصیانت میں صرف کردیا، یہی وجہ ہے کہ آج آپ کی وفات کو ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی گلی گلی آپ کے مفاخر وفضائل اور تجدیدی کارناموں کے ذکرِ جمیل سے مشک بار ہے۔

آپ نے جس طرح دین اسلام اور اہلِ سنت و جماعت کے عقائد و معمولات کے خلاف اٹھنے والے بہت سارے فتنوں کا قلع قمع کیا، یوں ہی دینِ اسلام کے ایک بہت ہی مشہور بنیادی اور ضروری مسئلہ ''عقیدۂ ختم نبوت'' کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا بڑی دانش مندی، تدبر اور جرأت ایمانی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آپ نے ختم نبوت کے عقیدہ پر بڑی وضاحت کے ساتھ اتنے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں، جن کے سامنے کسی مخالف کو دم مارنے کی ہمت نہیں ہے۔ ختم نبوت کے بارے میں مستند و معتمد اساطینِ امت کے افادات کی روشنی میں آپ نے جو عقیدے بیان کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جو کوئی شخص محبوب کبریا محمد رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے کافر ہے۔ یوں ہی جو کوئی ان کے زمانۂ بعثت یا اس کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کو جائز و ممکن ہی مانے وہ بھی کافر ہے۔

(۲) جو کوئی آپ کے آخری نبی ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

(۳) جو کوئی آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار یا اس بارے میں شک تو نہ کرے مگر ذرا بھی

توہم خلاف یا تامل و توقف کرے وہ بھی کافر ہے۔

(۴) یہ تینوں فریق (یعنی آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرنے والے، اس میں شک کرنے والے اور اس میں تامل و توقف کرنے والے) تو بلاشبہ یقینی اجماعی کافر ہیں ہی، جو کوئی مذکورہ بالا تینوں فریق (انکار، شک یا تامل و توقف کرنے والوں) کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر ہے۔ بلکہ جو انھیں کافر کہنے میں تامل یا توقف کرے وہ بھی کافر ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''مسلمان پر جس طرح لا الہ الا اللہ ماننا، اللہ سبحانہ و تعالی کو احد، صمد، لاشریک لہ جاننا فرضِ اول و مناطِ ایمان ہے، یوں ہی محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین ماننا، ان کے زمانے میں، خواہ اُن کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقینا محال و باطل جاننا، فرضِ اجلّ و جزوِ ایقان ہے۔ { وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ } [ترجمہ: ہاں! اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے] نص قطعی قرآن ہے، اس کا منکر، نہ منکر بلکہ شبہہ کرنے والا، نہ شاک بلکہ ادنی ضعیف احتمالِ خفیف سے توہم خلاف رکھنے والا قطعا اجماعًا کافر ملعون مخلّد فی النیران ہے۔ نہ ایسا کہ وہی کافر، بلکہ جو اس کے عقیدۂ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر۔ جو اس کے کافر ہونے میں شک و تردد کو راہ دے وہ بھی کافر، بیّنُ الکفر جَلِیُّ الکفران ہے۔

''شفا شریف'' و ''اعلام بقواطع الاسلام'' میں ہے: ''يُكَفِّرُ أيْضاً مَنْ كَذَّبَ بِشَيْءٍ مِمَّا صُرِّحَ فِي القرآنِ مِنْ حُكْمٍ أَوْ خَبَرٍ، أَوْ أَثْبَتَ ما نفاه، أَوْ نَفَى ما أَثْبَتَه على عِلْمٍ منه بذٰلك، أَوْ شَكَّ فِي شيءٍ مِنْ ذلك'' [ترجمہ: نیز اس کی بھی تکفیر کی جائے گی جس نے قرآن مقدس میں مصرّح کسی حکم یا خبر کی تکذیب کی یا دانستہ کسی ایسی چیز کو ثابت کیا، جس کی قرآن نے نفی کی ہے یا ایسی چیز کی نفی کی جس کا قرآن نے اثبات کیا ہے۔ یا ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کے بارے میں شک کیا]

''فتاوی حدیثیہ'' امام ابن حجر مکی میں ہے: ''التَّرَدُّدُ في المعلوم من الدِّيْنِ بالضرورةِ كالِانكار'' [یعنی: ضروریاتِ دین میں تردد کرنا اور انکار کرنا ایک جیسا ہے]

''شفا'' میں ہے: ''وَقَعَ الاِجماعُ عَلى تَكْفِيْرِ كُلِّ مَنْ دافَعَ نَصَّ الكِتابِ أَوْ نَصَّ حَدِيْثٍ مُجْمَعاً على نقلِه، مقطوعاً به، مُجْمَعاً على حَمْلِه على ظاهِرِه، وَلِهٰذا يُكَفِّرُ مَنْ لَمْ يُكَفِّرْ مَنْ دانَ بِغيرِ مِلَّةِ الِاسْلامِ، أَوْ وَقَفَ فيهم، أَوْ شَكَّ (في كفرهم) أَوْ صَحَّحَ مَذْهَبَهُمْ، وَإِنْ أَظْهَرَ الِاسْلامَ واعْتَقَدَه، واعتَقَدَ إِبْطالَ كُلِّ مذْهب سواه، فهو كافِرٌ باظهار ما أَضْمَرَ مِنْ خِلافِ ذلك، انتهى مختصرا مزيداً من نسيم الرياض ما بين

الھلالین"۔[ترجمہ:اس کی تکفیر پر اجماع ہے جو قرآن حکیم کی کسی نص کا انکار کرے یا کسی ایسی حدیث کی نص کا انکار کرے، جس کے نقل پر اتفاق ویقین ہو اور جس کے ظاہر معنی مراد ہونے پر اتفاق ہو، اسی لیے ہر اس شخص کی تکفیر کی جائے گی جو اسلام کے علاوہ دین ماننے والوں کی تکفیر نہ کرے یا اُن کی تکفیر میں توقف یا شک کرے یا اُن کے مذہب کو صحیح قرار دے، اگرچہ اسلام ظاہر کرے اور اسلام کا اعتقاد کرے اور اسلام کے علاوہ ہر مذہب کے ابطال کا معتقد ہو، کیوں کہ اسلام کے خلاف جو چھپا رکھا ہے اس کو ظاہر کر کے مرتکبِ کفر ہے۔]

اسی میں ہے:"اِجْماعٌ علی کُفْرِ مَنْ لَمْ یُکَفِّر کُلَّ مَنْ فارقَ دِیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ ، أَوْ وَقَفَ فِيْ تَکْفِیْرِهِمْ ، أَوْ شَكَّ "۔[ترجمہ: جس نے مسلمانوں کا دین چھوڑ دیا ہو اس کی تکفیر نہ کرنے والے یا اس کی تکفیر میں توقف یا شک کرنے والے کے کفر پر اجماع ہے۔]

[رسالہ "جزاء اللہ عدوہ" مشمولہ رسائل رضویہ ج ۸ ۳ص ۱۵۲،۱۵۱]

اس بارے میں امام احمد رضا قدس سرہ السامی نے متعدّد فتاویٰ اور کتب و رسائل تحریر فرمائے ہیں، جن میں ایک شاہ کار اور تاریخی رسالہ "جزاء الله عدوہ بابائہ ختم النبوۃ" کے نام سے تحریر فرمایا، جس میں قرآن کی نص قطعی اور احادیث متواترہ اور نصوص اساطینِ امت کی روشنی میں اسلام کے اس بنیادی اور ضروری عقیدے پر دلائل کے انبار لگا دیے ہیں، جن سے اہلِ ایمان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور ان کے قلب و دماغ کو روحانی حظ و سرور محسوس ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم اسی رسالے سے صرف دس احادیث کا انتخاب پیش کرتے ہیں۔

(۱) اجلّۂ ائمّہ بخاری، ومسلم، وترمذی، ونسائی، وامام مالک، وامام احمد، وابوداؤد طیالسی، وابن سعد، وطبرانی، وحاکم، وبیہقی، وابونُعیم وغیرہم حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ لِيْ اَسْماءً: اَنا محمَّدٌ، وَأنا اَحْمدُ، وَاَنا الماحِي الذي یَمْحُوْ اللهُ بِيَ الکُفْرَ، وَاَنا الحاشِرُ الذي یُحْشَرُ الناسُ علی قَدَمي، وَأَنا العاقِبُ الذي لیسَ بَعْدَہُ نَبِيٌّ۔ [یعنی: بے شک میرے متعدّد نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں، میرے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا۔ میں عاقب ہوں اور عاقب وہ کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، ﷺ۔]

(۲) دارمی اپنی سُنن میں بہ سندِ صحیح اور بخاری تاریخ، اور طبرانی اوسط، اور بیہقی سنن میں اور ابونعیم

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اَنا قائِدُ المرْسَلِیْنَ، ولا فَخْرَ، وَاَنا خاتَمُ النَّبِیّیْنَ، ولا فَخْرَ، واَنا اَوَّلُ شافِعٍ وَمُشَفَّعٍ، ولا فَخْرَ۔

میں تمام پیغمبروں کا پیشوا ہوں اور یہ کچھ بطورِ فخر نہیں ارشاد فرماتا، میں تمام پیغمبروں کا خاتم ہوں اور بہ طورِ فخر نہیں کہتا، اور میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا اور سب سے پہلا شفاعت قبول کیا گیا ہوں اور بروجہِ فخر ارشاد نہیں کرتا ﷺ۔

(۳) احمد و بخاری و مسلم و ترمذی حضرت جابر بن عبد اللہ (۴) اور احمد و شیخین حضرت ابو ہریرہ (۵) و مسلم حضرت ابو سعید خدری (٦) اور احمد و ترمذی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہم سے بہ الفاظِ متناسبہ و معانی متقاربہ راوی، حضور خاتم المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

"مَثَلِیْ وَمَثَلُ الاَنْبِیاءِ کمثل قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیانُہ، وَتُرِکَ مِنْهُ مَوْضِعُ لِبْنَةٍ، فَطافَ بِہ النُّظّارُ، یَتَعَجَّبُونَ مِنْ حُسْنِ بُنْیانِہ، اِلّا موضِعُ تلك اللِبْنَةِ، فَکُنْتُ أَنا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللِّبْنَةِ، خُتِمَ بِیَ البُنْیانُ، وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ. وَفِیْ لَفْظِ الشیخین: "فَأَنا اللِّبْنَةُ وَأَنا خاتَمُ النَّبِیّیْنَ"۔

میری اور تمام انبیا کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک محل نہایت عمدہ بنایا گیا اور اُس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی، دیکھنے والے اُس کے آس پاس پھرتے اور اُس کی خوبیِ تعمیر سے تعجب کرتے، مگر وہی اینٹ کی جگہ کہ نگاہوں میں کھٹکتی ہے، میں نے تشریف لا کر وہ جگہ بند کی، مجھ سے یہ عمارت پوری کی گئی، مجھ سے رسولوں کی انتہا ہوئی۔ میں عمارتِ نبوت کی وہ پچھلی اینٹ ہوں، میں تمام انبیا کا خاتم ہوں۔

(۷) امام ترمذی حکیم عارف باللہ محمد بن علی "نوادر الاصول" میں سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اَوَّلُ الرُّسُلِ آدَمُ، وَآخِرُهُم مُحَمَّدٌ۔

سب رسولوں میں پہلے آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں اور سب میں پچھلے محمد ﷺ۔

(۸) صحیح بخاری شریف میں مروی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

کَانَتْ بَنُوْ اِسْرائیلَ تَسُوسُهُمُ الاَنْبِیاءُ، کلَّما هَلَكَ نبِیٌّ خلفه نَبِیٌّ، ولا نَبِیَّ بَعْدِیْ.

انبیا بنی اسرائیل کی سیاست فرماتے، جب ایک نبی تشریف لے جاتا دوسرا اُس کے بعد آتا، میرے

بعد کوئی نبی نہیں۔

(۹) احمد و ترمذی و حاکم بسند صحیح بر شرطِ صحیحِ مسلم (کما قاله الحاکم وَاَقَرَّہُ الناقِدونَ) حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ الرِّسالَۃَ والنُّبُوَّۃَ قَدِانْقَطَعَتْ، فَلا رَسُوْلَ بَعْدِیْ ولا نَبِیَّ.

بے شک رسالت و نبوت ختم ہوگئی، اب میرے بعد نہ کوئی رسول نہ نبی ﷺ۔

(۱۰) شفا شریف امام قاضی عیاض، واحیاء العلوم امام حجۃ الاسلام، و مدخل امام ابن الحاج، واقتباس الانوار علامہ ابو عبد اللہ محمد بن علی رشاطی، و شرح البردہ ابو العباس قصار، و مواہب اللدنیہ امام قسطلانی وغیرہا کتبِ معتمدین میں ہے: امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے بعدِ وفاتِ نبوت حضور سید الکائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات جو فضائلِ عالیہ حضور پر نور ﷺ، حضور کو ندا و خطاب کرکے عرض کیے ہیں، انھیں میں گزارش کرتے ہیں:

بِأَبِيْ انْتَ وأُمِّي يارسولَ الله ! لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَ اللهِ أَنْ بَعَثَكَ آخِرَ الاَنْبياءِ ، وَذَكَرَكَ فِيْ اَوّلِهِم، فقالَ الله تعالى: {وَاِذْ اَخَذْنا مِنَ النَّبِيّيْنَ مِيْثاقَهُم وَمِنْكَ وَمِنْ نُوْحٍ ...}.

یارسول اللہ ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، حضور کی فضیلت اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس حد کو پہنچی کہ حضور کو تمام انبیا کے بعد بھیجا اور اُن سب سے پہلے ذکر کیا کہ فرماتا ہے اور یاد کر جب ہم نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا اور تجھ سے اے محبوب! اور نوح و ابراہیم و موسی و عیسی بن مریم سے صلی اللہ تعالی وسلم علیہ وعلیہم۔[رسائلِ رضویہ ج۳۸]

حضور علیہ السلام نے خود اپنی امت کو عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف اٹھنے والے فتنوں سے آگاہ فرمادیا تھا، ارشاد ہے:

"انه سيكون فی امتی كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبی، وانا خاتم النبيين، لا نبی بعدی". [ابوداؤد، کتاب الفتن، ذکر الفتن ودلائلہا ج۲ ص۲۲۸]

میری امت دعوت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے اور سب یہ خیال کریں گے کہ وہ نبی ہیں، حالاں کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور عہد نبوی اور اس کے بعد اسود عنسی، مسیلمہ کذاب، سجاح بنت حارث، طلیحہ، مختار بن عبید ثقفی وغیرہ کی شکل میں جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوتے

رہے اور آخرت کے عذاب سے پہلے ذلت ورسوائی اور وبال ونکال سے دوچار ہوتے رہے۔

یہاں کتاب ''قادیانیت اور تحریک تحفظ ختم نبوت'' سے ایک طویل اقتباس پیش ہے، حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی اپنی اس کتاب میں جھوٹے مدعیان نبوت کا سرسری جائزہ پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''دورِ رسالت سے اب تک دعوائے نبوت کا یہ سلسلہ جاری ہے، ابھی چند سال پہلے کی بات ہے اخبارات اور رسالوں میں خبر چھپی کہ ندوہ کے پڑھے ہوئے مسیح الدین ندوی نامی ایک شخص نے حیدرآباد دکن میں نبوت کا جھوٹا دعوی کیا اور وہاں مخالفت ہوئی تو ناگپور میں آکر پناہ لی، اور گم نامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوا۔

تاریخِ اسلام میں اس طرح کے بہت سے افراد ملیں گے، جنھوں نے دعوائے نبوت کیا، ان میں بعض بہت مشہور ہوئے، اور بعض گم نام ہوگئے۔ بذریعہ وحی حضور کو معلوم تھا کہ بعض جھوٹے نبی پیدا ہوں گے، لہذا آپ نے پہلے ہی ان لوگوں سے امت کو آگاہ فرمادیا تھا، آپ فرماتے ہیں:

انه سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلهم یزعم انه نبی، وانا خاتم النبیین، لا نبی بعدی'' [مسند احمد ج۵ ص۲۷۸]

بے شک میری امت میں تیس کذاب ہوں گے کہ ہر ایک اپنے کو نبی کہے گا، جب کہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ دورِ رسالت کے مشہور مدعیانِ نبوت میں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، اور سجاح بنت حارث گزرے ہیں۔

اسود عنسی : اس کا اصل نام عَیلہ تھا، عنس بن مذحج سے نسبت کی وجہ سے عنسی مشہور ہوا۔ یہ ایک چرب زبان کاہن تھا۔ اس نے اپنی چرب زبانی اور کہانت کے زور پر بہت سے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو اپنا گرویدہ اور پیروکار بنالیا۔ جب ان لوگوں پر اس نے پورا قابو پالیا تو نبوت کا دعوی کردیا اور کہنے لگا کہ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے، جو فرشتہ وحی لاتا ہے وہ وہ گدہے پر سوار ہوتا ہے، اسی وجہ سے اسے ''ذوالحمار'' گدہے والا کہا جاتا ہے، اس کی پیش گوئیوں سے متاثر ہوکر بہت لوگوں نے بلا لیت ولعل اسے نبی مان لیا۔

سرکوبی: اس نے اپنے پیروکاروں پر مشتمل لشکر تیار کرکے یمن کے دارالسلطنت صنعا پر دھاوا بول دیا، یہ دورِ رسالت کی بات ہے، اس وقت صنعا پر حضور علیہ السلام کے مقرر کردہ شہر بن باذان حاکم تھے، جو مقابلے میں شہید ہوگئے اور اسود صنعا کا حاکم بن گیا، اور اُن کی بیوہ مرزبانہ کو جبراً اپنے عقد میں لے لیا، جب حضور کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہما کو جو یمن کے دیگر علاقوں کے حاکم تھے، اس جابر وملعون مدعیِ نبوت کی سرکوبی کے لیے متعیّن فرمایا۔

ان دونوں حضرات نے مرزبانہ سے رابطہ کر کے اسود عنسی کے قتل کا منصوبہ ترتیب دیا، ایک رات مرزبانہ نے اسود کو کافی مقدار میں خالص شراب پلا کر مدہوش کر دیا اور مرزبانہ کے چچا زاد بھائی حضرت فیروز دیلمی اپنے ساتھیوں کی مدد سے مکان میں نقب لگا کر اندر داخل ہو گئے، اور ملعون کا کام تمام کر دیا۔ پہرے داروں نے ملعون کی خوفناک آواز سنی تو گھبرا کر دوڑے، لیکن مرزبانہ نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے روک دیا کہ خاموش رہو تمھارے نبی پر وحی اتر رہی ہے، پھر وہ خاموشی سے چلے گئے۔

جب اذانِ فجر میں موذن نے ایک شہادت کا اضافہ کر کے کہا: ”اَشْهَدُ اَنَّ عَيْلَةَ كَذَّابٌ“ تو سب کو قتل کی اطلاع ہو گئی اور اس کے پیرو کاروں میں سے بہت سے مارے گئے اور بہت سے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

فوراً یہ خوش خبری مدینہ بھیجی گئی، مگر جب تک حضور کا وصال ہو چکا تھا، رحلت سے ایک رات پہلے بذریعہ وحی الٰہی آپ نے ارشاد فرمادیا تھا کہ آج رات عنسی مارا گیا ہے اور ایک مردِ مبارک نے اسے مارا ہے، اس کا نام فیروز ہے، پھر فرمایا: ”فازَ فیروز“ فیروز کامیاب ہو گیا، اس طرح یہ ناپاک مدعی نبوت انجام کو پہنچا۔

مسیلمہ کذاب: اس کا نام مسیلمہ بن ثمالہ تھا، باختلافِ روایت نو ہجری یا دس ہجری میں نجد کے وفد بنو حنیفہ کے ساتھ یہ بھی مدینہ آیا، اس کے سوا تمام ارکانِ وفد نے حاضرِ دربارِ رسالت ہو کر اسلام قبول کر لیا، مگر یہ محروم رہا، حضور نے اس کی قیام گاہ پر جا کر فرمایا: اگر تو میرے بعد زندہ رہا تو حق تعالیٰ تجھے ہلاک فرمائے گا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ بھی مسلمان ہو گیا تھا، مگر نجد جا کر مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا، شراب و زنا کو حلال کیا، نماز کی فرضیت ساقط کر دی، یہ ایک بوڑھا اور انتہائی مکار انسان تھا، اس نے حضور کے نام ایک خط میں لکھا کہ زمین آدھی ہماری ہے اور آدھی قریش کی، مگر قریش زیادتی کرتے ہیں، حضور نے جواباً اسے لکھا: ” اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طرف سے جھوٹے مسیلمہ کی طرف، اما بعد! کُل روئے زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے، اور بھلی عاقبت پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

سرکوبی: یہ حضور کے بعد بھی زندہ رہا، خلیفۂ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں صحابہ کے اجماع اور مشورے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوبیس ہزار لشکر کی مدد سے اس کی سرکوبی کے لیے جہاد کیا۔ مسیلمہ چالیس ہزار لشکرِ جرار کے ساتھ مقابلے پر آیا، مگر خدائی مدد کے آگے ناکام ہوا اور جہنم رسید ہوا، اس عظیم جہاد میں بارہ سو صحابہ و تابعین نے اٹھائیس ہزار منکرین ختم نبوت محمدی کو جہنم رسید کر کے جامِ شہادت نوش کیا۔

سجاح بنت حارث: یہ ایک عورت تھی، جس نے بنی تغلب میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا، چند ہوس پرست اس کے ہم نوا ہو گئے، یہ مسیلمہ ہی کے دور کی ہے، جھوٹے نبی نے جھوٹی مدعیہ نبوت کی مقبولیت سے خائف ہو کر مبارک باد اور تحفے بھیجے اور ملاقات کر کے اس سے شادی بھی کر لی، مہر میں سجاح کے پیرو کاروں سے صبح و عشا کی نماز ساقط کر دی گئی، اتنے میں حضرت خالد کا لشکر آپہنچا اور اُن پر غالب آیا، ایک روایت کے مطابق سجاح اور اس کے پیرو کاروں نے اسلام قبول کر لیا۔

طلیحہ: عہدِ نبوت کے بعد اس نے دعوائے نبوت کیا، یہ قبیلہ بنی اسد سے تھا، اس کی سرکوبی کا فریضہ بھی دورِ صدیقی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ انجام پایا، قبیلہ فزار کے لوگ اس کے پیرو کار تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں، اس کی سرکوبی کے لیے اسلامی لشکر بھیجا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی طے میں پہنچے اور کوہِ سلمیٰ اور کوہِ اَجا کے درمیان یہ لشکر ٹھہر گیا۔ آس پاس کے مسلمان بھی شریکِ لشکر ہو گئے، سب نے مل کر طلیحہ اور اس کے مکار حواری علینیہ بن حصین فزاری اور دیگر فزاریوں سے جنگ کی، فزاریوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ اپنے سردار علینیہ سمیت اپنے جھوٹے نبی طلیحہ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

انجام: طلیحہ نے پہلے تو فرار کی راہ اختیار کی، لیکن بعد میں امان لے کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہو گیا اور مسلمان ہو گیا، حتیٰ کہ جہادوں میں حصہ لیا، ایران کے محاذوں پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں جہاد کیا اور دورِ فاروقی میں حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ نہاوند میں شرکت کی اور شہادت پا کر داخلِ جنت ہوئے اور انجام بخیر ہوا۔

مختار بن عبید ثقفی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا، جس کی سرکوبی حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی۔ زمانۂ خلافتِ راشدہ کے بعد بھی کچھ طالع آزماؤں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ارتداد و دعوائے نبوت کی وجہ سے مسلم حکمرانوں اور اس عہد کے علما و مشائخ نے انھیں خارج از اسلام قرار دینے کے ساتھ ساتھ گرفتار کر کے سزائے موت دی، حتیٰ کہ بعض عرصے تک عبرت کے لیے سولی پر لٹکا کر رکھے گے۔

عبد الملک بن مروان کے زمانے میں حارث نام کے ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا اور شرعی اور منطقی انجام کو پہنچا۔

ہارون رشید کے دور میں بھی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ میں نوح علیہ السلام ہوں، کیوں کہ (اصلی) نوح علیہ السلام کی عمر ساڑھے نو سو سال تھی، جو ایک ہزار سے پچاس کم تھی، جس کے پورا

کرنے کے لیے اب اللہ تعالی نے مجھے بھیجا ہے اور اپنے دعوی پر قرآنِ مجید سے دلیل دی کہ {ألف سنة إلا خمسين عاما} فرمایا گیا، یعنی نوح علیہ السلام دنیا میں پچاس سال کم ایک ہزار سال زندہ رہے۔ اسے بھی اُس دور کے علما نے سلف کے اتباع میں مرتد قرار دے کر قتل کا حکم دیا اور اسے بھی سولی دی۔
[قادیانیت اور تحریک تحفظ ختم نبوت ص ۳۰ تا ۳۴]

امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف تین فتنے اٹھے۔

(۱) دیوبندیوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی کی طرف سے اٹھایا جانے والا یہ فتنہ کہ حضور علیہ السلام کو ”خاتم النبیین“ بمعنی آخر النبیین ماننا نادانوں احمقوں کا کام ہے، اور آپ کے بعد بھی نبی پیدا ہونا ممکن ہے۔ اگر آپ کے زمانے میں یا اس کے بعد بھی کسی نبی کا ظہور ہو تو بھی آپ کے ختم نبوت میں فرق نہ آئے گا۔

(۲) بعض شیعوں کی طرف سے حضرت علی، حضرت فاطمہ وامامین حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو نبی ورسول ماننے کا فتنہ۔

(۳) مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کا فتنہ۔

ان تینوں فتنوں کی یلغار سے امت مسلمہ کو بچانے کے لیے اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ اور ایسے لافانی نقوش یادگار چھوڑے ہیں، جن سے امت مسلمہ رہنمائی اور رہبری حاصل کرتی رہے گی اور عقیدۂ ختم نبوت پر ہونے والے کسی بھی حملے کا منہ توڑ جواب دیتی رہے گی۔

(۱) دیوبندیوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی کا فتنہ:

امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں عقیدۂ ختم نبوت کا انکار اور بعثتِ نبیِ جدید کے محال نہ ہونے کا قول جس نے سب سے پہلے کیا، وہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی ہیں، مولانا سید وجاہت رسول قادری عقیدۂ تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں خانوادۂ امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمات جلیلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”سیدِ عالم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کا فتنہ ہندوستان میں پہلی بار اس وقت منظرِ عام پر آیا جب مولوی احسن نانوتوی (م ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء) نے قیام بریلی کے دوران (۱۸۵۱ء تا ۱۸۶۰ء) حدیث ”اثر ابن عباس“ کی بنیاد پر اپنے اس عقیدہ کا واضح اعلان کیا کہ رسول ﷺ کے علاوہ بھی ہر طبقہ زمین میں ایک ایک ”خاتم النبیین“ موجود ہے۔

امام احمد رضا کے والدِ ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ (م ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) نے مولوی احسن نانوتوی کی سخت گرفت کی اور اس عقیدے کو مسلمانوں کے متفقہ عقیدۂ ختم نبوت کے منافی قرار دیتے ہوئے

ایسا عقیدہ رکھنے والے کو گمراہ اور خارج از اہلِ سنت قرار دیا۔ ان کی حمایت میں علماے بریلی، بدایوں اور رامپور نے بھی فتوے دیے، جن میں مولوی احسن نانوتوی کے مسلم الثبوت عالم مفتی ارشاد حسین مجددی فاروقی بھی شامل تھے، جب کہ مولوی احسن نانوتوی کی حمایت میں اُن کے عزیز مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے ایک کتاب "تحذیر الناس" تحریر کی"۔ [جہانِ امام احمد رضا ج ۷ ص ۹۴]

مفتی محمد خاں قادری لاہور "اثر ابن عباس" کی وضاحت اور اس کے بارے میں علماے اہلِ سنت کا موقف نیز تحذیر الناس کا سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہاں اثر ابن عباس کی حقیقت سے آگاہی ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "اللہ تعالی نے سات زمینیں پیدا کیں، ہر زمین میں آدم ہے تمھارے آدم کی طرح، نوح ہے تمھارے نوح کی طرح، ابراہیم ہے تمھارے ابراہیم کی طرح، عیسی ہے تمھارے عیسی کی طرح، موسی ہے تمھارے موسی کی طرح۔ حضور اکرم ہیں تمھارے نبی کی طرح"۔

تمام امت مسلمہ نے اس اثر کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا کہ یہ قرآن کی نص قطعی "خاتم النبیین" کے خلاف ہے۔ ملاحظہ کیجیے

(۱) روح البیان ج ۱۰ پارہ ۲۸، ص ۴۴، ۴۵

(۲) روح المعانی پارہ ۲۸ ص ۱۴۴

(۳) فیض الباری ج ۳ ص ۳۳۳

مزید تفصیل کے لیے التبشیر برد التحذیر اور التبشیر پر اعتراضات کا جواب ملاحظہ کیجیے (از علامہ احمد سعید کاظمی)

اس کے باوجود ہندوستان میں کچھ لوگوں نے اس اثر کی صحت کو منوانے کی کوشش کی اور اس پر تحریری کام کیا۔

ہمارے مطالعے کے مطابق اس بحث کا آغاز مولانا احسن نانوتوی نے ۱۲۶۷ھ میں کیا، جس کا رد اعلی حضرت کے والدِ گرامی مولانا نقی علی خاں اور مولانا عبد القادر بدایونی نے کیا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نانوتوی کے حالات میں لکھتے ہیں:

"یہاں اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اثر ابن عباس کے سلسلے میں علماے بریلی اور بدایوں نے مولانا محمد احسن کی بڑی شدت سے مخالفت کی، بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولوی نقی علی خاں

کررہے تھے اور بدایوں میں مولوی عبد القادر بن مولانا فضل رسول بدایوں سرخیل جماعت تھے"۔

(مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۹۴)

مولانا نانوتوی نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں بیان کیا:

میرا عقیدہ یہ ہے کہ حدیثِ مذکور صحیح اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقے میں نبی تھے اور حدیثِ مذکور سے ہر طبقہ میں انبیا کا ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم ہونا طبقاتِ باقیہ میں ثابت ہے۔[تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال ص۱۶، از مفتی حافظ بخش]

مولانا نقی علی خاں مرحوم نے اس کے خلاف باقاعدہ تحریک چلائی، اپنے دور کے علما سے رابطہ کیا۔ استفتا ارسال کیا، جس کی وجہ سے علماے بدایوں ورامپور نے خوب بڑھ چڑھ کر موصوف کا ساتھ دیا، حتی کہ دونوں فریقوں کے مسلّم بزرگ نے مولانا نقی علی خاں کی تائید کی اور لکھا اس (اثر) پر عقیدہ رکھنا اہلِ سنت وجماعت کے خلاف ہے، خاتم النبیین حضور ﷺ ہیں، وہ حدیث شاذ ہے۔

تحذیر الناس کیوں لکھی گئی؟

یہاں اس بات کا علم بھی ہونا ضروری ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس" مولانا محمد احسن نانوتوی کی حمایت میں ہی لکھی تھی۔ ہوا یوں کہ مولانا احسن نانوتوی نے اپنی تائید حاصل کرنے کے لیے ایک سوالی اشتہار چھپوا کر دیگر اضلاع کے علماے کرام کو بھیجا۔ اُس کے انھیں دو جواب موصول ہوئے۔ اُن میں ایک جواب اُن کے رشتہ دار مولانا محمد قاسم نانوتوی کا آیا، جنھوں نے باقاعدہ اُن کی حمایت کی اور اس اشتہاری سوال کے جواب میں پوری کتاب "تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس" لکھ ڈالی"۔ (جہانِ امام احمد رضا، جلد ۷ ص ۱۴۲)

شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اپنی کتاب "سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ" میں "نانوتوی صاحب کی کفری عبارت" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

" مولوی قاسم نانوتوی بانئ مدرسہ دیوبند اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں:

"اول معنی "خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہمِ جواب میں دقّت نہ ہو۔

سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذات کوئی فضیلت نہیں۔

پھر مقامِ مدح میں ”ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین“فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟ ہاں اگر اِس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہیے اور اِس مقام کو مقامِ مدح قرار نہ دیجیے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب یاوہ گوئی کا وہم ہے، آخر اس وصف میں اور قدو قامت، وشکل ورنگ، وحسب ونسب، وسکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے؟ جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔

دوسرے رسول اللہ ﷺ کی جانب نقصانِ قدر کا احتمال، کیوں کہ اہلِ کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجیے۔

باقی یہ احتمال ”کہ یہ دین آخری دین تھا، اس لیے سدّ باب اتباعِ مدعیانِ نبوت کیا ہے، جو کل کو جھوٹے دعوے کرکے خلائق کو گمراہ کریں گے“ البتہ فی حدّ ذاتہ قابلِ لحاظ ہے۔ پر جملہ ”ماکان محمد ابا احد من رجالکم“ اور جملہ ”ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین“ میں کیا تناسب تھا؟ جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا۔

اور ظاہر ہے کہ اِس قسم کی بے ربطی بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں، اگر سدِّ بابِ مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لیے اور بیسیوں موقعے تھے۔

بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سدِّ بابِ مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے“۔

(تحذیر الناس) ص ۴، ۳

(تحذیر الناس) ص ۴ پر ہے: ”سواسی طور رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت کو تصور فرمائیے، یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی کا فیض نہیں“۔

ص ۱۴ پر رقم طراز ہیں:

”غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا ابنیائے گزشتہ ہی کی نسبت سے خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے“۔

ص ۲۸ پر یہ درِ نایاب عطا فرمایا:

''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے''۔

[سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ ص ۵۰ تا ۵۴ ملتقطا]

شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

''نانوتوی صاحب نے اس عبارت میں بڑے شدّ و مد، زور و شور سے یہ ثابت کیا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین نہیں اور نہ یہ معنی کسی طرح بن سکتے ہیں، خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونے کو انھوں نے سترہ طریقوں سے باطل کیا ہے۔

اول: خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونا ناسمجھ عوام کا خیال ہے۔ واضح ہو کہ یہاں اس عبارت میں ''عوام'' کے مقابلے میں ''اہلِ فہم'' بولے ہیں، جس سے متعیّن ہے کہ عوام سے ناسمجھ لوگ مراد ہیں۔

دوم: اسے ''خیال'' بتایا۔ عقیدہ نہیں، خیال کے معنی وہم، گمان، رائے کے ہیں۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی عقیدہ نہیں جو قطعی، یقینی، غیر متزلزل ہوتا ہے، بلکہ عوام کالانعام کی رائے ہے، جو انھوں نے از خود قائم کرلی ہے، قرآن و احادیث و اقوال سلف سے ثابت نہیں۔

سوم: آخری نبی ہونے کو مقامِ مدح میں یعنی تعریف کے موقع پر ذکر کرنا صحیح نہیں، اور یہ آیت کریمہ مقامِ مدح میں ہے، اس لیے اس آیت میں ''خاتم النبیین'' آخری نبی کے معنی میں نہیں۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ آخر الانبیاء ہونے میں کوئی مدح نہیں، کچھ فضیلت نہیں، نہ بالذات نہ بالعرض۔

چہارم: اس آیت کو مقامِ مدح نہ مانیں اور خاتم النبیین کو اوصافِ مدح میں نہ مانیں تو خاتم النبیین کا معنی آخری نبی درست ہو سکتا ہے، مگر چوں کہ یہ آیت مقامِ مدح ہے اور خاتم النبیین وصفِ مدح ہے، اس لیے اس آیت میں خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونا درست نہیں۔

پنجم: اگر خاتم النبیین کے معنی آخری نبی مراد لیں گے تو خدا کے بیہودہ گو، لغو گو ہونے کا وہم ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخری نبی ہونا بے ہودہ، لغو وصف ہے جس میں کچھ بھی فضیلت نہیں نہ بالذات نہ بالعرض۔

ششم: آخری نبی ہونا، قد و قامت وغیرہ ایسے اوصاف میں سے ہے جنھیں فضائل میں کچھ دخل نہیں۔ اس کا صاف صاف واضح غیر مبہم یہ معنی ہوا کہ آخر الانبیاء ہونے میں کچھ فضیلت نہیں، نہ بالذات نہ بالعرض۔

ہفتم: اگر حضور اقدس ﷺ کو آخری نبی مانیں گے تو رسول اللہ ﷺ کے نقصانِ قدر کا احتمال لازم آئے گا، یعنی یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا مرتبہ کم ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخری نبی ہونا ناقص

وصف ہے، جس میں کچھ فضیلت نہیں نہ بالذات، نہ بالعرض۔

ہشتم: آخری نبی ہونا ایسے ویسے یعنی معمولی درجے کے لوگوں کے اوصاف کی طرح ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ آخری نبی ہونے میں کچھ فضیلت نہیں، نہ بالذات، نہ بالعرض۔

نہم: اگر خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین لیں گے تو اس آیت کے پہلے جملے اور اس میں تناسب نہ رہے گا۔

دہم: ایک کا دوسرے پر عطف درست نہ ہوگا۔

یازدہم: ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو مستدرک بنانا صحیح نہ ہوگا۔

دوازدہم: اللہ کے کلام معجز نظام میں بے ربطی، بے ارتباطی لازم آئے گی۔

[مزید تفصیل کے لیے ''سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ'' ص ۵۳، ۵۲ دیکھیں]

ناظرینِ کرام ملاحظہ کریں، کس طرح قاسم نانوتوی نے ارشادِ باری تعالیٰ ''خاتم النبیین'' میں معنوی تحریف کا ارتکاب کیا۔ اور بزعم خویش دلائل سے ثابت کیا کہ حضور علیہ السلام کا خاتم الانبیاء بمعنی آخری نبی ہونا کسی طرح مناسب اور درست نہیں ہے۔ چوں کہ اس الحادی فکر کی شکل میں ایک نیا فتنہ ایک بڑے ادارے کے بانی نے کھڑا کیا تھا، اس لیے امتِ مسلمہ کے لیے سخت خطرہ درپیش تھا، ایسے ماحول میں امام احمد رضا قدس سرہ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے کھڑے ہوئے اور امت مسلمہ کو اس فتنے سے بچانے کے لیے آپ نے واضح کیا کہ قرآن میں مذکور ''خاتم النبیین'' کا معنی صرف اور صرف آخری نبی ہے، یہی معنی متواتر حدیثوں سے ثابت ہے، عصرِ نبوی سے یہی معنی صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور ائمہ و علما اور تمام مسلمانوں نے سمجھا ہے، اسی معنی کے مراد ہونے پر ائمۂ اعلام اور اساطین ملت نے اجماع نقل کیا ہے، اسی لیے ختم نبوت کا عقیدہ دینِ اسلام کا ایک ضروری اور بنیادی عقیدہ قرار پایا۔ اس معنی کے علاوہ دوسرا معنی مراد لینا، یا حضور علیہ السلام کے زمانۂ بعثت میں یا اس کے بعد کسی نبی جدید کے پیدا ہونے کا قول کرنے والا یا اس کو ممکن ماننے والا ایسا کافر ہے کہ جو اس کے کفر میں شک یا توقف کرے وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''حضور پر نور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کا خاتم یعنی بعثت میں آخرِ جمیعِ انبیا و مرسلین، بلا تاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، جو اس کا منکر ہے، یا اس میں ادنیٰ شک و شبہہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون ہے۔ آیتِ کریمہ {ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین} و حدیثِ متواتر: ''لا نبيَ بعدي'' سے تمام امتِ مرحومہ نے سلفاً و خلفاً ہمیشہ یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس ﷺ بلا تخصیص تمام انبیا میں آخر نبی ہوئے، حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیامِ قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔

فتاوی یتیمۃ الدہر والاشباہ والنظائر وفتاوی عالم گیریہ وغیرہا میں ہے۔:

''إذا لم یعرِف الرجلُ انَّ محمدا ﷺ آخِرُ الانبیاء فلیسَ بمسلمٍ؛ لانّہ من الضروریات''۔

جو شخص یہ نہ جانے کہ محمد ﷺ انبیا میں سب سے پچھلے نبی ہیں وہ مسلمان نہیں، کہ حضور کا آخر الانبیاء ہونا ضروریاتِ دین سے ہے۔

شفا شریف امامِ اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ میں ہے:

''کذلک(یکفَّرُ) مَن ادعی نبوۃَ أحدٍ مع نبیّنا او بعدَہ (الی قولہ) فھولاء کلُّھم کفّارٌ مکذّبون للنبی ﷺ؛ لانّہ ﷺ أخبرَ أنّہ خاتمُ النبیّینَ، ولا نبیَّ بعدَہ، وأخبرَ عن اللہ تعالی أنَّہ خاتمُ النبیّینَ، وأنَّہ اُرسِلَ کافّۃً للنَّاس. وأجمعتِ الامّۃُ علی حَمْلِ أنَّ ھذا الکلامَ علی ظاھرہ، وانّ مفھومَہ المراد بہ دُوْنَ تاویلٍ ولا تخصیصٍ. فلا شکَّ فی کفر ھؤلاء الطوائف کلِّھا قَطْعاً اِجماعاً وسَمْعاً''۔

[یعنی: جو ہمارے نبی ﷺ کے زمانے میں خواہ حضور کے بعد کسی کی نبوت کا ادعا کرے کافر اور نبی علیہ السلام کی تکذیب کرنے والا ہے کہ نبی ﷺ نے خبر دی کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور اللہ تعالی کی جانب سے یہ خبر دی کہ حضور خاتم النبیین ہیں اور اُن کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے۔ اور امت نے اجماع کیا ہے کہ یہ آیات واحادیث اپنے ظاہر پر ہیں، جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور سول کی مراد ہے، نہ اُن میں کوئی تاویل ہے نہ کچھ تخصیص۔ تو جو لوگ اس کا خلاف کریں وہ بحکمِ اجماعِ امت و بحکم قرآن وحدیث سب یقینا کافر ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں:

''اِنّ الاُمَّۃَ فَھِمَتْ ھذا اللفظَ انَّہ أفْھَمَ عدمَ نبیٍّ بعدَہ اَبداً، وعَدْمَ رسولٍ بعدہ اَبداً، وانَّہ لیس فیہ تاویلٌ ولا تخصیصٌ، وَمَنْ اوَّلَہ بتخصیصٍ فکلامُہ مِنْ اَنواع الھذَیانِ، لا یَمْنعُ الحکمَ بتکفیرہ؛ لانّہ مکذِّب لھذا النصِّ الذی اَجْمَعَتِ الاُمَّۃُ علی اَنّہ غیرُ مؤوَّلٍ ولا مخصوصٍ''۔

یعنی: تمام امت مرحومہ نے لفظ ''خاتم النبیین'' سے یہی سمجھا ہے، کہ یہ ارشاد بتاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد نہ کبھی کوئی نبی ہوگا، نہ حضور ﷺ کے بعد کوئی رسول ہوگا۔ اور تمام امت نے یہی

مانا کہ اس میں اصلاً کسی تاویل یا تخصیص کی گنجائش نہیں۔ تو جو شخص لفظ خاتم النبیین میں "النبیین" کو اپنے عموم واستغراق پر نہ مانے، بلکہ اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے، اس کی بات مجنون کی بک یا سرسامی کی بہک ہے، اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں، کہ اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی شرح الفرائد میں فرماتے ہیں:

"تَجْوِیْزُ نَبِیٍّ مَعَ نبیِّنا اَو بعدَہ یَسْتلزِمُ تکذیبَ القرآن؛ اِذْ قد نصَّ علی اَنَّہ خاتمُ النبیِّین وآخِرُ المرسَلین، وفِي السُنَّۃِ : "اَنا العاقِبُ، لا نبیَّ بعدی"، وأجمعتِ الامَّۃُ علی اِبْقاء ھذا الکلام علی ظاھرہ ، وھذہ احدی المسائِلِ المشھورۃِ التي کفَّرْنا بھا الفلاسفۃ۔ لَعَنَھُمُ اللہُ تعالی۔"

[ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ یا بعد کسی کو نبوت ملنی جائز ماننا تکذیبِ قرآن کو مستلزم ہے، کہ قرآن عظیم تصریح فرما چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین وآخر المرسلین ہیں اور حدیث میں فرمایا: میں پچھلا نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمام امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے، یعنی عموم واستغراق بلا تاویل وتخصیص اور یہ اُن مشہور مسئلوں سے ہے جن کے سبب اہلِ اسلام نے فلاسفہ کی تکفیر کی ہے۔ [رسالہ المبین ختم النبیین مشمولہ رسائل رضویہ ج۸ ص۳۴۲ تا ۳۴۴]

امام احمد رضا قدس سرہ نے رسالۂ مبارکہ "جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ" بعض شیعوں کے بارے میں ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرمایا، جس میں یہ تھا کہ اپنے آپ کو سید بتانے والا ایک شخص حضرت علی وفاطمہ وحسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نبی ورسول ہونا ثابت کرتا ہے تو ایسا شخص سنی ہے یا غالی رافضی؟ اور ایسا آدمی سید ہو سکتا ہے یا نہیں؟۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے احادیث وآثار اقوالِ صحابہ وتابعین وسلفِ صالحین وائمہ دین کے ارشادات وفرمودات کی روشنی میں جو مبسوط جواب تحریر کیا ہے وہ آپ کے علمِ حدیث میں تبحر ورسوخ پر روشن دلیل ہے، اس رسالے میں آپ نے امتِ مسلمہ کے متوارث عقیدۂ ختم نبوت کے اثبات کے لیے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں اور عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف قاسم نانوتوی کے تراشیدہ خیال کی دھجیاں اڑا دی ہیں اور یہ سب آپ نے عوامِ اہلِ سنت کے عقیدے کے تحفظ کے پیشِ نظر کیا ہے، آپ کو یہ امید بالکل نہ تھی کہ قاسم نانوتوی جیسا ہٹ دھرم اُن روشن دلائل کو تسلیم کرے گا، اسی لیے قاسم نانوتوی کے سلسلہ رد کا

اختتام اس آیت کریمہ پر کیا کہ :{وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ} نورِ الٰہی سے محروم شخص کو نورِ ہدایت کب نصیب ہوسکتا ہے؟ آپ نے اس رسالے میں تین چہل احادیث کا عدد (ایک سو بیس) کا جو انتخاب پیش کیا ہے، اس میں آپ نے ایک خاص لحاظ یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسی ہی احادیث کو شاملِ رسالہ کیا جائے جن احادیث کے کلماتِ شریفہ سے قاسم نانوتوی کے مزعومہ اور تراشیدہ معنی ختم نبوت کا صریح ردو استیصال ہو، تحریر فرماتے ہیں:

''ان احادیثِ کثیرہ وافرہ شہیرہ میں صرف گیارہ حدیثیں وہ ہیں جن میں ختم نبوت کا انھیں الفاظِ موجودہ قرآنِ عظیم سے ذکر ہے، جن میں آج کل کے بعض ضُلّال قاسمانِ کفروضلال نے تحریف معنوی کی اور معاذ اللہ حضور کے بعد اور نبوتوں کی نیو جمانے کو خاتمیت بمعنی نبوت بالذات لی، یعنی معنی خاتم النبیین صرف اس قدر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نبی بالذات ہیں اور انبیا نبی بالعرض۔ باقی زمانے میں تمام انبیا کے بعد ہونا، حضور کے بعد اور کسی کو نبوت ملنی ممتنع (محال) ہونا، یہ معنی ختم نبوت نہیں۔ اور صاف لکھ دیا کہ حضور کے بعد بھی کسی کو نبوت مل جائے تو ختم نبوت کے اصلاً منافی نہیں۔ اُس کے رسالہ، ضلالت مقالہ یعنی ''تحذیر الناس'' کا خلاصہ عبارت یہ ہے:

''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم النبیین ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہلِ فہم پر روشن کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقامِ مدح میں {وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ} کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟ بلکہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے، اسی طور پر رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت کو تصور فرمائیے۔ آپ موصوف بہ وصفِ نبوت بالذات ہیں اور نبی موصوف بالعرض، بایں معنی جو میں نے عرض کیا آپ کا خاتم ہونا انبیاے گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ بالفرض آپ کے زمانے میں کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ اگر بالفرض بعدِ زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے''۔ انتہی ملتقطاً۔

مسلمانو! دیکھا اس ملعون ناپاک شیطانی قول نے ختم نبوت کی کیسی جڑ کاٹ دی، خاتمیت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ کی وہ تاویل گڑھی کہ خاتمیت خود ہی ختم کردی، صاف لکھ دیا کہ اگر حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والثناء کے زمانے میں، بلکہ حضور کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو ختم نبوت کے کچھ منافی نہیں۔ اللہ اللہ! جس کفرِ ملعون کے موجد کو خود قرآن عظیم کا ''وخاتم النبیین'' فرمانا نافع نہ ہوا! کما قال تعالیٰ: {وَ

نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴿۸۲﴾} [اتارتے ہیں ہم اس قرآن سے وہ چیز کہ مسلمانوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو اس سے کچھ نہیں بڑھتا سوا زیاں کے]

اسے احادیث میں خاتم النبین فرمانا کیا کام دے سکتا ہے: {فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ} [قرآن کے بعد اور کون سی حدیث پر ایمان لائیں گے]

لہذا فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اِن احادیثِ کثیرہ میں صرف گیارہ حدیثیں ایسی لکھیں، جن میں ''تنہا ختم نبوت'' کا ذکر ہے، باقی نوے احادیث اور اکثر تذییلات اُن پر علاوہ سو سے زائد حدیثیں وہی جمع کیں کہ بالتصریح حضور کا اسی معنی پر خاتم ہونا بتارہی ہیں جسے وہ گمراہ، ضال، عوام کا خیال جانتا ہے۔ اور اس میں نبی ﷺ کے لیے کوئی تعریف نہیں مانتا، صحابہ کرام، و تابعینِ عظام کے ارشادات کہ تذییلوں میں گزرے مثلاً: (۱) امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی ''کہ اللہ تعالی نے حضور کو سب انبیا کے بعد بھیجا''۔ (۲) انس رضی اللہ تعالی عنہ کا قول: ''تمھارے نبی آخر الانبیاء ہیں''۔ (۳) عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالی عنہ کا ارشاد: ''کہ اُن کے بعد کوئی نبی نہیں''۔ (۴) امام باقر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول: ''کہ وہ سب انبیا کے بعد بھیجے گئے''

انھیں (یعنی اِن اقوالِ صحابہ و تابعین کو) تو یہ گمراہ کب سنے گا؟ کہ وہ اسی وسوسۃ الخناس میں صاف یہ خود بھی بتا گیا ہے کہ وہ سلفِ صالح کے خلاف چلا ہے اور اس کا عذر یوں پیش کیا کہ اگر بہ وجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو اُن کی شان میں کیا نقصان آگیا اور کسی طفلِ ناداں نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا وہ عظیم الشان ہو گیا؟

مگر آنکھیں کھول کر خود محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی متواتر حدیثیں دیکھیے:

(۱) ''میں عاقب ہوں، جس کے بعد کوئی نبی نہیں''۔

(۲) ''میں سب انبیا میں آخر نبی ہوں''۔

(۳) ''میں تمام انبیا کے بعد آیا''۔

(۴) ''ہمیں پچھلے ہیں''۔

(۵) ''میں سب پیغمبروں کے بعد بھیجا گیا''۔

(۶) ''قصرِ نبوت میں جو اینٹ کی جگہ تھی مجھ سے کامل کی گئی''۔

(۷) ''میں آخر الانبیاء ہوں''۔

(۸) ''میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

(۹) ''رسالت و نبوت منقطع ہو گئی۔اب نہ کوئی رسول ہو گا نہ نبی''۔

(۱۰) ''نبوت میں سے اب کچھ نہ رہا سوا اچھے خواب کے''۔

(۱۱) ''میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا''۔

(۱۲) ''میرے بعد دجّال کذاب ادعاے نبوت کریں گے''۔

(۱۳) ''میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

(۱۴) ''نہ میری امت کے بعد کوئی امت''۔

ادھر علماے کتبِ سابقہ اللہ ورسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ارشادات سُن سُن کر شہادات ادا کر رہے ہیں کہ :

(۱) ''احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوں گے، اُن کے بعد کوئی نبی نہیں''۔

(۲) ''اُن کے سوا کوئی نبی باقی نہیں''۔

(۳) ''وہ آخر الانبیاء ہیں''۔

ادھر ملائکہ وانبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی صدائیں آرہی ہیں کہ

(۴) ''وہ پسین پیغمبراں ہیں''۔

(۵) ''وہ آخر مرسلاں ہیں''۔

خود حضرت عزت عَزَّتْ عِزَّتُہ سے ارشاداتِ جاں فزا و دل نواز آرہے ہیں کہ

(۶) ''محمد ہی اول و آخر ہے''۔

(۷) ''اس کی امت مرتبے میں سب سے اگلی اور زمانے میں سب سے پچھلی''۔

(۸) ''وہ سب انبیا کے پیچھے آیا''۔

(۹) ''اے محبوب! میں نے تجھے آخر النبیین کیا''۔

(۱۰) ''اے محبوب! میں نے تجھے سب انبیا سے پہلے بنایا اور سب کے بعد بھیجا''۔

(۱۱) ''محمد آخر الانبیاء ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''۔

مگر یہ ضال مضل (گمراہ گمراہ گر) محرِّفِ قرآن، مغیر ایمان ہے کہ نہ ملائکہ کی سنے نہ انبیا کی، نہ مصطفی کی مانے، نہ اُن کے خدا کی۔ سب کی طرف سے ایک کان گونگا، ایک بہرا۔ ایک دیدہ اندھا ایک پھوٹا۔ اپنی ہی

ہانک لگائے جاتا ہے کہ یہ نافہمی کے اوہام، خیالاتِ عوام ہیں، آخر الانبیاء ہونے میں فضیلت ہی کیا ہے؟ انا للہ و انا الیہ راجعون. {کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ}[اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے دل پر] {رَبَّنا لا تُزِغْ قُلُوْبَنا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنا وَھَبْ لَنا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الوَھّابُ}[اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر، بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر، بے شک تو ہی بڑا دینے والا]

ایک اعتراض اور اس کا جواب: یہاں احادیث کی گنتی پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے جس کی طرف امام احمد رضا قدس سرہ نے اشارہ کرکے اس کا جواب دیا ہے، اس اعتراض (دخلِ مقدر) کا بیان یہ ہے کہ اس رسالے میں جن نوے احادیث کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان میں "خاتم النبیین" کی بجائے بالتصریح "آخری نبی" ہونے کا بیان ہے، اُن میں ایسی تین حدیثوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے جن میں "ختم نبوت" کی ہی تعبیر مذکور ہے؟ اور وہ تین حدیثیں درج ذیل ہیں:

(۱) ابو یعلی، وطبرانی وشاشی وابو نُعیم "فضائل الصحابہ" میں اور ابن عساکر وابن النجار حضرت سہل بن ساعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موصولا اور (۲) رویانی وابن عساکر محمد بن شہاب زہری سے مرسلاً راوی: حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمّ نبی ﷺ نے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں (مکہ معظمہ سے) عرضی حاضر کی کہ مجھے اِذن عطا ہو تو ہجرت کرکے (مدینہ طیبہ) حاضر ہوں۔ اس کے جواب میں حضور پر نور ﷺ نے یہ فرمان نافذ فرمایا: "یا عمِّ! اَقِمْ مَکانَکَ الذي اَنْتَ فیه، فإنَّ اللہ یَخْتِمُ بِكَ الھِجْرَۃَ، کما خَتَمَ بِي النُّبُوَّۃَ" یعنی: اے چچا! آپ اپنی جگہ ٹھہرے رہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت یوں ہی ختم کرے گا جس طرح اس نے میری ذات پر نبوت ختم کر دی۔ [رسائل رضویہ ج ۳۸ ص ۲۴۲، ۲۴۲]

(۳) ابن ابی حاتم وہب بن منبّہ سے راوی: قالَ: اَوْحی اللّٰہُ الی اشعیاء اَنّي باعثٌ نبیاً اُمِّیاً، أَفْتَحُ بِهِ آذاناً صُمّاً وَ قُلُوْباً غُلْفاً وَ اَعْیُناً عُمْیاً، مَوْلِدُہ بمکّۃ، وَ مُھاجرُہ بِطَیْبَۃَ، و مُلْکُه بالشامِ (وساقَ الحدیثَ، فیه الکثیرُ الطیِّبُ عن فضائله وشمائله ﷺ إلی اَنْ قالَ) وَلَاَجعلَنَّ اُمَّته خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجتْ لِلنَّاسِ (وَذکرَ صفاتِھم الی اَنْ قالَ) اَخْتِمُ بِکتابه الکُتُبَ، و بِشَرِیْعَتِه الشرائعَ و بِدِیْنِهِ الاَدْیانَ" [یعنی: اللہ تعالیٰ نے اشعیا علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں ایسا نبی امی بھیجنے والا ہوں، جس سے میں بہرے کان، اور غافل دل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا، اُس کی جائے پیدائش مکہ ہے اور ہجرت گاہ مدینہ ہے اور اُن کی حکومت ملک شام تک ہوگی (پھر

اس حدیث میں آپ کے مزید فضائل وخصائل کے بیان کے بعد ہے) میں ضرور اس کی امت کو اُن سب امتوں سے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں بہتر وافضل کروں گا اور میں اس کی کتاب پر کتابوں کو ختم فرماؤں گا اور اُس کی شریعت پر تمام شریعتوں اور اس کے دین پر تمام ادیان کو تمام کردوں گا۔[ایضاص ۱۵۸]

اس اعتراض کا دلچسپ اور لاجواب جواب امام احمد رضا قدس سرہ کے شگفتہ انداز میں ملاحظہ فرمائیں :تحریر فرماتے ہیں:

"ہاں! ان نوے (۹۰) حدیثوں میں تین حدیثیں صرف بلفظ "خاتمیت" بھی ہیں۔ دو حدیثِ سید عالم ﷺ: "کہ اے چچا، جس طرح اللہ تعالی نے مجھ پر نبوت ختم کی، تم پر ہجرت کو ختم فرمائے گا، جیسے میں خاتم النبیین ہوں، تم خاتم المہاجرین ہوگے"۔

شاید وہ گمراہ یہاں بھی کہہ دے کہ تمام مہاجرینِ کرام، مہاجر بالعرض تھے، حضرت عباس مہاجر بالذات۔

اور ایک حدیثِ الٰہی جل وعلا کہ میں اِن کی کتاب پر کتابوں کو ختم کردوں گا اور اِن کے دین وشریعت پر ادیان وشرائع کو"۔

او گمراہ! اب یہاں بھی کہہ دے کہ اور دین، دین بالعرض تھے، یہ دین، دین بالذات ہے۔ توریت وانجیل وزبور اللہ تعالی کے کلام بالعرض تھے، قرآن کلام بالذات ہے۔ مگر ہے یہ کہ{مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللهُ له نوراً فَما لَه مِنْ نُوْرٍ}[جس کے لیے اللہ تعالی نور نہ بنائے اس کے لیے کوئی نور نہیں۔ نسأل الله العفو والعافية..."۔ [رسالہ جزاء اللہ عدوہ مشمولہ رسائل رضویہ ج ۳۸ ص ۲۵۸ تا ۲۶۴]

تحذیر الناس نامی کتاب جس نے عقیدۂ ختم نبوت پر سب سے بڑا حملہ کیا، اس سے کتنی شورش ہوئی اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے، شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"تحذیر الناس جہاں بھی پہنچی، وہاں کے علما نے اس سے بیزاری ظاہر کی، اس کا زبانی بھی اور تحریری بھی رد کیا، تحذیر الناس سے پوری امت بیزار رہی، اس کو تھانوی صاحب نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"جس وقت مولانا نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس لکھی ہے، کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی، بجز مولانا عبد الحی کے" [الافاضات الیومیہ جلد چہارم، ص: ۵۸۰، ملفوظ ۹۲۷]

نانوتوی صاحب ایک بار ریاست رام پور تشریف لے گیے، اس کا قصّہ ارواح ثلاثہ میں یوں لکھا ہے:

"اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا، اس لیے کہ خفیہ پہنچیں، جب رام پور پہنچے تو حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے، اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہلِ بدعات میں ایک شور برپا تھا، مولانا کی تکفیر تک ہو رہی تھی۔ حضرت کی غرض اس اخفا سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارہ میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں۔ (ارواح ثلاثہ ۲۶۱)

تھانوی صاحب ایک تجربہ کار گرم و سرد چشیدہ بزرگ تھے، انھوں نے تحذیر الناس کے خلاف پورے ملک میں جو شورش تھی اسے بہت ہلکے الفاظ میں یوں بیان کیا "پورے ملک میں موافقت نہیں کی"۔ مگر ارواحِ ثلاثہ کے سیدھے سادے راوی نے پوری بات کہہ دی، کہ ایک شور برپا تھا، مولانا کی تکفیر تک ہو رہی تھی، یہ دوسری بات ہے کہ اسے اہلِ بدعات کی طرف منسوب کیا، مگر تھانوی صاحب نے پورے ملک سے تعبیر کیا۔ اب اس کی دو ہی توجیہ ہو سکتی ہے یا تو یہ کہیے کہ پورا ملک اہلِ بدعات تھا، یا یہ کہیے کہ تحذیر الناس کے کفری مضمون کے خلاف کچھ کہنا ہی دیوبندی مذہب میں بدعت ہے"۔

[سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ ص ۱۴، ۱۵]

یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اگرچہ تحذیر الناس میں مذکور فکر سے بہت کم لوگوں نے صاف صریح طور پر اتفاق کیا ہو لیکن امتناع بعثتِ نبی جدید کے مسلمہ عقیدے اور ضروری مسئلے سے مولوی قاسم نانوتوی کے انکار کے باوجود اُن کے ماننے والوں نے اُن کی تکفیر یا تردید سے مجرمانہ خاموشی اختیار کی اور بعد میں تو دیوبندی علما پورے شد و مد سے اُن کو حق بجانب ثابت کرنے میں پوری وکالت کرنے لگے۔ ایسے ہوش ربا فتنے سے امت مسلمہ کو بچانے کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ نے ضروری سمجھا کہ برصغیر میں پائے جانے والے دیگر گمراہ فرقوں کے ساتھ قاسم نانوتوی اور اُن کی ہم نوائی کرنے والے فرقے کے تابوت میں آخری کیل ثبت کر دی جائے، چناں چہ آپ نے ۱۳۲۰ھ میں "المعتمد المستند" تحریر کی جس میں پوری وضاحت کے ساتھ اُن کے کفری اقوال کو بیان کر کے اُن کا شرعی حکم واضح کیا اور علمائے حرمین کے تقریبًا ۳۵ر مشاہیر علما و فقہا کی تصدیقات و تقریظات سے مزین کر کے ۱۳۲۴ھ میں "حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین" کے نام سے شائع کرایا، جس سے اہلِ سنت و جماعت کو ایک الگ شناخت حاصل ہوئی، اور امت مسلمہ پر جس کے بڑے دور رس اور مفید نتائج مرتب ہوئے۔ مولانا وجاہت رسول قادری رقم طراز ہیں:

یہی (مولوی قاسم نانوتوی کے ذریعے خاتم النبیین کا معنی آخر الانبیاء ہونا ایک جاہلانہ خیال بتایا جانا) وہ

دل آزار تشریح ہے، جس نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ملت اسلامیانِ ہند میں دو دھڑے پیدا کر دیے، اور ایک نیا فرقہ ''دیوبندی وہابی'' جنم دیا، آگے چل کر ''تحذیر الناس'' کی اسی عبارت نے مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کی جھوٹی نبوت کے دعوی کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کی، جس کو آج تک قادیانی بطورِ دلیل پیش کرتے چلے آئے ہیں، حتی کہ ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو جب پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لیے دلائل دیے جا رہے تھے تو قادیانیوں کے نمائندہ مرزا ناصر نے اپنے مسلمان (نہ) ہونے کے دفاع میں مولوی قاسم نانوتوی کی ان عبارات کو بطورِ دلیل پیش کیا ہے، جس کا جواب جناب مفتی محمود سمیت اسمبلی میں موجود کسی دیوبندی سے نہ بن پڑا، البتہ مولانا شاہ احمد نورانی اور علامہ عبد المصطفی الازہری صاحب نے گرج دار آواز میں کہا کہ ہم اس عبارت کے لکھنے والے اور اس کے قائل دونوں کو ایسا ہی کافر سمجھتے ہیں جیسا قادیانیوں کو۔ اور اس سلسلے میں امام احمد رضا کا مرتبہ اور حرمین شریفین کا تصدیق شدہ فتوی ''حسام الحرمین'' اسمبلی میں پیش کیا جا چکا ہے۔

رسالہ ''جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ'' در حقیقت بعض شیعوں کے بارے میں پیش کردہ ایک سوال کے جواب میں تصنیف ہوا، مگر اس رسالے میں پورے طور پر مولوی قاسم نانوتوی کے انکار عقیدۂ ختم نبوت کا بھی بے مثال رد ہے جیسا کہ پیچھے اقتباس پیش کیے جا چکے ہیں۔

مولوی قاسم نانوتوی کے انکارِ عقیدۂ ختم نبوت کا رد آپ کے درجنوں فتاوی کے علاوہ درج ذیل مستقل بارہ کتب و رسائل میں موجود ہے:

(۱) جزاء اللہ عدوّہ بابائہ ختم النبوۃ (۲) فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین (۳) ترجمۃ الفتوی وجہ ہدم الفتوی (۴) خلص فوائد فتوی (۵) حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (۶) خلاصہ فوائدِ فتاوی (۷) مبینِ احکام و تصدیقاتِ اعلام (۸) تمہید ایمان بآیات قرآن (۹) المبین ختم النبیین (۱۰) تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال (۱۱) جوابہائے ترکی بترکی (۱۲) چابک لیث بر اہلِ حدیث۔ [حیات اعلی حضرت، ج: ۱، ص: ۲۹، ۲۷، ۳۰]

مرزا قادیانی کے دعوائے نبوت کا فتنہ: امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانہ میں ''ختم نبوت'' کے خلاف جن فتنوں نے سر ابھارا اُن میں ایک بڑا فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کا ادعائے نبوت کا فتنہ تھا، شروع میں مشرقی ہند میں یہ فتنہ نہ پہنچا، لیکن بعد میں مرزا کے کچھ پیروکار یہاں بھی پیدا ہوئے، اور امام احمد رضا قدس سرہ نے اس فتنے کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لیے فتاویٰ تحریر کیے، منصوبہ بند طریقے سے رسائل

و مجلات شائع کر کے ملّتِ اسلامیہ کے عقیدۂ ختم نبوت کو تحفظ فراہم کرنے کی سعادت حاصل کی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات: اس عنوان کے تحت حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی تحریر فرماتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی بقول اپنے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ھ میں ہندوستانی پنجاب کے مقام قادیان ضلع گورداس پور میں پیدا ہوا۔ اس دور میں رائج عربی فارسی کی تعلیم مرزا نے اُس دور کے بڑے اساتذہ علامہ فضل احمد، علامہ گل حسن شاہ اور علامہ فضل الٰہی سے حاصل کی اور دین کی تعلیم پائی، طِب کی تعلیم اپنے والد مرزا غلام عطا محمد ولد مرزا گل محمد سے حاصل کی۔

تقریباً ۲۴ر سال کی عمر میں انگریزی حکومت کے ڈپٹی کمشنر سیال کوٹ کے آفس میں ۱۵ر روپیہ ماہانہ تنخواہ پر بحیثیت کلرک ملازمت شروع کی اور اِس معمولی ملازمت کے ذریعے تاجِ برطانیہ کا قُرب حاصل کیا اور سامراج نے مرزا کو اپنے مطلب کا آدمی پاکر افتراق اور انتشار بین المسلمین کا آلہ کار بنانے میں کامیابی حاصل کرلی، مرزا نے بھی خوب حقّ نمک ادا کیا۔ اور انگریزوں کا یہ ریزہ خوار بڑا وفادار ثابت ہوا۔ انگریز کو ایسے وفادار، ریزہ خوار اور آلہ کار کی تلاش تھی ہی، جب مرزا قادیانی کی شکل میں انھیں کام کا آدمی مل گیا، تو اُس سے جو اصل کام لینا تھا اُس کے لیے کلرک کی خدمت چند سال بعد چھڑوادی اور مرزا کو اصل کام پر لگادیا، اسی دوران ۱۸۷۶ء میں اس کے والد مر گئے۔

باپ کی موت سے ایک طرح مرزا بالکل آزاد ہوگیا اور انگریز کے سپرد کردہ اصل کام کو صحیح ڈھنگ سے انجام دینے کے لیے عربی فارسی میں مزید پختگی کی کوشش کی اور عربی و فارسی کے ساتھ اردو زبان میں لکھنے کی مشق تیز کردی، بقول شیخ محمد اکرام ان (مرزا قادیانی) کی حالت نیم مجذوبانہ سی رہتی تھی (موج کوثر ص ۷۸)

مرزا نے اولاً اپنے کو ایک مصلح کی حیثیت سے پیش کیا اور ۱۸۷۹ء میں تصنیف کا سلسلہ شروع کیا، وہ عالم تو تھا ہی، دوسری طرف انگریز کی سرپرستی بھی حاصل تھی، جلد ہی وہ ایک کام یاب و مقبول واعظ و مصلح کی حیثیت سے مشہور ہوگیا اور ایک اچھا خاصا طبقہ اس سے متاثر ہوگیا۔ اس ابتدائی کام یابی کے بعد حوصلہ بلند ہوا اور تدریجاً منصوبہ بند طریقے سے مختلف قسم کے دعوے کرنے شروع کردیے، سب سے پہلے مجدّد ہونے کا دعوی کیا۔ ۱۸۸۲ء میں دعوی کیا کہ اسے کثرت سے الہامات ہوتے ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں مہدی موعود بنا، پھر ترقی کر کے ۱۸۹۰ء میں حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں بکواس کی کہ نہ وہ زندہ ہیں، نہ آسمان چہارم پر۔ بلکہ فوت ہوچکے ہیں۔ اور ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ اور وہ (یعنی مرزا) عیسی مسیح کا مثیل

ہے۔ علماے وقت کی طرف سے جب اس کی مخالفت ہوئی تو حضرت عیسی علیہ السلام کی کھلی توہین پر اُتر آیا اور اُن کی شان میں گالی گلوج اور خرافات کی بھرمار کردی اور اُن کے معجزات کو مسمریزم کہا۔ اپنے کو اُن سے افضل بتایا، انھیں نادان، چور، شریر، مکار، بد عقل، زنانے خیال کا، فحش گو، جھوٹا، گندی گالیاں دینے والا، پیرِو شیطان کا خطاب دیا اور آپ کی تین (اختراعی) دادیوں اور نانیوں کو زنا کار بتایا (معاذ اللہ)

۱۹۰۱ء میں مرزا نے ظِلّی بُروزی اور غیر تشریعی نبی اور پھر اصلی نبی ہونے کا دعوی کیا اور ۲۹/ مئی ۱۹۰۸ء کو اچانک قہرِ خدا کا شکار ہوا اور ہیضہ میں لاہور میں پاخانہ کے اندر جہنم رسید ہو گیا۔

[قادیانیت اور تحریک تحفظ ختم نبوت ص۳۵، ۳۴]

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مرزا کے دعوائے نبوت کے رد میں علماے اہلِ سنت نے زبان و قلم کی پوری توانائی صرف کی ہے لیکن ردِ قادیانیت کے بارے میں جن دو بزرگ شخصیات کی تصنیفات نے زیادہ شہرت پائی، اُن میں ایک نام مجددِ دین و ملت امام احمد رضا قدس سرہ النورانی کا ہے۔ مولانا سید وجاہت رسول قادری رقم طراز ہیں:

”دورِ جدید میں فتنۂ قادیانیت یا مرزائیت، مسلمانانِ عالَم کے خلاف ایک بہت ہی گھناؤنی سازش ہے، جو جسدِ ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک کینسر سے کم نہیں۔ ہمیشہ کی طرح اِس فتنے کی سرکوبی کے لیے بھی علما و مشائخ اہلِ سنت کا کردار شروع سے ہی بہت عالی شان رہا ہے، ”ترجمانِ اہلِ سنت“ اگست، ستمبر ۱۹۷۲ء میں ردِّ قادیانیت پر ۱۶/ علما کی انیس کتب کا تعارف ہے۔ جب کہ سید صابر حسین شاہ صاحب نے اپنی تصنیف ”قائد اعظم کا مسلک“ میں اس موضوع پر ۳۲/ علما اور ۴۶/ کتب و رسائل کا ذکر کیا ہے، اس طرح اگر مکرّرات کو حذف کر دیا جائے تو مصنفین علما کی تعداد ۴۳/ اور کتب و رسائل کی تقریبا ۶۰/ بنتی ہے۔ اگر دورِ جدید کے علماے پاک و ہند و بنگلہ دیش کے حوالے سے مزید تحقیق اور جستجو کی جائے تو راقم کے خیال میں علما و کتب کی تعداد ۱۰۰/ سے بھی تجاوز کر جائے گی، لیکن ردِّ قادیانیت کے حوالے سے دو شخصیات کی تصانیف نے سب سے زیادہ شہرت پائی۔

(۱) اعلی حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ۔

(۲) حضرت پیرِ طریقت سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ“۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

”برِ صغیر پاک و ہند میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کا وہ پہلا خانوادہ ہے جہاں منکرینِ ختمِ نبوت اور

قادیانیت کا سب سے پہلے رد کیا گیا“۔ [جہانِ امام احمد رضا ج ۷ ص ۹۳،۹۲]

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاوی ورسائل میں فتنۂ قادیانیت کے ابطال وتردید کا وہی اسلوب اختیار کیا ہے جس کو آپ نے بے دینوں اور گمراہ فرقوں کے رد میں مُسکت اور حد درجہ موثر قرار دیا ہے، یعنی اِن سے فروعی مسائل میں بحث ومناظرہ کی بجائے اُن کے کفری اقوال وافکار کے بارے میں گفتگو کی جائے۔ الملفوظ میں فرماتے ہیں: ” وہابی، غیر مقلد، قادیانی وغیرہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ اصول چھوڑ کر فرعی مسائل میں گفتگو ہو، انھیں ہرگز یہ موقع نہ دیا جائے، اُن سے یہی کہا جائے کہ پہلے تم اسلام کے دائرے میں آلو، اپنا مسلمان ہونا تو ثابت کرلو، پھر فرعی مسائل میں گفتگو کا حق ہوگا۔ [الملفوظ ج ۱ ص ۶۹]

آپ سے دریافت کیا گیا کہ قادیانیوں سے کس طرح، کس پیرایے میں بحث کی جائے، یعنی ان کی تردید کے بھاری ذرائع کیا ہیں؟ اس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

”سب میں بھاری ذریعہ اُس کے رد کا، اول اول کلماتِ کفر پر گرفت ہے، جو اُس کی تصانیف میں برساتی حشرات (کیڑوں) کی طرح اُبلے گبلے پھر رہے ہیں (رینگ رہے ہیں) (۱) انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی توہینیں۔ (۲) عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کو گالیاں (۳) اُن کی ماں طیبہ طاہرہ پر طعن اور یہ کہنا کہ یہود کے جو اعتراض عیسی اور اُن کی ماں پر ہیں اُن کا جواب نہیں۔ (۴) اور یہ کہ نبوتِ عیسی پر کوئی دلیل قائم نہیں، بلکہ عدمِ نبوت پر دلیل قائم ہے۔ (۵) یہ ماننا کہ قرآن نے اُن کو انبیا میں گنا ہے اور پھر صاف کہہ دینا کہ وہ نبی نہیں ہوسکتے۔ (۶) معجزاتِ عیسی علیہ الصلاۃ والسلام سے صراحۃً انکار اور یہ کہنا کہ وہ مسمریزم سے یہ کچھ (یہ سب) کیا کرتے تھے اور یہ کہ میں اُن باتوں کو مکروہ نہ جانتا تو آج عیسی سے کم نہ ہوتا۔ تو وہ روشن معجزے جن کو قرآن مجید آیاتِ بینات فرما رہا ہے، یہ مسمریزم ومکروہ مانتا ہے۔ (۷) اپنے آپ کو اگلے انبیا سے افضل بتانا اور یہ کہنا کہ

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو اُس سے بہتر غلامِ احمد ہے

(۸) اور یہ کہنا کہ اگلے چار سو انبیا کی پیشین گوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے۔ (۹) اور یہ کہنا کہ عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کی چار دادیاں نانیاں معاذ اللہ زانیہ تھیں اور یہ کہ اسی خون سے عیسی کی پیدائش ہے۔ (۱۰) اپنے آپ کو نبی کہنا۔ (۱۱) اپنی طرف وحی الٰہی آنے کا ادعا کرنا۔ (۱۲) اپنی بنائی ہوئی کتاب کو کلامِ الٰہی کہنا۔ (۱۳) اور یہ کہ آیہ کریمہ: { مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اسْمُهٗ اَحْمَدُ } سے میں مراد ہوں۔ (۱۴) اور یہ کہ مجھ پر اُترا ہے: ”اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ بِالْقَادِیَانِ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ“۔

اور دوسرا بھاری ذریعہ اُس خبیث کی پیشین گوئیوں کا جھوٹا پڑنا، جن میں بہت چمکتے روشن حرفوں

سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں:

(۱) اُس کے بیٹے کا جس کی نسبت کہا تھا کہ انبیا کا چاند پیدا ہوگا اور بادشاہ اُس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، مگر شانِ الٰہی کہ "چوں دُم برداشتم مادہ برآمد" بیٹی پیدا ہوئی۔ اس کے اوپر کہا کہ وحی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی، اب کہ جو ہوگا وہ انبیا کا چاند ہوگا، بیٹی، بیٹے ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں۔ اب کہ ہوا بیٹا، مگر چند روز جی کر مَر گیا، بادشاہ کیا؟ کسی محتاج نے بھی اُس کے کپڑوں سے برکت نہ لی۔

(۲) دوسری بہت بڑی بھاری پیشین گوئی آسمانی جُورو (بیوی) کی۔ اپنی چچازاد بہن احمدی کو لکھ کر بھیجا کہ اپنی بیٹی محمدی میرے نکاح میں دیدے، اُس نے صاف انکار کر دیا، اُس پر پہلے طمع دلائی، پھر دھمکیاں دیں، پھر کہا کہ وحی آگئی کہ "زَوَّجْناکَھا" ہم نے تیرا نکاح اُس سے کر دیا اور یہ کہ اُس کا نکاح اگر تو دوسری جگہ کرے گی تو ڈھائی یا تین برس کے اندر اُس کا شوہر مر جائے گا، مگر اُس خدا کی بندی نے ایک نہیں سُنی، سلطان محمد خان سے نکاح کر دیا اور وہ آسمانی نکاح دھرا ہی رہا۔ نہ وہ شوہر مرا کتنے بچے اُس سے ہو چکے اور یہ چل دیے۔

غرض اُس کے کفر و کذب حدِّ شمار سے باہر ہیں اور اُس کے ہوا خواہ (معتقدین) ان باتوں کو ٹالتے ہیں اور بحث کریں گے تو کاہے میں؟ (۱) کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے انتقال فرمایا؟ (۲) مع جسم اٹھائے گئے یا صرف روح؟ (۳) روحِ مہدی و عیسیٰ ایک ہیں یا متعدّد؟ یہ اُن کی عیاری ہوتی ہے۔ اِن کفروں کے سامنے اِن مباحث کا کیا ذکر؟ فرض کیجیے کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام زندہ نہیں۔ فرض کیجیے کہ وہ مع جسم نہیں اٹھائے گئے۔ فرض کیجیے کہ مہدی و عیسیٰ ایک ہیں۔ پھر اُس سے وہ تیرے کفر کیوں کر گٹ گئے؟۔ کلام تو اِس میں ہے کہ تُو کہتا ہے میں نبی ہوں۔ ہم کہتے ہیں تو کافر، اس کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ انبیا کی توہینیں، انبیا کی تکذیبیں، معجزات سے استہزا، نبوت کا ادعا اور پھر دوسرے درجے میں انبیا کے چاند والا بیٹا آسمانی جورو، یہ تیری تکفیر تکذیب کو کافی ہیں"۔ [فتاوی رضویہ ج۶ ص ۳۱، ۳۲ قوسین کا اضافہ ہے]

امام احمد رضا قدس سرہ کے متعدّد فتاوی کے علاوہ مستقل ۵ر رسائل قادیانیت کی تردید میں ہیں جن میں تین تو بالکل خاص اُن کے کفریات و ضلال کے بیان میں ہیں باقی دو رسائل کے مضامین میں بھی ملتِ اسلامیہ کے لیے قادیانیت کے خلاف بڑے آتشیں مادے جمع فرما دیے ہیں، جن میں رسالہ "جزاء اللہ عدوہ" اور "المبین ختم النبیین" کے بعض مقامات سے اقتباسات ہم پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم ذیل میں تینوں رسائل کی تلخیص پیش کرتے ہیں۔

السوء والعقاب علی المسیح الکذّاب:

یہ رسالہ جناب مولوی محمد عبد الغنی

صاحب امرتسری کے سوال کے جواب میں تصنیف ہوا ہے۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ ایک شادی شدہ بچوں والی عورت کا شوہر قادیانی ہو گیا تو بقاے نکاح اور مہر معجل یا موجل کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز چھوٹے بچے مرتد باپ کی ولایت سے نکل جائیں گے یا نہ؟

اس استفتا کے ہمراہ امرتسر کے ۱۰/ علما و مفتیانِ کرام کے مختصر فتاویٰ بھی تھے جن میں بعض حضرات نے مرزا کے قابلِ گرفت اقوال بھی ذکر کیے تھے۔

رسالے کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت تک امام احمد رضا قدس سرہ کے پاس مرزا کے کفری اقوال نہ پہنچے تھے، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس رسالے میں مرزا کی مشروط تکفیر کرتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ "اگر یہ اقوال مرزا کی تحریروں میں اسی طرح ہیں تو واللہ واللہ وہ یقیناً کافر۔ اور جو اُس کے اِن اقوال یا اِن کے امثال پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ کہے وہ بھی کافر"۔ [فتاوی رضویہ ج۶ص ۳۰۶]

مگر بعد میں مرزا کی تحریروں سے قطعی واقفیت کے بعد اسی عبارت کے تحت امام احمد رضا قدس سرہ نے حاشیے میں یہ عبارت زائد کی "یہ اقوال دوسرے کے منقول تھے، اس فتوے کے بعد مرزا کی بعض نئی تحریریں خود نظر سے گزریں، جن میں قطعی کفر بھرے ہیں، بلا شبہہ وہ یقیناً کافر مرتد ہے، منہ" [امام احمد رضا، فتاوی رضویہ، ج:۶، ص:۳۰۶]

یوں ہی رسالے کے آغاز میں درج ذیل عبارت بھی واضح کرتی ہے کہ اس وقت تک آپ کے پاس اس کے کفری اقوال نہ پہنچے تھے:

"بحمد اللہ تعالیٰ اس شہر میں مرزا کا فتنہ نہ آیا اور اللہ عزوجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے، اس کی تحریرات یہاں نہیں ملتیں"۔ [ایضاً]

مگر امام احمد رضا کی خداداد ذہانت کا کمال ہے کہ آپ نے جواب لکھنے والے علما کے جواب میں مذکور مرزا کے اقوال کی روشنی میں درج ذیل دس کفر ثابت کیے، جن میں بعض کفری اقوال متعدّد کفروں پر مشتمل ہیں۔

کفر اول: آیتِ کریمہ: {مُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ} میں جس "احمد" کی بشارت دی گئی ہے میں وہی "احمد" ہوں۔ [ایک غلطی کا ازالہ ص ۶۷۳]

کفر دوم: میں "محدّث" ہوں اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔ [توضیح مرام ص۹]

کفر سوم: سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ [دافع البلاص ۹]

کفر چہارم: خداے تعالیٰ نے "براہین احمدیہ" میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی۔

[بحوالہ مجیب پنجم]

اِن اقوالِ خبیثہ میں (۱) کلامِ الٰہی کے معنی میں تحریف (۲) حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف مذکورہ بشارت دینے کا افترا (۳) اللہ عزوجل کی طرف حضرت عیسی علیہ السلام کو مذکورہ بشارت کے لیے بھیجنے کا افترا (۴) اور اپنی گڑھی ہوئی کتاب کو کتابِ الٰہی ٹھہرانے کا افترا ہے اور یہ سب کفر ہیں علاوہ ازیں ان کلماتِ ملعونہ میں اپنے لیے نبوت ورسالت کا ادعاے قبیح ہے اور وہ باجماعِ قطعی کفرِ صریح ہے۔

اس مقام پر امام احمد رضا قدس سرہ نے مرزا کی طرف سے کفر کا حکم ٹالنے کے لیے ایک امکانی تاویل کی پناہ کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کا جو شافی اور محققانہ جواب عنایت فرمایا ہے وہ خاص آپ کے گراں بہا افادات کا حصہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"قولِ دوم وسوم میں شاید وہ (یعنی مرزا) یا اس کے اَذناب، آج کل کے بعض شیاطین سے سیکھ کر تاویل کی آڑ لیں کہ یہاں نبی ورسول سے معنی لغوی مراد ہیں، یعنی: خبر دار، یا خبر دہندہ اور فرستادہ۔ مگر یہ محض ہوس ہے:

اولاً : صریح لفظ میں تاویل نہیں سنی جاتی، فصول عمادی وغیرہ میں ہے:"قالَ : اَنا رسولُ اللہ اَو قال بالفارسیۃ 'مَن پیغمبرم' یریدبہ 'مَن پیغام می برم' یکفّر "۔ جیسے کوئی اپنی عورت کو کہے تو طالق ہے اور کہے میں نے تو یہ مراد لیا تھا کہ تو کھلی ہوئی ہے بندھی نہیں (کہ لغت میں طالق کشادہ کو کہتے ہیں) تو ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور اسے ہذیان سمجھا جائے گا۔

ثانیاً: وہ بالیقین اِن الفاظ کو اپنے لیے مدح وفضل جانتا ہے، نہ ایک ایسی عام بات کہ

دندانِ تو جملہ در دہانند　　　چشمانِ تو زیرِ ابروانند

[یعنی: تیرے تمام دانت منہ میں ہیں اور تیری آنکھیں پلکوں کے نیچے ہیں]

کوئی عاقل، بلکہ نیم پاگل بھی ایسی بات کو جو ہر انسان، ہر بھنگی چمار، بلکہ ہر جانور، بلکہ ہر کافر مرتد میں موجود ہو محلِ مدح میں ذکر نہ کرے گا، اس میں اپنے لیے فضل وشرف نہ جانے گا، بھلا کہیں براہین غلامیہ میں یہ بھی لکھا کہ سچا خدا وہی جس نے مرزا کی ناک میں دو نتھنے رکھے، مرزا کے کان میں دو گھونگھے بنائے؟ یا خدا نے براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ اس عاجز کی ناک ہونٹوں سے اوپر اور بھووں کے نیچے ہے؟

معنی کی چار ہی قسم ہیں (۱) لغوی (۲) شرعی (۳) عرفی عام (۴) خاص۔ یہاں عرفِ عام تو بعینہ وہی معنی شرعی ہے اور ارادۂ لغوی کا ادعا یقیناً باطل۔ اب یہی رہا کہ فریب دہی عوام کو یوں کہہ دے کہ میں

نے اپنی خاص اصطلاح مین نبی ورسول کے معنی اور رکھے ہیں مگر حاشا اللہ ایسا باطل ادعا اصلاً شرعًا عقلاً عرفاً کسی طرح بادِ شتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ایسی جگہ لغت و شرع و عرفِ عام سب سے الگ اپنی نئی اصطلاح کا مدعی ہونا قابلِ قبول ہو تو کبھی کسی کافر کی سخت سے سخت بات پر گرفت نہ ہو سکے، کوئی مجرم کسی معظّم کی کیسی ہی شدید توہین کر کے مجرم نہ ٹھہر سکے کہ ہر ایک کو اختیار ہے اپنی کسی اصطلاح خاص کا دعوی کر دے جس میں کفر و توہین کچھ نہ ہو۔ کیا زید کہہ سکتا ہے؟ خدا دو ہیں، جب اس پر اعتراض ہو تو کہہ دے میری اصطلاح میں ایک کو دو کہتے ہیں۔ کیا عمرو جنگل میں سور کو بھاگتا دیکھ کر کہہ سکتا ہے؟ وہ قادیانی بھاگا جاتا ہے جب کوئی مرزائی گرفت چاہے کہہ دے میری مراد وہ نہیں جو آپ سمجھے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے یا جنگلی کو قادیانی کہتے ہیں جس میں خاص لغوی مناسبت بھی موجود ہے۔

ثالثًا: کفر چہارم میں امتی اور نبی کا مقابلہ صاف اسی معنی شرعی کی تعیین کر رہا ہے۔

رابعًا: کفر اول میں تو کسی جھوٹے ادعاے تاویل کی بھی گنجائش نہیں، آیت میں قطعًا معنی شرعی ہی مراد ہیں، نہ لغوی۔۔۔نبی نہیں [انتہی ملتقطاً و ملخصا)

کفر پنجم: دافع البلاء ص ۱۰ پر حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام سے اپنی برتری کا اظہار کیا ہے۔ [دافع البلاء ص ۱۰]

کفر ششم: اسی رسالے کے ص ۱۷ پر لکھا ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اُس سے بہتر غلامِ احمد ہے۔

کفر ہفتم: میں بعض نبیوں سے بھی افضل ہوں [اشتہار معیار الاخیار]

کفرِ ہشتم: ازالہ ص ۳۰۹ پر حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزات کو جن کا ذکر خداوند تعالی بطور احسان فرماتا ہے مسمریزم لکھ کر کہتا ہے ”اگر میں اس قسم کے معجزات کو مکروہ نہ جانتا تو ابنِ مریم سے کم نہ رہتا۔ [ازالہ اوہام ص ۳۰۹]

یہ کفر متعدّد کفروں کا خمیرہ ہے (۱) معجزات کو مسمریزم کہنا ایک کفر (۲) پھر ان معجزات کو مکروہ جاننا دوسرا کفر (۳) پھر ان کلمات شیطانیہ میں مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالی علی سیدہ وعلیہ وسلم کی تحقیر تیسرا کفر۔ اور ایسی ہی تحقیر اس کلامِ ملعون کفرِ ششم میں تھی۔

کفر نہم: سب سے بڑھ کر (تحقیر) اس کفر نہم میں ہے جو کہ ازالہ ص ۱۶۱ پر حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت لکھا کہ بوجہ مسمریزم کے عمل کرنے کے تنویرِ باطن اور توحید اور دینی استقامت میں کم درجے پر بلکہ قریب ناکام رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (۱) ہر نبی کی تحقیر مطلقاً کفرِ قطعی ہے۔ (۲) نہ کہ نبی

بھی کون؟ نبی مرسل۔ (۳) نہ کہ مرسل بھی کیسا؟ مرسلِ اولوالعزم۔ (۴) نہ کہ تحقیر بھی کتنی؟ کہ مسمریزم کے سبب نورباطن۔ (۵) نہ نورِ باطن، بلکہ دینی استقامت۔ (٦) نہ دینی استقامت، بلکہ نفسِ توحید میں کم درجہ (۷) نہ کم درجہ، بلکہ ناکام رہے۔

اس ملعون کلام نے اولو العزمی ورسالت ونبوت درکنار، روح اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے نفسِ ایمان میں کلام کردیا۔ اس کا جواب ہمارے ہاتھ کیا ہے سوا اس کے کہ {اِنَّ الذین یُوْذُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللہُ فِی الدُّنْیا وَالآخِرَۃِ وَأَعَدَّ لَھُمْ عَذاباً مُّھِیْناً} بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ نے لعنت کی دنیا وآخرت میں اور اُن کے لیے تیار کر رکھا ہے ذلت کا عذاب۔

کفر دہم: ازالہ ص ٦۲۹ پر لکھتا ہے: ایک زمانے میں چار سو نبیوں کی پیش گوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے۔ ائمۂ کرام فرماتے ہیں: جو نبی پر اس کی لائی ہوئی بات میں کذب جائز ہی مانے اگرچہ وقوع نہ جانے بہ اجماع کفر ہے نہ کہ معاذ اللہ چار سو انبیا کا اپنے اخبار بالغیب کہ وہ ضرور اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے واقع میں جھوٹا ہوجانا۔ ظالم نے چار سو کہہ کر گمان کیا کہ اس نے باقی انبیا کو تکذیب سے بچا لیا حالاں کہ آیتیں شہادت دے رہی ہیں کہ اس نے آدم نبی اللہ سے محمد رسول اللہ تک تمام انبیاے کرام علیہم افضل الصلاۃ والسلام کو کاذب کہہ دیا کہ ایک رسول کی تکذیب تمام مرسلین کی تکذیب ہے۔ دیکھو قومِ نوح نے ایک ہی نبی کی تکذیب کی تھی مگر قرآن نے فرمایا: قومِ نوح نے سب رسولوں کی تکذیب کی۔ [انتہی ملتقطا وملخصا] [ماخوذ از رسالہ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب، مشمولہ فتاوی رضویہ ج٦]

ان تمام بیانات کے بعد سائل کے اس سوال کا جواب دیا جو اس نے یہ پوچھا تھا کہ اگر کوئی قادیانی ہوجائے تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ آپ نے معتمد کتبِ فقہ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ شوہر کے کفر کرتے ہی عورت نکاح سے نکل جاتی ہے اور پھر توبہ تجدیدِ اسلام اور تجدیدِ نکاح کے بغیر اس سے قربت، زنائے خالص اور اس سے ہونے والے بچے ولد الزنا ہوں گے۔

اور مہر کے بارے میں یہ جواب تحریر کیا کہ مہر اگر معجل ہے تو واجب الادا ہے لیکن اگر موجل (میعادی) ہے تو وقتِ مقررہ پر واجب الادا ہوگا، ہاں! اگر حاکمِ اسلام اس کے ارتداد اور دار الحرب سے ملحق ہونے کا حکم دیدے تو مہر موجل بھی معجل میں تبدیل ہوجائے گا۔

پھر نصوصِ مذہب کی روشنی میں اپنی فقہی بصیرت سے یہ حکم بھی تحریر فرمایا کہ بچے اس مرتد کے قبضے سے نکال لیے جائیں گے تاکہ ان کا دین سلامت رہے۔ حالاں کہ یہ حکم کتبِ فقہ میں منصوص ومصرح

نہیں ہے، کیوں کہ پہلے اسلامی حکومتوں میں مرتد کی گردن اڑادی جاتی تھی اس لیے گزشتہ زمانوں میں مرتد باپ کی حضانت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

ہاں! اُن بچوں کے نفس یا مال میں اس مرتد باپ کے تصرفات کے بارے میں تحریر فرمایا کہ اُس کے تصرفات موقوف رہیں گے، اگر دوبارہ اسلام قبول کر لیا صحیح ہو جائیں گے اور اگر مرتد ہی رہا یا دار الحرب چلا گیا تو باطل ہو جائیں گے۔ [ماخوذ بہ تلخیص از رسالہ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب مشمولہ رسائل رضویہ ج ۳۸]

رسالہ قہر الدیّان علی مرتدٍّ بقادیان: یہ رسالہ در حقیقت قادیانیوں کی طرف سے شائع ہونے والے رسائل اور اشتہارات میں مذکور ہفوات ومغلّظات کا سنجیدہ اور علمی اسلوب میں رد کرنے کے لیے تسلسل کے ساتھ شائع ہونے والے ماہانہ رسالہ کا پہلا شمارہ ہے۔ رسالے کی ابتدائی سطور میں مذکور بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اعلی حضرت امام احمد قدس سرہ النورانی نے ردِ قادیانیت کے لیے ایک ماہوار رسالے کی اشاعت کا پروگرام بنایا تھا جس میں سلسلہ وار چند مضامین ومطالب کی نشر واشاعت منظور تھی تاکہ عوامِ اہلِ سنت، قادیانیوں کی اصل حقیقت سے آگاہ اور باخبر ہوں اور اُن کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

اس سلسلہ وار ماہنامہ کا محرک ایک واقعہ ہوا کہ وہاں کے دو چار جاہلِ محض، مرزا کے مرید ہو گئے، جس پر وہاں کے مسلمانوں نے اُن کا سوشل بائیکاٹ کر دیا، جس کے خلاف اُن جاہلوں نے مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، حکومتِ وقت کا سہارا لیا مگر سب فضول ثابت ہوا بالآخر ''روہیل کھنڈ گزٹ'' نامی پرچے میں ''اطلاع ضروری'' کے نام سے ایک اشتہار شائع کر کے عمائدِ شہر سے گزارش کی کہ وہ اپنی نگرانی میں علمائے فریقین کے درمیان مناظرہ کرا دیں۔ لیکن خدا کی شان کہ قادیانیوں کی طرف سے اس اشتہار کی اشاعت اور مناظرہ کی تجویز خود اُن کی رسوائی اور ہزیمت اور اہلِ سنت کی عزت شان اور شوکت کا سبب بنی۔ امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''رسالہ ماہواری ''رد قادیانی'' کی ابتدا، حکمتِ الٰہیہ نے اِس وقت پر رکھی تھی کہ یہاں دو چار جاہلانِ محض، اُس کے مرید ہو آئے، مسلمانوں نے حسبِ حکم شرع شریف اُن سے میل جول، ارتباط، سلام، کلام یک لخت ترک کر دیا۔ دین میں فساد، مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والوں نے یہ ـ ''العذاب الادنی دون العذاب الاکبر'' [بڑے عذاب سے قبل چھوٹا عذاب] چکھا، مسلمانوں پر حملے میں اپنی چلتی میں کوئی گئی نہ کی، بس نہ چلا تو متواتر عرضیاں دیں کہ ہمارا پانی بند ہے، ہم پر زندگی تلخ ہے، بیدار مغز حکومت ایسی لغویات کو کب سنتی، ہر بار جواب ملا کہ مذہبی امور میں دست اندازی نہ ہوگی، سائلان آپ اپنا انتظام کریں۔

آخر بہ حکم آں کہ، ع دست بگیر د سرِ شمشیر تیز

ایک بے قید پرچے ''روہیل کھنڈ گزٹ'' میں اشتہار چھاپا کہ عمائدِ شہر اگر علماے طرفین سے مناظرہ کرائیں اور وہ بھی اِس شرط پر کہ دونوں طرف سے خود وہی منتظم رہیں تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم بھی مرزائی ملاؤں کو بُلالیں اور اس (اشتہار) میں علماے اہلِ سنت کی شان میں کوئی دقیقہ بدزبانی واکاذیب بہتانی، وکلماتِ شیطانی کا اٹھانہ رکھا۔ یہ حرکت نہ فقط اُن بے علم، بے فہم مرزائیوں، بلکہ بعونہ تعالیٰ خود مرزا کے حق میں ''کالباحث عن حتفه بظلفه'' [خود اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودنے] سے کم نہ تھی۔

یہ ایک غیبی تحریکِ خیر ہوگئی، جس نے اس ارادۂ رسالہ کی سلسلہ جنبانی فرمادی۔ اشتہار کا جواب اشتہاروں سے دیا گیا، مناظرہ کے لیے ابکارِ افکار مرزا قادیانی کو پیام دیا، اس کے ہولناک اقوال، ادعاے رسالت ونبوت، وافضلیت من الانبیاء وغیرہا کفر وضلال کا خاکہ اڑایا، گالیوں کے جواب میں گالی سے قطعی احتراز کیا، صرف اتنا دکھایا کہ تمھاری آج کی گالی نرالی نہیں، قادیانی تو ہمیشہ سے اللہ و رسول، انبیاے سابقین وائمۂ دین سب کو گالیاں سناتا رہا ہے۔ ہر عبارت کہ اس کی کتابوں سے بحوالہ صفحہ مذکور ہوئی، مضمون کثیر تھا، متعدد پرچوں میں اشاعت منظور ہوئی۔ ''ہدایتِ نوری بہ جواب اطلاع ضروری'' نام رکھا گیا۔ اس میں دعوتِ مناظرہ، شرائطِ مناظرہ، طریقِ مناظرہ، مَبادی مناظرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس مختصر تحریر نے اپنی سِلکِ منیر میں متعدد سلاسل لیے۔ (۱) سلسلہ دشنام ہاے قادیانی بر حضرت ربانی ورسولانِ رحمانی ومحبوبانِ یزدانی (۲) سلسلۂ کفریات وضلالاتِ قادیانی (۳) سلسلۂ تناقضات وتہافتاتِ قادیانی (۴) سلسلۂ دجالی وتلبیساتِ قادیانی (۵) سلسلۂ جہالات وبطالاتِ قادیانی (۶) سلسلۂ تاصیلات (۷) سلسلۂ سوالات۔

اور واقعی وقتی ضرورات، مختلف مضامین پر کلام کی مقتضی ہوتی ہیں اور اُس کے اکثر رسائل الٹ پھیر کر انھیں ''ڈھاک کے تین پات'' کے حامل۔ لہٰذا ہر رسالے کے جداگانہ رد سے انھیں سلاسل کا انتظام احسن واَولیٰ۔ اب بعونہ تعالیٰ اسی ''ہدایتِ نوری'' سے ابتداے رسالہ ہے اور مولیٰ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''دوسرے عدد میں بعونہ تعالیٰ قادیانی مرزا کو دعوتِ مناظرہ ہے، اس میں شرائطِ مناظرہ مندرج ہیں نیز اس کا طریق مذکور ہے، جو نہایت متین ومہذب اور احتمالِ فتنہ سے یکسر دور ہے، اس میں قادیانی کی طرح فریقِ مقابل پر کوئی سختی نہ رکھی گئی، بلکہ قادیانی کی باگ ڈھیلی کی اور اُس کی تنگی کھول دی گئی ہے۔ اس میں بحولہ تعالیٰ شرائط کے ساتھ مبادی بھی ہیں، جو کمالِ تہذیب ومتانت سے ضلالتِ ضال کے کاشف اور

مناظرۂ حسنہ کے بادی بھی ہیں۔

ایک مدعی وحی کو لازم کہ اپنے وحی کنندوں کو جو رات دن اُس پر اترتے رہتے ہیں جمع کر رکھے اور اپنی حال کی اور پچھلی قوت سب، حق کا وار سہارنے کے لیے ملا لے۔ ہاں ! ہاں ! قادیانی کو تیار ہو رہنا چاہیے اُس سخت وقت کے لیے جب واحدِ قہار اپنی مدد مسلمانوں کے لیے نازل فرمائے گا اور جھوٹے مسیحی، جھوٹی وحی کا حال بعونہ کُھل جائے گا۔

یہ دوسرا عدد اِس کے متّصل ہی آتا ہے۔ اب بعونہ تعالیٰ پہلے عدد کا آغاز ہوتا ہے"۔

[قہر الدیان مشمولہ رسائل رضویہ ج ۳۸]

اس اقتباس سے واضح ہے کہ امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ردِّ قادیانیت کے لیے کتنا طویل منصوبہ بنایا اور قادیانیت کے فتنے سے عوامِ اہلِ سنت کو محفوظ رکھنے کے لیے کیسا زبردست انتظام فرمایا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس سلسلہ وار ماہنامہ کے تمام شمارے محفوظ نہ رہ سکے۔

اس رسالے میں امامِ اہلِ سنت نے تازیانہ کا عنوان قائم کرکے مرزا کی کتابوں کے حوالے سے اُس کے اُن ۶۸ ر کفری اقوال کو بے نقاب کیا ہے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیا کی تحقیر، انکار معجزات اور انکار آیاتِ قرآن ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

تازیانہ : "اعجاز احمدی" ص ۱۳ پر صاف لکھ دیا کہ "یہود عیسیٰ کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی جواب میں حیران ہیں، بغیر اس کے کہ یہ کہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے، کیوں کہ قرآن نے اس کو قرار دیا ہے، اور کوئی دلیل اُن کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی، بلکہ ابطالِ نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں"

ت: ایضاً ص ۲۴: "کبھی آپ کو شیطانی الہام بھی ہوتے تھے"۔

ت: ایضاً ص ۲۴: "اُن کی اکثر پیشگوئیاں غلطی سے پر ہیں"۔

ت: ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ پر کہا: "کیا اس کے سوا اور چیز کا ذلت نام ہے کہ جو کچھ اُس نے کہا وہ پورا نہ ہوا"۔

ت: اور کشتی ساختہ میں اپنی نسبت یوں لکھتا ہے، ص ۶: "اگر کوئی تلاش کرتا کرتا مر بھی جائے تو ایسی کوئی پیشگوئی جو میرے منہ سے نکلی ہو اسے نہیں ملے گی، جس کی نسبت وہ کہہ سکتا ہو کہ خالی گئی"۔

تو مطلب یہ ہوا کہ اُس کے لیے تو بھاری عزت ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے وہ خواری وذلت ہے جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں، الا لعنة الله على الظالمين.

ت: ازالۂ شیطانی ص ۱۶۱، ۱۶۲ پر ہے: "عیسی کے سب کرشمے مسمریزم (شعبدہ بازی) سے تھے"۔
ت: "وہ جھوٹی جھلک تھی"۔
ت: "سب کھیل تھا، لہو ولعب تھا"۔
ت: "سامری جادوگر کے گئوسالہ کے مانند تھا"۔
ت: "بہت مکروہ وقابلِ نفرت کام تھے"۔
ت: عیسی روحانی علاج میں بہت ضعیف اور نکمّا تھا"۔

[ماخوذ از رسالہ قہر الدیان مشمولہ رسائل رضویہ ج ۳۸]

اس طرح کے ۶۸ کفری اقوال ذکر کرنے کے بعد آخر میں رقم طراز ہیں:

"اللہ اللہ! رسولوں کو گالیاں، معجزات کے انکار، قرآن کی تکذیبیں، اور پھر اسلام باقی ہے؟ ع
"چوں وضوے محکمِ بی بی تمیز"۔

"اُس (مرزا) سے تعجب نہیں، کہ ہر مرتد جو اتنے بڑے دعوے کر کے اٹھے، اُسے ایسے کفروں سے چارہ نہیں۔ اندھے تو وہ ہیں جو یہ کچھ دیکھتے ہیں، پھر اتنے بڑے مکذِّبِ قرآن، ودشمنِ انبیا وعدوّ الرحمن کو امامِ وقت ومسیح ومہدی مان رہے ہیں"۔

الجُراز الدَّیّانی علی المرتدِّ القادیانی: یہ رسالہ شاہ میر خاں قادری رضوی پیلی بھیت کے سوال کے جواب میں تصنیف ہوا، فاضل سائل نے حیاتِ عیسی علیہ السلام کے خلاف قرآن وحدیث سے دو شبہے ذکر کیے تھے (۱) قرآن پاک کی آیت کریمہ {وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئاً وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ} یہ ظاہر کرتی ہے کہ ماسوا اللہ تعالی کے جس کسی کو خدا کہا جاتا ہے وہ خالق نہ ہونے اور مخلوق ہونے کے علاوہ مردہ ہے زندہ نہیں، اس لیے جب نصاری حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں تو کیوں نہ اُن کو آسمان پر زندہ ہونے کی بجائے مردہ تسلیم کیا جائے؟

(۲) حدیث بخاری: "لَعَنَ اللہُ الیَھُوْدَ وَالنَّصاری اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیائِھِمْ مَساجِدَ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود کے نبی حضرت موسی اور نصاری کے نبی حضرت عیسی علی نبینا وعلیہما السلام کی قبریں پوجی جاتی تھیں۔ لہذا حضرت عیسی علیہ السلام کو کیوں کر زندہ مانا جائے؟

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے جواب سے قبل اس اہم ضروری امر کی طرف توجہ دلائی ہے (جس کا ذکر گزشتہ سطور میں بھی ہو چکا ہے) کہ بے دینوں اور گمراہوں سے اُن کے اقوالِ کفر وضلال میں

بحث کی جائے، پہلے انھیں اپنا ایمان ثابت کرنے کا چیلنج کیا جائے، کیوں کہ وہ فروعی بحثیں چھیڑ کر بلا وجہ الجھانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد سات ایسے فائدے تحریر کیے ہیں، جن سے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ وفاتِ مسیح کی بات بھی قادیانیوں کے لیے کسی طرح مفید نہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

"قبلِ جواب ایک امرِ ضروری کہ اس سوال وجواب سے ہزار درجہ اہم ہے معلوم کرنا لازم۔ بے دینوں کی بڑی راہِ فرار یہ ہے کہ انکار کریں ضروریاتِ دین کا اور بحث چاہیں کسی ہلکے مسئلے میں، جس میں گنجائشِ دست وپا زدن ہو۔ قادیانی صدہا وجہ سے منکرِ ضروریاتِ دین تھا اور اُس کے پس ماندے حیات ووفات سیدنا عیسی رسول اللہ علی نبینا الکریم وعلیہ صلوات اللہ وتسلیمات اللہ کی بحث چھیڑتے ہیں، جو ایک فرعی، سہل، خود مسلمانوں میں ایک نوع کا اختلافی مسئلہ ہے، جس کا اقرار یا انکار کفر تو در کنار، ضلال بھی نہیں۔

وفاتِ عیسی علیہ السلام کا مسئلہ درج ذیل سات وجہوں سے قادیانیوں کے کارآمد نہیں۔

(۱) فرض کرو کہ اللہ تعالی نے آپ کو وفات ہی دے دی تو اس سے اُن کا نزول کیوں محال ہو گیا، کیوں کہ انبیا علیہم السلام کی موت محض ایک آن کو تصدیقِ وعدۂ الہیہ کے لیے ہوتی ہے، پھر وہ ویسے ہی حیاتِ حقیقی دنیاوی وجسمانی سے زندہ ہوتے ہیں، حدیث میں ہے: "الانبیاءُ اَحیاءٌ فی قُبُوْرِھِمْ یُصلُّوْنَ" [ابنیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں]

(۲) اگر کوئی گم راہ اُن کی وفات اوروں کی طرح مانے جب بھی اُن کا دوبارہ تشریف لانا کیوں محال ہو گیا۔ آیتِ کریمہ {حرامٌ علی قرْیۃٍ اَھْلَکْنٰھا اَنَّھُمْ لا یرْجِعُوْنَ} ایک شہر والوں کے بارے میں ہے، بعض افراد مثلاً حضرت عزیر علیہ السلام کا بعدِ موت زندہ ہونا یوں ہی چاروں طائرانِ خلیل علیہ الصلاۃ والسلام کا زندہ ہونا خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ہاں قادیانی بھی منکرین بعث کی طرح خاص حضرت علیہ السلام کے بارے میں اُس قادر مطلق عز جلالہ کو معاذ اللہ صراحۃً عاجز مان کر دافع البلاء کے ص ۱۴ پر یوں کفر بکتا ہے "خدا ایسے شخص کو پھر دُنیا میں نہیں لا سکتا جس کے پہلے فتنے ہی نے دنیا کو تباہ کر دیا ہے"۔ جس کا رد خود ارشادِ باری میں موجود {اَفَعَیِیْنا بِالخَلْقِ الاَوَّلِ بَلْ ھُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جدِیْد} [تو کیا ہم پہلی بنا کر تھک گئے، بلکہ وہ نئے بننے سے شبہے میں ہیں۔]

(۳) اگر وہ حکم افراد کو بھی عام مانا جائے تو موت تو اُس وقت ہوتی ہے جب کہ مقررہ مدت حیات پورے طور پر گزر جائے، اُس سے پہلے اگر کسی خاص وجہ سے موت ہو تو دوبارہ زندہ کیا جانا ممکن بلکہ مقررہ مدتِ حیات مکمل کرنے کے لیے ضرور اور ہزاروں کے لیے ثابت ہے، ارشاد باری تعالی ہے {اَلَمْ تَرَ اِلی

الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیارِهِمْ وهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الموْتِ فَقالَ لَهُمْ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحیاهُمْ}[اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا انھیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے، تو اللہ نے اُن سے فرمایا مرجاؤ، پھر انھیں زندہ فرمادیا]

(۴) اس وقت حیات ووفاتِ حضرت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ قدیم سے مختلف چلا آتا ہے مگر اُن کا آخر زمانے میں تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ تو وفاتِ مسیح سے قادیانی کو کیا فائدہ ہوا اور یہ مغل کا بچہ قادیانی، عیسی رسول اللہ کیسے ہوگیا؟ کیا اس قادیانی کے ابتداع فی الدین سے پہلے مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بجائے عیسیٰ علیہ السلام کے ان کا مثیل پیدا ہوگا؟

(۵) مسیح سے مثیلِ مسیح مراد لینا تحریفِ نصوص ہے اور ایسی تاویل گڑھنی نصوصِ شریعت سے استہزا اور احکام وارشادات کو درہم برہم کردینا ہے، جس جگہ جس شے کا ذکر آیا کہہ سکتے ہیں وہ شے خود مراد نہیں، اُس کا مثیل مقصود ہے۔ کیا یہ اس کی نظیر نہیں جو اباحیہ ملاعنہ کہا کرتے ہیں کہ نہ نماز فرض ہے نہ روزہ، نہ شراب ہے نہ زنا، بلکہ نماز روزہ اچھے لوگوں کے نام ہیں، جن سے ہمیں محبت کا حکم دیا گیا ہے اور شراب وزنا بدوں کے نام ہیں، جن سے ہمیں عداوت کا حکم دیا گیا ہے؟

(۶) بفرضِ باطل یہ بھی مان لیا جائے کہ مثل مراد ہے، پھر اس سے قادیان کا مرتد، رسول اللہ کا مثیل کیسے بن بیٹھا؟ کیا اُس کے کفر، اُس کے کذب، اس کی بے حیائیاں، ناپاکیاں، بے باکیاں جو عالم آشکار ہیں چھپ جائیں گی؟ اور کیا جہان میں کوئی عقل و دین والا ابلیس کو جبریل کا مثیل مان سکتا ہے؟

(۷) قرآن عظیم نے مسیح رسول اللہ علیہ السلام کے مشہور اوصافِ جلیلہ یہ بیان فرمائے: (۱) بغیر باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا ہونا (۲) پیدا ہوتے ہی کلام فرمانا (۳) انھیں ماں کے پیٹ یا گود میں کتاب عطا ہونا (۴) برکتوں کو اُن کے قدم کے ہمنوا کرنا (۵) اپنے غیبوں پر آگاہ کرنا (۶) تورات کے بعض احکام کا ناسخ بنانا (۷،۸) مادر زاد اندھے اور لاعلاج کوڑھی کو شفایاب کرنا (۹) انھیں مردہ زندہ کرنے کی قدرت دینا (۱۰) اُن کی پھونک سے مٹی کے پرندوں کا جان دار ہوکر اڑنا۔

اخیر کے چار اوصاف یعنی مادر زاد اندھے اور ابرص کو شفا دینا، مردے جلانا اور مٹی کی مورت میں پھونک سے جان ڈال دینا، یہ قادیانی کے دل میں بھی کھٹکے کہ اگر کوئی پوچھ بیٹھا کہ تو مثیلِ مسیح بنتا ہے اُن میں کچھ کر دکھا اور وہ اپنا حال خوب جانتا ہے کہ سخت جھوٹا ملوم ہے اور الٰہی برکات سے پورا محروم۔ لہذا اس کی پیش بندی یوں کی کہ قرآنِ عظیم کو پسِ پشت پھینک کر عیسی رسول اللہ کے روشن معجزوں کے بارے میں

صاف کہہ دیا کہ وہ معجزے نہ تھے، مسمریزم کے شعبدے تھے، میں ایسی باتیں مکروہ نہ جانتا تو کر دِکھاتا، وہی ملاعنہ مشرکین کا طریقہ اپنے عجز پر یوں پردہ ڈالنا کہ: {لَوۡنَشَاءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَا} ہم چاہتے تو اس قرآن کا مثل تصنیف کر دیتے۔ ہم خود ہی ایسا نہیں کرتے۔

اب جب کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے وہ کمالات جو قرآن میں مذکور ہیں، ان میں کوئی اس مرزا میں نہیں تو بھلا کوئی دانش مند کیسے کہہ سکتا ہے کہ مرزا مثیلِ مسیح ہے۔ اس مقام پر امام احمد رضا قدس سرہ نے مرزا کی کتابوں کے حوالہ سے تیس ایسے قبیح اوصاف جو اُس ملعون نے حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں لکھے تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"غرض تیس سے اونچے اوصاف اِس دجّال مرتد نے اپنے مزعوم مسیح میں بتائے۔ اگر قادیانی خود اپنے لیے اُن میں سے دس وصف بھی قبول کر لے کہ یہ شخص یہی قادیانی، بدچلن، بدمعاش، فریبی، مکار، زنانے خیال والا، کٹّیل بھی جھوٹا، چور، گندی گالیوں والا، ابلیس کا چیلا، کنجریوں کی اولاد، کسبیوں کا جنا ہے، زنا کے خون سے بنا ہے تو ہم بھی اس کی مان لیں گے کہ یہ ضرور مثیلِ مسیح ہے، مگر کون سے مسیح کا؟ اسی مسیح قبیح کا جو اُس کا موہوم و مزعوم ہے۔[الا لعنة الله علی الظالمین]

[ماخوذ از رسالہ الجراز الدیانی مشمولہ رسائل رضویہ ج ۳۸]

ان سات فائدوں کو تحریر کرنے کے بعد سائل فاضل کے دونوں شبہوں کا کئی وجہوں سے شافی اور محققانہ جواب عنایت فرمایا ہے۔ آیتِ کریمہ سے وارد ہونے والے شبہے کا سات طرح سے جواب دیا ہے۔

(۱) آیتِ کریمہ میں "يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ الله" سے مراد بت ہیں۔ اور اُس آیتِ کریمہ میں انبیاے کرام مراد نہیں ہیں۔ یہ شبہہ ان مرتدوں نے کفار سے سیکھا، اس لیے کہ جب آیتِ کریمہ {اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنۡتُمۡ لَهَا وَارِدُوۡنَ}[یعنی: بے شک تم اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہو، تمھیں اس میں جانا ہے] نازل ہوئی تو مشرکین نے کہا کہ ملائکہ اور عیسی اور عزیر بھی اللہ کے سوا پوجے جاتے ہیں تو اللہ جل شانہ نے آیت کی مراد بتائی اور ارشاد فرمایا: {اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِنَّا الۡحُسۡنٰى اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا}[ترجمہ: بے شک وہ جن کے لیے ہمارا بھلائی کا وعدہ ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔]

(۲) {يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ الله} میں ضمیر سے یقینا مشرکین مراد ہیں، اہلِ کتاب مراد نہیں ہیں۔ قرآن کریم کی متعدّد آیتیں ایسی ہیں جن میں بطورِ عطف مشرکین اور اہلِ کتاب کو ذکر کیا ہے نیز نکاح اور ذبیحہ

کے بارے میں اہلِ کتاب کا الگ حکم رکھا ہے۔

(۳) یہ آیت جس سورہ میں ہے وہ مکی ہے اور حضرت عاصم کوفی کے علاوہ تمام قرا کی قراءت "یَدْعُوْنَ" کی بجائے "تَدْعُوْنَ" ہے تو خطاب میں بت پرست ہی مراد ہیں۔

(۴) "اموات" کے ساتھ "غیر احیا" کا ذکر یہ بتا رہا ہے کہ آیت میں انبیاے کرام بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام مراد نہیں ہیں۔ اس لیے کہ "اموات" سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ پہلے زندہ تھے، پھر موت لاحق ہوئی۔ لہذا "غیر احیا" ارشاد ہوا یعنی ایسے مردے ہیں کہ نہ اب تک زندہ ہیں، نہ کبھی زندہ تھے، نرے جماد ہیں اور یہ بتوں ہی پر صادق ہے۔

(۵) قرآن پاک کی آیتوں میں شہید کو مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے کو حرام قرار دیا گیا اور محال ہے کہ شہید کو تو مردہ کہنا اور مردہ سمجھنا حرام ہو اور انبیاے کرام معاذ اللہ مردے کہے جائیں، سمجھے جائیں، کہ انبیا لاکھوں درجہ شہدا سے بہتر ہیں۔

(۶) آیت میں "وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ" صیغۂ مضارع سے مذکور ہے جو دلیلِ تجدد و استمرار ہے، یعنی بنائے گڑھے جاتے ہیں اور بنائے گڑھے جائیں گے۔ یہ یقیناً بت ہیں۔

(۷) خود قرآنِ کریم میں حضرت عیسی علیہ السلام کے لیے بعض اشیا کا خلق ثابت، حالاں کہ آیتِ مذکورہ میں سلب کلی کے طور پر نفی مذکور ہے اور ایجابِ جزئی سلبِ نقیض کلی ہے۔

[ماخوذ بہ تلخیص از رسالہ الجراز الدیانی مشمولہ رسائل رضویہ ج ۳۸]

اور سائل فاضل نے حدیثِ بخاری سے جو شبہہ ذکر کیا تھا اس کے تین جواب عنایت ہوئے، ہم دو جواب کی تلخیص پیش کرتے ہیں اور تیسرا جواب بعینہ نقل کرتے ہیں تاکہ قارئینِ کرام امام احمد رضا قدس سرہ کے شگفتہ طرزِ بیان سے محظوظ ہو سکیں۔

(۱) حدیث میں مذکور "انبیائھم" میں اضافت استغراق کے لیے نہیں، یہود کے سب انبیا نصاری کے بھی انبیا تھے، یہود و نصاری کا اُن میں بعض کی قبور کریمہ کو (مسجد بنا لینا) صدقِ حدیث کے لیے بس اور اس سے زیادہ مرتدین کی ہوس۔

(۲) زیرِ نظر حدیث میں اقتصار ہے، یعنی: اس حدیث میں صرف انبیا کے ذکر پر اقتصار ہوا جب کہ اسی حدیث کے دیگر طرق میں انبیا کے ساتھ صالحین کا بھی اور بعض طرق میں انبیا اور صالحین دونوں کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ جمعِ طرق سے حدیث کا معنی واضح و متعیّن ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ یہود نے

اپنے انبیا کی قبور کو اور نصاریٰ نے صالحین کی قبروں کو مساجد کر لیا۔

(۳) ''ثالثاً اقول: چالاکی بھی سمجھیے ! یہ فقط قبرِ عیسیٰ ثابت کرنا نہیں بلکہ اس میں بہت اہم راز مضمر ہے، قادیانی مدعی نبوت تھا اور سخت جھوٹا کذاب، جس کے سفید چمکتے ہوئے جھوٹ (۱) وہ محمدی والے نکاح، اور انبیا کے چاند والے بیٹے، قادیانی و قادیانیہ کے محفوظ از طاعون رہنے کی پیشین گوئیاں وغیرہا ہیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نبوت اور جھوٹ کا اجتماع محال۔ اِس سے قادیانی کا سارا گھر ہر عاقل کے نزدیک گھروندا ہو گیا۔ اس لیے فکر ہوئی کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو معاذ اللہ جھوٹا ثابت کریں، کہ قادیانی کذاب کی نبوت بھی بن پڑے۔ اس کا علاج خود قادیانی نے اپنے ازالۂ اوہام ص ۶۲۹ پر یہ کیا کہ ایک زمانے میں چار سو نبیوں کی پیشگوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے۔

یہ اس مرتد کے اکٹھے چار سو کفر، کہ ہر نبی کی تکذیب کفر ہے، بلکہ کروڑوں کفر ہیں، کہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء اللہ کی تکذیب ہے، قال اللہ تعالیٰ: {كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ}[نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا] تو اس نے چار سو ہر نبی کی تکذیب کی، اگر انبیا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں تو قادیانی کے چار کروڑ چھیانوے لاکھ کفر۔ اور اگر دو لاکھ چوبیس ہزار ہیں تو یہ اُس کے آٹھ کروڑ چھیانوے لاکھ کفر ہیں۔

اور اب اِن مرزائیوں نے خود یا اُسی سے سیکھ کر اندراج کفر میں ترقی معکوس کر کے اسفل سافلین پہنچنا چاہا کہ معاذ اللہ! معاذ اللہ! سید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ و علیہم اجمعین کا جھوٹ ثابت کریں، اِس حدیث کے یہ معنی گڑھے کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر کو مسجد بنا لیا ہے، یہ صریح سفید جھوٹ ہے، نصاریٰ ہرگز مسیح کی قبر ہی نہیں مانتے، اسے مسجد کر لینا تو دوسرا درجہ ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ دیکھو مصطفی ﷺ نے (خاک بدہن ملعوناں) کیسی صریح جھوٹی خبر دی؟ پھر اگر میرا قادیانی نبی جھوٹ کے پھنکے اڑاتا تھا تو کیا ہوا؟

قادیانی مرتدین کا اگر یہ مطلب نہیں تو جلد بتائیے کہ نصاریٰ مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر کب مانتے ہیں؟ کہاں بتاتے ہیں؟ کس کس نصرانی نے اس قبر کو مسجد کر لیا، جس کا مصطفی ﷺ نے ذکر کیا؟ اُس مسجد کا روے زمین پر کہیں پتہ ہے؟ اُن نصرانیوں کا دنیا کے پردہ پر کہیں نشان ہے؟ اور جب یہ نہ بتا سکو اور ہرگز نہ بتا سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے محمد ﷺ کے ذمہ معاذ اللہ دروغ گوئی کا الزام لگانے کو حدیث کے یہ معنی گڑھے اور: {اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا} کی گہرائی میں پڑے۔ ''اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾''۔ کیوں، حدیث سے موتِ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر استدلال کا مزہ چکھا؟۔ [الجراز الدیّانی علی المرتد القادیانی، مشمولہ رسائل رضویہ ج ۳۸]

امام احمد رضا قدس سرہ نے دیوبندیت اور رافضیت کی طرح قادیانیت کے فتنے سے امتِ مسلمہ کی حفاظت کے لیے حسام الحرمین میں بڑی ہی جامعیت اور اختصار کے ساتھ قادیانیت کا تعارف کرایا اور اس فرقے کے ارتداد کا صاف صاف حکم تحریر کر کے علماے حرمین طیبین کی اس تصدیق و تائید کے ساتھ شائع کرایا کہ جو کوئی مرزا قادیانی کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ بعد میں حسام الحرمین میں مذکور اس فتوی اور آپ کے فیض یافتہ علماے اہلِ سنت کی کوششوں نے پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے میں بڑا زبردست کردار ادا کیا۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"دنیا کے سارے اسلامی ملکوں میں یہ قابلِ فخر اعزاز صرف پاکستان کو حاصل ہوا کہ اس کی پارلیمنٹ نے انکارِ نبوت کی بنیاد پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر قانونی اور سیاسی طور پر دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا۔ پارلیمنٹ کے اس فیصلے میں امام احمد رضا کے ان فتاوی کو کلیدی حیثیت حاصل رہی اور اُس کو قانونی شکل دینے میں امام احمد رضا کے متوسلین علما کی جد و جہد کا خصوصی کردار رہا ہے۔ اسے بھی عقیدۂ ختم نبوت کی حقانیت کہیے کہ بغیر کسی جد و جہد کے سارے عالمِ اسلام نے جمہوریہ پاکستان کے اس دینی فیصلے اور اس تاریخی قرار داد کے سامنے سر جھکا دیا"۔

[مقالہ مولانا سید وجاہت رسول قادری مشمولہ جہانِ امام احمد رضا ج۷ ص۱۰۸]

حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ میں امام احمد رضا کے خانوادے کی تین پشتوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اور اس بارے میں ایسے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جو منارۂ نور کی حیثیت سے امتِ مسلمہ کی قیادت و رہبری کرتے رہیں گے۔ آپ کے والد گرامی حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی خدمات جلیلہ کا ذکر گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے۔ آپ کے نورِ نظر، شہزادۂ اکبر، حجۃ الاسلام حضرت حامد رضا قدس سرہ نے قادیانیت کے رد میں "الصارم الربانی" تحریر فرمائی جس میں مسئلۂ حیات عیسی علیہ السلام کو تفصیل سے بیان کیا اور مرزا کے مثیل ہونے کا ردِّ بلیغ کیا۔ اور امام احمد رضا قدس سرہ نے تو اپنے رشحاتِ قلم سے قصرِ عقیدۂ ختم نبوت کو ایسا مستحکم اور سیسہ پلائی دیوار بنا دیا ہے کہ اگر مستقبل میں بھی عقیدۂ ختمِ نبوت کے خلاف کوئی تحریک یا فتنہ سر ابھارے گا تو آپ کے خوانِ علوم و معارف سے خوشہ چینی کرنے والے اس فتنے کو کچل کر رکھ دیں گے۔ جزاہ اللہ تعالی عنّا و عن جمیع المسلمین خیر ما یجازی بہ عبادہ المخلصین، آمین!

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

امام احمد رضا اور احترامِ صحابہ

مولانا محمد شمس الدین رضوی مصباحی
استاذ: دار العلوم عربیہ اہلِ سنت منظرِ اسلام، التفات گنج، امبیڈکر نگر یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للمتوحد بجلاله المتفرد
و صلاته دوما علی خیر الانام محمد
والآل والاصحاب هم ماوای عند شدائد
فالی العظیم توسلی بکتابه و باحمد

(اما احمد رضا، فتاویٰ رضویہ ج:۸)

رسولِ اکرم ﷺ کے اولین تلامذہ اور دین وشریعت کی تعلیم پانے والے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی ذی علم پر پوشیدہ نہیں۔ یہ وہ تقدس مآب اور رشد و ہدایت والی جماعت ہے جس نے براہِ راست ہادی اعظم ﷺ سے قرآن وحدیث کا سماع کیا اور دبستانِ رسالت سے تربیت حاصل کر کے خیر امت کے لقب سے ملقب ہوئے۔ یہ تمام حضرات اتباع واطاعت رسول کا مظہر اتم تھے۔ انھیں نفوسِ قدسیہ کے ذریعے اسلام کی لازوال دولت بنی نوعِ انسان کے دوسرے طبقوں تک بتمام وکمال پہنچی، ان کے فضائل ومناقب اور احترام وتعظیم کا تذکرہ خداوند قدوس قرآن حکیم میں اس طرح فرماتا ہے:

☆ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔

وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں لڑے اللہ کے یہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے، ان کا رب انھیں خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا کی اور ان باغوں کی

جن میں انھیں دائمی نعمت ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

☆ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔

بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمھاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انھیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں نے صحابہ کرام سے محبت واخلاص اور تعظیم و تکریم کا رویہ اختیار کیا اور ان کی محبت کو معیارِ دین واسلام قرار دیا۔ انھیں دینی امور میں ثقہ، حجت اور دلیل مانا۔ صحابہ کرام کے متعلق سرکار دوعالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

☆ قال رسول اللہ ﷺ ان بنی اسرائیل تفرقت علی اثنتین وسبعین ملة وتتفرق امتی علیٰ ثلث وسبعین ملة کلھم فی النار الاملة واحدة قالوا من ھی یارسول اللہ؟ قال ما انا علیه و اصحابی.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے، میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی، ایک فرقہ کے علاوہ بقیہ سارے فرقے جہنم میں داخل ہوں گے یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کی وہ کون سا فرقہ ہے یارسول اللہ؟ فرمایا جو اس طریقہ پر چلنے والا ہو جس پر میں خود ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

☆ قال رسول اللہ ﷺ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن أحبھم فبحبي أحبھم ومن أبغضھم فببغضی أبغضھم ومن آذاھم فقدأذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشك ان یاخذہ. (ترمذی شریف)

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو تنقیص کا نشانہ نہ بناؤ اس لیے کہ جس شخص نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کے سبب ان سے محبت کی۔ جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے سبب ان سے بغض رکھا جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا پہنچائی جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور اللہ کو جو ایذا پہنچاتا ہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے۔

☆ قال رسول اللہ ﷺ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم. (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں پس ان میں سے جس کی تم نے اقتدا

کی ہدایت پائی۔

سرکارِ اقدس ﷺ نے احادیث مبارکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت و فضیلت بیان کی اور امت مسلمہ کو یہ تعلیم دی ہے کہ صحابہ کرام کے احترام و تعظیم کو اپنے دل میں بٹھا کر رکھیں۔ ایک موقع پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو! تم میں سے اگر کوئی شخص اُحُد پہاڑ کے برابر مال و دولت اللہ کے راستے میں خرچ کرے تو وہ میرے کسی صحابی کے مد یا نصف مد تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

☆ حدثنا یحییٰ بن یحییٰ التمیمی وابو بکر بن ابی شیبه ومحمد بن العلاء قال یحییٰ اخبرنا وقال الاخران حدثنا ابو معاویه عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لاتسبوا اصحابی فان احدکم لو انفق مل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصفه. (مسلم شریف، کتاب الفضائل، ص:۱۱۱۳، مطبوعہ دارالسلام، ریاض، سعودی عرب)

تم لوگ میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس لیے کہ تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے ایک مد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (مد تقریباً ایک کیلو گرام)

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو برا کہنے والا جو فرقہ عالم وجود میں آیا وہ رافضی اور خارجی تھا، مختلف ادوار میں روافض کی متعدّد شاخیں نکلیں، برصغیر ہندو پاک میں بھی ان کی عددی قوت میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔

اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی احترام صحابہ، فضائل صحابہ، عظمتِ صحابہ وغیرہ عنوانات پر خوب لکھا۔ فتاویٰ رضویہ اور دیگر کتب اعلیٰ حضرت کے مطالعہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دل میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا احترام کس قدر تھا۔ اسمائے گرامی کے سامنے ''سیدنا'' کا لفظ استعمال کرتے چنانچہ احترامِ صحابہ کے سلسلے میں متعدّد رسائل لکھ کر خارجیت، رافضیت، یزیدیت، شیعیت وغیرہ فرقہائے باطلہ کا شدید تعاقب کیا۔ عظمت صحابہ کے تعارف اور دشمنانِ صحابہ کے رد میں امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی مندرجہ ذیل کتابیں قابل مطالعہ ہیں:

(۱) - غاية التحقيق فی امامة العلی والصديق.

(۲) - وجه المشروق بجلوة أسماء الصديق و الفاروق.

(۳) - مطلع القمر ین فی ابانة سبقة العمر ین .

(۴) - لمعة الشمعة لهدی شیعة الشنعة .

(۵) - الأدلة الطاعنة فی اذان الملاعنة .

(۶) - اعالی الافادة فی تعزیة الهند و بیان الشهادة .

(۷)- رد الرفضة .وغیرہ .

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احترامِ صحابہ کے سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں:

صحابہ کرام کے باب میں یادرکھنا چاہیے کہ وہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیانہ تھے، فرشتے نہ تھے کہ معصوم ہوں، ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں صادر ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ ورسول کے احکام کے خلاف ہے۔

اللہ عزوجل نے سورہ حدید میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوقسمیں فرمائیں:

(۱) - من انفق من قبل الفتح وقٰتل .

(۲) - الذین انفقوا من بعد وقاتلوا .

یعنی ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے راہِ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا جب کہ ان کی تعداد بھی بہت قلیل تھی۔ اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے، انھوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کرکے اور اپنی جانوں کو خطروں میں ڈال ڈال کر، بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمت کی نذر کردیا۔ یہ حضرات مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین ہیں، ان کے مراتب کا کیا پوچھنا۔

دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ ایمان لائے، راہِ مولا میں خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا۔ ان اہلِ ایمان نے اس اخلاص کا ثبوت جہاد مالی وقتالی سے دیا، جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہوچکی تھی اور مسلمان کثرتِ تعداد اور جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے، اجر اُن کا بھی عظیم ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان سابقون اوّلون والوں کے درجہ کا نہیں۔ اسی لیے قرآن عظیم نے ان پہلوں کو ان پچھلوں پر تفضیل دی۔

اور پھر فرمایا: کُلاّ وعد اللہ الحسنیٰ۔ ان سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا کہ اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔ اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کے حق میں فرماتا ہے:

اولٰئك عنها مبعدون۔ وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔
لا یسمعون حسیسها۔ وہ جہنم کی بھنک تک نہ سنیں گے۔
وهم فی ما اشتهت انفسهم خٰلدون۔ وہ ہمیشہ اپنی من مانتی جی بھاتی مرادوں میں رہیں گے۔
لا یحزنهم الفزع الاکبر۔ قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انھیں غمگین نہ کرے گی۔
تتلقّٰهم الملٰئکة۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔
هٰذا یومکم الذی کنتم توعدون۔ یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمھارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔ اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہلِ اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت حدید میں اس کا منہ بھی بند کر دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا۔ واللہ بما تعملون خبیر۔ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کروگے۔" (فتاویٰ رضویہ ص:۳۶۱تا۳۶۳، ج:۲۹، مطبوعہ گجرات)
خلفاے راشدین کے علاوہ دیگر صحابہ کے بارے میں بھی انفرادی واجتماعی طور پر بے شمار فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کی اپنی اہمیت وفضیلت ہے، بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والوں کی علاحدہ فضیلت واحترام ہے۔ مہاجرین کا اپنا ایک مرتبہ ہے اور انصار صحابہ کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ ایسے ہی وہ دس خوش نصیب صحابہ بھی غیر معمولی فضیلت کے حامل ہیں۔ جنھیں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی ہے۔ قرآن پاک میں مجموعی طور پر تمام صحابہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ (سورہ فتح، پارہ ۲۶)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انھیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل ورضا چاہتے، ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی اس نے

اپنا پٹّھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا (کنزالایمان)

چنانچہ یہی وہ پاک جماعت ہے جس کو بعد انبیا اشرف المخلوقات میں سب سے معظم و مکرم تسلیم کیا گیا، ابتدائے اسلام میں انھی نفوسِ قدسیہ سے اسلام کو تقویت ملی۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ہر صحابی لائقِ احترام اور قابل تکریم ہے۔ تنبیہاً امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اہلِ سنت کا یہ عقیدہ کہ و نکف عن ذکر الصحابة الا بخیر. یعنی صحابہ کرام کا جب بھی ذکر ہو تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے، انھیں صحابہ کرام کے حق میں ہے جو ایمان و سنت و اسلام حقیقی پر تادمِ مرگ ثابت قدم رہے اور صحابہ کرام نے جمہور کے خلاف، اسلامی تعلیمات کے مقابل، اپنی خواہشات کے اتباع میں کوئی نئی راہ نہ نکالی اور وہ بدنصیب کہ اس سعادت سے محروم ہو کر اپنی دکان الگ جما بیٹھے اور اہل حق کے مقابل، قتال پر آمادہ ہو گئے۔ وہ ہرگز اس کا مصداق نہیں اس لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جنگِ جمل و صفین میں جو مسلمان ایک دوسرے کے مقابل آئے ان کا حکم خطائے اجتہادی کا ہے، لیکن اہل نہروان جو مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تکفیر کر کے بغاوت پر آمادہ ہوئے وہ یقیناً فساق، فجار، طاغی و باغی تھے اور ایک نئے فرقہ کے ساعی اور ساتھی جو خوارج کے نام سے موسوم ہوا اور اُمّت میں نئے فتنے اب تک اسی کے دم سے پھیل رہے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ص:۳۶۳، ج:۲۹، مطبوعہ گجرات)

صحابہ میں جو مرتبہ اور مقام عشرۂ مبشرہ اور خلفائے راشدین کو حاصل ہے وہ اور کسی صحابی کو حاصل نہیں ہے جیساکہ امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ اسی باب کے تحت ذکر فرماتے ہیں:

"اب ان سب میں افضل و اعلیٰ و اکمل حضرات عشرہ مبشرہ ہیں، وہ دس صحابی جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت و خوش خبری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں سنا دی تھی وہ عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔ یعنی حضرات خلفائے اربعہ راشدین، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح۔

دہ یار بہشتی اند قطعی بوبکر و عمر، عثمان و علی
سعد ست سعید و بوعبیدہ طلحہ ست و زبیر و عبد الرحمن

اور ان میں خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان چار ارکان قصر ملت (ملّت اسلامیہ کے

عالی شان محل کے چار ستونوں) و چار انہار باغ شریعت (اور گلستانِ شریعت کی ان چار نہروں) کے خصائص وفضائل، کچھ ایسے رنگ پر واقع ہیں کہ ان میں سے جس کسی کی فضلیت پر تنہا نظر کیجئے یہی معلوم (و متبادر و مفہوم) ہوتا ہے کہ جو کچھ ہیں یہی ہیں ان سے بڑھ کر کون ہو گا۔" (ایضًا)

صحابہ کرام سب کے سب ولی ہیں :

صحابی اور غیر صحابی اعمال میں برابر نہیں، جب غیر صحابی اعمال میں صحابیِ رسول ﷺ کے برابر نہیں ہو سکتا، تو پھر عام مسلمان اپنے نبی سے اعمال میں کیسے بڑھ سکتا ہے ان صحابہ کرام میں سب کا اپنا اپنا درجہ و مقام ہے اور سب کے سب عادل اور ولایت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں۔ امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

"پنجم اولیاے کرام صوفیۂ صدق، ارباب معرفت قدست اسرارہم ونفعنا اللہ ببرکاتہم فی الدنیا والآخرۃ۔ (ان کے اسرار مقدس ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں ان کی برکتوں سے فائدہ پہنچائے) کہ بنص قطعی قرآن روز قیامت ہر خوف وغم سے محفوظ و سلامت ہیں۔

قال تعالیٰ :الا انّ اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ کے دوست ہر خوف اور غم سے محفوظ ہوں گے نہ انھیں کوئی ڈر ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ تو ان میں بعض سے اگر بتقاضاے بشریت بعض حقوق الٰہیہ میں اپنے منصب و مقام کے لحاظ سے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین کوئی تقصیر واقع ہو تو مولیٰ عزوجل اسے وقوع سے پہلے معاف کر چکا کہ: قد اعطیتکم من قبل ان تسألونی وقد اجبتکم من قبل ان تدعونی وقد غفرت لکم من قبل ان تعصونی۔ میں نے تمھیں عطا فرما دیا اس سے پہلے کہ تم مجھ سے کچھ مانگو، اور میں نے تمھاری درخواست قبول کر لی قبل اس کے کہ تم مجھے پکارو، اور یقیناً تمھاری نافرمانی کرنے سے پہلے میں نے تمھیں معاف کر دیا۔ (ص:۴۷۲ تا ۴۷۵، ج:۲۴)

اصحابِ سید المرسلین اور اہلِ بیت کرام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی کے دل میں صحابہ اور اہلِ بیت اطہار کی محبت جاگزیں تھی کہ اس بارے میں اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے احترامِ صحابہ و اہلِ بیت اطہار کے سلسلے میں ایک اقتباس من وعن نقل کیا جاتا ہے:

"ان (ملائکہ مرسلین و ساداتِ فرشتگان مقربین) کے بعد (بڑی عزت و منزلت اور قُرب قبول

احدیت پر فائز) اصحاب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اور انھیں میں حضرت بتول، جگر پارہ رسول، خاتونِ جہاں، بانوے جہاں، سیدۃ النساء فاطمہ زہرا (شامل) اور اس دو جہاں کی آقا زادی کے دونوں شہزادے، عرش (اعظم) کی آنکھ کے دونوں تارے، چرخِ سیادت (آسمانِ کرامت) کے مہ پارے، باغِ تطہیر کے پیارے پھول، دونوں قرۃ العین رسول، امامین کریمین (ہادیانِ باکرامت وباصفا)، سعیدین شہیدین (نیک بخت و شہیدانِ جفا) تقیین نقیین (پاک دامن، پاک باطن) نیرین قمرین، (آفتاب رُخ و ماہتاب رُو) طاہرین (پاک سیرت، پاکیزہ خو) ابو محمد (حضرت امام) حسن و ابو عبداللہ (حضرت امام) حسین، اور تمام مادرانِ اُمت، بانوانِ رسالت (امہات المومنین ازواج مطہرات) علی المصطفٰی وعلیہم کلھم الصلوۃ والتحیۃ (ان صحابہ کرام کے زمرہ میں) داخل کہ صحابی ہر وہ مسلمان ہے جو حالتِ اسلام میں اس چہرہ خدا نما (اور اس ذاتِ حق رسا) کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور اسلام ہی پر دنیا سے گیا۔ (مرد ہو خواہ عورت، بالغ ہو خواہ نابالغ) ان (اعلیٰ درجات، والا مقامات) کی قدر و منزلت وہی خوب جانتا ہے جو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ کی عزت و رفعت سے آگاہ ہے۔ (اس کا سینہ انوارِ عرفان سے منور اور آنکھیں جمال حق سے مشرف ہیں، حق پر چلتا، حق پر جیتا اور حق کے لیے مرتا ہے اور قبول حق اس کا وطیرہ ہے) آفتاب نیمروز (دوپہر کے چڑھتے سورج) سے روشن تر کہ محب (سچا چاہنے والا) جب قدرت پاتا ہے اپنے محبوب کو صحبتِ بد (برے ہم نشینوں اور بدکار رفیقوں) سے بچاتا ہے۔ (اور مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا مانتا ہے کہ) حق تعالیٰ قادر مطلق (اور ہر ممکن اس کے تحت قدرت ہے) اور (یہ کہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے محبوب و سید المحبوبین (تمام محبوبانِ بارگاہ کے سردار و سر کے تاج) کیا عقل سلیم (بشرطے کہ وہ سلیم ہو) تجویز کرتی (جائز و گوارا رکھتی) ہے کہ ایسا قدیر (فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد جو چاہے اور جیسا چاہے کرے) ایسے عظیم ذی وجاہت، جانِ محبوبی و کانِ عزت (کہ جو ہو گیا، جو ہو گا، اور جو ہو رہا ہے انھیں کی مرضی پر ہوا۔ انھیں کی مرضی پر ہو گا اور انھیں کی مرضی پر ہو رہا ہے۔ ایسے محبوب ایسے مقبول) کے لیے خیارِ خلق کو (کہ انبیاء و مرسلین کے بعد تمام خلائق پر فائق ہوں۔ حضور کا صحابی) جلیس و انیس (ہم نشین و غمخوار) و یار و مددگار مقرر نہ فرمائے (نہیں ہرگز نہیں تو جب کہ مولائے قادر و قدیر جل جلالہ نے انہیں، ان کی یاری و مددگاری، رفاقت و صحبت کے لیے منتخب فرما لیا تو اب) جو ان میں سے کسی پر طعن کرتا ہے جناب باری تعالیٰ کے کمال حکمت و تمام قدرت (پر الزام نقص و ناتمامی کا لگاتا ہے) یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غایت محبوبیت (کمال شانِ محبوبی) و نہایت منزلت (و انتہائے عزت وجاہت اور ان مراتب رفیعہ اور

مناصب جلیلہ) پر حرف رکھتا ہے۔ (جو انھیں بارگاہِ صمدیت میں حاصل ہیں تو یہ مولائے قدوس تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں یا اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب پاک میں گستاخانہ زبان درازی و دریدہ دہنی ہے (اور کھلی بغاوت) اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ فی اصحابی، لا تتخذوھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشك ان یاخذہ .

خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں انھیں نشانہ نہ بنالینا میرے بعد جو انھیں دوست رکھتا ہے میری محبت سے انھیں دوست رکھتا ہے، اور جو ان کا دشمن ہے میری عداوت سے ان کا دشمن ہے، جس نے انھیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گرفتار کرلے۔ (یعنی زندہ عذاب و بلا میں ڈال دے) رواہ الترمذی وغیرہ۔ (ص:۶۵۴ تا ۶۵۶، ج:۲۹)

صحابۂ کرام نے آپس میں جو ایک دوسرے کے فضائل ومناقب بیان کیے وہ اپنی جگہ مسلم ہیں مگر صحابہ کے درمیان اختلاف کو کچھ لوگ ہر دور میں ہوا دینے کی ناپاک کوشش کرتے رہے۔ اس بارے میں امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

”یوہیں اگر باہم کسی طرح کی شکر رنجی یا کسی بندہ کے حق میں کچھ کمی ہو جیسے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مشاجرات کہ: ستکون لاصحابی زلۃ یغفرھا اللہ تعالیٰ لھم لسابقتھم معی۔ عنقریب میرے ساتھیوں سے کچھ لغزشیں ہوں گی جنھیں ان کی پیش قدمی کے باعث اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

تو مولیٰ تعالیٰ وہ حقوق اپنے ذمۂ کرم پر لے کر اربابِ حقوق کو حکم تجاوز فرمائے گا اور باہم صفائی کرا کر آمنے سامنے جنت کے عالیشان تختوں پر بٹھائے گا کہ: ”وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝“. ان کے سینوں کو کینوں اور کدورتوں سے ہم پاک صاف کردیں گے پھر وہ بھائی بھائی ہوکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تخت نشین ہوں گے۔ اسی مبارک قوم کے سرور و سردار حضرات اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جنھیں ارشاد ہوتا ہے: اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم. جو چاہو کرو کہ میں تمھیں بخش چکا۔ انھیں کے اکابر سادات سے حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں

جن کے لیے بارہا فرمایا گیا: ماعلی عثمٰن ماعمل بعد هذه ماعلی عثمٰن ماعمل بعد هذه.
آج سے عثمان کچھ کرے اس پر مواخذہ نہیں، آج سے عثمان کچھ کرے اس پر مواخذہ نہیں۔

فقیر غفر اللہ تعالیٰ کہتا ہے حدیث: اذا احب اللہ عبداً لم یضره ذنب. رواه الدیلمی فی مسند الفردوس و الامام القشیری فی رسالته وابن النجار فی تاریخه عن انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم. جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، محدث دیلمی نے اسے مسند الفردوس میں، امام قشیری نے اپنے رسالہ میں اور ابن نجار نے اپنی تاریخ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا۔ یہی ہے کہ محبوبان خدا اول تو گناہ کرتے ہی نہیں: ان المحب لمن یحب مطیع. بے شک محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کا فرماں بردار مطیع ہوتا ہے۔ (ص:۲۷۴ تا ۲۷۵، ج:۲۴)

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو برا بھلا کہنے والے ناصبیوں اور خارجیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اب اے خارجیو، ناصبیو! (حضرات ختنین و امامین جلیلین سے خصوصاً اپنے سینوں میں بغض و کینہ رکھنے اور انھیں چنین وچناں کہنے والو!) کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (مذکورہ بالا) اس ارشاد عام اور جناب باری تعالیٰ نے آیۂ کریمہ: رَّضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ سے (کہ اللہ تعالیٰ ان سے یعنی ان کی اطاعت و اخلاص سے راضی اور وہ اس سے یعنی اس کے کرم و عطا سے راضی) جناب ذوالنورین (امیر المومنین حضرت عثمان غنی) و حضرت اسد اللہ غالب (امیر المومنین علی بن ابی طالب) و حضرات سبطین کریمین (امام حسن و امام حسین) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (کو مستثنیٰ کر دیا) اے شیعو! اے رافضیو! ان احکام شاملہ سے خدا ور رسول (جل و علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے جناب فاروق اکبر (وامیر المومنین کامل الحیاء والایمان) حضرت مجہز جیش العسرۃ (فی رضی الرحمن عثمان بن عفّان) و جناب ام المومنین، محبوبۂ سیّد العالمین (طیبہ، طاہرہ، عفیفہ) عائشہ صدیقہ بنت صدیق و حضرات طلحہ و زبیر و معاویہ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم الیٰ یوم الدین کو خارج کر دیا اور تمھارے کان میں کہہ دیا کہ اصحابی سے ہماری مراد، اور آیت میں ضمیر ''ھم'' کے مصداق ان لوگوں کے سوا ہیں، جو تم ان کے اے خوارج! دشمن ہو گئے، اور عیاذاً باللہ لعن طعن سے یاد کرنے لگے؟ نہ یہ جانا کہ یہ دشمنی در حقیقت رسول اللہ

ﷺ سے دشمنی ہے اور ان کی ایذا حق تبارک وتعالیٰ کی ایذا۔

(فتاویٰ رضویہ، ص:۳۵٦، ج:۲۹، مطبوعہ: گجرات)

مشاجرات صحابہ

سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے علما، فقہا، متکلّمین، اربابِ علم و دانش کا متفقہ فیصلہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق، امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی، امیر المؤمنین حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ بالترتیب خلفاے راشدین ہیں۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ ان کی فضیلت وعظمت بھی ہے۔ جملہ صحابۂ کرام واہلِ بیت اطہار مستحقِ تعظیم و تکریم ہیں۔ ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی اور بدکلامی باعث ضلالت وبددینی ہے۔ شرف صحابیت وہ عظیم اعزاز ہے کہ بعد کی امت مسلمہ کا کوئی بڑا سے بڑا عالم، زاہد وعابد ہزاروں سال کی اپنی عبادت و ریاضت کے باوجود اس شرف کا ایک حصہ بھی نہیں پاسکتا۔ مابین الصحابہ جو اختلاف ہوئے ان کو عرف میں مشاجرات کہا جاتا ہے۔ احترامِ صحابہ اور مشاجراتِ صحابہ کے تعلق سے امام احمد رضا کے ارشادات ذرا ملاحظہ فرمائیں کس انداز میں آپ نے اہلِ سنت و جماعت کے موقف کو بحسن و خوبی واضح فرمایا کہ صحابہ کے تعلق سے ہمیں کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

”...... صحابۂ کرام حضور سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم افضل الصّلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا اعتراض نکالنا اُن کی شانِ رفیع میں رخنے ڈالنا کہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بددین مخالف ومضادّ حق مبین —— آج کل کے بدمذہب، مریض القلب، منافق شعار ان جزافاتِ سیر وخرافاتِ تواریخ وامثالہا سے حضرات عالیہ خلفاے راشدین وام المومنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہلبیت وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مطاعن مردودہ اور ان کے باہمی مشاجرات میں موحش ومہمل حکایات بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب وداحض اور بہت الحاقات ملعونہ روافض چھانٹ لاتے اور اُن سے قرآن عظیم وارشاداتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجماعِ اُمّت واساطین ملّت کا مقابلہ چاہتے ہیں۔ بے علم لوگ انھیں سُن کر پریشان ہوتے یا فکر جواب میں پڑتے ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنیٰ مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کے لیے مسموع نہیں ہوسکتے، نہ کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالامال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم......“

”......نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم واحترام در حقیقت آپ کے صحابہ کا احترام اور ان کے

ساتھ نیکی ہے ان کی اچھی تعریف اور رعایت کرنی چاہیے اور ان کے لیے دعا و طلبِ مغفرت کرنی چاہیے بالخصوص جس جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے اور اس سے راضی ہوا ہے اس سے وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے پس اگر ان پر طعن و سب کرنے والا دلائل قطعیہ کا منکر ہے تو کافر، ورنہ مبتدع و فاسق، اسی طرح ان کے درمیان جو اختلافات یا جھگڑے یا واقعات ہُوئے ہیں ان پر خاموشی اختیار کرنا ضروری ہے اور ان اخبار و واقعات سے اعراض کیا جائے جو مورخین، جاہل راویوں اور گمراہ و غلو کرنے والے شیعوں نے بیان کیے ہیں اور بدعتی لوگوں کے ان عیوب اور برائیوں سے جو خود ایجاد کرکے ان کی طرف منسوب کردیے اور ان کے ڈگمگا جانے سے —— کیوں کہ وہ کذب بیانی اور افترا ہے اور ان کے درمیان جو محاربات و مشاجرات منقول ہیں ان کی بہتر توجیہ و تاویل کی جائے، اور ان میں سے کسی پر عیب یا برائی کا طعن نہ کیا جائے بلکہ ان کے فضائل، کمالات اور عمدہ صفات کا ذکر کیا جائے کیوں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ان کی محبت یقینی ہے اور اس کے علاوہ باقی معاملات ظنی ہیں اور ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے حبیب علیہ السلام کی محبت کے لیے منتخب کرلیا ہے اہل سنت و جماعت کا صحابہ کے بارے میں یہی عقیدہ ہے اس لیے عقائد میں تحریر ہے کہ صحابہ میں سے ہر کسی کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کیا جائے اور صحابہ کے فضائل میں جو آیات و احادیث عموماً یا خصوصاً وارد ہیں وہ اس سلسلہ میں کافی ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ، ص:۵۸۰ تا ۵۸۴، ج:۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ عبارتِ جلیلہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ ہم اہلِ سنت و جماعت ان نفوسِ قدسیہ کے مابین فرق مراتب رکھتے ہوئے سب سے محبت و احترام کا رویہ پیش کرتے ہیں۔ اور ان میں کسی کی بھی ادنیٰ توہین سے بھی دور رہنا ہم سوادِ اعظم کا وطیرہ اور خاصہ ہے۔ جو شخص اہلِ بیت اطہار یا ان میں سے کسی کے بارے میں اپنی زبان و قلم سے کسی طرح کی تنقیص اور اہانت کا مرتکب ہو وہ خارجی ، ناصبی اور گمراہ و بدمذہب ہے۔ جس سے دوری بنائے رکھنا اعلیٰ حضرت کا موقف ہے۔ اسی طرح جو شخص صحابہ کرام یا ان میں سے کسی کی تنقیص و اہانت کرے، وہ رافضی اور گمراہ ہے۔ مشاجرات صحابۂ کرام کے سلسلہ میں مزید فرماتے ہیں :

"حضرت مرتضوی (امیر المومنین سیدنا علی المرتضی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنھوں نے مشاجرات و منازعات کیے۔ (اور اس حق مآب صائب الرائے کی رائے سے مختلف ہوئے، اور ان اختلافات کے باعث ان میں جو واقعات رُونما ہوئے کہ ایک دوسرے کے مدِ مقابل آئے مثلاً جنگ جمل میں حضرت طلحہ

وزبیر و صدیقہ عائشہ اور جنگِ صفین میں حضرت امیر معاویہ بمقابلہ مولیٰ علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔) ہم اہلسنت ان میں حق، جانب جناب مولیٰ علی (مانتے) اور ان سب کو (مورد لغزش) بر غلط و خطا اور حضرت اسد اللہ کو بدرجہا ان سے اکمل و اعلیٰ جانتے ہیں مگر باایں ہمہ بلحاظ احادیث مذکورہ (کہ ان حضرات کے مناقب وفضائل میں مروی ہیں) زبان طعن و تشنیع ان دوسروں کے حق میں نہیں کھولتے اور انھیں ان کے مراتب پر جوان کے لیے شرع میں ثابت ہوئے، رکھتے ہیں، کسی کو کسی پر اپنی ہوائے نفس سے فضیلت نہیں دیتے۔ اور ان کے مشاجرات میں دخل اندازی کو حرام جانتے ہیں، اور ان کے اختلافات کو ابو حنیفہ و شافعی جیسا اختلاف سمجھتے ہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، ص:۳۵۷تا۳۶۷، ج:۲۹)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہیں مگر پھر بھی ان دونوں کا احترام اور تعظیم و توقیر امت مسلمہ پر واجب ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما سارے اہلِ سنت کے لیے صرف قابلِ احترام ہی نہیں بلکہ ہر سنی مسلمان کے لیے واجب التعظیم ہیں۔ یہی موقف اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ اور پوری جماعت اہلِ سنت کا ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ذکر فرماتے ہیں :

''رہے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اُن کا درجہ ان سب کے بعد ہے اور حضرت مولیٰ علی (مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی) کے مقام رفیع و شانِ منیع تک تو ان سے وہ دور دراز منزلیں ہیں جن میں ہزاروں ہزار رہوار برق کردار صبا رفتار تھک رہیں اور قطع نہ کر سکیں۔ مگر فضلِ صحبت (و شرفِ صحابیت و فضل) و شرف سعادت خدائی دین ہے۔ (جس سے مسلمان آنکھ بند نہیں کر سکتے) تو ان پر لعن طعن یا ان کی توہین تنقیص کیسے گوارا رکھیں اور کیسے سمجھ لیں کہ مولیٰ علی کے مقابلے میں انھوں نے جو کچھ کیا بر بنائے نفسانیت تھا۔ صاحب ایمان مسلمان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی۔'' (۳۷۷تا۳۷۸، ج:۲۹)۔

شیخین کی افضلیتِ مطلقہ

آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویہ اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بنا پر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بالترتیب انبیائے کرام کے بعد افضل الناس ہیں۔ اس بات پر علمائے اسلام کا اجماع شاہد ہے۔ آپ دونوں حضرات دینِ اسلام کے بہترین مظہر اور اسوۂ رسول ﷺ کے بہترین نمونہ اور آئیڈیل ہیں۔ خلافت و امامتِ کبریٰ کا تاج بالترتیب پہلے آپ ہی دونوں حضرات کے سروں پر رکھا گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے بعد خلیفۂ برحق و امامِ مطلق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق پھر

حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمانِ غنی پھر حضرت مولیٰ علی پھر چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہوئے۔ ان حضرات کو خلفاے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں انھوں نے حضور ﷺ کی سچی نیابت کا پورا حق ادا فرمایا۔ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ بعد انبیاء و مرسلین تمام مخلوقات الٰہی انس و جن و ملک سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ جو شخص مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو صدیق یا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتائے، گمراہ و بدمذہب ہے۔

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے فضیلت اور افضیلت پر ایک مدلل اور مفصل گفتگو فرمائی ہے تحقیق کے لیے فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ سود مند ہے۔ امام احمد رضا ایک معرکۃ آرا عنوان ”حضرت صدیق کے بارے میں حضرت علی کی رائے“ کے تحت فضائل شیخین کریمین ذکر کرتے ہوئے دلائل و براہین کے ساتھ رقم طراز ہیں:

”ابو القاسم طلحی و ابن ابی عاصم و ابن شاہین و لالکائی سب اپنی اپنی کتاب السنہ میں اور عشاری فضائل صدیق اور اصبہانی کتاب الحجہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں راوی، امیر المؤمنین (حضرت علی) کو خبر پہنچی کچھ لوگ انھیں ابو بکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے افضل بتاتے ہیں منبر شریف پر تشریف لے گئے حمد و ثناے الٰہی کے بعد فرمایا: ایھاالناس بلغنی ان اقواما یفضلو نی علی ابی بکر وعمر ولوکنت تقدمت فیه لعاقبت فیه، فمن سمعته بعد هذاالیوم یقول هذافهو مفتر، علیه حد المفتری، خیرالناس بعد رسول اللهﷺ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ابو بکرثم عمر (زاد غیر الطلحی) ثم احدثنا بعدهم احدا ثا یقضی اللهفیهامایشاء.

اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابو بکر و عمر پر فضیلت دیتے ہیں اگر میں پہلے متنبہ کر چکا ہوتا تو اب سزا دیتا، آج کے بعد جسے ایسا کہتا سنوں گا وہ مفتری ہے، اس پر مفتری کی حد آئے گی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں سے بہتر ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر ان کے بعد ہم سے کچھ نئے امور واقع ہوئے کہ خدا ان میں جو چاہے گا حکم فرمائے گا۔........“

ابن عساکر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا: لایفضلنی احد علی ابی بکر و عمر الا وقد انکر حقی وحق اصحاب رسول اللهصلی اللهتعالیٰ علیه وسلم جو مجھے ابو بکر و عمر پر تفضیل دے گا وہ میرے اور تمام

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق کا منکر ہوگا۔"

فضیلت شیخین کریمین پر مزید عنوان باندھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "حضرات شیخین اوّلین جنتی ہیں"۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ قول علی سے دلیل دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ابوطالب عشاری اور اصبہانی کتاب الحجہ میں عبد خیر سے راوی، میں نے امیر المؤمنین مولیٰ علی سے عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جنت میں کون جائے گا؟ فرمایا: ابوبکر و عمر۔ میں نے عرض کی: یا امیر المؤمنین! کیا وہ دونوں آپ سے پہلے جنت میں جائیں گے؟ فرمایا: ای والذی فلق الحبۃ و برأ النسمۃ انہما لیاکلان من ثمارہا و یرو یان من مائہا و یتکئان علیٰ فرشہا و انا موقوف بالحساب. ہاں قسم! اس کی جس نے بیج کو چیر کر پیڑ اگایا اور آدمی کو اپنی قدرت سے تصویر فرمایا بے شک وہ دونوں جنت کے پھل کھائیں گے، اس کے پانی سے سیراب ہوں گے، اس کی مسندوں پر آرام کریں گے اور میں ابھی حساب میں کھڑا ہوں گا۔"۔

سبحان اللہ! یہ شان و عظمت ہے شیخین کریمین کی جسے خود مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی زبانِ اقدس سے بیان فرمایا اور ان پر اپنی فضیلت بیان کرنے والوں کو سخت سے سخت سزا دینے کی دھمکی دی۔ خطۂ ارض و سما میں انبیا کے بعد بالترتیب شیخین کریمین کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے کچھ اور دلیلیں احادیث مبارکہ سے دیں جن کا تفصیلی بیان فتاویٰ رضویہ میں ہے نمونہ کے لیے چند دلیلیں ملاحظہ فرمائیں۔

خیر النّاس بعد رسول اللہ

ابوذر ہروی و دارقطنی و غیرہما حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں نے امیر المؤمنین سے عرض کی: یا خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال مھلا یا ابا جحیفۃ الا اخبرك بخیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابو بکر و عمر. فرمایا: ٹھہر واے ابوجحیفہ! کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خیر الناس کون ہے؟ فرمایا اے ابوجحیفہ! خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہیں۔ (۶۸۰تا۶۸۶، ج:۱۵)

فتاویٰ رضویہ کے آئینے میں انبیا و رسل کے بعد حضرات شیخین کریمین کی افضلیت ملاحظہ فرمائیں:

"(پھر) حضرات شیخین، صاحبین صہرین (کہ ان کی صاحبزادیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شرفِ زوجیت سے مشرف ہوئیں اور امہات المومنین، مسلمانوں ایمان والوں کی مائیں کہلائیں) وزیرین (جیساکہ حدیث شریف میں وارد کہ میرے دو وزیر آسمان پر ہیں جبرائیل ومیکائیل اور دو وزیر زمین پر ہیں ابوبکر وعمر۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) امیرین (کہ ہر دو امیر المومنین ہیں) مشیرین (دونوں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ کے رکن اعظم) ضجیعین (ہم خواجہ اور دونوں اپنے آقا و مولیٰ کے پہلو بہ پہلو آج بھی مصروفِ استراحت) رفیقین (ایک دوسرے کے یار و غمگسار) سیّدنا و مولنا عبداللہ العتیق ابوبکر صدیق وجناب حق مآب ابوحفص عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شانِ والا سب کی شانوں سے جدا ہے اور ان پر سب سے زیادہ عنایت خدا و رسولِ خدا جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے بعد انبیا و مرسلین و ملائکہ مقربین کے جو مرتبہ ان کا خدا کے نزدیک ہے دوسرے کا نہیں اور رب تبارک و تعالیٰ سے جو قرب و نزدیکی اور بارگاہِ عرش اشتباہ رسالت میں جو عزت و سربلندی ان کا حصہ ہے اوروں کا نصیبہ نہیں، اور منازل جنت و مواہب بے منت میں انھیں کے درجات سب پر عالی فضائل و فواضل (فضیلتوں اور خصوصی بخششوں) وحسنات طیبات (نیکیوں اور پاکیزگیوں) میں انھیں کو تقدم و پیشی (یہی سب پر مقدم۔ یہی پیش پیش) ہمارے علماء و ائمہ نے اس (باب) میں مستقل تصنیفیں فرماکر سعادتِ کونین و شرافتِ دارین حاصل کی (ان کے خصائل تحریر میں لائے، ان کے محاسن کا ذکر فرمایا، ان کے اولیات و خصوصیات گنائے) ورنہ غیر متناہی (جو ہماری فہم و فراست کی رسائی سے ماورا ہو۔ اس) کا شمار کس کے اختیار۔ واللہ العظیم اگر ہزاروں دفتران کے شرحِ فضائل (اور بسطِ فواضل) میں لکھے جائیں یکے از ہزار تحریر میں نہ آئیں۔ (ص:۳۶۴ تا ۳۶۷، ج:۲۹)

شیخین کریمین کی افضلیتِ مطلقہ پر تحقیقِ انیق کے لیے مشہور و معروف رسالہ "مطلع القمرین" کا مطالعہ کریں جس میں تفصیل سے " افضلیت شیخین" کو دلائل و براہین کثیرہ سے ثابت کیا گیا ہے خود امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ مطلع القمرین کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے مسئلہ تفضیل حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں دلائل جلائل قرآن وحدیث سے جو اکثر بحمداللہ استخراج فقیر ہیں نوے (۹۰) جز کے قریب ایک کتاب مسمّٰی بہ "منتھی التفصیل لمبحث التفضیل" لکھی جس کے طول کو مِلِّ خواطر سمجھ کر "مطلع القمر ین فی إبانة سبقة العمر ین" میں اس کی تلخیص کی، پھر کہاں وہ بحث متناہی المقدار اور کہاں یہ بحر ناپیدا کنار، اللہ

اللہ، العظمۃ للہ۔" (ج:۱۵، فتاویٰ رضویہ)

رسالہ۔"غایة التحقیق فی إمامة العلی و الصدیق"۔رسالہ"الزلال الأنقی من بحر سبقة الأتقی"، "مطلع القمرین" وغیرہ رسائل وکتب موجود ہیں بالخصوص جلد ۲۸ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ اس سلسلے میں سود مند ہے۔ان تمام رسائل کا مطالعہ فرما کر اپنے قلوب واذہان کو منور و مجلیٰ فرمائیں۔

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے کس کس انداز اور پیرایے میں احترام صحابہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے، اس چھوٹے سے مقالہ میں تفصیل سے سب کا ذکر ممکن نہیں اس لیے چند مشہور صحابۂ کرام کی فضیلت واحترام فتاویٰ رضویہ کی روشنی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ان شاء اللہ الرحمن میری آنے والی کتاب "امام احمد رضا اور ذکر صحابہ" میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسمِ گرامی عبد اللہ، لقب عتیق وصدیق۔سلسلۂ نسب یہ ہے: عبد اللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر والدہ مکرمہ ام الخیر سلمیٰ بنت صخر تھیں۔دورِ جاہلیت میں آپ کے خاندان بنو تیم کو بڑی عزت حاصل تھی اسے خون بہا اور دیت مقرر کرنے کا منصب حاصل تھا۔حضرت ابوبکر صدیق عہد شباب میں ہی خاندانی منصب پر فائز المرام ہو کر فراست و دانائی، امانت و دیانت کے سبب اس منصب کو بخوبی انجام دیتے رہے۔کفر و شرک بھرے معاشرہ میں پروان چڑھنے کے باوجود سلیم الطبعی کے سبب مشرکانہ عقائد و اعمال کے جراثیم آپ کو متاثر نہ کر سکے، بت پرستی اور بے ہودہ رسوم سے کبھی دامن آلودہ نہ ہوا۔مدینہ منورہ ہجرت کرنے میں سرکار کے ساتھ رہے اور اکثر غزاوات میں شرکت کی۔حضرت ابوبکر کے فضائل و محامد کا تذکرہ قرآن و حدیث میں موجود ہے کسی کے فضل و کمال کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ ۲۲/ جمادی الآخرہ ۱۳ھ بروز دوشنبہ مغرب وعشا کے درمیان ۶۳/ سال کی عمر میں وفات پائی اور پہلوے رسول میں دفن ہونے کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔اعلیٰ حضرت کے رسالہ "اعتقاد الاحباب کی شرح میں مفتی محمد خلیل خاں برکاتی لکھتے ہیں:

"اللہ! اللہ! وہ امام الصدیقین، اکمل الاولیاء العارفین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کو حفظ جان پر مقدم رکھا حالاں کہ جان کا رکھنا سب سے زیادہ اہم فرض ہے۔اگر بوجہ ظلم عدو مکابرو غیرہ نماز پڑھنے میں معاذ اللہ ہلاک جان کا یقین ہو تو اس وقت ترکِ نماز کی اجازت ہوگی۔یہی تعظیم و محبت و جاں نثاری و پروانہ وارئ شمع رسالت علیہ الصلوۃ والتحیۃ ہے

جس نے صدیق اکبر کو بعد انبیا و مرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام جہان پر تفوق بخشا اور ان کے بعد تمام عالم، تمام خلق، تمام اولیاء تمام عرفا سے افضل واکرم واکمل واعظم کردیا۔"

دوسری جگہ مفتی صاحب ہیں :

"وہ صدیق جس کی نسبت حدیث میں آیا کہ ابوبکر کو کثرتِ صوم و صلوۃ کی وجہ سے تم پر فضیلت نہ ہوئی بلکہ اس سِر کے سبب جو اس کے دل میں راسخ ومتمکّن ہے۔

وہ صدیق جس کی نسبت ارشاد ہوا اگر ابوبکر کا ایمان میری تمام اُمت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر کا ایمان غالب آئے۔

وہ صدیق کہ خود اُن کے مولائے اکرم وآقائے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کا ہمارے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں ہے جس کا ہم نے عوض نہ ادا کردیا ہو سوا ابوبکر کے، کہ ان کا ہمارے ساتھ وہ حسن سلوک ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ انھیں روز قیامت دے گا۔

وہ صدیق جس کی افضلیت مطلقہ پر قرآنِ کریم کی شہادت ناطقہ ہے کہ فرمایا : اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے حضور وہ ہے جو تم سب میں اتقی ہے۔

اور دوسری آیۃ کریمہ میں صاف فرمادیا۔ وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ ۔ قریب ہے کہ جہنم سے بچایا جائے گا وہ جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

بشہادت آیت اُولی ان آیات کریمہ سے وہی مراد ہے جو افضل و اکرم امتِ مرحومہ ہے، اور وہ نہیں مگر اہل سنت کے نزدیک صدیق اکبر، اور تفضیلیہ و روافض کے نزدیک یہاں امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مگر اللہ عزوجل کے لیے حمد کہ اس نے کسی کی تلبیس وتدلیس اور حق و باطل میں آمیزش وآویزش کو جگہ نہ چھوڑی، آیۃ کریمہ نے ایسے وصفِ خاص سے اتقی کی تعیین فرمادی جو حضرت صدیق اکبر کے سوا کسی پر صادق آہی نہیں سکتا۔ فرماتا ہے: "وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾". (اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔) اور دنیا جانتی مانتی ہے کہ وہ صرف صدیقِ اکبر ہی ہیں جن کی طرف سے ہمیشہ بندگی و غلامی و خدمت ونیاز مندی اور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے براہِ بندہ نوازی قبول و پذیرائی کا برتاؤ رہا یہاں تک کہ خود ارشاد فرمایا کہ: بے شک تمام آدمیوں میں اپنی جان ومال سے کسی نے ایسا سلوک نہیں کیا جیسا ابوبکر نے کیا۔

جب کہ مولیٰ علی نے مولاے کل، سیّد الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، اور جو کچھ پایا بظاہر حالات یہیں سے پایا، تو آیۂ کریمہ ”وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾“. (اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے) سے مولا علی قطعاً مراد نہیں ہو سکتے بلکہ بالیقین صدیقِ اکبر ہی مقصود ہیں، اور اسی پر اجماعِ مفسرین موجود۔

وہ صدیق جنھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرضیتِ حج کے بعد پہلے ہی سال میں امیر الحجاج مقرر فرمایا اور انھیں کو اپنے سامنے اپنے مرض الموت شریف میں اپنی جگہ امام مقرر فرمایا۔

حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جب ہم نے غور کیا (تو اس نتیجہ پر پہنچے) کہ نماز تو اسلام کا رُکن ہے اور اسی پر دین کا قیام ہے اس لیے ہم نے امورِ خلافت کی انجام دہی کے لیے بھی اس پر رضامندی ظاہر کر دی، جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا، اور اسی لیے ہم نے ابوبکر کی بیعت کر لی۔“

(ص:۷۰۳ تا ۷۲۳، ج:۲۹، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ: گجرات)

سنی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل مانے۔ لہٰذا جو لوگ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل قرار دیتے ہیں ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

”سبحان اللہ، اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ حضور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام اولیاء مرجع العرفاء امیر المومنین مولیٰ المسلمین سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اکرم و افضل واتم ہیں جو اس کا خلاف کرے اسے بدعتی، شیعی، رافضی مانتے ہیں۔“ (ص:۴۲۰، ج:۲۷، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ گجرات)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسمِ گرامی عمر، کنیت ابو حفص، فاروق لقب، والد کا نام خطاب تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک، والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھیں۔ عام فیل کے ۱۳/ سال کے بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ عنفوان شباب میں شرفاے مکہ کی طرح علم الانساب اور شاعری اور شہ سواری میں کمال پیدا کیا، کسب معاش کے لیے پیشۂ تجارت اختیار کیا۔ سفارت اور تحکیم کے موروثی منصب پر فائز تھے۔ ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو مسند آراے خلافت ہوئے، بیعت عام کے بعد ایک شاندار خطبہ دیا۔ ۲۶/ ذو الحجہ ۲۳ھ فجر کے

وقت غلام ابولؤلو نے خنجر سے حملہ کر کے مہلک زخم پہنچایا اور اسی کے نتیجے میں وفات پائی۔

خلیفۂ دوم حضرت سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اقدس بہت ہی نرالی ہے۔ ان کی شان کا کیا پوچھنا ہر ایک کو اس کا اعتراف ہے کہ جو تقویت دین اسلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پہنچی وہ کسی اور سے نہیں یہی وہ فاروق اعظم ہیں جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی :اللّٰھمّ اعزّ الاسلام بعمر بن الخطّاب خاصّۃ۔ اے اللہ: عمر بن خطاب کے ذریعہ مذہب اسلام کی عزت بڑھادے۔ اس دعاے کریم کے باعث عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے جو جو عزتیں اسلام کو ملیں، جو جو بلائیں اسلام و مسلمین سے دفع ہوئیں مخالف موافق سب پر روشن اور واضح ہے اسی لیے تو مشہور و معروف صحابی حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ماز لنا اعزۃً منذ اسلم۔ (بخاری) ہم ہمیشہ معزز رہے جب سے عمر اسلام لائے۔

مفتی محمد خلیل خاں برکاتی اعتقاد الاحباب کی شرح میں کچھ اس طرح رقم طراز ہیں :

''وہ فاروق جن کے حق میں خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا رضی اللہ تعالی عنہ۔ (یعنی آپ کی فطرت اتنی کامل تھی کہ اگر دروازۂ نبوت بند نہ ہوتا تو محض فضلِ الٰہی سے وہ نبی ہوسکتے تھے کہ اپنی ذات کے اعتبار سے نبوت کا کوئی مستحق نہیں۔)

وہ فاروق جن کے بارے میں ارشادِ محبوب رب العالمین موجود کہ: عمر کہیں ہو حق اس کی رفاقت میں رہے گا۔

وہ فاروق جن کے لیے صحابۂ کرام کا اجماع کہ عمر علم کے نو حصے لے گئے۔ جب کہ ابوبکر صدیق صحابہ میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔

وہ فاروق کہ جس راہ سے وہ گزر جائیں شیاطین کے دل دہل جائیں۔

وہ فاروق کہ جب وہ اسلام لائے ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں تہنیت اور مبارک بادیوں کی ڈالیاں نذرانے میں پیش کیں۔

وہ فاروق کہ ان کے روزِ اسلام سے اسلام ہمیشہ عزتیں اور سربلندیاں ہی پاتا گیا۔ ان کا اسلام فتح تھا ان کی ہجرت نصرت اور ان کی خلافت رحمت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔'' ص: ۲۷۳و۲۷۴، ج:۲۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن و حدیث، شریعت و طریقت اور خطابت و تقریر میں بلند مقام پر فائز تھے۔ فقہ میں وہ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ عاجزی و انکساری ان کے شہ رگ میں داخل تھی۔ درجۂ

اجتہاد رکھنے کے باوجود صحابۂ کرام سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے ان تمام گوشوں کو فتاویٰ رضویہ جلد: ۳۰ میں قلم بند کیا ہے اور دیگر جلدوں کی فہرست میں اس کے علاوہ چند عناوین ہیں مثلاً (۱) بارہ حدیثیں کہ اسلام نے عزت، مسلمانوں نے راحت فاروق اعظم کے سبب پائی۔ (۲) فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ زمین کے مالک ہم ہیں۔ (۳) امیر المومنین عمر کی پناہ میں ایک فریادی کا آنا اور امیر المومنین کا ارشاد فرمانا کہ ہماری بارگاہ سچی جائے پناہ ہے۔ (۴) قحط سالی میں امیر المومنین کا عمرو بن عاص کو لکھنا، ارے فریاد کو پہنچو، ارے فریاد کو پہنچو۔ وغیرہ وغیرہ

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم گرامی عثمان، لقب ذوالنورین اور غنی ہے، کنیت ابو عبد اللہ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی، والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن عبد شمس تھیں۔ واقعۂ فیل کے چھٹے سال قریش کے ایک ممتاز گھرانے بنو امیہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد مجلسِ شوریٰ نے حضرت عثمان غنی کو خلیفہ نامزد کیا اور آپ کے ہاتھ پر امت مسلمہ سے بیعت کرلی۔ بیعت خلافت کے بعد ایک فکر انگیز خطبہ دیا۔ عظیم کارناموں میں فتوحات، نظامِ حکومت، مسجدِ نبوی کی توسیع و تعمیر کے بعد جمع قرآن ہے۔ ۱۸/ ذوالحجہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو جامع القران کیوں کہا جاتا ہے، اس سلسلے میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی درج ذیل عبارت پڑھیے:

”......والحمدللہ رب العالمین، سُوَرِ قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک مجموعہ میں مجتمع ہوگئی تھیں اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تھا مگر ہنوز تین کام باقی تھے: (۱) ان مجموع صحیفوں کا ایک مصحف واحد میں نقل ہونا۔ (۲) اس مصحف کے نسخے معظم بلاد اسلام مملکت اسلامیہ کے عظیم عظیم قسمتوں میں تقسیم ہونا۔ (۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی اصل منزّل من اللہ ثابت مستقر غیر منسوخ لہجے سے جدا تھے دفع فتنہ کے لیے ان کا محو ہونا۔ یہ تینوں کام حفظ حافظ حقیقی جامع ازلی جل جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المومنین جامع القرآن ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدۂ الٰہیہ تام و کامل ہوا اس لیے اس جناب کو جامع القرآن کہتے ہیں۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ص ۴۵۰ تا ۴۵۲، ج: ۲۶، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ گجرات)

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے فضیلتِ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت جامع کلام کیا آپ فہرست میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ عنوان باندھتے ہیں (۱) عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکان بہشتی کی ضمانت فرمائی۔ (۲) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کا چشمہ عثمان غنی کے ہاتھ بیچ ڈالا (۳) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت عثمانِ غنی کے ہاتھ بیچ ڈالی۔ وغیرہ وغیرہ۔ مزید تحقیق کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا معروف رسالہ ''جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان'' اور فتاویٰ رضویہ جلد ۲۶ کا مطالعہ کریں۔

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

آپ کا اسم گرامی علی -کنیت ابوالحسن، ابوتراب -لقب حیدر، مرتضیٰ، آپ کے والد ابوطالب، والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس بن مضر بن معد، بن عدنان ہے۔ آپ نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔ آپ کی ولادت بعثت نبوی سے دس سال قبل ہوئی، ابوطالب جب معاشی بحران سے دو چار ہوئے تو سرکار دوعالم ﷺ کی کفالت میں دے دیا۔ اور جب سرکار اقدس ﷺ نے ہجرت فرمائی تو آپ کو امین مقرر فرمایا اور لوگوں کی امانتیں لوٹانے کے لیے آپ کو مکہ میں چھوڑ دیا۔ آپ نے بعد میں ہجرت کی۔ شجاعت و بہادری کی بدولت اسد اللہ کے لقب سے سرفراز ہوے، حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ۳۵ھ میں خلیفہ مقرر ہوئے۔ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے آپ کو باب العلم قرار دیا گیا ہے۔ فقہ و اجتہاد میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، اخلاق و عادات کے اعلیٰ نمونہ پر فائز المرام تھے۔ ۱۷ر رمضان المبارک ۴۰ھ کو ابن ملجم خارجی نے سر پر تلوار ماری، اسی زخم کے سبب ۲۱ر رمضان المبارک ۴۰ھ بروز جمعہ اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ دامادِ رسول حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تعریف میں یوں گویا ہوتے ہیں:

''علی الخصوص شمع شبستان ولایت، بہار چمنستانِ معرفت، امام الواصلین، سیّد العارفین (واصلانِ حق کے امام، اہل معرفت کے پیش رو) خاتم خلافت نبوت، فاتح سلاسل طریقت، مولی المسلمین، امیر

المومنین ابوالائمۃ الطاھرین (پاک طینت، پاکیزہ خصلت، اماموں کے جد امجد) طاہر مطہر، قاسمِ کوثر، اسد اللہ الغالب، مظہر العجائب والغرائب، مطلوب کل طالب، سیدنا و مولانا علی بن طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم وحشرنافی زمرتہ فی یوم عقیم کہ اس جناب گردوں قباب (جن کے قبہ کی کلس آسمان برابر ہے ان) کے مناقب جلیلہ (اوصافِ حمیدہ) ومحامد جمیلہ (خصائل حسنہ) جس کثرت و شہرت کے ساتھ (کثیر و مشہور، زبان زدعام وخواص) ہیں دوسرے کے نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ص:۳۶۴، ج:۲۹)

مذکورہ اقتباس کو پڑھنے کے بعد ہر ذی شعور یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہوگا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے دل میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کا احترام کس قدر جاگزیں تھا جیسا کہ اقتباس کے الفاظ شاہد عادل ہیں۔ امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ عنوان "علی بمنزلہ ہارون ہیں" کے تحت قلم بند فرماتے ہیں :

"خطیب حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "انما علی مِنّی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی". علی مجھ سے ایسا ہے جیسا موسیٰ سے ہارون کہ بھائی بھی اور نائب بھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

امام احمد مناقب امیر المؤمنین علی میں مختصراً، اور بغوی و طبرانی اپنی معاجم، باوردی معرفت، ابن عدی کامل، ابواحمد حاکم کنیٰ میں بطریق امام بخاری، ابن عساکر تاریخ میں سب زید بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث طویل میں راوی وھذا حدیث احمد (یہ حدیث احمد ہے۔ت) جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے باہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھائی چارہ کیا امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کی: میری جان نکل گئی اور پیٹھ ٹوٹ گئی، یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کے ساتھ کیا جو میرے ساتھ نہ کیا یہ اگر مجھ سے کسی ناراضی کے سبب ہے تو حضور ہی کے لیے منانا اور عزت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: والذی بعثنی بالحق ما اخرتك الا لنفسی وانت منّی بمنزلة هارون من موسى غير انه لا نبي بعدي، اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا میں نے تمہیں خاص اپنے لیے رکھ چھوڑا ہے تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تم میرے بھائی اور وارث ہو۔" (فتاویٰ رضویہ، ص:۴۰۷، ج:۱۵)

خدائے رب العزت جل جلالہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم نبوی کی وافر صلاحیتوں سے نوازا تھا جیسا کہ معلوم ہے کہ آپ کی تربیت معلم کتاب و حکمت کے زیر سایہ ہوئی تھی، ابتدائے بعثت سے

لے کر رحلت تک مکہ، مدینہ، سفر و حضر، خلوت و جلوت، جنگ و امن، ہر حال میں سرکار دو عالم ﷺ کی معیت و مصاحبت مقدر میں آئی۔ آپ اپنے دور میں علم و فضل، زور بیان، فصاحت و بلاغت، قوتِ استنباط واجتہاد، شعر و ادب، تحریر و تقریر میں عدیم المثال تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: إن عليا مني و أنا منه وهو ولي كل مومن من بعدي. علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے علم کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے کئی احادیث مبارکہ اور جزئیات و اقتباسات نقل کیے ہیں ان میں سے بطور نمونہ ایک پیش ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"امیرالمومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لو شئت لاوقرت من تفسير الفاتحة سبعين بعيرا. میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں۔ ایک اونٹ گے من بوجھ اٹھاتا ہے اور ہر من میں گے ہزار اجزاء۔ حساب سے تقریباً پچیس لاکھ جز آتے ہیں۔ یہ فقط سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے پھر باقی کلام عظیم کی کیا گنتی۔ پھر یہ علم علم علی ہے۔ اس کے بعد علم عمر، اس کے بعد علم صدیق کی باری ہے "ذهب عمر بتسعة اعشار العلم. عمر علم کے نو حصے لے گئے۔ كان أبو بكر أعلمنا. ہم سب میں زیادہ علم ابوبکر کو تھا پھر علم نبی تو علم نبی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غرض قرآن عظیم و فرقان کریم میں سب کچھ ہے جسے جتنا علم اتنی ہی فہم، جس قدر فہم اسی قدر علم۔ وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون۔ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر انھیں صرف علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں (فتاویٰ رضویہ، ص:۶۱۹، ج:۲۲)

آغوش رسالت میں تربیت کی وجہ سے مدینہ والوں میں سب سے زیادہ علم خاص کر "فرائض" کا علم سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حاصل تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسم گرامی معاویہ، کنیت ابو عبدالرحمن، سلسلۂ نسب یہ ہے: معاویہ بن ابو سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، بن عبد مناف بن قصی، ماں کا نام ہندہ تھا۔ آپ کا خاندان عہدِ جاہلیت میں ممتاز تھا ابوسفیان قریش کے فوجی نظام میں علمبر داری کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے، فتح مکہ کے دن کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آپ کو کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہے۔ ۱۸ھ میں یزید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو دمشق کا عامل مقرر فرمایا اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ کو پورے شام کا والی مقرر کیا اور رومیوں کے مقابلے میں زبردست فتوحات حاصل کیں۔ سب سے پہلے بحری بیڑے بنوائے اور بحری جنگ کا آغاز کیا۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ جب خلیفہ ہوئے تو وہ حضرت امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے اور پھر ۴۰ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پورے اسلامی حدود سلطنت کے امیر ہوگئے۔ آپ بے شمار فضل وکمال، مکارم اخلاق کے پیکر تھے۔ سرکارِ رسالت مآب ﷺ سے والہانہ عشق ومحبت ان کا سرمایۂ افتخار تھا، سرکار نے آپ کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اللھم علم معاویة الکتاب والحساب ووقه العذاب اللھم اجعله ھادیا مھدیا واھدبه۔ (مسند احمد)

اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا، ہادی اور مہدی بنا، ان کے ذریعہ سے ہدایت دے۔ عرب کا یہ عظیم مدبر (امیر معاویہ) رجب ۶۰ھ میں اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا۔ ضحاک بن قیس نے نماز جنازہ پڑھائی اور سرزمین دمشق میں تدفین عمل میں آئی۔

فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۲۹، ص: ۳۵۷ میں امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف یوں پیش فرماتے ہیں:

"اور حضرت امیر معاویہ تو اول ملوکِ اسلام اور سلطنتِ محمدیہ کے پہلے بادشاہ ہیں اسی کی طرف توراۃ مقدس میں اشارہ ہے کہ: مولدہ بمکّة ومھاجرہ طیبة وملکه بالشام۔ وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ کو ہجرت فرمائے گا اور اس کی سلطنت شام میں ہوگی۔

(تو امیر معاویہ کی بادشاہی اگرچہ سلطنت ہے، مگر کس کی؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

تم (خوارج وروافض) ان کے دشمن ہوگئے اور عیاذًا باللہ (انھیں) لعن طعن سے یاد کرنے لگے (اور شومِ بخت سے) یہ نہ جانا کہ یہ دشمنی، در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دشمنی ہے اور ان کی ایذا حق تبارک وتعالیٰ کی ایذا (اور جہنم کا دائمی عذاب جس کی سزا) مگر اے اللہ! تیری برکت والی رحمت اور ہمیشگی والی عنایت اس پاک فرقہ اہل سنت وجماعت پر، جس نے تیرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب ہم نشینوں اور گلستانِ صحبت کے گل چینوں کو (ہمیشہ ہمیش کسی استثنا کے بغیر) نگاہِ تعظیم واجلال (اور نظرِ تکریم وتوقیر) سے دیکھنا اپنا شعار ودثار (اپنی علامت ونشان) کرلیا اور سب کو چرخِ ہدایت کے ستارے اور فلکِ عزت کے سیّارے جاننا، عقیدہ کرلیا کہ ہر ہر فرد بشر ان کا (بارونیکوکار) سرور عدول واخیار واتقیا وابرار (اور

امت کے تمام عدل گستر، عدل پرور، نیکو کار، پرہیز گار اور صالح بندوں کے سر کا تاج ہے) تابعین سے لے کر تا بقیامت امت کا کوئی ولی کیسے ہی پایۂ عظیم کو پہنچے، صاحبِ سلسلہ ہو خواہ غیر ان کا، ہر گز ہر گز ان میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ کے رتبہ کو نہیں پہنچتا، اور ان میں ادنیٰ کوئی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد صادق کے مطابق اوروں کا کوہِ اُحد کے برابر سونا ان کے نیم صاع (تقریباً دو کلو) جو کے برابر نہیں۔ جو قُربِ خدا انھیں حاصل دوسرے کو میسر نہیں........"

اس سلسلہ کے آخر میں امتِ مسلمہ کو نصیحت کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

"بالجملہ ارشاداتِ خدا و رسول عزّ مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (اس پاک فرقہ اہل سنّت و جماعت نے اپنا عقیدہ اور) اتنا یقین کر لیا کہ سب (صحابہ کرام) اچھے اور عدل وثقہ، تقی، نقی ابرار (خاصانِ پروردگار) ہیں۔ اور ان (مشاجرات ونزاعات کی) تفاصیل پر نظر گمراہ کرنے والی ہے، نظیر اس کی عصمتِ انبیا علیہم الصلوۃ والثناء ہے کہ اہلِ حق (اہلِ اسلام، اہلسنت وجماعت) شاہراہِ عقیدت پر چل کر (منزل) مقصود کو پہنچے۔ اور ارباب (غوایت واہل) باطل تفصیلوں میں خوض (و ناحق غور) کرکے مغاک ضلالت (اور بد دینی کی گمراہیوں) میں جا پڑے۔" (فتاویٰ رضویہ، ص ۳۵۷ تا ۳۵۹، ج:۲۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک استفتا اور اس کا جواب ذکر کیا جاتا ہے تاکہ جو خدشات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کے ذہن و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ مستفتی سوال کرتا ہے کہ:

"حضرت ہادی و رہنمائے سالکاں قبلۂ دوجہاں دام فیضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مسائل ذیل میں حضرت کیا فرماتے ہیں۔

(۱) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک روز خفا ہوئے، اور روافض کہتے ہیں یہی وجہ ہے باغی ہونے کی، پھر ایک کتاب مولانا حاجی صاحب کی تصنیف اعتقاد نامہ ہے جو بچوں کو پڑھایا جاتا ہے اس میں یہ شعر بھی درج ہے۔

حق در آنجا بدست حیدر بود جنگ با او خطا و منکر بود

ترجمہ: حق وہاں حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے ساتھ جنگ غلط اور ناپسندیدہ تھی۔

(۲) امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی تھی واسطے دفع جنگ کے۔

مذکورہ سوال کے جواب میں امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) روافض کا قول کذب محض ہے، عقائد نامہ میں خطاو منکر بود نہیں ہے بلکہ خطاے منکر بود۔ اہل سنت کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا خطاے اجتہادی تھی، اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاے اجتہادی دو قسم ہے، مقرر و منکر، مقرر: وہ جس کے صاحب کو اُس پر برقرار رکھا جائے گا اور اُس سے تعرض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ جس پر انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اجلہ اصحاب جمل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ قطعی جنّتی ہیں اور ان کی خطا یقیناً اجتہادی جس میں کسی نام سنیت لینے والے کو محل لب کشائی نہیں، بایں ہمہ اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کیا۔ باقی مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مداخلت حرام ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إذا ذکر أصحابي فامسکوا۔ جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو......"

دوسرے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

(۲) بے شک امام مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سپرد فرمائی۔ اور اس سے صلح و بندش جنگ مقصود تھی اور یہ صلح و تفویضِ خلافت اللہ و رسول کی پسند سے ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسن کو گود میں لے کر فرمایا تھا: ان ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین. میرا یہ بیٹا سید ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبیٰ ہرگز انھیں تفویض نہ فرماتے نہ اللہ و رسول اسے جائز رکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" (فتاویٰ رضویہ، ص ۳۳۵ تا ۳۳۷، ج: ۲۹)

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا نام عمرو والد کا نام العاص تھا آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص جو آپ سے پہلے ایمان لائے۔ بہت ہی جلیل القدر صحابیِ رسول تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعید، بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص، بن کعب بن لوی بن غالب القرشی۔ آپ کا شمار علم و

فضل اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے ممتاز اصحابِ رسول سے ہوتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی نے آپ کی شان میں کچھ گستاخیاں کیں اور ان پر "محرم نامہ" نامی کتاب لکھی جس سے اہلِ سنت اور عاشقانِ صحابہ میں ایک بھونچال سی مچ گئی۔ علمائے اہلِ سنت کرب و اضطراب میں پڑ گئے، چنانچہ اس سلسلہ میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ سے استفتا رام نگر ضلع بنارس اتر پردیش سے امام الدین نامی نے کیا۔ اس استفتا میں امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے یہ ثابت کر دیا کہ جو الزامات خواجہ حسن نظامی کی طرف سے حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ پر لگائے گئے ہیں وہ نہ صرف باطل اور بے کار ہیں بلکہ کسی بھی صحابیِ کے تعلق سے ایسا عقیدہ رکھنے والا گمراہ اور بدمذہب ہے۔ دلیل کے طور پر من وعن استفتا نقل کیا جاتا ہے۔ سائل سوال کرتا ہے:

"گزشتہ محرم خواجہ حسن نظامی دہلوی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "محرم نامہ" رکھا ہے، خواجہ صاحب ایک مشہور شخصیت کے آدمی ہیں اس لیے ان کی اس کتاب کی بڑی اشاعت ہوئی اس کا ایک نسخہ ناچیز کے ایک دوست نے بھی منگایا اس "محرم نامہ" میں خواجہ صاحب نے عام بنو امیہ پر اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خصوصاً نہایت سخت و شدید حملے کیے ہیں اور ان کے متعلق ایسی باتیں لکھی ہیں۔ سنی المذہب "محرم نامہ" پڑھنے والوں کے خیالات میں نہایت ہلچل پڑ گئی ہے۔ لہذا محرم نامہ مذکور سے اخذ کر کے کچھ حوالہ کرتا ہوں اور دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ باتیں کیسی ہیں تاکہ معلوم کر کے خود کو اور دیگر برادرانِ اہل سنن کو خیالات کی کشمکش سے چھڑاؤں، "محرم نامہ" میں ہے۔

(۱) بغیر سوچے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عثمان کی شروع خلافت سے لے کر قتلِ عثمان تک جنگ جمل، جنگ صفین، فیصلۂ صفین اور آخر تک ہر بڑے چھوٹے فساد کی بنیاد میں عمرو بن العاص کا ہاتھ ضرور تھا۔ (۲) حضرت علی کو دھوکا دے کر خلافت، حضرت عثمان کو انھوں نے دلوائی۔ (۳) اور پھر سب سے پہلے مخالفتِ عثمان پر یہ آمادہ ہوئے۔ (۴) حضرت عثمان کی بہن کو طلاق دی۔ (۵) اور مسجد میں سخت کلامی کا افتتاح بھی انہی عمرو بن العاص نے حضرت عثمان کے ساتھ کیا۔ (۶) یہی عمرو بن العاص تھے جنھوں نے لوگوں کو علانیہ جوش دلا کر حضرت عثمان کے مار ڈالنے پر ترغیب دی۔ (۷) اور پھر یہی عمرو بن العاص تھے جو معاویہ کے وزیر بن کر حضرت علی سے خونِ عثمان کا انتقام لینے آئے۔ (۸) فیصلۂ خلافت میں ابو موسیٰ اشعری کو دھوکا دینے والے بھی یہی تھے۔ (۹) بنی امیہ اور عمرو بن العاص جیسے چند آدمیوں کی یہ آگ لگائی ہوئی ہے جو آج تک نہیں بجھی۔ مندرجہ بالا باتوں کا تعلق اگرچہ زیادہ تر تاریخ سے ہے لیکن

چوں کہ ایک ایک حرف مذہب پر اثر ڈال رہا ہے، اس لیے ناچیز نے دارالافتاء کے دروازے ہی پر دستک دینی مناسب سمجھی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تین باتیں اور پوچھنی ہیں۔

(۱) حضرت کا نسب نامہ۔(۲) آیا آپ کی حضور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی رشتہ داری تھی یا نہیں؟(۳) کسی گروہ کو آپ کے صحیح النسب ہونے میں کلام ہے؟ محرم نامہ مذکور کی نسبت یہ دریافت کرنا ہے کہ آیا اس کا پڑھنا سُنیوں کے لیے کیسا ہے اور اس کو درست سمجھنا؟

الجواب : سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابۂ کرام سے ہیں اُن کی شان میں گستاخی نہ کرے گا مگر رافضی، جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں اس کا پڑھنا سُننا مسلمان سنیوں پر حرام ہے، ایسے مسئلہ میں کتابوں کے حوالے کی کیا حاجت، اہلسنت کے مسنون عقائد میں تصریح ہے: الصحابة كلهم عدول لانذكرهم الابخير . صحابہ سب کے سب اہل خیر و عدالت ہیں ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے۔ اگر کوئی شخص اہل سنت کی کتابوں کو نہ مانے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کو تو مانے گا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اسلم الناس وأمن عمرو بن العاص. رواه الترمذی عن عقبة ابن عامر رضی الله تعالیٰ عنه . بہت لوگ وہ ہیں کہ اسلام لائے مگر عمرو بن العاص ان میں ہیں جو ایمان لائے۔ اس کو ترمذی نے عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان عمرو بن العاص من صالحی قریش رواه الترمذی والا مام احمد فی مسنده عن سیدنا طلحة بن عبید الله احد العشرة المبشرة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین.

عمرو بن العاص صالحین قریش سے ہیں (ترمذی اور امام احمد نے اپنی مسند میں اسے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ جو عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ایک ہیں سے روایت کیا۔)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نعم اهل البیت عبدالله وابو عبدالله وام عبدالله، رواه البغوی وابو یعلی عن طلحة رضی الله تعالیٰ عنه۔ بہت اچھے گھر والے ہیں عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ کا باپ اور اس کی ماں۔ اس کو بغوی اور ابو یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

واخرجه ابن سعد فی الطبقات بسند صحیح عن ابن أبی ملیكة وزاد یعنی

عبد اللہ بن عمرو بن العاص (اس کو ابن سعد نے طبقات میں صحیح سند کے ساتھ ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا۔ کہ مراد ہیں عبداللہ بن عمرو بن العاص) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ ذات السلاسل میں اس الٰہی فوج کا سردار کیا جس میں صدیق اکبر و فاروق اعظم تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک بار اہل مدینہ طیبہ کو کچھ ایسا خوف پیدا ہوا کہ متفرق ہو گئے سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور عمرو بن العاص دونوں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہما تلوار لے کر مسجد شریف میں حاضر رہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلم، نے خطبہ فرمایا اور اس میں ارشاد کیا: الا کان مفزعکم الی اللہ والیٰ رسوله الا فعلتم كما فعل هٰذان الرجلان المؤمنان۔ کیوں نہ ہوا کہ تم خوف میں اللہ و رسول کی طرف التجا لاتے، تم نے ایسا کیوں نہ کیا جیسا ان دونوں ایمان والے مردوں نے کیا۔

منکر اگر احادیث کو بھی نہ مانے تو قرآن عظیم کو تو مانے گا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

”لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾“. تم میں برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ و قتال کیا وہ درجے میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ و قتال کیا اور دونوں فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرو گے۔

اللہ عزوجل نے صحابۂ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دو قسم فرمایا: ایک مومنین قبل فتح مکہ، دوسرے مومنین بعد فتح مکہ، فریق اول کو فریق دوم پر فضیلت بخشی اور دونوں فریق کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلائی کا وعدہ کیا۔ عمرو ابن العاص مومنین قبل فتح مکہ میں ہیں۔

اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ہے: عمرو بن العاص بن وائل بن هاشم بن سعيد بالتصغير ابن سهم بن عمرو ابن هصيص بن كعب بن لوى القرشى السهمى امير مصر يكنى ابا عبدالله و ابا محمد اسلم قبل الفتح فى صفر سنة ثمان و قيل بين الحديبية و خيبر. عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعید (تصغیر کے ساتھ) بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی قرشی سہمی امیر مصر جن کی کنیت ابو عبداللہ اور ابو محمد ہے وہ فتح مکہ سے پہلے ماہ صفر ۸ھ ہجری میں اسلام لائے اور کہا گیا ہے کہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان اسلام لائے۔

اور بعد فتح راہِ خدا میں جو ان کے جہاد ہیں آسمان و زمین اُن کے آوازے سے گونج رہے ہیں اور

اللہ عزوجل نے دونوں فریق سے بھلائی کا وعدہ فرمایا، اور مریض القلب معترضین جوان پر طعن کریں کہ فلاں نے یہ کام کیا فلاں نے یہ کام کیا اگر ایمان رکھتے ہوں تو ان کا منہ تتمہ آیت سے بند فرمادیا کہ و اللہ بما تعملون خبیر مجھے خوب معلوم ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو، مگر میں تو تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا۔

اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھ لیجیے، کہ اللہ عزوجل نے جس سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اس کے لیے کیا ہے فرماتا ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤىۙ اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (۱۰۱) لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَاۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَۚ (۱۰۲) لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۱۰۳)."

بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہوا، جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سنیں گے اور اپنی من مانتی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے وہ قیامت سب سے بڑی گھبراہٹ انھیں غمگین نہ کرے گی اور ملائکہ ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمھارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

ان ارشاداتِ الہیہ کے بعد مسلمان کی شان نہیں کہ کسی صحابی پر طعن کرے، بفرض غلط بفرض باطل طعن کرنے والا جتنی بات بتاتا ہے اس سے ہزار حصے زائد سہی اس سے یہ کہیے أأنتم اعلم ام اللہ۔ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ، کیا اللہ کو ان باتوں کی خبر نہ تھی بایں ہمہ وہ ان سے فرماچکا کہ میں نے تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا تمھارے کام مجھ سے پوشیدہ نہیں، تو اب اعتراض نہ کرے گا مگر وہ جسے اللہ عزوجل پر اعتراض مقصود ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، ص:۹۷ تا ۱۰۲، ج:۲۹)

عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ جلیل القدر قریشی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد کعب بن لُوی رضی اللہ تعالی عنہما کی اولاد سے ـــــ اور ان کی نسبت وہ ملعون کلمہ طعن فی النسب کا، اگر کہا ہوگا تو کسی رافضی نے ـــــ پھر وہ صدیق وفاروق کو کب چھوڑتے ہیں؟ عمرو بن عاص کی کیا گنتی ہے؟ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ـــــ وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون . واللہ تعالی أعلم

اس فتوے میں اعلی حضرت قدس سرہ نے معترضین کے مذکورہ اعتراضات اور ویسے تمام ممکنہ اعتراضات کا قرآن سے جواب دے دیا۔ رب تعالی جسے چاہے ہدایت نصیب فرمائے۔

معلمِ امت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

آپ نے عہدِ رسالت کے ابتدائی ایام میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ نبی کریم ﷺ کے ایک معجزہ سے متاثر ہو کر ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے، سرکار نے آپ کے اوپر دست شفقت پھیر کر فرمایا:

انك غلام معلم۔ تم بہتوں کو پڑھانے والے لڑکے ہو۔ قبولِ اسلام کے بعد خدمتِ نبوی سے اس طرح وابستہ ہو گئے کہ رسولِ گرامی کی پوری حیاتِ ظاہری میں جدا نہ ہوئے، سفر و حضر ہر جگہ انھیں معیت رسول کا شرف حاصل رہا۔ آپ کا اسم گرامی عبد اللہ اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخدوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن ہزیم بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (استیعاب، ج:۳، ص:۹۸۷)

ابنِ مسعود ان صحابہ میں سے ہیں جو علم فقہ کے بانی و مؤسس ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی کا پورا ایوان تقریبًا انھیں کی فقہ کے بنیادی پتھر پر قائم ہے امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی فتاوی رضویہ میں کچھ اس طرح ذکر کرتے ہیں :

”تاسعًا: افقہیت راوی اور مرجح منع ہے کہ ابن عمر و انس میں کسی کو فقاہت جلیلہ عبد اللہ بن مسعود تک رسائی نہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ وہی ابن مسعود ہیں جن کی نسبت حدیث میں ہے، حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمسكوا بعهد من ام عبد (جامع الترمذی) ابن مسعود کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ ”امِ عبد کے عہد کو لازم پکڑو“ رواہ الترمذی......“

”......یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنھیں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ- صاحبِ سرِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- فرماتے: ان اشبه الناس دلا وسمتا وهديا برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لابن ام عبد، رواه البخاری والترمذی والنسائی. بے شک چال ڈھال اور روش میں سب سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہ عبد اللہ بن مسعود ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنھیں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: كنيف ملئ علما۔ (ایک گٹھری ہیں علم سے بھری ہوئی)

نہایت یہ کہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: رضيت لامتی مارضی لها ابن ام عبد (میں نے اپنی امت کے لیے پسند فرمالیا جو کچھ عبد اللہ بن مسعود اس کے لیے پسند کرے۔ رواہ الحاکم بسند صحیح۔ لاجرم ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک خلفاے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بعد وہ جناب تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے علم وفقاہت میں زائد ہیں، مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ میں ہے: هو عند ائمتنا افقه الصحابة بعد الخلفاء الاربعة۔ ہمارے ائمہ کے نزدیک ابنِ مسعود خلفاے اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ، ص:۳۱۱ و ۳۱۲، ج:۵، مطبوعہ

پور بندر، گجرات، انڈیا)

بے شمار فضائل و مناقب کی حامل شخصیت حضرت عبد اللہ ابن مسعود تھے۔ امام شعبی فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی صحابی کوفہ میں نہیں جو اہلِ کوفہ کے حق میں عبد اللہ بن مسعود سے زیادہ نافع ہو۔ یہ وہ انفرادی حیثیت حاصل ہے عبد اللہ بن مسعود کو جو شاید کسی اور کے حصہ میں نہیں۔

حضرت سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

ان حضرات کے علاوہ بہت سے اصحاب کرام ہیں جن کو بہت سی فضیلتیں حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ خصوصی فضیلت حاصل تھی ان میں ایک جلیل القدر عظیم المرتبت شخصیت حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ہے، جن کے متعلق امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں :

''امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں حضرت اسعد بن زرارہ کے احوال میں واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا وصال ہجرت کے بعد نویں مہینے کے آخر میں ہوا۔ اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور بقول واقدی یہ شوال کا مہینہ تھا، بغوی نے کہا کہ ہجرت کے بعد سب سے پہلے اسی صحابی کا وصال ہوا، اور یہ پہلے صحابی کی میت تھی جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی۔''
(ص:۳۷۶، ج:۵)

ان کے علاوہ حضرت زید رضی اللہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کو سرکار نے اپنی چادر مبارک عطا کی تھی) اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صاحب سر رسول اللہ ﷺ وغیرہ کے فضائل و مناقب بھی بیان فرمائے۔ صاحب سِر رسول ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں :

''... یہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی جلیل القدر ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اسرار سکھائے ان کا لقب ہی صاحبِ سر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے اسرارِ حضور کی باتیں پوچھتے، اور عبد اللہ تو عبد اللہ ہیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ یہ جو فرمائیں اسے مضبوط تھامو۔'' (ص:۲۰۲، ج:۲۷، فتاویٰ رضویہ)

احترامِ صحابہ کے متعلق امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بہت ساری جگہوں پر تفصیل اور اجمال کے ساتھ بہت لکھا ہے۔

یہ چند مثالیں احترامِ صحابہ اور مشاجراتِ صحابہ کے تعلق سے ناچیز راقم الحروف نے قلم بند کرنے کی

ادنیٰ کوشش کی ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا کی نظر میں صحابہ اور صحابیت کا مقام کس قدر بلند و بالا ہے ؟ اور احترام صحابہ میں آپ نے کس باریک بینی سے مدلل اور مفصل جواب عنایت فرما کر ملت اسلامیہ کو عقائد حقہ کی طرف راغب کیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خصوصی فیضان حضور ﷺ کی جانب سے کچھ مخصوص صحابہ رسول کو حاصل تھے اس کو بھی اعلیٰ حضرت نے نقل کیا۔ مثلاً (۱) حضرت ابوبردہ کے لیے شش ماہہ بکری کی قربانی جائز فرمادی۔ (۲) ایک بار عقبہ بن عامر کے لیے بھی اس کی اجازت دی۔ (۳) ام عطیہ کو ایک جگہ نوحہ کرنے کی رخصت بخشی۔ (۴) ایک بار خولہ بنت حکیم کو نوحہ کی اجازت فرمادی۔ (۵) یوں ہی اسماء بنت یزید کو ایک دفعہ کی پروانگی عطا کی۔ (۶) ایک صحابی کو بجائے مہر کے سورۂ قرآن سکھانا کافی کردیا۔ (۷) خزیمہ بن ثابت کی (تنہا) گواہی کو شہادت کا نصاب کامل کردیا۔ (۸) ایک صحابی کے لیے روزہ کا کفارہ خود ہی کھا لینا جائز فرمادیا۔ (۹) ایک صاحب کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دی اور اس سے حرمتِ رضاعت ثابت فرمادی۔ (۱۰) دو صاحبوں کو ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔ (۱۱) مولیٰ علی کو بحالتِ جنابت مسجد اقدس میں رہنا مباح فرمادیا۔ (۱۲) براء بن عازب کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرمادی۔ (۱۳) سراقہ کو سونے کا کنگن پہننے کی بشارت دی۔ (۱۴) مولیٰ علی کو اپنا نام اور کنیت جمع کرنے کی اجازت فرمائی۔ (۱۵) عثمانِ غنی کو بے حاضری جہاد سہم غنیمت کا مستحق قرار دیا اور عطا کیا۔ (۱۶) معاذ بن جبل کو اپنی رعیت سے تحائف لینا حلال فرمادیا۔

اس طرح سے بہت سی مثالیں ان کی تحریروں سے پیش کی جاسکتی ہیں جن کی تفصیل پڑھ کر صحابۂ کرام کے خصوصی فضائل کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ مزید معلومات کے لیے جلد ۳۰ کا مطالعہ کریں۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

امام احمد رضا اور تصوف

ڈاکٹر سید محمد فضل اللہ برکاتی اشرفی چشتی

برصغیر ہندو پاک میں نظریۂ تصوف پر تنقید بھی کی گئی اور اس نظریے کو افیون اور کوکین سے تشبیہ بھی دی گئی (تجدید واحیاے دین از ابوالاعلیٰ مودودی)۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فن تصوف پر جو تصانیف تحریر فرمائیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ''کشف حقائق واسرار ودقائق'' (۱۳۰۸ھ): یہ رسالہ بعض مشکل اشعار کی نہایت آسان اور سادہ شرح پر مشتمل ہے۔

(۲) ''الیاقوتۃ الواسطہ فی قلب عقد الرابطہ (۱۳۰۹ھ) یہ رسالہ سید الانبیاء ﷺ، اولیاے کرام اور اپنے مرشد وشیخ کی طرف روحانی توجہ اور ان سے رابطہ قلبی قائم کرکے کسب فیض سے متعلق ہے، مشائخ اور اولیاے کرام کے نزدیک یہ طریقہ رائج و معمول ہے، بعض حضرات کو اس سے انکار ہوا تو اس کے جواز وثبوت میں یہ مختصر، جامع اور علمی و تحقیقی رسالہ سپرد قلم فرمایا۔

(۳) '' انھار الانوار من یم صلاۃ الاسرار'' (۱۳۰۵ھ): یہ رسالہ صلاۃ الاسرار معروف بہ نماز غوثیہ کے ثبوت اور بہت سے اسرار ودقائق کے بیان میں ہے۔

(۴) ''ازھار الانوار من صبا صلاۃ الاسرار'' (۱۳۰۵ھ): نماز غوثیہ کے طریقہ اور اسرار و نکات کے بیان میں رقم فرمایا۔

احسان وتصوف کو ہی طریقت کہتے ہیں، تصوف کے نظریہ وحدۃ الوجود پر سب سے زیادہ تنقید کی جاتی ہے، یہاں چند افادات ذکر کرتا ہوں۔

امام احمد رضا سنی حنفی قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے فتاویٰ رضویہ، جلد۶ میں وحدۃ الوجود پر بہت نفیس کلام کیا ہے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''کشف حقائق واسرار ودقائق'' ص۱۵ میں فرماتے ہیں: ''مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اُسی کی ذات پاک سے خاص ہے، وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں، یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حدِ ذات

میں اصلاً وجود و ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔ "کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" (سورۃ قصص ۸۸) (ہر چیز فانی ہے سوا اُس کی ذات کے) اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من و تو، زید و عمرو ہر شے خدا ہے، یہ اہل اتحاد کا قول ہے، جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام و ایمان حقیقی ہیں"۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" میں وحدت وجود و شہود و معبود کے متعلق فرماتے ہیں:

"حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے "الاکل شيء ما خلا الله باطل" ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں اور اخص الخواص کے نزدیک یہ کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں، اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں اور سب حق ہے، مدار ایمان اوّل پر ہے، مدار صلاح دوم پر، کمال سلوک سوم پر اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظِ کامل عطا فرمائے اپنے احسان و کرم سے، آمین۔" (الدولۃ المکیہ، ص ۳۲۴)

تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ کے متعلق امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تشبیہ محض کفر ہے اور تنزیہ محض گمراہی اور تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ عقیدہ حقہ اہل سنت ہے "لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ" (شوریٰ:۱۱)، "اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾" (مومن:۵۶)، یہ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ ہے، تشبیہ محض تو یہ ہوئی کہ وہ ہماری ہی طرح ایک جسم ہے، یہ کفر ہے تنزیہ محض یہ کہ دیکھنے سننے میں اس کو بندوں سے مشابہت لازم آتی ہے، لہٰذا اس کا بھی انکار کر دیا جائے کہ خدا دیکھتا سنتا ہے، یہ کچھ اور صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ گمراہی ہے، اصل صحیح عقیدہ یہ ہے کہ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (اس کی مثل کوئی شے نہیں)، یہ تنزیہ ہوئی اور اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾ (وہی سننے دیکھنے والا ہے) یہ تشبیہ ہوئی مگر جب سننے دیکھنے کو بیان کیا کہ اس کا دیکھنا آنکھ کا، سننا کان کا محتاج نہیں، وہ بے آلات کے سنتا، دیکھتا ہے، یہ نفی تشبیہ ہوئی کہ بندوں سے جو وہم مشابہت ہوتا، اس کو مٹایا تو ماحصل وہی نکلا "تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ" (ملفوظات، حصہ چہارم، ملخصًا)

اس پر فتن دور میں حق و باطل میں تمیز کرنا بے حد دشوار ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود میں کوشش کروں گا کہ وہ بات جو انتہائی ادق اور پیچیدہ ہے، وہ بے حد سادہ اور عام فہم انداز میں آپ تک منتقل کر دوں تاکہ وہ تمام شکوک و شبہات جو موضوع کے حوالے سے پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کیے جاتے ہیں ان کا شافی

جواب میسر آسکے۔

حقیقت وحدت الوجود کو نہایت آسان سمجھانے کے لیے علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

کلمہ طیبہ دین کی بنیاد ہے ، یہ کلمۃ التوحید ہے ، یہ وہ جوہر ہے جو اگر ہم میں ہے تو ہم ہیں اور اگر ناپید ہے تو ہم کالعدم ہیں۔ "لا الہ الا اللہ" کا مفہوم میں آپ پر واضح کرتا چلوں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، کوئی عبادت کے لائق نہیں ، اس کے سوا کسی کی پرستش اور پوجا نہیں کی جاسکتی۔ یا یوں کہیے کہ اس کی ذات مقدسہ وحدت کی صفت سے متّصف ہے ، اگر کوئی اس کی ذات میں شریک متصور ہو تو "لا الہ الا اللہ" کی نفی ہوگی اور اگر کوئی اس کی صفات میں شریک مانا جائے تب بھی "لا الہ الا اللہ" کی نفی ہوگی۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ ذات کا تعقل اور تصور صفات سے علیحدہ ہو کر ممکن نہیں ، انسان کی ذات اس کے جسم ، شکل و شباہت ، عادات و اطوار کے بغیر کچھ نہیں۔ آپ کسی مکان کے بارے میں سوچیں تو جب تک اس کے بام و در ، اس کی تعمیر ، اس کا خاکہ آپ کے ذہن میں نہ آئے تب تک مکان کا تصور قائم نہیں ہوتا۔

رب تعالیٰ اپنی ذات اور اپنی صفات دونوں میں وحدہٗ لاشریک ہے ، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ صفات میں شرک کا مفہوم تو سمجھ میں آتا ہے ، وہ سمیع و بصیر ہے ، وہ علیم و خبیر ہے ، وہ حیّ و قیوم ہے ، وہ رحمن و رحیم ہے ، وہ قہار و جبار ہے وہ توّاب و غفار ہے یہ تمام صفات اس کی ہیں ، چنانچہ اس کے سوا کسی کو سمیع و بصیر مانو تو شرک ، علیم و خبیر اس کے سوا کسی کو گردانو تو شرک ، اس کے سوا کسی کو حیّ و قیوم سمجھو تو شرک ، اسی طرح اس کی کسی صفت کو کسی دوسرے کے لیے تسلیم کرو تو شرک ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ذات میں شرک کا مفہوم کیا ہے ، ہم کسی کو اس کی ذات میں کیسے شریک ٹھہرا سکتے ہیں ؟۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب فوری طور پر ذہن میں یہ آتا ہے کہ اس کے سوا کسی کو الٰہ مانو تو یہ ذات میں شرک ہوگا۔ میں عرض کروں گا کہ یہ درست نہیں ، وہ اس لیے کہ الوہیت بھی اس کی صفت ہے ، اس کے علاوہ کسی کو الٰہ ماننے سے اس کی صفتِ الوہیت میں شرک ہوگا نہ کہ اس کی ذات میں ، تو پھر ذات میں شریک ہونے کا مفہوم کیا ہے ؟۔

خدا کی پہلی صفت : اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں مزید غور و خوض سے کام لینا ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی سب سے پہلی صفت صفتِ وجود ہے۔ "وجود" کا مفہوم کیا ہے ؟ کیا وجود جسم کو ، اس کے اعضا کو ، گوشت پوست ، ہڈیوں اور اور خون کو کہتے ہیں ؟۔ گفتگو کے دوران ہم کہتے ہیں کہ میرا جسم کمزور

ہو گیا ہے، میرے اعضا متناسب ہیں، میری ہڈیاں مضبوط ہیں، میرا خون بہ رہا ہے وغیرہ وغیرہ، گویا ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ اور ہیں اور ہمارا جسم، ہمارے اعضا، ہمارا گوشت، ہڈیاں، خون وغیرہ کچھ اور ہیں، جیسے ہم کہیں کہ یہ میرا مکان ہے، یہ میرا کمرہ ہے، یہ میری کتاب ہے، یہ میرا لباس ہے، ظاہر ہے کہ جسے ہم نے اپنا کہا ہے وہ کچھ اور ہے اور ہم کچھ اور ہیں۔

اب ''وجود'' کا مفہوم سمجھیے ''الوجود شدن'' یعنی وجود کے معنی ہیں ''ہونا''۔ یوں سمجھیے کہ ''ہست و نیست'' ''وجود و عدم''۔ ہست ''ہونا'' ہے اور نیست ''نہ ہونا'' ہے۔ وجود ''ہونا'' ہے۔ عدم ''نہ ہونا'' ہے۔ ذات کی پہلی صفت ''وجود'' ہے۔ ہم کہیں کہ زید ہے، یا زید نہیں ہے۔ ہم نے زید پر'' — ہونے'' یا ''نہ ہونے'' کا حکم لگایا ہے، گویا ہونا یا نہ ہونا زید کی صفت ہے۔ یہ علیحدہ بحث ہے کہ یہ صفت عین ذات ہے یا غیر ذات۔ اگر پہلے ہم اللہ کی صفت وجود کو نہ مانیں تو نہ ہم اس کو سمیع و بصیر مان سکتے ہیں نہ حیّ و قیوم، نہ علیم و خبیر مان سکتے ہیں، نہ رحمن و رحیم، نہ اس کی قدرت پر ایمان لا سکتے ہیں نہ اس کی حکمت پر، خدا کی کسی صفت پر ایمان نہیں لایا جا سکتا جب تک اس کی صفتِ وجود کو نہ مانا جائے۔

صفت وجود، عین ذات ہے: رہی یہ بحث کہ ''وجود'' عین ذات ہے یا غیر ذات۔ تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ اگر ذات کا ''وجود'' ہے تو ذات ہے، اگر وجود نہیں ہے تو ذات نہیں ہے، ذات کا ''ہونا'' ہی تو ذات ہے، گویا ہم صفت وجود کو غیر ذات نہیں مانتے بلکہ عین ذات مانتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ صفت وجود وہ صفت ہے جو عین ذات ہے۔ اس مقام پر ہمیں اس سوال کا جواب ملا کہ صفات الٰہیہ میں شرک کا مفہوم تو واضح ہے لیکن ذات الٰہی میں شرک کا تصور کیا ہے؟۔ اگر ہم غیر خدا کو سمیع و بصیر، علیم و خبیر، رحیم و کریم، قہار و جبار مانیں تو ہم خدا کی صفات میں شرک کے مرتکب قرار پائے اور اگر ہم نے خدا کے سوا کسی اور کے وجود کو تسلیم کیا تو یہ شرک فی الذات ہونے کے ساتھ شرک فی الصفات بھی ہوا۔

جب ہم نے کلمہ طیبہ پڑھا اور کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے اپنی ذات میں اپنی صفات میں یکتا ہے، تو جب تک ہم یہ نہ مانیں کہ اس کی صفتِ وجود میں کوئی شریک نہیں، اس کے سوا کسی کا وجود نہیں، اس وقت تک توحید کا صحیح تصور ممکن نہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: اس پر سوال ہوتا ہے کہ یہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چرند، پرند، انسان، حیوان، نور، ظلمت، ہدایت و گمراہی، خیر و شر ان سب کا وجود ہے اور اگر ہم ان کا وجود نہ مانیں تو اللہ کی صفت تخلیق کا انکار لازم آئے گا اور اس طرح ہم شرک سے بچ کر کفر کا شکار ہو جائیں گے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ وجود حقیقی تو اللہ ہی کا ہے، باقی تمام کائنات کا وجود حقیقی نہیں مجازی ہے۔ حقیقتِ وجود، وجودِ واحد کے سوا موجود نہیں، آئینہ خانے میں جہاں ہر طرف، ہر سمت بے شمار آئینے جڑے ہوں، ایک شمع روشن ہو تو وہ ہر آئینے میں جگمگاتی نظر آتی ہے، ہر عکس اس ایک شمع کا محتاج ہے، وہ ایک شمع بجھ جائے تو ہر سو اندھیرا چھا جائے۔ ساری جگمگاہٹ اور روشنی اسی ایک شمع کی مرہون منت ہے۔ لیکن شاید اس مثال پر اعتراض ہو کہ آئینوں کا تو اپنا وجود ہے، اس لیے اس بات کو دوسرے انداز میں سمجھنے کی کوشش کیجیے، آپ ایک کمرے میں تشریف رکھتے ہیں، آپ کے سامنے چارپائی ہے، پیچھے دروازہ ہے، دائیں طرف کھڑکی ہے اور بائیں طرف الماری ہے، آپ کے اوپر چھت ہے اور نیچے فرش ہے۔ اگر آپ رخ پھیر لیں تو آگے پیچھے، دائیں، بائیں کا مفہوم بدل جائے گا اور اسی طرح اگر آپ چھت پر چلے جائیں تو اوپر نیچے کا تصور بھی تبدیل ہو جائے گا۔ یہ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، ان کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ آپ ہیں تو یہ سمتیں اور جہتیں بھی ہیں، اگر آپ نہیں تو یہ بھی نہیں۔ آپ جب کمرے میں داخل ہوئے تو ان سمتوں کو ساتھ لے کر نہیں آئے کہ ان کا اپنا علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے، آپ کے وجود کے باعث یہ ازخود متصور ہو گئی ہیں۔

اگر ریاضی کے حوالے سے سوچیں تو تمام اعداد "ایک" کے مرہون منت ہیں۔ بلکہ کمپیوٹر میں تو ایک اور صفر صرف یہی عدد استعمال ہوتے ہیں، "ایک" وجود ہے، "صفر" عدم ہے، باقی تمام اعداد و شمار اسی ایک وجود کے مرہون منت ہیں۔ وجود حقیقی وہی ایک وجود ہے، باقی سب کچھ اس کی صفات کا جلوہ ہے، اس کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے، کہیں اس کی صفتِ جلال جلوہ نما ہے، کہیں اس کے جمال کی جلوہ آرائی ہے۔

جدت پسند اذہان کی تسکین کے لیے اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں عرض کرتا ہوں، کسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے کچھ چیزیں فرض کر لی جاتی ہیں، فرض کرو ایک شخص ہے، اس کے فلاں فلاں اہل خانہ ہیں، فلاں حالات سے وہ گذرتا ہے اور فلاں صورت حال پیش آتی ہے، اس صورت میں اس شخص کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے۔ علما جانتے ہیں کہ مسائل کے استنباط کے لیے اس نوعیت سے چیزیں فرض کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یا جیسے حساب و کتاب کے معاملات میں سوال حل کرنے کے لیے چند چیزیں فرض کر لی جاتی ہیں۔ الجبرا میں کہتے ہیں کہ اس چیز کی قیمت خرید فرض کر لی جو برابر ہے "لا" کے۔ اب سب جانتے ہیں کہ "لا" کا تو مفہوم ہے "نہیں"۔ لیکن جب قیمت "لا" فرض کر لی جاتی ہے تو سوال حل ہو جاتا ہے اور جواب تلاش کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

یہ تمام چیزیں جو ہم فرض کرتے ہیں ان کا حقیقتاً کوئی وجود نہیں ہوتا، لیکن عالم فرض میں ایسی بے شمار

اشیا آن واحد میں متحقق ہو جاتی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی شَے کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرماتا ہے ''کن'' تو وہ چیز ہوجاتی ہے إنما أمره إذا أراد شيئا أن يقول له كن فيكون۔ اس کا حکم یہی ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو اس سے کہے ہو جا تو وہ (فوراً) ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ حقیقی اشیا کے بنانے میں وقت صرف ہوتا ہے، فرضی اشیا کی تخلیق میں نہیں، فرق اتنا ہے کہ جتنی ہماری حیثیت اور وقعت ہے اتنی حیثیت ہماری فرض کی ہوئی چیزوں کی ہے اور خدا کی تخلیق کردہ اشیا اس حقیقی وجود کے مقابلے میں فرضی ہونے کے باوجود ''موجود'' معلوم ہوتی ہیں، دیکھیے شاعر بتاتے ہیں اور صوفیۂ کرام نے کہا ہے کہ یہ دنیا دراصل عالم خواب ہے، جب ہماری موت آئے گی تو یوں کہیے کہ ہماری آنکھ کھلے گی۔ تو اس کائنات کو بھی اسی انداز میں خواب تصور کیجیے، لیکن یہ خواب دکھانے والا وہ قادر مطلق ہے اس لیے اس خواب کو خواب سمجھنا بھی خواب وخیال کی بات معلوم ہوتی ہے۔

بہر کیف اس تمام گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ یہ تمام کائنات مجاز ہے، فرضی چیز ہے اور حقیقی وجود صرف اس کا ہے۔

اب غور کیجیے کہ ''وحدت الوجود'' پر یقین رکھنے والوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شرک کیا، کہ یہ چونکہ صرف رب کے وجود کو مانتے ہیں اس لیے انہوں نے گویا ہر موجود شَے کو خدا تسلیم کر لیا، ان کے کہنے کے مطابق جب خدا کے سوا کچھ نہیں تو پھر جو کچھ ہے وہ خدا ہی ہے، پھر ہر شَے خدا ہے۔ دراصل یہ مغالطہ ہے، شرک تو اس وقت ہو گا جب خدا کے سوا کسی شَے کو مانو گے، تسلیم کرو گے، پھر اسے خدا کی ذات وصفات میں شریک ٹھہراؤ گے، جب تمھارا عقیدہ یہ ہو گا کہ خدا کے سوا کچھ نہیں، یہ کائنات رنگ وبو، یہ عالم آب وگل، یہ زمین وآسمان، یہ ستارے، یہ کہکشاں، یہ نباتات وجمادات، یہ انسانوں کی فوج ظفر موج، یہ حشرات الارض، یہ سیم وزر کے انبار، یہ اجناس واثمار، یہ شجر وحجر، سب مجاز ہیں، یہ سب فرضی چیزیں ہیں، یہ ذہن ونظر کا فریب ہے، یہ ساری کائنات اعتباری ہے، حقیقی نہیں، خدا کے سوا کچھ نہیں ہے، جب تم اس کے سوا کسی کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو اس کی ذات میں کسی کو شریک کیسے کر سکتے ہو۔ جس کو تم شریک کرنا چاہو گے پہلے اس کے وجود کو تو مانو گے، جو چیز ہے ہی نہیں وہ خدا کی ذات وصفات میں شریک کیسے ہو سکتی ہے؟۔ وما علينا الا البلاغ المبين.

امام احمد رضا اور احترام علما

از: محمد ثناء المصطفیٰ برکاتی مصباحی

امام احمد رضا خان محدث بریلوی ساری عمر میدان قرطاس وقلم میں شان رسالت، شان صحابہ اور شان ولایت یعنی اللہ کے تمام محبوبوں کے گستاخوں کے لیے درۂ فاروقی اور ذوالفقار حیدری رہے۔ اعلی حضرت نے اپنی پوری زندگی میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ صرف قابل ستائش ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہیں، آپ کا کردار وعمل اور سیرت دیکھی جائے یا آپ کی تحریر و تصانیف اور مکتوبات کا مطالعہ کیا جائے ان تمام میں بہت ساری خوبیوں کے ساتھ ایک اہم خوبی علما کا ادب واحترام اور تعظیم و توقیر کی تصویر بہت صاف و شفاف نظر آئے گی۔ زیر نظر مقالے میں امام احمد رضا خان کے اسی وصف کے کچھ نظائر وا مثال پیش کرنے کی کوشش ہوگی آپ کے اس وصف یعنی احترام علما کو دو زاویوں میں دیکھا جاسکتا ہے ایک آپ کی سیرت اور عملی زندگی میں دوم آپ کی تحریر و تصانیف میں۔ سیرت اور عملی زندگی میں احترام علما کا تذکرہ پہلے کیا جائے گا اور تحریر و تصانیف میں احترام علما کو بعد میں ذکر کیا جائے گا۔

امام احمد رضا اور استاد کا احترام:

اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ اپنے اساتذہ کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے اور ان کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے جیسا کہ ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری حیات اعلی حضرت میں تحریر فرماتے ہیں:

”ابتدائی کتابیں ان مولوی صاحب سے جب حضور نے پڑھ لیا تو میزان ومنشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھنا شروع کیا وہ جب کبھی اعلی حضرت کے پاس تشریف لاتے تو اعلی حضرت بہت ہی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آتے ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ ”امر تلالین“ میں تھا وہاں سے اکثر جواب طلب سوالات بھیجا کرتے، فتاوی رضویہ میں بہت استفتا ان کے ہیں انھیں کے ایک سوال کے جواب میں اعلی حضرت نے رسالہ مبارکہ ”تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین“ تحریر فرمایا ہے اعلی حضرت ان کی بہت بات مانا کرتے جب کوئی اہم کام سمجھا جاتا تو لوگ حضرت مرزا مرحوم کو سفارشی لاتے ان کی سفارش بھی رائیگاں نہیں جاتی تھی، اعلی حضرت ان کا بہت زیادہ خیال فرماتے اور وہ جو کچھ فرماتے ان کی فرمائش قبول فرماتے۔“ (حیات اعلی حضرت: ۱/۹۱، ۹۲، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی، سنہ اشاعت: ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء)

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے استاذ کا کس قدر احترام بجالاتے اور تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے ان کی ہر بات مانتے بلکہ آپ کی نگاہوں میں ان کا اس قدر احترام تھا کہ لوگ آپ کو سفارشی بناتے اور آپ کی سفارش بھی رائیگاں نہیں جاتی تھی۔

علامہ وصی احمد محدث سورتی کا احترام:

حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے بڑے محدث، عالم بالسنہ اور فقیہ تھے، اعلیٰ حضرت سے آپ کے گہرے روابط اور تعلقات تھے، اعلیٰ حضرت آپ کا بے حد احترام کیا کرتے تھے اس احترام کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔ حیات اعلیٰ حضرت میں ملک العلما تحریر فرماتے ہیں:

''پیلی بھیت میں ایک دعوت میں حضرت محدث صاحب اور اعلیٰ حضرت تشریف فرما تھے، دستر خوان بچھانے سے پیشتر میزبان نے آفتابہ وطشت لیا کہ ہاتھ دھلایا جائے حضرت محدث صاحب نے عام عرفی دستور کے مطابق میزبان کو اشارہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا کہ آپ محدث ہیں اور عالم بالسنہ ہیں آپ کا یہ فیصلہ بالکل حق اور آپ کی شان کے لائق ہے کیوں کہ سنت یہ ہے کہ اگر ایک مجمع مہمانوں کا ہو تو سب سے پہلے چھوٹے کا ہاتھ دھلایا جائے اور آخر میں بڑے کا ہاتھ دھلایا جائے تاکہ بزرگ کو ہاتھ دھونے کے بعد دوسروں کے ہاتھ دھونے کا انتظار نہ کرنا پڑے اور کھانا ختم ہونے کے بعد سب سے پہلے بڑے کا ہاتھ دھلایا جائے، میں شروع میں ابتدا کرتا ہوں لیکن کھانا کھا چکنے کے بعد آپ کو ابتدا کرنی ہوگی۔ مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی صاحب کا بیان ہے کہ اس دستر خوان پر میں بھی حاضر تھا اعلیٰ حضرت کے ارشاد پر حضرت محدث صاحب نے ہاتھ بڑھا کر طشت کو اپنی طرف کھینچا کہ سب سے پہلے میرے ہاتھ دھلائے جائیں اس پر اعلیٰ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اپنے فیصلے کے خلاف عمل در آمد آپ کی شان کے خلاف ہے یہ دلچسپ اور خوشگوار نقشہ جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو اس کا لطف تازہ ہو جاتا ہے۔'' (حیات اعلیٰ حضرت:۱/ ۱۳۶،۱۳۵)

علما کے ادب و احترام کا ایسا خوشگوار واقعہ اب تو صرف کتابوں میں پڑھنے کو ملتا ہے اعلیٰ حضرت کے قول ''میں شروع کرتا ہوں اور کھانا کھا چکنے کے بعد آپ کو ابتدا کرنی ہوگی'' میں جہاں حضرت محدث سورتی کا ادب ہے وہیں ان کی بڑائی اور بزرگی کا اظہار بھی ہے۔

محدث سورتی کے ادب و احترام کا ایک اور دلچسپ واقعہ حیات اعلیٰ حضرت میں ملک العلماء تحریر فرماتے ہیں: جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور اعلیٰ حضرت پیلی بھیت میں مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی کے یہاں تشریف لے گئے، دوران قیام ایک روز کسی صاحب کے یہاں دعوت تھی اور بوجہ نقاہت پالکی میں تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا من جملہ متوسلین و معتقدین کے، خود حضرت محدث صاحب پیادہ

پا پالکی کے پیچھے پیچھے ہولیے، چوں کہ کہاروں کی رفتار تیز تھی آپ نے سعی فرمائی یہاں تک کہ دوڑنا شروع کر دیا اور اس پر بس نہ کیا بلکہ نعلین شریفین در بغلین کر لیں شارع عام پر عام بلکہ تمام حضرات حیرت واستعجاب سے پالکی اور محدث سورتی کو دیکھ رہے تھے یکایک کہاروں نے کاندھا بدلنے کے لیے پالکی روکی چوں کہ حضرت محدث سورتی صاحب تیز روی سے ہمراہ تھے لہذا رو میں پالکی کی کھڑکی کا سامنا ہو گیا، جس وقت اعلی حضرت کی نظر حضرت محدث صاحب پر پڑی کہ برہنہ پا پالکی کے ہمراہ ہیں کہاروں کو حکم فرمایا پالکی یہیں رکھ دو اور فرمایا مولانا! یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: حضور تشریف رکھیں، اعلی حضرت نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، محدث سورتی صاحب نے فرمایا: آپ بہت کمزور ہیں اور ابھی مکان دور ہے، اعلی حضرت نے فرمایا: اچھا تو آپ یہیں سے واپس تشریف لے جائیے تب پالکی میں بیٹھوں گا، ورنہ میں بھی پیدل چلوں گا، بالآخر محدث صاحب کو واپس ہونا پڑا تب پالکی آگے بڑھی، چوں کہ حضرت محدث صاحب بھی وہاں مدعو تھے، اعلی حضرت کے پہنچ جانے کے بعد ان رئیس صاحب نے دوبارہ پالکی حضرت محدث صاحب کے لیے بھیجی۔" (حیات اعلی حضرت:۱/ ۲۹۵)

ملاحظہ تو کیجیے کہ نقاہت اور کمزوری ہے اس کے باوجود جیسے ہی محدث سورتی پر اعلی حضرت کی نظر پڑی ان کے احترام کی وجہ سے خود بھی پالکی سے اتر گئے اور پیادہ پا چلنے کا ارادہ ظاہر کیا اور صرف ارادہ ہی ظاہر نہ کیا بلکہ جب تک حضرت محدث سورتی وہاں موجود رہے پالکی پر سوار نہ ہوئے۔

ملک العلماء حیات اعلی حضرت میں تحریر فرماتے ہیں:

"محدث سورتی صاحب پیلی بھیت سے اکثر وبیشتر صبح کی گاڑی سے تشریف لاتے کہ دن بھر قیام کر کے شام کے وقت واپس ہو جائیں گے، اس کو اعلی حضرت کی کرامت کہیے یا حضرت محدث سورتی کا جذبۂ عقیدت و محبت، اکثر ایسا ہی اتفاق ہوتا کہ جس وقت حضرت محدث صاحب تشریف لاتے کسی نہ کسی ضرورت سے اعلی حضرت باہر ہی تشریف رکھتے اور آتے ہی ملاقات ہو جاتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت باہر نہیں ہوتے تو اطلاع ہونے پر باہر تشریف لاتے جس وقت ان دونوں کی نظریں دوچار ہوتیں پہلے مصافحہ ومعانقہ فرماتے اس کے بعد ایک دوسرے کی دست بوسی کرتے پھر دونوں حضرات سائبان میں قالین پر تشریف رکھتے پھر ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے بعد علمی باتیں شروع ہوتیں۔" (حیات اعلی حضرت:۱/۱۳۴)

قارئین کرام! ملاحظہ کیجیے کہ امام احمد رضا اپنے وقت کے امام اور محدث ہیں ان کے علم کا چرچا دور دور تک پھیل چکا ہے لیکن محدث سورتی سے ملاقات کے لیے گھر سے باہر تشریف لا رہے ہیں اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کی دست بوسی بھی فرما رہے ہیں، اعلی حضرت کا یہ عمل صرف لائق دید ہی نہیں بلکہ قابل تقلید ہے۔

تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی کا احترام:

حضرت مولانا سید شاہ اسماعیل حسن میاں کا بیان ہے کہ مولانا احمد رضا صاحب جس قدر کفار و مرتدین پر سخت تھے اسی درجہ علمائے اہل سنت کے لیے ابر کرم بلکہ سراپا کرم تھے، جب کسی سنی عالم سے ملاقات ہوتی دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے، اور ان کی ایسی عزت و قدر کرتے کہ وہ اپنے کو اس کا اہل نہ خیال کرتے، خصوصا مولانا عبد القادر صاحب کی۔ اعلیٰ حضرت مولانا عبد القادر کو اپنا بڑا بھائی جانتے تھے، ان کے اعزاز و اکرام میں مافوق العادت کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرماتے، حتیٰ کہ ان کے سامنے حقہ نہ پیتے، پان نہ کھاتے۔

علامہ ظفر الدین کا بیان ہے کہ جس زمانے میں قصیدہ آمال الابرار وآلام الاشرار "اعلیٰ حضرت کو سنایا کرتا تھا جب اس شعر پر پہونچا:

إذا حَلّوا تمصَّرتِ الضَیافِي وحینَ ترحَّلوا الأمصار بِیدٗ

(جب وہ تشریف فرما ہوتے تو ویرانہ شہر بن جاتا ہے اور جب وہ کوچ کرتے ہیں تو شہر ویران ہوجاتا ہے)

میں نے عرض کیا کہ یہ تو محض شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے اعلیٰ حضرت نے فرمایا نہیں بلکہ واقعہ اور حقیقت یہی ہے۔ حضرت تاج الفحول مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہی شان ہے کہ جب وہ یہاں فروکش ہوتے عجیب رونق اور چہل پہل ہوجاتی، در و دیوار روشن ہوتے، انوار و برکات کی بارش ہوتی اور جب واپس تشریف لے جاتے گھر کے سب لوگ، محلہ والے سب کے سب رہتے لیکن عجیب اداسی اور ویرانی چھاجاتی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۹۲)

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کا احترام:

اپنے وقت کے ولی کامل اعلیٰ حضرت مولانا شاہ سید علی حسین اشرفی میاں کا امام احمد رضا بہت ادب واحترام کیا کرتے تھے علامہ تقدس علی خان کا بیان ہے:

"حضرت مولانا شاہ سید علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہ اکثر و بیشتر بریلی شریف اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت ان کا بہت ہی ادب واحترام کرتے، دونوں ایک دوسرے کی دست بوسی فرماتے، اعلیٰ حضرت جس مسند پر تشریف فرما ہوتے اس پر کسی کو نہیں بٹھاتے تھے لیکن ایک بار میری موجودگی میں حضور اشرفی میاں اعلیٰ حضرت سے ملنے تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت نے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا۔" (تجلیات امام احمد رضا، ص:۱۳۱، برکاتی پبلشرز)

امام احمد رضا کی تحریر میں احترام علما:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی شخصیت کے لیے اچھے اور بڑے القاب استعمال کرنا اس شخصیت کے ادب واحترام اور ان سے عقیدت و محبت کی بنیاد پر ہوتا ہے کسی شخصیت کی تعظیم و توقیر کا مطلب ہی یہی ہے کہ جب انہیں یاد کیا جائے تو ان کے لیے اچھے القاب و آداب لائے جائیں، اگر ان کی کسی بات سے نا اتفاقی اور اختلاف ہو تو اپنے اختلاف کے بیان و اثبات میں شائستہ انداز اپنایا جائے، اعلیٰ حضرت کی تحریر میں احترام علما کے جو نظارے پیش کیے جائیں گے وہ اسی قبیل سے ہوں گے۔

علامہ فضل رسول بدایونی کا احترام:

امام احمد رضا خان نے سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی کی کتاب "المعتقد المنتقد" کا حاشیہ تحریر فرمایا ہے اسی کتاب کے خطبۃ الشرح میں تحریر فرماتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"بعد حمد وصلوۃ کتاب مستطاب المعتقد المنتقد تصنیف خاتم المحققین، عمدۃ المتّقین، شمشیر اسلام، شیر سنت، ماحی ظلمت گمراہی کے دروازے بند کرنے والے، جلالت اور عظمت والے، ہمارے مولی، حق کی شمشیر بے نیام، معین الحق فضل رسول سنی حنفی قادری برکاتی عثمانی بدایونی، اللہ ان کا مقام بلندی والی جنتوں میں بلند فرمائے اور ان کو کامل جزائے خیر، اسلام و مسلمین کی طرف سے دے۔"

علامہ وصی احمد محدث سورتی کا احترام: اعلیٰ حضرت آپ کو جب بھی یاد فرماتے تو بڑے ہی القاب و آداب کے ساتھ آپ کا نام لیتے اس کی صرف ایک مثال حاضر خدمت ہے چنانچہ "المستند المعتمد" میں تحریر فرماتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

اور میں اس پورے کام یا اکثر سے ایسے شغل میں رہا جو مجھے مشغول کیے ہوئے ہے یہاں تک کہ اوائل کتاب کے کچھ اجزا چھپ گئے تو ان کی طرف شیر سنت مانع ضلالت، کنز الکرامۃ، جبل الاستقامۃ، ہمارے یکتا دوست، شیر ثابت قدم، اسد اسد، ارشد ارشد مولانا مولوی وصی احمد حسنی حنفی محدث سورتی نے اس امر کا مجھے مشورہ دیا اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو حسن استقامت کے ساتھ ثابت قدم رکھے اور ہم سب کو پلٹنے اور ذلت سے محفوظ رکھے اور میری اور ان کی تلوار ہر شیطان پر چلا دے۔

علامہ نقی علی خان کا احترام:

امام احمد رضا نے اپنے والد گرامی علامہ نقی علی کی کتاب مستطاب ''اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد و القیام'' پر تقریظ لکھی اور انھیں ان القاب سے یاد کیا:

''دلائل متکاثرہ بہ حجج باہرہ وبراہین قاہرہ قرآن وحدیث واصول وقواعد شرع اس امر پر قائم ہیں جن کی تفصیل وتوضیح اور شبہات سامعین کی تذلیل و تفضیح بر طرز بدیع ونہج نجیح حضرت حجۃ الخلف بقیۃ السلف تاج العلما رأس الکملا سیدی و مولائی والد ماجد مولانا محمد نقی علی خان صاحب قادری برکاتی احمدی قدس اللہ سرہ الزکی نے رسالہ مستطاب ''اذاقۃ الاثام لمانعي عمل المولد و القیام'' میں بمالا مزید علیہ بیان فرمائی۔'' (تقاریظ امام احمد رضا، ص:۸۲)

''جواھر البیان فی أسرار الأرکان''میں حالات مصنف میں لکھتے ہیں :

وہ جناب فضائل مآب تاج العلما، راس الفضلا، حامی سنت، ماحی بدعت، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف رضی اللہ عنہ وارضاہ وفی اعلی غرف الجنان بواہ۔ (تقاریظ امام احمد رضا، ص:۱۶۲)

قاضی عبدالوحید فردوسی کا احترام:

امام احمد رضا قدس سرہ نے قاضی عبدالوحید فردوسی کو ان القاب سے یاد کیا:

''توجب جب راہ استقامت میں دشواری آتی تو امداد کرتے اور اس دشواری کو روکنے کا سامان تیار رکھتے اور وہ ہیں وحید عصر، نادر روزگار، حامی سنن، ماحی فتن مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی (اللہ ان کو ہمیشہ رکھے اور قوت واحسانات سے ان کی تائید فرمائے) اور اس کتاب کی تصحیح اس ناتواں بندے کو سونپی تو مجھے نہ بن پڑا سوائے اس کے کہ ان کا حکم عالی بجالاؤں یہ اس وجہ سے کہ دین میں میں نے ان کی سعی محمود دیکھی اور ایمان کے ہر گوشے کی حفاظت میں ان کی شدت اہتمام کو ملاحظہ کیا۔''

اسی طرح اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:''حامی سنن، ماحی فتن، ندوہ شکن، ندوی فگن، وحید زمن، صین عن الفتن وحوادث الزمن آمین یاذا المنن۔ (کلیات مکاتیب رضا دوم، صابریہ برکات رضا کلیر شریف، ص:۴۴)

مفتی سلامت اللہ رام پوری کا احترام:

مفتی سلامت اللہ رام پوری اپنے وقت کے ایک بلند پایہ مفتی تھے آپ کی تصنیف ''اللؤلؤ المکنون'' پر اعلی حضرت نے تقریظ رقم فرمائی جس میں آپ کو مندرجہ ذیل بڑے آداب و القاب سے نوازا: ''فقیر غفرلہ المولی القدیر نے الفاضل الکامل، زبدۃ الافاضل، حامی السنن، ماحی الفتن، ذی الفضل والجاہ، ابی الذکاء سراج الدین

شاہ محمد سلامت اللہ سلمہ اللہ وکرمہ اللہ کا رسالہ "اللؤلؤ المکنون" مطالعہ کیا فجزاہ اللہ خیراً کثیراً علی مانوی من تحفظ الدین، "(ایضا:۱۰۹)

مفتی عمرالدین ہزاروی کا احترام:

مفتی عمرالدین ہزاروی اپنے وقت کے اکابر علما میں نمایاں تھے آپ کا علمی پایہ بہت بلند تھا آپ کی تصنیف "بدایة العھود إلی مسلة المفقود" پر اعلیٰ حضرت نے تقریظ میں آپ کو ان حوصلہ افزا اور دعائیہ کلمات کے ساتھ یاد کیا:

""فقیر غفرلہ المولی القدیر نے رسالہ "بدایۃ العہود الی مسئلۃ المفقود" مصنفہ مولانا و بالفضل اولانا حامی السنن، ماحی الفتن مولانا مولوی عمرالدین، جعلہ اللہ کاسمہ عمرالدین، وعمر بہ ربوع الدین المتین، آمین کا مطالعہ کیا۔"

شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی کا احترام:

امام احمد رضا خان کے دل میں شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بہت ادب و احترام تھا اسے جاننے کے لیے ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں جس کی ہر ہر سطر سے احترام و تعظیم کے جلوے نمایاں ہیں چنانچہ اعلیٰ حضرت نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا:

سلام مسنون، نیاز مشحون، ہدیہ مجلس ہمایوں

یہ سگ بارگاہ بے کس پناہ قادریت غفرلہ ایک ضروری دینی غرض کے لیے مکلف اوقات گرامی پرسوں روز سہ شنبہ شام کی ڈاک سے ایک رسالہ "القول الاظہر" مطبوعہ حیدر آباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احباب گرامی کا مراسلہ آیا جس کی لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے، یہ نسبت اگر درست نہیں تو نیاز مند کو مطلع فرمائیں، ورنہ طالب حق کو اس سے بہتر تحقیق کا کیا موقع ملے گا کہ کسی مسئلہ دینیہ شرعیہ میں انکشاف حق کے لیے نفوس کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں بفضلہ عزوجل ذات والا میں سب آشکارا ہیں، علم و فضل، انصاف و عدل، حق گوئی، حق جوئی، حق دوستی، حق پسندی بحمدہ تعالیٰ غلامی خاص بارگاہ بے کس پناہ قادریت جناب کو حاصل، اور فقیر کا منہ تو کیا قابل، ہاں سرکار کا کرم شامل۔"

اس اتحاد کے باعث حضرت کی جو محبت و وقعت قلب فقیر میں ہے مولیٰ عزوجل اور زائد کرے، یہ اور زیادہ امید بخش ہے اجازت عطا ہو کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے اور خالص کریمانہ جواب لے، یہاں تک کہ حق کا مالک واضح کرے، فقیر بارہا لکھ چکا اور اب لکھتا ہے کہ اگر اپنی غلطی ظاہر ہوئی بے تامل اعترافِ حق کرے گا، یہ امر جاہل متعصب کے نزدیک عار، مگر عند اللہ و عند العقل اعزاز و وقار ہے اور

حضرت تو ہر فضل کے خود اہل ہیں۔ للہ الحمد امید کہ ایک غلام قادری طالب حق کا یہ مامول حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے واسطے مقبول۔" (کلیات مکاتیب رضا، اول، ص:۱۰۶)

شاہ عبد السلام کا احترام:

اعلی حضرت نے آپ کو متعدّد خطوط لکھے چنانچہ ۴/ صفر المظفر ۱۳۲۶ھ میں اپنے ایک مکتوب میں لکھا:

"بگرامی ملاحظہ ذی الفضائل الانسیہ، والفواضل القدسیہ، المنزہ عن الرذائل الانسیہ، حامی السنن، ماحی الفتن الدنیہ مولانا وبالفضل اَولانا، مولوی شاہ عبد السلام صاحب سلمہ السلام الی المناقب وشامخ النواصب." (کلیات مکاتیب رضا، دوم، ص:۱۴)

۱۲/ شعبان المعظم ۱۳۲۶ھ کے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"بگرامی ملاحظہ مولانا المبجل المعظم المفخم ذی الفضل التام والفیض العام والعجز والاکرام مولانا مولوی شاہ عبد السلام دام مجدہ (کلیات مکاتیب رضا، دوم، ص:۱۶)

۴/ ربیع الاول کے مکتوب میں لکھتے ہیں: "بشرف ملاحظہ مولانا المبجل المعظم المفخم ذی المجد الاتم والکرم، حامی السنن السنیہ، ماحي الفتن الدنیہ، جامع الفضائل القدسیہ، قامع الرذائل الانسیہ، عضدی وانسی وبہجۃ نفسی جناب مولانا مولوی عبد السلام ادام اللہ تعالی برکاتہم، اعلی فی الدارین درجاتہم آمین۔" (ایضًا، ص:۲۷)

محدث سورتی کا احترام:

محدث سورتی کے نام لکھے گئے امام احمد رضا کے چند خطوط سے ذیل میں القاب وآداب ملاحظہ کریں اور اندازہ لگائیں کہ وقت کے مجدد کی نگاہ میں محدث سورتی علیہ الرحمہ کا مقام و مرتبہ کس قدر بلند تھا، چنانچہ ۲۸/ جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ کے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"بملاحظہ مولانا الاسد الاسدّ، الاسعد الاسعد الامجد الاوحد، مولانا محمد وصی احمد، محدث سورتی دامت برکاتہم"۔ (کلیات مکاتیب رضا، ص:۳۱۳)

اعلی حضرت اپنے ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں: سلام منی درحمۃ اللہ وبرکاتہ علی العالم الکامل، المحدث الفاضل، الفارق بین الحق والباطل، جبل الاستقامہ، ادامہ اللہ بالعزو الکرامہ، آمین " (تذکرہ محدث سورتی، ص۳۴۱)

اس کے علاوہ علماے سلاف کا ادب واحترام اعلی حضرت کی تصانیف میں جابجا ملتا ہے، استاذ گرامی صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کی کتاب "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت" میں اس کی متعدّد مثالیں ملتی ہیں۔

مولی تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اعلی حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور عشق رسول ﷺ

محترمہ محمودہ سبطینی
جامعہ ایوب نسواں، پپراکنک، کشی نگر

امام احمد رضا قدس سرہ کی ولادت ۱۰؍ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء بروز سنیچر بوقت ظہر محلہ جسولی شہر بریلی میں ہوئی۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی حب رسول اور تحفظ ناموس رسالت میں گزاری۔ اعلیٰ حضرت کا عشق و محبت دیکھنا ہو تو حدائق بخشش کا مطالعہ کیجیے۔ ہر ہر مصرع حب رسول کی گواہی دے رہا ہے۔

کہنے کو تو ہر شخص دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ سے سچا عشق ہے لیکن یاد رکھیے عشق و محبت کی کچھ نشانیاں اور کچھ علامتیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی میں وہ نشانیاں پائی جائیں تو سمجھ لیجیے کہ وہ سچا عاشق ہے آیئے ذرا دیکھیں کہ نبی پاک ﷺ سے عشق و محبت کی کون کون سی علامتیں اور نشانیاں ہیں۔ اور ان میں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی میں کتنی ملتی ہیں۔

محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ محب کو اپنے محبوب کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا حضرت امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ثوبان کے بارے میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم کے غلام تھے حضور ﷺ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ ان کے عشق کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک روز نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کا رنگ متغیّر تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تمھارا رنگ کیوں متغیّر ہو رہا ہے؟ عرض کرنے لگے مجھے نہ کوئی بیماری ہے اور نہ کوئی تکلیف بس آپ کو نہیں دیکھتا تو گھبرا جاتا ہوں اور جب آپ کی زیارت کر لیتا ہوں تو میری حالت ایک دم سنبھل جاتی ہے۔ آج جب مجھے خیال آیا کہ آخرت میں آپ جنت کے اعلیٰ درجوں پر ہوں گے میں نہ معلوم جنت میں جا سکوں گا یا نہیں اور اگر گیا بھی تو سب سے نچلے درجے میں ہوں گا اگر وہاں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا تو کیا کروں گا؟

اللہ تعالیٰ نے فوراً قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ من یطع اللہ والرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئك رفیقا (النساء، آیت ۶۹) نازل فرما کر اپنے محبوب کے ایسے عشاق کے لیے فرحت و محبت کا سامان فرما دیا اور یہ

خوش خبری سنادی کہ جو میرے محبوب کی اس دنیا میں اطاعت کرے گا وہ آخرت میں انھیں کے ساتھ رہے گا۔(الجامع لاحکام القرآن، ج۵، ص۲۴۱)

یہ عاشق رسول امام احمد رضا بھی اپنے محبوب کے دیدار کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ دوسری مرتبہ جب زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے مدینہ طیبہ میں میں حاضر ہوئے تو شوق دیدار میں مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر روتے ہوئے درود و سلام پیش کرتے ہیں اور یہ امید لگائے کھڑے رہے کہ آج حضور ﷺ ضرور نگاہ کرم فرمائیں گے اور اپنی زیارت سے ضرور مشرف فرمائیں گے۔ لیکن اس شب زیارت نہ ہوسکی، آپ کا دل بہت ٹوٹا اور اسی ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ایک نعت نبی ﷺ آپ نے لکھی اور اسی نعت کے مقطع میں اپنی قلبی آرزو پوری نہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے عجز وانکسار کے ساتھ درد بھرے انداز میں کہا:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا | تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ نعت لکھ کر مواجہہ شریف میں دست بستہ کھڑے رہے، آقا ﷺ کو اپنے عاشق کی یہ دل شکستگی گوارا نہ ہوئی پھر کرم فرمایا اور ایسا کرم فرمایا کہ عالم خواب میں نہیں بلکہ عالم مشاہدہ میں بچشم سر بیداری کی حالت میں اسی رات اپنی زیارت سے مشرف فرمایا اس طرح اس دل بے قرار کو چین آتا چلا گیا۔(جہان امام احمد رضا ج۱۸، ص۱۹۰،۱۹۱)۔

عشق و محبت کا ایک تقاضا ادب واحترام بھی ہوتا ہے۔ محب نہ صرف اپنے محبوب کی تعظیم و تکریم کرتا ہے بلکہ محبوب کو جس چیز سے ادنی سی نسبت اور تعلق ہو جائے محب کے لیے وہ شئے بھی لائق صد احترام ہو جاتی ہے۔

ذرا دیکھیے حضور ﷺ کے سچے عشاق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے ادب واحترام کی کیسی کیسی مثالیں قائم فرمائیں۔

عن أنس قال لقد رأيت رسول الله ﷺ والحلاق يحلقه واطاف به اصحابه فما يريدون ان تقع شعرة الا في يد رجل.(مسلم شریف ج۲، ص۲۵۶)

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ جب حضور ﷺ کا سر مونڈنے والا بال مونڈتا تو صحابہ کرام آپ ﷺ کے چاروں طرف کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کا کوئی بال مبارک ان کے ہاتھوں کے سوا کسی اور جگہ نہ گرنے پائے۔

قال ربيعة فرأيت شعرا من شعره فاذا هو احمر فسألت فقيل احمر من

الطیب. (صحیح البخاری ج ا، ص ۵۰۲ کتاب المناقب)

ترجمہ :۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کا ایک بال مبارک ایک صحابی کے پاس دیکھا کہ وہ سرخ رنگ کا تھا۔ میں نے اس کے سرخ ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس کو خوشبو لگا کر رکھتے ہیں اس لیے اس خوشبو کی وجہ سے یہ سرخ ہو گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ محبوب سے جس شئے کی نسبت ہو جائے عاشق اس کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی اپنے محبوب سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا کس طرح ادب و احترام کرتے تھے۔ سب سے پہلے مدینہ منورہ کو لیجیے اس عاشق کی نظر میں محبوب سے تعلق اور نسبت کی بنا پر اس پاک سرزمین کا یہ مقام تھا کہ:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جان نو یہ راہ جاں فزا مرے مولی کے در کی ہے

محبوب کا شہر تو عظیم ہے اس شہر سے آنے والے مسافروں کی تعظیم کا حال ملاحظہ فرمائیں:

اگر کوئی شخص حج کر کے واپس آتا تو آپ سب سے پہلے اس سے یہ پوچھتے کہ مدینہ شریف حاضری دی یا نہیں ؟ اگر وہ ہاں کر دیتا تو فوراً اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کر اس کے قدم چوم لیا کرتے تھے۔ کہ یہ وہ پیارے قدم ہیں جو میرے پیارے محبوب کے پیاری سرزمین کو چھو کر آئے ہیں۔ اور اگر کوئی نفی میں جواب دیتا تو پھر اس کی طرف کوئی التفات نہیں فرماتے تھے۔

آپ نبی کریم ﷺ کی آل (سید زادوں) کا بھی بڑا ادب و احترام کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ آپ کے عقیدت مند آپکو پالکی میں بٹھا کر کہیں لے جا رہے تھے ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ پالکی کے اندر سے آپ نے فرمایا کہ پالکی روکو! پالکی نیچے رکھ دی گئی آپ اضطراب کے عالم میں پالکی سے نیچے تشریف لے آئے اور کہاروں کو قریب بلا کر بھرائی ہوئی آواز میں ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں میں سے کوئی آل رسول ﷺ تو نہیں ہے ؟ جب کسی نے نہ بتایا تو آپ نے فرمایا میں تم سے تمھارے جد اعلی کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے صحیح جواب دو کیوں کہ میرے ایمان کا ذوق لطیف تن جاناں کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔ ان کہاروں میں سے ایک نے شرمندگی کے ساتھ کہا کہ حضور میں ہی اس چمن کا پھول ہوں جس کی خوشبو سے آپ کے مشام جاں معطر ہوئے ہیں۔ لیکن کیا کروں شرم کی وجہ سے بول نہیں پا رہا تھا۔ تنگ دستی سے تنگ آ کر یہ پیشہ اختیار کر لیا۔ اس

شہر میں نیا آیا ہوں میرے خاندان کے متعلق کسی کو علم نہیں تھا۔ اس پالکی کے ذریعہ روزی کما رہا ہوں یہ سنتے ہی آپ نے اپنی دستار مبارک اتار کر اس کہار سید زادے کے قدموں میں رکھ دی اور پر نم آنکھوں کے ساتھ اس سے التجا کرنے لگے کہ اے معزز شہزادے! میری غلطی معاف کر دیجیے، لاعلمی میں خطا سرزد ہو گئی غضب ہو گیا جن کے کفش پاکی خاک میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے ان کے کندھوں پر میں سواری کروں۔ قیامت کے دن اگر سرکار دو عالم ﷺ نے پوچھ لیا کہ اے رضا! کیا میرے فرزند کا دوش نازنین اسی لیے تھا؟ کہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے۔ تو میں کیا جواب دوں گا حاضرین عشق کی ناز برداریوں کا یہ رقت انگیز منظر دیکھ کر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس سید زادے کہار سے فرمایا اے شہزادے! میری ایک التجا قبول کر لیجیے کہ اب آپ پالکی میں بیٹھیں اور میں اپنے کاندھوں پر آپ کو اٹھاؤں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر اس سید زادے کو جنون عشق کی یہ ضد پوری کرنی پڑی اور دنیا نے دیکھا کہ اہل سنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنی عالمگیر شہرت و عزت کا سارا اعزاز اپنے محبوب کے لیے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہا تھا۔ کیوں کہ ان کا عقیدہ تھا۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا ۔۔۔ تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

اس عاشق رسول کا عقیدہ تھا کہ یوں تو ہر وہ شے جس کو سرکار دو عالم ﷺ سے نسبت ہو جائے وہ لائق تعظیم ہو جاتی ہے لیکن سادات کرام تو جز رسول ہونے کے باعث تعظیم و تکریم کے زیادہ لائق ہیں۔ (جہان امام احمد رضا ج ۱۸، ص ۱۹۷)

امام احمد رضا محدث بریلوی علم میں بحر قلزم، عمل میں ہمالہ اور عشق میں مقام سدرۃ المنتہی پر فائز تھے جن کے بارے میں محققین کی تحقیق کا عطر مجموعہ یہ ہے کہ ان کا خمیر علم و عمل اور عشق سے مرکب تھا جنہوں نے اپنی ولادت باسعادت کی تاریخ اس آیت کریمہ ''اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ'' سے استخراج فرمائی (یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی) جو اپنا جائزہ آپ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا: ''لا الہ الا اللہ'' اور دوسرے پر لکھا ہوگا ''محمد رسول اللہ''۔ (حیات اعلی حضرت ص ۱۰)

ان کے اس تصور عشق کی مختلف جہات اور گوناگوں کیفیات کو تلاش کریں۔ اور غور کریں کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے کہ ان کا دوست بھی انہیں عاشق رسول کہتا تھا اور ان کا دشمن بھی مگر پہلے اس دور کے پس منظر پر ایک نظر ڈال لیں تا کہ پیش منظر کا کوئی گوشہ اوجھل نہ رہ جائے ایک ایسے دور میں جس میں

لوگوں کے دلوں سے عظمت مصطفی ﷺ کا نقش کھرچ کر نکال دینے کی منظم تحریک چل رہی تھی ایک ایسے ماحول میں جس میں عشق مصطفی ﷺ کی شمع فروزاں کو بجھا دینے کے لیے من کے کالے اور تن کے اجلے انگریز اپنی پوری توانائیاں صرف کر رہے تھے۔ ایک ایسے زمانے میں جس میں حضور کے نام لیوا حضور کا نام لے لے کر ان کی رفعت کے شیش محل پر توہین و تحقیر کا پتھر چلا رہے تھے۔ ایسے دور میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ عظمت رسول کا پرچم بلند کرنے کے لیے کمر ہمت باندھتے ہیں۔

ایسے تیرہ و تاریک ماحول میں آپ عشق مصطفی ﷺ کا دفاعی مورچہ سنبھالتے ہیں ایسے زمانے میں آپ نے لوگوں کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت و صیانت کی ٹھان لی اور اس طرح تصورات مدینہ کے کیف و سرور سے قلب و جگر کو معمور کیا کہ آبادی کی آبادی بلکہ ملک کا ملک جھومنے لگا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ احسان عظیم ہم سب کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ انھوں نے دشمن رسول اور عاشق رسول کے مابین خط امتیاز کھینچ دیا۔ انھوں نے بے نور آنکھوں کو سرمہ عشق مصطفی پہنا کر بینا و منور کر دیا۔ انھوں نے ہر لمحہ عشق مصطفی کا درس دیا جن کی زندگی کی ہر گھڑی عشق مصطفی کا جام لٹانے میں گزری، جنھوں نے پوری ملت کے سینہ کو عشق مصطفی کا مدینہ بنا دیا اور ہم کو غلام مصطفی ﷺ بننے کا سلیقہ و طریقہ سکھایا اور انھیں کا ہو جانے، انھیں کا سننے اور انھیں کا گن گانے کا وہ نشہ پلایا کہ دیوانوں کی جماعت کارواں در کارواں سوئے کوئے جاناں روانہ ہو گئی۔ فرماتے ہیں:

کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے ہمارے درد جگر کی کوئی دوا نہ کرے

(حدائق بخشش)

نہ جانے وہ کون سی ساعت سعید تھی جس میں حضرت رضا محدث بریلوی نے اپنے واردات قلبی کو لفظوں کا پیرہن دے کر اشعار کے قالب میں ڈھالا تھا۔ ان کی پوری زندگی اس شعر کا منھ بولتا ثبوت معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ بات صداقت کا نور بن کر آپ کی حیات کے گوشے گوشے پر برس رہی ہے کیا خوب کہا ہے۔

انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

دنیا عاشقوں سے خالی نہ کل تھی نہ آج ہے ہر دور اور ہر زمانے میں ان آشفتہ حالوں شوریدہ سروں نے اپنی آہ سرد اور نفس گرم سے خزاں رسیدہ چمن کو غنچہ نو سے مرصع کیا "قال اللہ و قال الرسول" کی صداؤں سے بگڑے نصیب سنوارتے رہتے ہیں۔ ادب کے چراغ جلتے اور عظمت کے کنول کھلتے رہے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ وہ جیتے بھی تھے عشق مصطفی ﷺ میں اور مرتے بھی تھے عشق مصطفی ﷺ میں اس لیے وہ مر کر امر ہو جاتے تھے۔ وہ فنا ہو کر بقا کا جام پی لیتے تھے۔ عشق مصطفی ہی ان کے لیے داروئے شفا اکسیر

حیات تھا۔ سنیئے عاشق مصطفی کے دل کی آواز۔

جان ہے عشق مصطفی روز فزوں کرے خدا   جس کو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

اعلی حضرت کی شخصیت ایک عظیم شخصیت ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کسی فرد واحد کا نام نہیں ہے بلکہ بہت سی خوبیوں کا نام امام احمد رضا ہے۔ عاشق رسول، امام عشق و محبت سرکار اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی ہمارے اعلی حضرت ایسے عاشق مصطفی تھے جنہوں نے زندگی بھر اپنے آپ کو فخریہ عبد المصطفیٰ کہا۔ اللہ تعالی نے اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کو عشق و محبت کا مجسمہ بنایا تھا۔ آپ کی سوزش عشق کی آنچ جس طالب پر پڑ جاتی اس کا دل محبت رسول کا مدینہ بن جاتا استاد المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ ان کے شاگرد حضرت مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن مرادآبادی سے مرید ہیں لیکن آپ کو جتنی محبت اور عقیدت اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی سے ہے اتنی اور کسی سے نہیں اعلی حضرت کی یاد ان کا تذکرہ انکے علم و فضل کا خطبہ آپ کی زندگی کے لیے روح کا مقام رکھتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت محدث سورتی نے فرمایا: سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں جو میں نے مولوی احمد علی محشی بخاری سے پائی سب سے بڑی نعمت وہ بیعت بھی نہیں جو مجھے حضرت مولانا فضل الرحمن سے حاصل ہوئی بلکہ سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑی نعمت وہ ایمان ہے جس کو میں نے صرف اعلی حضرت سے پایا ہے میرے سینے میں پوری عظمت کے ساتھ مدینہ کو بسانے والے اعلی حضرت ہی ہیں۔ اس لیے ان کے تذکرے سے میری روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے میں ان کے ایک ایک کلمہ کو اپنے لیے مشعل راہ ہدایت جانتا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور کی کتابوں میں وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کے عقائد باطلہ کا رد ایسے سخت الفاظ میں ہوا کرتا ہے کہ آج کل جو تہذیب کے مدعی ہیں وہ چند سطریں دیکھتے ہی حضور کی کتابوں کو پھینک دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں گالیاں بھری ہیں اور اس طرح وہ حضور کے دلائل اور براہین کو بھی نہیں دیکھتے اور ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ لہذا حضور اگر نرمی اور خوش بیانی کے ساتھ وہابیوں اور دیوبندیوں کا رد فرمائیں تو نئی روشنی کے دلدادہ جو اخلاق و تہذیب والے کہلاتے ہیں وہ بھی حضور کی کتابوں کے مطالعہ سے مشرف ہوں اور حضور کے لاجواب دلائل دیکھ کر ہدایت پائیں۔ حضرت صدر الافاضل کی یہ گفتگو سن کر اعلی حضرت محدث بریلوی آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: مولانا تمنا تو یہ تھی کہ احمد رضا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور احمد رضا کے آقا و مولی

ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی گردنیں ہوتیں اور اپنے ہاتھ سے ان گستاخوں کا سر قلم کرتا۔ لیکن تلوار سے کام لینا تو اپنے اختیار میں نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے قلم عطا فرمایا ہے تو میں قلم سے سختی اور شدت کے ساتھ ان بے دینوں کا رد اس لیے کرتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں بدزبانی کرنے والوں کو اپنے خلاف شدید رد دیکھ کر مجھ پر غصہ آئے پھر جل بھن کر مجھے گالیاں دینے لگیں اور میرے آقا و مولی ﷺ کی شان میں گالیاں بکنا بھول جائیں اس طرح میری اور میرے آبا و اجداد کی عزت و آبرو حضور ﷺ کی عظمت کے لیے سپر ہو جائے۔ (ترجمان اہل سنت شمارہ پنجم تا دہم ص ۹۳)

میرے آقا اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ عشق مصطفی ﷺ کا سرتاپا نمونہ تھے۔ آپ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اس امر کا شاہد ہے آپ کے قلم بلکہ قلب کی گہرائی سے نکلا ہوا ہر مصرع مصطفی جان رحمت ﷺ سے آپ کی بے پایاں عقیدت و محبت کی سے لبریز ہے۔ آپ نے کبھی کسی دنیوی تاجدار کی خوشامد کے لیے قصیدہ نہیں لکھا، اس لیے کہ آپ نے حضور تاجدار ﷺ کی اطاعت و غلامی کو دل و جان سے قبول کر لیا تھا۔ ایک مرتبہ رسالت نان پارہ (ضلع بہرائچ یوپی) کے نواب کی مدح (تعریف) میں شعرا نے قصائد لکھے کچھ لوگوں نے آپ سے بھی گزارش کی کہ حضرت آپ بھی نواب صاحب مدح میں کوئی قصیدہ لکھ دیں۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک نعت شریف لکھی جس کا مطلع یہ ہے

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور مقطع میں نان پارہ کی بندش کتنے لطیف اشارے سے ادا کرتے ہیں۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین ''پارۂ ناں'' نہیں

یعنی فرماتے ہیں میں اہل دولت و ثروت کی مدح سرائی (تعریف) کیوں کروں! میں تو اپنے آقائے کریم، رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے در کا فقیر ہوں۔ میرا دین پارۂ ناں (روٹی کا ٹکڑا) نہیں جس کے لیے مالداروں کی خوشامد کرتا پھروں۔

رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ ہم سب کے دلوں میں اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دے اور تمام بزرگان دین بالخصوص امام اہل سنت کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و أصحابہ اجمعین۔

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا: سائنس اور ایمانیات

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
جنرل سکریٹری ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

امام احمد رضا خاں محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت آیت ذیل کی تفسیر اور مظہر تھی:

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔ اے رب ہمارے تونے یہ بے کار نہ بنایا۔ پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱، ترجمہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ساری زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس کا ذکروفکر ان چاروں طریقوں سے کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی ۱۹۱ر ویں آیت کریمہ میں بیان کیا ہے۔ یہ چار طریقے مندرجہ ذیل ہیں۔

آپ نماز کی ادائیگی کے وقت اپنے رب کا ذکر کھڑے ہوکر کرتے۔

آپ جب دارالافتا میں قیام فرماتے تو اس وقت تمام فتاویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرماتے، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بغیر تدبر وفکر کے فتوی نویسی ممکن نہیں۔ فتویٰ نویسی کے وقت آپ ہر کتاب کو کھول کر نہیں دیکھتے تھے؛ کیوں کہ فقہی مآخذ کی بیش تر عبارتیں عموماً آپ کے ذہن میں مستحضر رہتی تھیں۔

جب آپ روزانہ صرف دو گھنٹے آرام اور سونے کی خاطر اپنے بستر پر لیٹتے تو اس وقت بھی آیات قرآنی کی تلاوت اور درود شریف کا ورد کرتے ہوئے سونے کی کوشش کرتے۔ بستر پر آپ داہنی کروٹ لیٹتے، دایاں ہاتھ رُخسار کے نیچے عین سُنّت کے مطابق رکھتے اور بقیہ جسم کو اس طرح سمیٹتے کہ دور سے یا اوپر سے دیکھنے والے کو اسم ''محمد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عکس محسوس ہوتا گویا وہ جاگتے، سوتے اپنے خالق ومالک کی عبادت اور ذکر میں ہمہ وقت مشغول رہتے۔

آپ کا قلم جب فتویٰ نویسی سے فارغ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جو غور وفکر کے باعث سامنے آتیں

اور قلب پر اس کی تجلیات محسوس ہوتیں ان کو قلم بند کر لیتے، یعنی غور و فکر کے بعد قانونِ فطرت اور کرشمۂ قدرت کو مختلف علوم اور فنون کے عنوانات کے تحت عربی، فارسی اور اردو زبان کے مقالات اور تصنیفات کی شکل میں محفوظ فرما لیتے۔

الغرض! آپ کے اس چوتھے طریقۂ عبادت اور وظیفۂ ذکر و فکر کے باعث کثیر سائنسی تصنیفات منصہ شہود پر آئیں، ان ہی میں علم صوتیات سے متعلق بھی ایک معرکۃ الآرا تصنیف "الکشف شافیا حکم فونو جرافیا" ہے جو ۱۳۲۸ھ/۱۹۰۹ء میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمائی۔ اس تصنیف میں فقہی جزئیات کے علاوہ علم صوتیات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

حیران کن امر یہ ہے کہ آج سے ایک صدی قبل یہ مسلمان سائنس داں بریلی شریف کی سرزمین پر فتاویٰ نویسی کے علاوہ وہ سب کچھ جانتا تھا جو کسی زمانے کا ایک ماہر علم صوتیات جان سکتا ہے۔ یہ فقیہ اسلام صرف علوم دینی ہی نہ جانتا تھا بلکہ دیگر تمام سائنسی علوم کی طرح وہ علم صوتیات کے علم سے بھی مکمل باخبر تھا اور اس پر مکمل دست رس رکھتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ آواز کی لہریں کیا ہوتی ہیں؟ یہ آواز کی لہریں ہمیں کیوں کر سنائی دیتی ہیں؟ یہ کچھ دور جا کر کیوں ختم ہو جاتی ہیں؟ یہ تیز ہوا میں کیوں کر تیز چلتی ہیں؟ کیوں، کب اور کیسے ان آواز کی لہروں کی رفتار کم ہو جاتی ہے؟ ان لہروں کو کون سے عناصر دور تک لے جاتے ہیں، یعنی آواز دور تک کیسے پہنچتی ہے؟ فضا میں لہریں کیوں کر محفوظ ہو جاتی ہیں اور ان کو کس طرح ریکارڈ کیا جاتا ہے؟ ساتھ ہی فضا میں ان لہروں میں محفوظ الفاظ سے متعلق احادیث کی روشنی میں ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اچھے الفاظ کی لہریں قیامت تک اس شخص کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتی رہیں گی، چناں چہ آپ رقم طراز ہیں:

"واقع میں تمام الفاظ جملہ اصوات بجائے خود محفوظ ہیں۔ وہ بھی امم مخلوقہ سے ایک امت ہیں کہ اپنے رب جل وعلا کی تسبیح کرتے ہیں، کلمات ایمان تسبیح رحمٰن کے ساتھ اپنے قائل کے لیے استغفار بھی کرتے ہیں اور کلماتِ کفر تسبیح الٰہی کے ساتھ اپنے قائل پر لعنت،" کما صرح به امام اهل الحقائق سیدی الشیخ الاکبر رضی الله تعالیٰ عنه و الشیخ العارف بالله تعالیٰ سیدی الامام عبدالوهاب الشعرانی قدس سرهٗ الربانی"۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص ۱۴۲، مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ النحل کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا بھی مصداق بنایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: "تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔" (سورۃ النحل: آیت ۴۳، کنزالایمان)

قرآن کریم کے حروف کے حافظ کو حافظ القرآن کہا جاتا ہے جو کہ ہر زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں دنیا میں رہیں گے۔ قرآنی حروف اور الفاظ کی حقانیت اور معنویت جاننے والے کو قرآن نے "أهل الذكر" قرار دیا ہے۔ ان اہل الذکر کی بہت ساری اقسام بیان کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً:

پہلی قسم: وہ لوگ جو ایک مخصوص شعبہ علم کے کچھ حصے کو جانتے ہیں، اس کے علاوہ دیگر علوم کو نہیں جانتے۔ مثلاً ایک نیورو سرجن دماغ کے علاوہ اور اعضا کا آپریشن نہیں کرسکتا اور دینی علوم سے نابلد ہوتا ہے۔

دوسری قسم: بعض حضرات ایک مخصوص علم پر بھرپور دست رس رکھتے ہیں مگر دیگر علوم کو وہ سرسری جانتے ہیں۔ مثلاً علم کیمیا کا ماہر ہے مگر بایولوجیکل سائنس وہ نہیں جانتا اور علوم دینی سے بالکل غافل۔

تیسری قسم: چند مختلف علوم میں اچھی دست رس رکھتے ہیں۔

چوتھی قسم: دینی علوم سے بعض میں دست رس ہوتی ہے اور دنیاوی علوم سے بالکل ناواقفیت۔

پانچویں قسم: اکثر دینی علوم پر دست رس مگر دنیاوی علوم سے زیادہ تر ناواقفیت۔

چھٹی قسم: اکثر دینی علوم پر دست رس اور چند دنیاوی علوم سے بھی اچھی آگاہی۔

اس طرح کئی اقسام کی جاسکتی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق "اہل الذکر" میں شمار کیا جاسکتا ہے اور لوگ اپنی حاجت روائی کے لیے مخصوص لوگوں کے پاس جاکر اپنے مسائل کا حل حاصل کرسکتے ہیں، مگر ایسے اشخاص دنیا میں کم ملتے ہیں جو اس آیت کریمہ کی مکمل اور جامع تفسیر بن جائیں۔ ایسی خصوصیات بے شک ہر زمانے میں انبیاے کرام علیہم السلام کو حاصل رہیں کہ ہر نبی اپنے زمانے اور وقت میں اہل الذکر ہوتا کہ اس زمانے کے لوگ جس قسم کی معلومات چاہتے وہ نبی ان کو اللہ کی دی ہوئی توفیق اور عطا سے اس کو دیتا۔ ہر زمانے میں نبی کو امتیوں کے مقابلے میں مکمل علم اور اس زمانے کے تمام علوم کا حامل بنایا گیا۔

ہمارے پیارے نبی الانبیا علیہ السلام کو کل کائنات کا علم اس لیے عطا ہوا کہ آپ کُل کائنات کے نبی تھے اور ہیں لہٰذا جس نے جو سوال کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا کامل جواب عطا فرمایا۔ ان علوم کی تصدیق قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت ربانی سے ہوتی ہے:

ترجمہ: "اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔"

(سورۃ النسا: آیت ۱۱۳)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت قیامت تک کے لیے ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری طور پر پردہ فرما کر دوسرے عالم یا عالم برزخ کو رونق بخش رہے ہیں اس لیے دنیا میں قیامت تک علمائے ربانیین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری نمائندہ خاص اور آپ کے نائب کی حیثیت سے ''اہل الذکر'' کے منصب کو پورا کرتے رہیں گے جو درحقیقت حضور کے ہی فیض و کرم سے اس منصب پر فائز ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہر زمانے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائبین کو جن کو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے مثل انبیا قرار دیا ہے۔ اپنے اپنے زمانے کے تمام علوم و فنون میں یکتائے روزگار بناتا ہے، تاکہ جب کوئی امتی کسی بھی علم و فن پر ان سے سوال کرے تو وہ اس سوال کا اطمینان بخش جواب دیں ورنہ قرآن کریم کی تعلیمات پر حرف آئے گا کہ یہ قرآن فلاں علم کی تعلیم نہیں دیتا یا یہ قرآن فلاں علم کی طرف رہنمائی نہیں کرتا جب کہ اسی قرآن کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمھاری طرف اتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں۔'' (سورۃ ص: آیت ۲۹)

دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے:

ترجمہ: ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو۔'' (سورۃ الرعد: آیت ۳)

ایسی عبقری شخصیت، نائب رسول اور ''فسئلوا أهل الذكر'' کی جامع تفسیر امام احمد رضا محدث بریلوی کی شکل میں ملتی ہے جنھوں نے مسلسل ۵۵ رسال اس زمانے کے تمام علوم و فنون کے سوالات کے جوابات اس علم کی اصطلاحات کے ساتھ اور بھرپور دلائل کے ساتھ دیے۔

اسلام کے ۱۴ ر سو طویل دورانیہ میں امام احمد رضا جیسے مسلم مدبر و مفکر ہر زمانے میں موجود رہے ہیں، جنھوں نے ہمیشہ قرآن اور احادیث کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں سے لوگوں کو آگاہ رکھا اور ان اہلِ اسلام کے فرزندوں نے اسی قرآن و حدیث نبوی میں غور و فکر کرتے ہوئے ہر زمانے میں لوگوں کی رہنمائی کی ہے۔ امام احمد رضا پچھلی صدیوں کے ایک ایسے نام ور مفکر و مدبر ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیۂ علم نافع کے جوہر دکھائے اور ہر علم و فن میں مستند تحریریں قلم بند فرمائی ہیں، جس کی مثال برصغیر پاک و ہند میں ناپید ہے۔ برصغیر میں علوم دینیہ کے بے شمار علما ہر زمانے میں موجود رہے، مگر اکثریت علوم دنیاوی میں دست رس نہ رکھتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو دونوں علوم

پر کامل دست رس دی تھی۔

راقم یہاں نہ تو امام احمد رضا کے ۷۰ر سے زائد علوم و فنون کی فہرست پیش کر رہا ہے اور نہ ہی ان کی سیکڑوں کتابوں اور رسائل کی فہرست قلم بند کر رہا ہے کہ پڑھنے والے کو یہ گمان ہونے لگے کہ لکھنے والا تعریف و توصیف میں بہت زیادہ غلو سے کام لے رہا ہے۔

لیکن راقم مطالعہ سے شوق رکھنے والوں کو اس بات کی دعوتِ فکر ضرور دے رہا ہے کہ وہ امام احمد رضا کے ''فتاویٰ رضویہ'' جو ۱۲ر مجلدات پر مشتمل ہے اور مع ترجمہ و تخریج ۳۰ر جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اس کی کسی ایک ہی جلد کا مطالعہ کریں تو قاری کو راقم کے دعوے کی صداقت کا اعتراف ہو جائے گا۔ احقر یقین سے یہ بات کہہ رہا ہے کہ مطالعہ کرنے والا فتاویٰ رضویہ کی ہر جلد میں ان گنت علوم کی فہرست مرتب کرتا چلا جائے گا اور پھر خود اس حقیقت تک پہنچ جائے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے امام احمد رضا کو دینی علوم پر دست رس کے ساتھ ساتھ تمام دنیاوی علوم و فنون پر بھی کامل دست رس عطا کی تھی۔

مسلمان سائنس دانوں کی فہرست بہت لمبی ہے لیکن امام احمد رضا خاں محدث بریلوی ایک منفرد سائنس داں ہیں۔ وہ جب بھی کسی دنیاوی یا سائنسی علم پر بحث کرتے ہیں تو اس بحث کے شروع یا آخر میں یا جہاں مناسب سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان اور یقین کا اظہار بھی ضرور کرتے ہیں اور وہ قاری کو اس بات کی طرف ضرور توجہ دلاتے ہیں کہ نظامِ فطرت (سائنسی قانون) ایک طرف اور اللہ کی قدرت ایک طرف اور وہ ہی مقدم کہ وہ خالقِ کل اور مالکِ حقیقی ہے۔

اگرچہ کائنات کا سارا سسٹم ایک فطرت کے تحت رواں دواں ہے، اور عموماً اپنی فطرت کے مطابق چلتا بھی رہے گا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہر آن اس سسٹم پر فوقیت رکھتی ہے اور ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کی قدرت پر ایمان ضرور رکھے۔ یہاں مختصراً امام احمد رضا کی دنیاوی علوم پر ایک بحث کا حصہ ملاحظہ کیجیے جس میں ایک طرف قانونِ فطرت بتا رہے ہیں تو دوسری طرف اللہ کی قدرت کی فوقیت کو ظاہر کر رہے ہیں اور یقیناً ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا بھی یہی ہونا چاہیے۔

امام احمد رضا 'فتاویٰ رضویہ' جلد اول میں ایک مقام پر پانی کی رنگت پر بحث کرتے ہوئے آبی بخارات (Water Vapors) کے اجزا کے متعلق بتاتے ہیں کہ یہ اجزا کیوں کر بادلوں (Clouds) کی صورت میں نظر آتے ہیں اور برف کے اجزا اگرچہ پانی کے اجزا سے باریک ہیں مگر کیوں کر برف اوپر سے نیچے گرتی ہے؟ بحث ملاحظہ کیجیے:

’’شرح مواقف‘‘ میں علوم بالحس کی بحث میں موجود ہے کہ برف شفاف اجزا(Transparent Particles)کا مرکب ہے،اس کا کوئی رنگ نہیں بلکہ وہ پانی کے باریک اجزا(Fine Particles)ہیں۔ پانی کے رنگ کی نفی میں یہ عبارت ظاہر ہے۔ اگر تم کہو تو ہو سکتا ہے کہ اجزا کے باریک ہونے کی وجہ سے رنگ ظاہر نہ ہوتا ہو۔ (اقول) میں کہتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں، کیوں کہ آپ دیکھتے ہیں کہ بادل کے بخارات میں رنگ ظاہر ہوتا ہے اور یہ رنگ پانی کے اجزا کا رنگ ہے، حالاں کہ یہ اجزا برف کے اجزا سے بھی زیادہ باریک ہیں، یہی وجہ ہے کہ برف اوپر سے گرتی ہے اور بخارات اوپر کو اٹھتے ہیں اور باریک ذرہ اگر علیٰحدہ ہو تو وہ نظر نہیں آتا تو اس کا رنگ کیسے نظر آئے گا؟ اور چھوٹے اجزا جب جمع ہوں تو نظر آتے ہیں تو ان کا رنگ بھی نظر آئے گا۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد اول، صفحہ ۵۴۷، مطبوعہ کراچی)

آگے چل کر مزید تفصیل میں جاتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اگر تم کہو کہ جسم کیسے دکھائی دیتا ہے جب کہ اجزا تو نظر نہیں آتے۔ تو اولاً میں کہتا ہوں کہ نگاہِ انسانی فطری طور پر انتہائی باریک چیز کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے جب کہ وہ چیز منفرد(Single Particle)ہو لیکن اگر اس چیز کے ساتھ اس کی متعدّد امثال مجتمع ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ جیسے سفید بیل کی جلد پر سوئی کے سر کے برابر سیاہ نقطہ(Fine Black Spot)دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر متعدّد سیاہ نقطے مجتمع ہوں تو نظر آنے لگتا ہے۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد دوم، صفحہ ۱۷۳، مطبوعہ لاہور)

اس انتہائی تفصیلی بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں قدرتِ خداوندی پر اپنے ایمان وایقان کا اظہار فرماتے ہیں:

’’دلیل فلاسفہ کے مذہب کے مطابق اگر مان لیں فبہا، وگرنہ ہماری دلیل ایمان یہ ہے کہ نگاہیں اور تمام چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارادے کے تابع ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ایک اندھا تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کی آنکھ کو دیکھ سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو دن کی روشنی میں فلک بوس پہاڑ سے نیلگوں آسمان کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ چوں کہ اس نے چاہا کہ اجزا انفرادی طور پر نظر نہ آئیں اور جب مجتمع ہوں تو نظر آنے لگیں لہٰذا جیسا اس نے چاہا ویسا ہی واقع ہوا۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد دوم، صفحہ ۱۷۵، مطبوعہ لاہور)

امام احمد رضا کی علم صوتیات پر دست رس کا ڈیرہ غازی خاں کے اسکالر اور رضا اسلامک سینٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد مالک نے تفصیل سے جائزہ لیا اور ایک کتاب ’’امام احمد رضا اور علم صوتیات‘‘ کے نام سے ترتیب دی ہے۔ (یہ کتاب رضا اکیڈمی ممبئی وادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔)

اس کتاب میں آپ نے جدید ٹیلی کمیونی کیشن سسٹم کو امام احمد رضا کے بتائے ہوئے قوانین سے تقابل

کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں امام احمد رضا کی علم صوتیات پر مکمل گرفت ثابت کی ہے۔

مثلاً امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک صدی قبل ۱۳۲۸ھ/۱۹۰۹ء میں اپنے رسالے "الکشف شافیا حکم فونو جرافیا" میں اپنے مشاہدات کی بنا پر فکر انگیز تحقیق پیش کی۔

"عالم اسباب میں حدوثِ آواز کا سبب عادی یا قرع (Strikes/Collides) وقلع (Seprate) ہے اور اس کے سننے کا وہ تموج و تجدد (Renwed undualation) وقرع تا ہوائے جوف سمع (کان) ہے۔

متحرکِ اوّل کے قرع سے ملاء مجاور میں جو شکل وکیفیت مخصوصہ بنی تھی، کہ شکل حرفی ہوئی تو وہی الفاظ وکلمات تھے ورنہ اور قسم کی آواز کے ساتھ قرع نے بوجہ لطافت اس مجاور کو جنبش (حرکت) بھی دی اس کی جنبش نے اپنے متّصل (Next) کو قرع کیا اور وہی ٹھپا (Harmonic Motion Ware) کہ اس میں بنا تھا اس میں اتر گیا، یوں ہی وہی آواز کی کاپیاں ہوتی چلی گئیں اگرچہ جتنا فصل (Distance) بڑھتا اور وسائط زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ تموج (Wave undualation) وقرع (Next Strike) میں ضعف آتا جاتا ہے اور ٹھپا ہلکا پڑتا ہے، لہٰذا دور کی آواز کم سنائی دیتی ہے اور حروف سمجھ میں نہیں آتے یہاں تک کہ ایک حد (Limit) پر تموج (Wave) ختم ہوجاتا ہے"۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص ۱۳، مطبوعہ کراچی)

جناب ڈاکٹر مالک رقم طراز ہیں کہ: ایشیائی مسلمان سائنس داں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۰ ربرس قبل اپنے تجربات و مشاہدات کی بنا پہ فکر انگیز تحقیق پیش کرکے عالمِ اسلام میں (بحیثیت مسلم سائنس داں) سبقت حاصل کرلی اور یہ تحقیق آج کل D.H.M. (Damped Harmonic Motion) کہلاتی ہے۔ مذکورہ بالا فکر انگیز تحقیق کی تشریح انگریزی زبان میں یوں کی جاسکتی ہے۔

"Sound waves travel in the medium in a fashion that a sound source procuce sound. The energy is taken by a molecule to molecule and it exhibits simple Harmonic Motion. These Molecules strike/collids with other molecules. The second molecule now collides with 3rd molecule or this process of collision carries on. Finally the molecule receives the energy released by the sourse of sound and transmits this energy to the sound detector which may be human ear.

In case of damped hormonic motion, actually the amplitude of the ascillation gradually decreases to zero, with the passage of thime, as a result of friction force. this motion is said to be damped motion by friction and is called damped Hormonic Motion".

(امام احمد رضا اور علم صوتیات، ص ۳۴، مطبوعہ: کراچی)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز علم کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے اتنے مخلص تھے کہ سائل سوال اگر تفصیل سے نہیں بھی کرتا یا سائل کے سوال میں اس علم کی تحقیق مدِ نظر نہ بھی ہوتی مگر امام احمد رضا اس سائل کے جواب میں آنے والے زمانے کے تشنہ لوگوں کی پیاس کا بندوبست فرما دیتے ہیں، اور یہ بھی ثابت کر دیتے ہیں کہ کسی بھی سوال کا جواب سوفی صد اس وقت ہی صحیح ہو سکتا ہے جب اس علم کو مفتی جانتا ہو۔ اگر مفتی اس علم کی گہرائی اور گیرائی سے واقف نہیں تو وہ سرسری جواب تو دے سکتا ہے مگر غلطی کا احتمال رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو ہر علم کی فہم عطا کی تھی لہٰذا اللہ کی اس عطا کا وہ بار ہا مظاہرہ قلم کے ذریعے فرماتے ہیں۔

مثلاً اب اگر مفتیانِ کرام سے یہ سوال کیا جائے کہ تیمم کے لیے کیا شرائط ہیں تو سب کا متفقہ جواب ہوگا کہ پتھر، مٹی، خاک۔ پھر وہ پتھروں کو گنوادیں گے کہ یہ پتھر ہے ان پتھروں سے تیمم ممکن ہے اور جو پتھر نہیں ان سے تیمم بھی نہیں ہے اور جب ایسا کوئی مسئلہ سامنے آیا کہ کوئی شے پتھر ہے یا نہیں تو عمومی فیصلہ یہ دیا جائے گا کہ اگر وہ نسل پتھر سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے تیمم جائز ہے ورنہ نہیں۔ مگر یہ جواب کوئی بھی نہ دے گا کہ وہ پتھر کیوں ہے اور کیوں نہیں۔ ہاں وہی مفتی جواب دے سکے گا جس کو پتھر بننے کے تمام عمل معلوم ہوں گے۔

امام احمد رضا ان ہی مفتیوں میں شامل ہیں جو پتھر کے بننے کے عمل سے بھی واقف ہیں چناں چہ مرجان یا مونگا جسے Coral بھی کہا جاتا ہے، امام احمد رضا نے طویل تحقیق کے بعد اس کو چٹان میں شامل کیا ہے۔ وہ اپنے رسالہ "المطر السعید علی نبت جنس الصعید" میں ایک جگہ محشی رملی کے جواز کا موقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مرجان مونگا دوسرے پتھروں کی طرح ایک پتھر ہے جو سمندر میں درختوں کی طرح بڑھتا ہے اس لیے عامۂ کتب میں جواز پر ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد ۳، ص ۶۸۶، مطبوعہ لاہور)

آگے مزید اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقول: اصحابِ احجار (ماہر حجریات) نے اس کے حجر (پتھر) ہونے کی تصریح کی اور اسے حجر شجری (Treelikestone) کہا نہ کہ شجرِ حجری (Stone Like Tree)۔" (ایضًا)

آگے چل کر جامع ابن بیطار کے حوالے سے ارسطو کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بُسَّذ (شاخ دار مونگا) اور مرجان (بغیر شاخ کا مونگا) ایک ہی پتھر کو کہتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مرجان اصل ہے اور بُسَّذ فرع۔ مرجان میں تخلخل (Rings) اور سوراخ (Cavity) ہوتے ہیں اور بُسَّذ درخت کی ڈالیوں کی طرح پھیلتا اور بڑھتا ہے اور ڈالیوں کی طرح اس میں شاخیں بھی نکلتی ہیں۔" (ایضًا)

امام احمد رضا مرجان کو پتھر کی قسم ہی سمجھتے ہیں اور اس کو سمندری چٹان کا حصہ قرار دیتے ہوئے جنسِ زمین قرار دیتے ہیں اور تیمم کو اس سے جائز سمجھتے ہیں، چناں چہ آپ کا حکمِ شرعی ہے:

"لاجرم اس سے جوازِ تیمم میں شک نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، ص۶۸۸، مطبوعہ لاہور)

اسی طرح جب ایک سائل نے ریاست رام پور محلہ چاہ شور سے ۱۲ر رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ میں سوال کیا کہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: "فونوگراف سے قرآن مجید سننا اور اس میں قرآن شریف کا بھرنا اور اس کام کی نوکری کر کے یا اجرت لے کر یا ویسے ہی اپنی تلاوت کا اس میں بھروانا جائز ہے یا نہیں اور اشعارِ حمد و نعت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور عورت کے ناچ گانے یا مزامیر کی آواز اس سے سننا بھی ایسا ہی حرام ہے جس طرح اس سے باہر سننا یا کیا؟ بینوا تو جروا۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۰، حصہ دوم، ص۱۱، مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا ایک مفتی کی حیثیت سے اس کا چار لائنوں میں بھی جواز یا عدم جواز کا فتویٰ دے دیتے لیکن آپ نے علم صوتیات کے ماہر کی حیثیت سے اس بات کا جائزہ لیا کہ آواز کی حقیقت کیا ہے اور یہ کس طرح فضا میں سفر کرتی ہے اور کانوں تک پہنچتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چناں چہ اس کا جواب رسالہ کی صورت میں دیا اس جواب کا خلاصہ ملاحظہ کیجیے:

"یہاں ہمیں دو باتیں بیان کرنی ہیں ایک یہ کہ فونوگراف (Gramophone) سے جو آواز آتی ہے وہ بعینہٖ (Same) اس آواز کنندہ کی ہوتی ہے جس کی صوت (آواز) اس میں بھری ہے۔ قاری ہو، خواہ متکلّم، خواہ آلۂ طرب وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ بذریعہ تلاوت جو اس میں ودیعت ہوا پھر بہ تحریکِ آلہ (Instrument) جو اس سے ادا ہو گا سنا یا جائے گا۔ حقیقتاً قرآنِ عظیم ہی ہے۔ اب ہم ان دعووں کو دو

مقدموں میں روشن کریں گے۔ و باللہ التوفیق۔"

مقدمۂ اولیٰ کا بیان ان امور کی تحقیق چاہتا ہے:

(۱) آواز کیا چیز ہے؟ (۲) کیوں کر پیدا ہوتی ہے؟ (۳) کیوں کر سننے میں آتی ہے؟ (۴) اپنے ذریعہ حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہو جاتی ہے؟ (۵) کان سے باہر بھی موجود ہے یا کان ہی میں پیدا ہوتی ہے؟ (۶) آواز کنندہ کی طرف اس کی اضافت کیسی ہے؟ وہ اس کی صفت ہے یا کسی چیز کی؟ (۷) اس کی موت کے بعد باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟" (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص ۱۱)

مقدمۂ اولیٰ پر مندرجہ بالا عنوانات کے تحت اپنے طویل سائنٹفک دلائل کے بعد آخر میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ ملاحظہ کیجیے:

"بالجملہ شک نہیں طبلہ، سارنگی، ڈھولک، ستار یا ناچ یا عورت کا گانا یا فحش گیت وغیرہ وغیرہ جن آوازوں کا فونو سے باہر سننا حرام ہے بلا شبہہ ان کا فونو سے سننا بھی حرام ہے نہ یہ کہ اسے محض تصویر و حکایت قرار دے کر حکم اصل سے جدا کر دیجیے۔ یہ محض باطل و بے معنی ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص ۱۸)

امام احمد رضا نے علمِ صوتیات کی روشنی میں کس طرح خود قائم کردہ سات سوالوں کا جواب دیا ہے اس کے لیے امام احمد رضا کا رسالہ " الکشف شافیا" ضرور ملاحظہ کیجیے اور امام احمد رضا کے اس رسالے کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر محمد مالک کی کتاب "امام احمد رضا اور علم صوتیات" کا مطالعہ امام احمد رضا کے رسالے کو اور آسان کر دے گا؛ کیوں کہ ڈاکٹر صاحب نے تمام عربی مصطلحات کا انگریزی ترجمہ کر دیا ہے اس لیے دورِ حاضر کے سائنس داں بھی بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

امام احمد رضا اور جدید و قدیم سائنسی افکار و نظریات

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی نقشبندی

امام احمد رضا(۱) نے علومِ عقلیہ کی ابتدائی تحصیل بعض اساتذہ سے کی، مثلاً مولانا نقی علی خاں، ابوالحسین احمد النوری، مرزا عبدالعلی رام پوری اور مرزا غلام قادر بیگ بریلوی وغیرہ، مگر ان تمام علوم میں اپنی خداداد صلاحیت سے کمال حاصل کیا۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ جب ریاضی اور جومیٹری وغیرہ کی تحصیل شروع کی تو ان کی فطری ذکاوت کو دیکھ کر ان کے والد مولانا محمد نقی علی خاں نے کہا:

"تم اپنے علومِ دینیہ کی طرف متوجہ رہو۔ ان علوم کو خود حل کر لوگے۔"(۲)

چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ نہ صرف یہ کہ ان علوم کو حاصل کیا بلکہ ان علوم پر مختلف تصانیف اور حواشی لکھے، خود لکھتے ہیں:

"حسبِ ارشاد سامی بعونہٖ تعالیٰ فقیر نے حساب و جبر و مقابلہ و لوگارثم و علم مربعات و علم مثلث کروی و علم ہیئت قدیمہ و ہیئت جدیدہ و زیجات و ارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات و تحریراتِ رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد و ضوابط خود ایجاد کیے۔ تحدثا بنعمة الله تعالی۔" (۳)

اس پس منظر میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) کے یہ ریمارکس قابلِ توجہ ہیں... ۱۹۲۹ء میں قیامِ شملہ (بھارت) کے زمانے میں مولانا محمد حسین میرٹھی نے جب ان سے امام احمد رضا سے ملاقات کی تفصیلات دریافت کیں تو انھوں نے جواب دیا:

"ان کو علمی لدنی حاصل تھا۔ میرے سوال کا، جو بہت مشکل اور لاحل تھا، ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصے سے ری سرچ کی ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔"(۴)

غالباً اسی تاثر کی وجہ سے ملاقات کے فوراً بعد انھوں نے پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبۂ دینیات مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) سے کہا:

"صحیح معنوں میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔" (۵)

جامعہ ازہر (مصر) کے پرفیسر محی الدین الوائی(۶) کیلی فورنیا یونی ورسٹی (امریکہ) کی ڈاکٹر باربرا مٹکاف (۷)، علامہ اقبال یونی ورسٹی (اسلام آباد، پاکستان) کے پروفیسر ابرار حسین صاحب (۸) وغیرہم

نے علومِ عقلیہ میں امام احمد رضا کی حیرت انگیز ذکاوت کا ذکر کیا ہے اور سراہا ہے۔

امام احمد رضا نے علومِ عقلیہ جدیدہ و قدیمہ میں مستقل تصانیف چھوڑی ہیں اور علومِ نقلیہ کے متعلق تصانیف میں بہت سے عقلی مباحث ہیں، جن کو پڑھ کر اہلِ علم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چناں چہ امام احمد رضا کی عربی تصنیف "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کو پڑھ کر پروفیسر ابرار حسین نے ان خیالات کا اظہار کیا:

"اعلیٰ حضرت بہت بلند پایہ ریاضی داں تھے۔ الدولۃ المکیۃ پڑھنے سے (جو میری سمجھ سے بہت بلند ہے) اس کی تصدیق ہوئی۔ کیوں کہ انھوں نے وہاں کچھ دلائل ریاضی کے نظریات پر مبنی دیے ہیں اور یہ نظریات وہ ہیں جو آج کل Topology کے زمرے میں آتے ہیں۔" (۹)

ایم۔ حسن بہاری نے ایک مقالہ بعنوان "امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں" لکھا ہے، جس میں علومِ جدیدہ میں امام احمد رضا کے تبحر پر بحث کی ہے اور فتاویٰ رضویہ (جلد اول) کے بعض مضامین سے علم ریاضی، علم کیمیا اور علم فلکیات میں امام احمد رضا کی بصیرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے:

"امام احمد رضا کی مذہبی، علمی، ادبی، ریاضی، ارضیاتی، فلکیاتی اور مادی یا سائنسی صلاحیتوں نے راقم الحروف کو کافی متاثر کیا ہے۔" (۱۰)

اسی طرح شبیر حسن بستوی نے اپنے مقالے "امام احمد رضا بحیثیت منطقی و فلسفی" میں Atom کے بارے میں امام احمد رضا کے نظریات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ (۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ پایا قرآنِ کریم اور فضلِ الٰہی سے پایا۔ وہ قرآنی یقینیات و بدیہیات کو سائنسی ظنیات پر فوقیت دیتے تھے، کیوں کہ سائنسی نظریات ترقی پذیر ہیں۔ جو ترقی پذیر ہے وہ مکمل نہیں اور قرآنی نظریات مکمل ہیں۔ نامکمل کو تو مکمل کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے، مکمل کو نامکمل کی روشنی میں نہیں۔ قرآن کریم نے فکر انسانی کا رُخ موڑ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم انقلاب آگیا۔ ذہنوں میں انقلاب، روحوں میں انقلاب، مشہور صحابی حضرت معاویہ کے پوتے خالد بن یزید کے شاگرد جابر بن حیان غالباً اسلام کے پہلے سائنس داں تھے، جنھوں نے ایک کیمیائی لیباریٹری بنائی، تاریخ کے مطالعے سے مسلمان مفکرین و سائنس دانوں کا ایک شان دار سلسلہ نظر آتا ہے۔ مثلاً:

(۱) دنیاے اسلام کا عظیم طبیب "الرازی" (۸۶۵ء تا ۹۲۵ء) جس نے ۲۰۰ر کتابیں لکھیں۔

(۲) "الخوارزمی" (۸۳۵ء تا ۸۴۴ء) جس نے جبر و مقابلہ پر اہم کتابیں لکھیں۔

(۳) ''الفارابی'' (م ۹۵۱ء) جس نے طبیعیات پر اہم کتابیں لکھیں۔

(۴) ''المسعودی'' (م ۹۵۷ء) جس نے نظریہ ارتقا کے مبادیات پیش کیے۔

(۵) ''ابو علی ابن الہیثم'' (م ۹۶۵ء) علم بصریات کا ماہر جس نے ریاضیات و طبیعیات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔

(۶) مشہور طبیب، ماہر فلکیات، ریاضی داں، جغرافیہ داں اور عالم طبیعیات ''ابو ریحان البیرونی'' (م ۱۰۴۸ء) جس کی تصنیف ''کتاب الہند'' شہرۂ آفاق ہے۔

(۷) عالمِ اسلام کا مشہور طبیب اور فلسفی ''ابو علی ابن سینا'' (م ۱۰۷۳ء) جس کی تصانیف ''القانون'' اور ''الشفاء'' مغربی دانش گاہوں میں صدیوں داخلِ نصاب رہیں۔

(۸) مشہور شاعر اور ریاضی داں ''عمر خیام'' (م ۱۱۲۳ء) جس نے طب پر ۱۶؍ کتابیں لکھیں۔

(۹) ''ابن رشد'' (م ۱۱۹۸ء) جو علم و فضل میں یونانیوں پر سبقت لے گیا۔

(۱۰) ''محمد الدمیری'' (م ۱۴۰۵ء) حیاتیات پر جس کی کتاب ''حیاۃ الحیوان'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ (۱۲)

امام احمد رضا مشاہیرِ اسلام کے اس شان دار سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ وہ ان مشاہیر سے کسی طرح کم نہیں۔ اگر ان کے افکارِ تازہ پر تحقیقات کی جائے تو ممکن ہے کہ وہ بہت سے مشاہیر سے آگے نکل جائیں۔

ایجاد و اختراع کا دارو مدار فکر و خیال پر ہے۔ خیال کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ قرآنِ کریم میں خیالوں کی ایک دنیا آباد ہے اور عالم یہ ہے ؎

مجبور یک نظر آ، مختار صد نظر جا

ہر خیال اپنے دامن میں صدیوں کے تجربات و مشاہدات سمیٹے ہوئے ہے۔ جس نے اس کی بات مانی، اس نے مختصر زندگی میں صدیوں کی کمائی کمالی۔ امام احمد رضا ان ہی سعادت مندوں میں تھے، جنھوں نے سب کچھ قرآن سے پایا۔ وہ قرآنِ کریم کا زندہ معجزہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم لدنی اور فیض سماوی سے نوازا تھا، جس کی روشنی میں وہ لاینحل مسئلے حل کر لیا کرتے تھے۔ (۱۳) اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو افکارِ تازہ سے نوازا تھا۔ چناں چہ ایک جگہ بطورِ تحدیثِ نعمت لکھتے ہیں:

''اس ضروری مسئلہ دینی پر کلام بحمد اللہ تعالیٰ کتاب کے خواص سے ہے اور ایک یہی کیا بفضلہ تعالیٰ اس ساری کتاب میں محدود مباحث کے سوا عام بحثیں وہی ہیں کہ فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئی ہیں

اور ایک یہی کتاب نہیں بعونہٖ عزوجل فقیر کی عام تصانیف افکارِ تازہ سے مملو ہوتی ہیں حتیٰ کہ فقہ میں جہاں مقلدین کو ابدائے احکام میں مجال دم زدن نہیں۔ تحدثاً بنعمۃ اللّٰہ تعالیٰ. واللّٰہ ذوالفضل العظیم." (۱۴)

امام احمد رضا کی تصنیفات، تالیفات اور حواشی کے مطالعے سے ان کے قول کی تصدیق ہوتی ہے چناں چہ حاشیہ رسالہ لوگارثم (قلمی) اور حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی (قلمی) وغیرہ میں انھوں نے (Logarithm Spherical Trigonometry میں) اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ (۱۵) نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے اصطلاحات وضع کیں اور قواعد ایجاد کیے۔ (۱۶)

امام احمد رضا نے اپنی علمی بصیرت کی بنا پر بڑے بڑے فلاسفہ اور سائنس دانوں پر تنقید کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی تحقیق پر کتنا اعتماد تھا اور وہ فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ پر کتنی مہارت رکھتے تھے۔ چناں چہ جامع بہادر خانی کے ایک مسئلے پر ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کی بنا پر تنقید کی ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں نظری اور علمی دلائل پیش کیے ہیں۔ (۱۷) ایک جگہ مصنف جامع بہادر خانی کی تغلیط کرتے ہوئے کس اعتماد سے لکھتے ہیں:

"واقول۔ این بدیہی البطلان وخطائے واضح است۔" (۱۸)

اسی طرح اپنے رسالے "فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین" (مشمولہ ماہ نامہ الرضا) میں صاحبِ حدائق النجوم (۱۹) پر سخت تنقید کی ہے۔ مندرجہ ذیل تنقیدات ملاحظہ فرمائیں:

(الف) دائرۃ البروج کی تعریف کہ حدائق میں کی، باطل ہے کہ معدل سے مرکز بدل گیا۔ (۲۰)

(ب) اصول الہیاۃ کی تعریف اوس سے باطل تر ہے کہ مرکز بھی مختلف اور دائرے بھی چھوٹے بڑے اور حق وہ ہے جو ہم نے کہا۔ (۲۱)

(ج) حدائق نے سنی سنائی، اپنی ہوشیاری سے سب دوائر کو ایک مقعرِ سماوی پر لیا، جس کا مرکز، مرکزِ زمین ہے، مگر بھولا کہ تمھارے نزدیک وہ مدارِ زمین ہے یا مقعر فلک پر اس کا موازی۔ بہر حال اس کا مرکز، مرکزِ مدار ہے، مرکزِ مدار زمین مرکز زمین ہونا کیسی صریح جنون کی بات ہے۔ (۲۲)

اسی طرح صاحبِ شمس بازغہ (۲۳) ملا محمد جون پوری (م ۱۶۵۲ء) کے بعض خیالات پر سخت تنقید کی ہے۔ (۲۴) حکمۃ العین، مصنفہ نجم الدین علی بن محمد القزوینی (م ۶۷۵ء) اور شرح حکمۃ العین، مصنفہ شمس الدین محمد بن مبارک میرک بخاری، کے بعض مندرجات کو مہمل قرار دیا۔ (۲۵) اور تو اور شیخ ابو علی سینا (۲۶)

کے بعض خیالات پر بھی شدید تنقید کی۔ چناں چہ مسئلہ گردشِ زمین پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"دلیل پنجم اس سے بڑھ کر فلک ثوابت، جملہ ممثلات کا بہ تبعیت فلک الافلاک حرکت یومیہ کرنا اور یہاں جو ابن سینا نے فرضیت کی جگہ گڑھی، بالکل شیخ چلی کی کہانی ہے۔ کما بیناہ فی کتابنا الفوز المبین۔ (۲۷)

پروفیسر حاکم علی مرحوم (پرنسپل، اسلامیہ کالج لاہور) نے سائنس کے جدید نظریات کے سلسلے میں بذریعہ مراسلت امام احمد رضا سے تبادلۂ خیال کیا۔ امام احمد رضا نے پروفیسر صاحب کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے ان کو یہ ہدایت و نصیحت کی:

"بنگاہِ ایمانی اصل مقاصد کو دیکھیے اگر حق پائیں تو ابن سینا اور اس کے احزاب کی بات زبردستی بنانے کی ضرورت نہیں۔" (۲۸)

امام احمد رضا نے اپنے خیالات و نظریات کو بڑی جرأت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اگر کسی محترم شخصیت سے بھی اختلاف ہے تو اس کا برملا اظہار کر دیا ہے مگر ادب و احترام کے ساتھ۔ چناں چہ حضرت امام غزالی کی کتاب تہافت الفلاسفہ کی ایک عبارت سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقول: امام کی شان بالا ہے، فقیر کو یہاں تامل ہے۔ شک نہیں کہ اجزا اگرچہ بالفعل نہیں، ان کے مناشی انتزاع موجود ہیں اور ان میں ہر ایک کی طرف اشارۂ حسیہ جدا ہے اور یہی امتیاز ان کے لیے امتیاز اوضاع کا ضامن ہے اور یہ امتیاز قطعاً واقعی ہے، اعتبار کا تابع نہیں۔" (۲۹)

امام احمد رضا نے جدید و قدیم نظریات کے مقابلے میں اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ جن میں بعض جدید نظریات سے بھی ہم آہنگ ہیں۔ گو نصف صدی قبل وہ نامعقول نظر آتے ہوں کیوں کہ وہ زمانہ جدید سائنس سے مغلوبیت اور مرعوبیت کا زمانہ تھا۔ علومِ جدیدہ کے رعب نے دماغ کو ماؤف اور فکر کو مسلوب کر دیا تھا، اور ناقص کو کامل پر فوقیت دی جا رہی تھی۔

امام احمد رضا نے خرق و التیام، خلا، زمانہ اور ایٹم وغیرہ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور جدید سائنس دانوں پر تنقید کی ہے۔ مثلاً آئزک نیوٹن، البرٹ آئن اسٹائن، البرٹ ایف پورٹا وغیرہ۔

خرق والتیام کے بارے میں قدیم فلاسفہ کے علی الرغم امام احمد رضا کا خیال ہے:

"فلک پر خرق والتیام جائز ہے۔" (۳۰)

زمانے کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم چاہتے ہیں کہ بتوفیقہٖ تعالیٰ اس مزلّہ مضلّہ کی بیخ کنی کر دیں، جس پر آج تک کے متفلسفہ کو ناز ہے،

وہ یہ کہ زمانہ اگر حادث ہو تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہوا اور شک نہیں کہ یہاں قبل و بعد کا اجتماع محال۔ تو قبلیت نہ ہوئی مگر زمانی۔ تو زمانے سے پہلے زمانہ لازم۔ مواقف (۳۱) و مقاصد (۳۲) و تجرید طوسی (۳۳) و طوالع الانوار (۳۴) بیضاوی (۳۵) و شروح۔ علامہ سید شریف و علامہ تفتازانی و فاضل خوشجی و شمس اصفہانی و شرح دیگر طوالع منسوب بہ تفتازانی و تہافت الفلاسفہ للامام حجۃ الاسلام و للعلامۃ خواجہ زادہ میں اس کے متعدّد جواب دیے گئے، جن میں فقیر کو کلام ہے۔" (۳۶)

اس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے موقف کی تائید میں ۶ر صفحات پر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ زمانہ حادث ہے۔

ایک جگہ خلا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فلسفہ قدیم خلا کو محال مانتا ہے، ہمارے نزدیک وہ ممکن ہے۔" (۳۷)

اور ایٹم (۳۸) کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جزلایتجزی ممکن بلکہ واقع اور اس سے جسم کی ترکیب بھی ممکن، اگر بعض اجسام اس طرح مرکب ہوئے ہیں کچھ محذور نہیں۔ مگر یہ کلیہ نہیں کہ اس طرح کے اجسام میں تماس ناممکن کہ موجبِ اتصال دو جُز ہے اور حجم حسّی جس طرح ہم نے ثابت کیا، یوہیں تماسِ حسّی ماننا مشکل ہے۔" (۳۹)

آئزک نیوٹن (۴۰) کے بارے میں پہلے لکھتے ہیں:

"نیوٹن نے لکھا ہے کہ اگر زمین کو اتنا دباتے کہ مسام بالکل نہ رہتے تو اس کی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی۔" (۴۱)

اس قول پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہلِ انصاف دیکھیں سردار ہیأۃِ جدیدہ نیوٹن نے کتنی صریح خارج از عقل بات کہی۔" (۴۲)

اس کے بعد علمی بحث کی ہے اور پانچ دلیلوں سے نیوٹن کے خیال کی تردید کی ہے۔

مشہور سائنس داں پروفیسر البرٹ آئین اسٹائن (۴۳) امام احمد رضا کے معاصرین میں تھا۔ امام احمد رضا نے اپنی تصانیف میں اس کے نظریات پر تنقید کی ہے۔ (۴۴) دوسرا امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا (۴۵) یہ بھی امام احمد رضا کا معاصر تھا۔ پروفیسر موصوف نے ایک ہول ناک پیش گوئی کی جس سے دنیا کے بعض علاقوں میں دہشت اور سراسیمگی پھیل گئی۔ پیش گوئی یہ تھی کہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بعض سیارے جمع ہوں گے اور ان کی کشش سے آفتاب میں ایک بڑا گھاؤ نمودار ہوگا، جس کے

نتیجے میں دنیا میں قیامتِ صغریٰ برپا ہو جائے گی۔ آندھیاں، طوفان اور زلزلے آئیں گے اور دنیا کے بعض علاقے صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ یہ پیش گوئی بانکی پور (بھارت) کے انگریزی اخبار ایکسپریس کے ۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی اور پاک و ہند میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا سے رجوع کیا گیا کیوں کہ وہ اپنے وقت کے فقیہ ہی نہیں، ایک عظیم ہیئت داں بھی تھے۔ امام احمد رضا کو اخبار کا تراشہ ارسال کیا گیا اور ان کی رائے لی گئی۔ جواباً انھوں نے مکتوب منہ (مولانا ظفر الدین بہاری) کو لکھا:

آپ کا پرچہ اخبار آیا۔ نواب صاحب نے ترجمہ کیا (۴۶) کسی عجیب بے ادراک کی تحریر ہے جسے ہیئت کا ایک حرف نہیں آتا۔ سراپا اغلاط سے مملو ہے۔ (۴۷) (محررہ ۴ر صفر ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) امام احمد رضا نے البرٹ ایف۔ پورٹا کے جواب میں ایک محققانہ رسالہ لکھا، جس کا تاریخی نام ''معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین'' (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) رکھا۔ (۴۸)

اس رسالے میں امام احمد رضا نے پورٹا کے بیان پر ۱۷ر مواخذات کیے ہیں اور علم ہیئت سے متعلق فاضلانہ بحث کی ہے۔ آخر میں لکھا ہے:

''بیان منجم پر اور مواخذات بھی ہیں مگر ۱۷ر دسمبر کے لیے ۱۷ر پر ہی اکتفا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم'' (۴۹)

رسالہ 'معین مبین' پہلے پہل ماہ نامہ الرضا (بریلی) کے دو شماروں (صفر و ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) میں شائع ہوا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ اردو میں ہونے کی وجہ سے عالمی سطح پر متعارف نہ ہو سکا اور لوگ امام احمد رضا کے افکار سے باخبر نہ ہو سکے۔ ورنہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو دنیا کے مختلف علاقوں میں جو دہشت پھیلی تھی نہ پھیلتی۔ اخبار نیویارک ٹائمز (امریکہ) کے ۱۶ر اور ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء کے شماروں (۵۰) کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیرس میں ہزاروں لوگ دہشت کے مارے گرجا گھروں میں گئے اور گڑگڑا، گڑگڑا کر دعائیں کیں (۵۱) طلبا نے اسکولوں سے چھٹیاں لے لیں (۵۲) ایک جگہ سائرن اور گھنٹیاں بجنے لگیں اور شہر والے سہم کر رہ گئے (۵۳) الغرض ہر طرف موت کے سایے منڈلا رہے تھے۔ مگر جب ۱۷ر دسمبر کا آفتاب غروب ہوا تو پروفیسر البرٹ۔ پورٹا کی پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور امام احمد رضا نے جو کچھ فرمایا تھا حق ثابت ہوا۔

دنیا کے سارے ہیئت داں پورٹا سے متفق تھے اور ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو دوربینوں سے مشاہدۂ سماوی میں مصروف، قیامتِ صغریٰ کے منتظر تھے مگر بالآخر ان کی نگاہیں ناکام لوٹیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی فاضل امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا کے مزعومات اور امام احمد رضا کے مواخذات و تحقیقات کا علمی

تجزیہ اور تقابل کریں اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ امام احمد رضا کے مقابلے میں پورٹا کے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔

رسالہ 'معین مبین' کی تصنیف کے بعد سیلانِ افکار نے دوسرے رسائل کے رُخ سے پردہ اٹھایا۔ چناں چہ امام احمد رضا نے اس ضمن میں بعض دلائل ردِ حرکت زمین کے متعلق لکھے جو طویل ہوتے دیکھے تو الگ کر لیے اور ردِ فلسفۂ جدیدہ میں ایک مستقل رسالہ "فوز مبین در ردِ حرکت زمین" (۵۴) (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) لکھا۔ اپنی تصنیف 'الکلمۃ الملہمۃ' میں امام احمد رضا نے اس کا اس طرح ذکر کیا ہے:

"فقیر نے ردِ فلسفۂ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمیٰ بنامِ تاریخی "فوز مبین در ردِ حرکت زمین" لکھی، جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکتِ زمین باطل کی اور جاذبیت و نافریت وغیرہ مزعوماتِ فلسفۂ جدیدہ پر وہ روشن رد کیے جن کے مطالعے سے ہر ذی انصاف پر بحمدہٖ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔" (۵۵)

فوزِ مبین کی فصلِ سوم میں ذیلی حاشیہ لکھا، جس میں وہ دس دلائل نقل کیے جو فلاسفۂ قدیمہ نے ردِ حرکت زمین پر دیے ہیں۔ امام احمد رضا نے اِن دلائل کے ابطال میں تیس دلائل پیش کیے اور اس بحث کو ایک تیسری کتاب "الکلمة الملهمة فی الحکمة المحکمة لوهاء فلسفة المشئمة" (مطبوعہ دہلی، ۱۹۷۴ء) میں مرتب کیا۔ (۵۶)

اسلامیہ کالج (لاہور) کے پروفیسر اور پرنسپل پروفیسر حاکم علی مرحوم (۵۷) امام احمد رضا سے بہت متاثر تھے۔ ان کے ہاں آنا جانا بھی تھا اور سائنسی نظریات کے بارے میں بھی ان سے تبادلۂ خیال ہوتا تھا (۵۸) اس سلسلے کی ایک کڑی امام احمد رضا کی کتاب "نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین و آسمان" (۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۹ء) ہے جو انھوں نے پروفیسر حاکم علی کی ایک تحریر کے جواب میں لکھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

پروفیسر حاکم علی نے ۱۴ر جمادی الاول ۱۳۳۹ھ/۱۹۱۹ء کو امام احمد رضا کو ایک خط لکھا جس میں حرکت زمین کی تائید میں بعض قرآنی آیات کے ساتھ تفسیر جلالین اور تفسیر حسینی سے بعض عبارات پیش کیں اور امام احمد رضا سے درخواست کی کہ حرکت زمین کے قائل ہو جائیں۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک مدلل اور محقق رسالہ لکھا۔ جس کا عنوان اوپر گزرا۔ اس رسالے میں امام احمد رضا نے ردِ حرکت زمین پر اپنے دلائل پیش کیے اور مندرجہ بالا دو کتب تفاسیر کے مقابلے میں ۲۸ر کتب تفاسیر وغیرہ سے حوالے پیش کیے، (۵۹) امام احمد رضا کے نزدیک مسئلۂ حرکت زمین کو دو ہزار سال بعد ۱۵۳۰ء میں کوپرنیکس نے پھر

اٹھایا ورنہ بقول امام احمد رضا پہلے نصاریٰ بھی سکونِ ارض ہی کے قائل تھے،(۶۰) امام احمد رضا نے اس رسالے میں پروفیسر حاکم علی کے دلائل کو ضعیف قرار دیا اور مغربی سائنس دانوں کے متعلق لکھا:

''یورپ والوں کو طریقۂ استدلال اصلاً نہیں آتا۔ انھیں اثباتِ دعویٰ کی تمیز نہیں، ان کے اوہام جن کو بنامِ دلیل پیش کرتے ہیں یہ یہ علتیں رکھتے ہیں۔ مصنف ذی فہم مناظرہ داں کے لیے وہی ان کے رد میں بس ہیں کہ یہ دلائل بھی انھیں علتوں کے پابند ہوس ہیں۔'' (۶۱)

پروفیسر حاکم علی نے امام احمد رضا سے یہ التجا کی تھی:

غریب نواز: کرم فرماکر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے۔(۶۲)

امام احمد رضا نے اس التجا کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ قرآنِ کریم پر ان کے غیر متزلزل ایمان کا آئینہ دار ہے اور ہر مسلمان سائنس داں کے لیے عبرت و نصیحت بھی۔ انھوں نے فرمایا:

''محب فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلۂ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائلِ سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی۔ اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہٖ تعالیٰ دشوار نہیں، آپ اسے بچشم پسند دیکھتے ہیں۔ ع

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة''

امام احمد رضا مسلمان سائنس دانوں کے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن کی روشنی میں سائنس کو پڑھا جائے۔ یعنی کامل کی روشنی میں ناقص کو پرکھا جائے۔ قرآن نے جو کچھ کہا سائنس بالآخر وہیں پہنچتی نظر آتی ہے۔ قرآن نے کہا کہ نباتات میں جان ہے، جمادات میں جان ہے، کائنات کے ایک ایک ذرّے میں جان ہے۔ پہلے یہ بات عجیب بات لگی۔ اب سب اقرار کر رہے ہیں۔ قرآن نے کہا یہی شب و روز نہیں جو چوبیس گھنٹوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں، بلکہ ایک جہاں ایسا بھی ہے جہاں کے شب و روز کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ پہلے یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی رفتہ رفتہ لوگ یہی حقیقت تسلیم کرنے لگے۔ بھٹک بھٹک کر سب اسی مقام پر آتے جاتے ہیں۔ جہاں قرآن لانا

چاہتا ہے۔ ماہرین کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ امام احمد رضا نے ''حال'' میں رہتے ہوئے ''مستقبل'' کا کہاں تک سفر کیا۔ ممکن ہے وہ نظریات جو امام احمد رضا نے پیش کیے ہیں ان سے قبل یا بعد یورپ و امریکہ کے سائنس داں و مفکرین نے پیش کیے ہوں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ یہ نظریات امام احمد رضا سے قبل پیش کیے گئے ہوں۔ تو ایسی صورت میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ امام احمد رضا نے اپنے نظریے کی تائید میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ وہی ہیں جو ان سے قبل پیش کیے گئے یا ان سے مختلف؟

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ نظریات امام احمد رضا کے بعد پیش کیے گئے ہوں، جیسا کہ پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے معاشیات میں نظریہ ''روزگار و آمدنی'' کو امام احمد رضا کی اولیات میں شمار کیا ہے۔ (۶۳)

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ نظریات ایسے ہوں جو مفکرین اور دانش وروں نے ابھی تک پیش نہیں کیے۔ ایسے نظریات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور ان کو اہلِ علم کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور پیش کیا جانا چاہیے۔ مثلاً مسئلہ گردشِ زمین جو پہلے مسلمات سے تھا اب اس پر بحث شروع ہو گئی ہے، جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا۔ امام احمد رضا نے بھی اس نظریے کی مخالفت کی اور ۱۰۵/ دلائل سے اس کو رد کیا۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ کہا ہو، جدید سائنسی تجربات و مشاہدات نے حتمی طور پر اس کی تغلیط کر دی ہو اور مزید بحث و مباحثہ کی گنجائش نہ چھوڑی ہو، ایسی صورت میں بھی امام احمد رضا داد و تحسین کے مستحق ہیں کیوں کہ عالمی مقابلوں میں شکست کھانے والا بھی انعام کا مستحق ہوتا ہے کہ اس نے ایک بڑے مقابلے کے لیے ہمت تو کی، میدان میں تو آیا۔

جدید و قدیم سائنس کے متعلق امام احمد رضا نے جو کچھ لکھا، وہ بیش تر عربی و فارسی میں ہے، اردو میں بہت کم ہے۔ چناں چہ علمی دشواری یہ ہے کہ اہل علم جدید فن عربی اور فارسی سے واقف نہیں اور جو لوگ یہ زبان جانتے ہیں، وہ علومِ جدیدہ پر حاوی نہیں۔ (۶۴)

ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے امام احمد رضا سے ملاقات کے وقت اسی علمی دشواری کا تذکرہ کیا۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے امام احمد رضا سے کہا:

''افسوس یہ ہے کہ میں عربی سے ناواقف ہوں اور آپ انگریزی سے۔ کیا اچھا ہوتا کہ عربی کتب کا ترجمہ اردو میں ہو جاتا پھر میں انگریزی کر کے شائع کر دیتا۔'' (۶۵)

چناں چہ بعد میں انھوں نے ایک آدمی بھیجا کہ امام احمد رضا کی نگرانی میں ان کے افکار و خیالات کو

عربی سے اردو میں منتقل کرے۔ مگر اس سے یہ کام نہ ہوسکا کہ فنی کتابوں کا ترجمہ کرنا جوئے شیر لانا ہے۔

۱۹۷۹ء میں راقم نے مشہور سائنس داں پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کو امام احمد رضا کے کتب و رسائل کی طرف (٦٦) متوجہ کیا تو انھوں نے اظہارِ معذرت کرتے ہوئے لکھا:

"I shall be happy but I cannot read Arabic."

(ترجمہ: مجھے خوشی ہوتی مگر میں عربی نہیں پڑھ سکتا۔)

لیکن راقم کا اندازہ ہے کہ بلادِ اسلامیہ ایسے علما اور دانش وروں سے خالی نہیں جو جدید و قدیم علوم پر عبور رکھتے ہیں۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی (اسلام آباد) کو یہ کام اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے، کم از کم امام احمد رضا کے نادر کتب و حواشی اپنے ہاں محفوظ کر لینے چاہئیں تاکہ محققین ایک ہی جگہ آسانی سے استفادہ کرسکیں۔

ماخذ و مراجع

(کتب)

امام احمد رضا: نزولِ آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعہ لکھنؤ

امام احمد رضا: حاشیہ رسالہ لوگارثم (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) مطبوعہ: کراچی، ۱۹۸۰ء

امام احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہاء فلسفۃ المشئمۃ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۷۴ء

امام احمد رضا: حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی (قلمی)

امام احمد رضا: حاشیہ الدر المکنون (قلمی)

امام احمد رضا: حاشیہ جامع بہادر خانی (قلمی)

امام احمد رضا: تعلیقات علی الزیج الایلخانی (قلمی)

امام احمد رضا: حاشیہ بہادر خانی (قلمی)

امام احمد رضا: معین مبین بہر دورِ شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) (قلمی)

اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علمائے اہلِ سنّت و جماعت، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد دہم، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

باربرا مٹکاف، ڈاکٹر: ہندوستان میں مذہبی قیادت اور علمائے مصلحین (۱۸۶۰ء- ۱۹۰۰ء) برکلے، ۱۹۷۶ء (انگریزی)

برہان الحق مفتی: اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۰ء
رتن سنگھ بہادر: حدائق النجوم (سہ مجلدات) مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۴۱ء
شجاعت علی قادری مفتی: مجدد الامۃ (عربی) مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۹ء
شرکت حنفیہ: انوارِ رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء
ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی
فیاض محمود: تاریخ ادبیات مسلمانانِ ہندوپاک، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۱۹۷۲ء
محمد مسعود احمد، پروفیسر: عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء
محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی اور ترکِ موالات، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۷ء
محمد یٰسین اختر مصباحی: امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ الہ آباد، ۱۹۷۷ء
نکلس تامس: میراثِ اسلام، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء

(رسائل)

الرضا (بریلی) شمارہ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
الرضا (بریلی) شمارہ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
الرضا (بریلی) شمارہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
الرضا (بریلی) شمارہ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
المیزان (ممبئی) امام احمد رضا نمبر، شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء
صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء

(اخبارات)

افق (کراچی) شمارہ ۲۲/ جنوری ۱۹۸۰ء
جنگ (کراچی) شمارہ ۱۷/ جنوری ۱۹۸۰ء
جنگ (کراچی) شمارہ ۱۱/ مئی ۱۹۸۰ء
نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۶/ دسمبر ۱۹۱۹ء
نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء

حواشی

(۱) بانی مدرسہ درسیہ (کراچی) مولانا محمد عبدالکریم درس (۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) نے امام احمد رضا کے سالِ وصال کا مادۂ تاریخ مقبول حق احمد رضا (۱۳۴۰ھ) نکالا ہے۔

نوٹ: امام احمد رضا کے حالات و افکار کے لیے راقم کا مقالہ "احمد رضا بریلوی" مطالعہ کریں۔ یہ مقالہ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے جریدے ماہ نامہ "فکر و نظر" کے مندرجہ ذیل شماروں میں شائع ہوا ہے:

"اپریل ۱۹۸۰ء، مئی ۱۹۸۰ء، جون ۱۹۸۰ء" مزید تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ سے رجوع کریں:

(الف) فیاض محمود: تاریخ ادبیات مسلمانانِ ہندو پاکستان، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور ۱۹۷۲ء

(ب) محمد مسعود احمد: مقالہ "رضا بریلوی" انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد دہم، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

(ج) محمد یٰسین اختر مصباحی: امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ الہ آباد، ۱۹۷۷ء

(د) المیزان (امام احمد رضا نمبر) ممبئی، مارچ ۱۹۷۷ء

(ہ) انوارِ رضا: شرکت حنفیہ لمیٹیڈ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء

(و) شجاعت علی قادری: مجدد الامۃ (عربی) مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۹ء

(ز) محمد مسعود احمد: عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء

(ح) محمد برہان الحق: اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۰ء

(۲) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۷۴ء، ص ۶

(۳) ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ دہلی، ص ۶

(۴) ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۵

(۵) محمد برہان الحق جبل پوری، اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۰ء

(۶) مقالہ، مطبوعہ: صوت الشرق (قاہرہ)، شمارہ فروری ۱۹۷۰ء

(۷) باربرا مٹکاف: ہندوستان میں مسلم مذہبی قیادت اور علمائے مصلحین (۱۸۶۰-۱۹۰۰ء)

(۸) ابرار حسین، مکتوب بہ نامِ راقم الحروف، مکتوبہ ۱۵/اپریل ۱۹۸۰ء

(۹) ابرار حسین، مکتوب بنامِ راقم الحروف، مکتوبہ ۱۹/اپریل ۱۹۸۰ء

(۱۰) المیزان، ممبئی: امام احمد رضا نمبر، مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۲۹۱

(۱۱) ایضًا، ص ۲۹۸، ۳۰۱

(۱۲) مزید تفصیلات کے لیے تامس آرنلڈ اور الفرڈ گیام کی تالیف ''میراثِ اسلام'' مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء کا مطالعہ کریں۔

(۱۳) احمد رضا: حاشیہ مخطوطہ الدر المکنون (مخزونہ مولانا خالد علی خاں، دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی)

نوٹ: مولانا خالد علی خاں کے کتب خانے کے مخطوطات سے محترم سید ریاست علی قادری (سیلز منیجر ٹی۔آئی۔پی، کراچی) کی وساطت سے استفادہ کیا گیا۔ موصوف ۱۹۷۹ء میں تقریبًا چالیس قلمی حواشی بریلی سے لائے تھے۔ ان مخطوطات کے عکس شیخ صبور احمد (ڈائریکٹر کراچی کیمیکل انڈسٹریز، کراچی) کی عنایت سے راقم کو ملے۔

(۱۴) احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۵۵

(۱۵) (الف) احمد رضا: حاشیہ رسالہ لوگارثم (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) قلمی، ص ۲۲

(ب) احمد رضا: حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی، قلمی، مخزونۂ مولانا خالد علی خاں، دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی، ص ۴

(ج) احمد رضا: حاشیہ جامع بہادر خانی، قلمی، مخزونۂ مولانا خالد علی خاں، دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی، ص ۱

(۱۶) (الف) احمد رضا: حاشیہ تحریر اقلیدس، قلمی، دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی، ص ۳۱

(ب) احمد رضا: حاشیۂ بہادر خانی قلمی، مخزونۂ مولانا خالد علی خاں، دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی، ص ۳

(۱۷) جامع بہادر خانی، قلمی، ص ۷

(۱۸) احمد رضا: حاشیۂ جامع بہادر خانی، قلمی (ایضًا)، ص ۴

(۱۹) حدائق النجوم: راجہ رتن سنگھ بہادر ہشیار جنگ زخمی کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ (مطبع محمدی لکھنؤ ۱۸۴۱ء) کتب خانۂ خاص (انجمن ترقی اردو کراچی) میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کی تین جلدیں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔ (الف) جلد اول، ص ۱ تا ۳۸۶ (ب) جلد دوم، ص ۳۸۷ تا ۷۰۰ (ج) جلد سوم، ص ۷۰۱ تا ۱۱۵۸

(۲۰ تا ۲۲) ماہ نامہ الرضا (بریلی) شمارہ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء، ص ۴۵

(۲۳) میر باقر استر آبادی (م ۱۰۴۱ھ/۱۶۳۴ء) کی تصنیف 'الافق المبین' کے جواب میں ملا محمد جون پوری نے خود اپنی کتاب 'الحکمۃ البالغہ' کی شرح 'الشمس البازغہ' کے نام سے لکھی۔

(۲۴) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۱۹ و حاشیہ ص ۸۰

(۲۵) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۵

(۲۶) ابن سینا ۳۷۰ھ/۹۸۰ء میں پیدا ہوا اور ۴/ رمضان المبارک ۴۲۸ھ/۲۱/ جون ۱۰۳۷ء میں ہمدان (ایران) میں انتقال کیا۔ اسلام کا مشہور دانش ور جو ریاضی، فقہ، ادب، ہندسہ، ہیئت، فلسفہ اور طب وغیرہ پر عبور رکھتا تھا۔ اس نے ۱۶/۱۷/ سال کی عمر میں شاہِ بخارا کا علاج کیا اور کتب خانۂ شاہی کا انچارج ہوا۔ طب میں "القانون"، منطق و فلسفہ میں "الشفاء"، طبیعیات میں "تسع رسائل" اور ہندسہ میں "ترجمہ اقلیدس" اس کی یادگار ہیں۔

(۲۷) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۲

(۲۸) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۷

(۲۹) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۳۸

(۳۰) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۷

(۳۱) المواقف، مصنفہ عبد الرحمن ابن احمد الایجی (م ۷۵۶ھ)

(۳۲) المقاصد، مصنفہ سعد الدین مسعود بن محمد تفتازانی (م ۷۹۱ھ)

(۳۳) تجرید، مصنفہ نصیر الدین بن جعفر بن محمد طوسی (م ۶۷۲ھ)

(۳۴) طوالع الانوار، مصنفہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ)

(۳۵) بیضاوی، مصنفہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ)

(۳۶) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۹۸۔۹۹

(۳۷) ماہ نامہ الرضا، بریلی، شمارہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء، ص ۳۹

(۳۸) تقریبًا ۴۰۰/ قبل مسیح، مشہور یونانی فلسفی، دیمقراطیس (Democritus) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مادہ چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہے۔ جب یہ ملتے ہیں تو صورت نکلتی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ان اجزا کو تقسیم کرتے چلے جائیں تو ایک ایسا مرحلہ بھی آئے گا کہ مزید ٹکڑے کرنا ناممکن ہو گا۔ اس سے جزلا یتجزی (ایٹم) کا نظریہ ابھرا۔ یونانی زبان میں ایٹم کے معنی ہیں "ناقابلِ تقسیم"، ۱۸۹۸ء میں

جے۔جے ٹامس (J.J. Thomas) نے اس کے خلاف نظریہ پیش کیا اور کہا کہ ایٹم توڑا جا سکتا ہے۔ امام احمد رضا کا یہی عہد تھا اور یہی نظریہ، ۱۹۱۱ء میں رودر فورڈ (Ruther Ford) نے اس خیال کو توسیع دی اور کہا کہ ایٹم کا ایک مرکز ہے، جس کو نیو کلیس (Nucleus) سے تعبیر کیا، اس میں نیوٹرون (Neutron) اور پروٹون (Proton) موجود ہیں اور الیکٹرون نیو کلیس کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں نیل بوہر (Nilli Bohr) نے کہا کہ الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون ایٹم کے حصے ہیں اور محور تبدیل کرتے وقت طاقت خارج کرتے ہیں۔

(۳۹) احمد رضا: الکلمۃ الملھمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۱۳۷

(۴۰) نیوٹن ایک غریب کسان کا لڑکا تھا۔ لندن سے ۱۰۰؍ کلو میٹر دور ایک گاؤں (Woolsthorpe) میں ۲۵؍ دسمبر ۱۶۴۲ء کو پیدا ہوا۔ ۱۲؍ سال اسی گاؤں میں رہا اور ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی۔ ۱۶۶۱ء میں کنگ اسکول سے میٹرک کیا۔ ۱۶۶۵ء میں کیمبرج یونی ورسٹی سے بی۔ اے کیا اور ۱۶۶۹ء میں ریاضی میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۶۷۲ء میں رائل سوسائٹی کا رکن منتخب ہوا اور ۱۷۰۳ء میں صدر۔ وہ ٹکسال کا ناظم اعلیٰ بھی رہا۔ ۱۷۰۵ء میں ملکہ این (Anne) نے "سر" کا خطاب دیا۔

نیوٹن نے ۲۳؍ برس کی عمر میں ۱۶۶۵ء میں نظریہ "کشش ثقل" پیش کیا، سیاروں کے بیضوی محور کو دریافت کیا، تین اساسی اصولِ حرکت دریافت کیے، اختلافِ رنگ اور انتشارِ نور کا باہمی تعلق دریافت کیا، یہ بتایا کہ سفید رنگ سات رنگ کی شعاعوں کا مجموعہ ہے، آواز کی رفتار دریافت کی اور عکس انداز دور بین ایجاد کی، Differential Calculus سے متعارف کرایا اور Binomial Theorem ایجاد کی۔ ۲۰؍ مارچ ۱۷۲۷ء کو ۸۵؍ سال کی عمر میں نیوٹن کا انتقال ہوا اور لندن کے ویسٹ منسٹر گرجا میں رکھا گیا۔ نیوٹن کی دو کتابیں یادگار ہیں: الاصول (Principia) مولفہ ۸۶-۱۶۸۵ء اور (۲) النور (Optics)

(۴۱) ماہ نامہ الرضا، بریلی، شمارہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء، ص ۳۹

(۴۲) ماہ نامہ الرضا، بریلی، شمارہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء، ص ۴۰

(۴۳) آئین اسٹائن (Einstein) ۱۴؍ مارچ ۱۸۷۹ء کو مغربی جرمنی کے مقام اولم میں پیدا ہوا۔ جب جرمنی سے نکلنا پڑا تو امریکہ چلا گیا، اور پرنسٹن یونی ورسٹی میں پروفیسر ریاضیات مقرر ہوا۔ امریکہ میں جوہری توانائی کا کام اسی کے کہنے پر شروع کیا گیا۔ اس نے طبیعیات میں گراں قدر دریافتیں کیں اور نظریۂ اضافیت پیش کیا۔ ۱۹۵۲ء میں امریکہ میں اس کا انتقال ہوا۔

(۴۴) احمد رضا: معین مبین بہر دورِ شمس و سکون زمین (۱۹۱۹ء) قلمی، ص ۱۴

(۴۵) پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ مشیگن یونی ورسٹی (امریکہ) سے متعلق رہا۔ لیکن بعض کا کہنا ہے کہ یہ ٹیورن یونی ورسٹی (اٹلی) میں پروفیسر رہا۔ بہر حال یہ سان فرانسسکو (امریکہ) کے ماہر ثواقب (Meteorologist) کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں: نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۸، ۱۶/ دسمبر ۱۹۱۹ء

(۴۶) نواب صاحب سے مراد نواب وزیر احمد خاں صاحب ہیں۔

(۴۷) ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۲۹

(۴۸) اس رسالے کا مخطوطہ جامعہ راشدیہ (پیر گوٹھ، سندھ) کے شیخ الجامعہ مولانا تقدس علی خاں صاحب کے پاس محفوظ ہے، جس کا عکس محترم سید ریاست علی قادری صاحب (سیلز منیجر، ٹی۔ آئی۔ پی) کراچی کی عنایت سے ملا۔ اب یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ نیز اخبارِ جنگ (کراچی)، شمارہ جنوری ۱۹۸۰ء اور اخبار افق (کراچی)، شمارہ ۲۲/ جنوری ۱۹۸۰ء میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

(۴۹) احمد رضا: معین مبین بہر دورِ شمس و سکونِ زمین (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) قلمی، ص ۱۸

(۵۰) کیلی فورنیا یونی ورسٹی (امریکہ) کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا مٹکاف کی عنایت سے ان شماروں کے تراشے ملے۔ راقم ان کا ممنون ہے۔

(۵۱) نیویارک ٹائمز (امریکہ)، شمارہ ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء

(۵۲) ایضًا

(۵۳) ایضًا

(۵۴) اس کتاب کا کچھ حصہ امام احمد رضا کی زندگی میں ماہ نامہ "الرضا" (بریلی) کی تقریبًا ۱۲/ قسطوں میں (رجب ۱۳۳۸ھ تا جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ) شائع ہوا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ کے شمارے (ص ۳۸ تا ۴۰) میں ایک قسط نظر سے گزری، دوسری قسط ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ کے شمارے (ص ۴۱ تا ۴۸) میں مطالعہ کی پہلے شمارے میں ردِ حرکت زمین پر ۲۲/ سے ۲۵/ دلائل ہیں اور دوسرے شمارے میں ۲۵/ سے ۳۳/ تک۔ دلائل کی کل تعداد ۱۰۵/ تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں شماروں میں کل مقالے کا عشر عشیر بھی نہیں۔ شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، سندھ، مولانا تقدس خاں صاحب نے فرمایا کہ ماہ نامہ الرضا کے صفحات پر رسالے کا ایک حصہ شائع ہوا، جس کا فائل ان کے

پاس محفوظ تھا جو اب بنگلہ دیش میں ایک صاحب کے پاس ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ رسالے کا اصل مخطوطہ ۲۵۰ر صفحات پر مشتمل تھا، جو امام احمد رضا کے صاحب زادے مفتی محمد مصطفی رضا خاں صاحب کے پاس محفوظ تھا۔ خواجہ رضی حیدر سے معلوم ہوا کہ غالباً ایک مخطوطہ ماریشس میں مولانا محمد ابراہیم خوشتر کے پاس بھی تھا۔ حسن اتفاق کہ محمد یوسف صاحب میمن جن کے پاس الرضا کا فائل ہے، مقالے کی تیاری کے بعد مورخہ ۷ر نومبر ۱۹۸۰ء کو کراچی میں راقم سے ملنے آئے اور فرمایا کہ فائل بنگلہ دیش میں محفوظ ہے۔

(۵۵) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۵

نوٹ: نظریۂ حرکت زمین میں اختلاف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ چناں چہ پاکستان کی ایک خاتون سائنس داں زہرا مرزا قادری نے اختلاف کیا ہے جس کو اخبار جنگ (کراچی) شمارہ ۱۱ر مئی ۱۹۸۰ء نے نقل کیا ہے۔ زہرا قادری کو کیلی فورنیا یونی ورسٹی (امریکہ) میں اس مسئلے پر تبادلۂ خیال کے لیے دعوت دی گئی تھی۔

(۵۶) یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں دہلی میں چھپ کر میرٹھ میں شائع ہوگئی ہے۔

(۵۷) پروفیسر حاکم علی انجمن حمایتِ اسلام (لاہور) کے بانیوں میں تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے مشہور پروفیسر اور بعد میں پرنسپل رہے۔ ۱۹۲۵ء میں کالج سے سبک دوش ہوئے اور ۱۹۴۴ء میں انتقال کیا۔ تحریک ترکِ موالات کے زمانے (۱۴ر صفر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) میں انھوں نے امام احمد رضا سے فتویٰ لیا اور اسی پر عمل کیا۔ پروفیسر حاکم علی صاحب کے تلامذہ میں پرنسپل دارالعلوم اَلسِنۂ شرقیہ، لاہور، آقاے بیدار بخت نہایت ممتاز ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ:

"مولانا حاکم علی مرحوم ریاضی میں اس قدر ماہر تھے کہ کلاس روم میں بڑے اعتماد سے بغیر کسی کتاب کے گھنٹوں پڑھاتے رہتے۔" (اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علماے اہلِ سُنّت، لاہور، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۲۸۹)

(۵۸) احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۴ تا ۱۷

(۵۹) امام احمد رضا کا طریقۂ استدلال یہ ہے کہ مخاطب اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے جس فن کی کتابوں سے دلائل پیش کرتا ہے، اسی فن کی کتابوں سے اس کا رد کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ ہر مقام پر اپنا علمی تبحر قائم رکھتے ہیں۔

(۶۰) احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۳

(۶۱) احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۳

(۶۲) احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۴

(۶۳) رفیع اللہ صدیقی: فاضل بریلوی کے معاشی نکات، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۳، ۱۴

نوٹ: ۱۹۱۳ء میں امام احمد رضا نے یہ نظریہ پیش کیا پھر بعد میں ۱۹۲۶ء میں کینز (Keynes) نے یہ نظریہ پیش کر کے انگلستان کا اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کیا۔

(۶۴) انگریزی نظامِ تعلیم نے ہم کو فارسی و عربی سے بیگانہ کر کے ماضی سے منقطع کر دیا۔ ہم علماے دین کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور اس کا احساس نہیں کہ انھوں نے ہم کو ہمارے شان دار ماضی سے وابستہ کر رکھا ہے۔ آزاد جموں و کشمیر یونی ورسٹی قابلِ مبارک باد ہے کہ اس نے اپنے یہاں عربی اور اسلامی کلچر کو لازمی مضامین کی حیثیت دی ہے۔

(۶۵) ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص ۱۵۲

(۶۶) محررہ ۱۹۷۹ء

☆☆☆

باب پنجم

مہارت علوم وفنون

امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن

محترمہ غوثیہ رحمانی قادری (ایم،اے)
نائب صدر معلمات جامعہ ایوب نسواں، رضا نگر، پپرا کنک، ضلع کشی نگر یوپی

قرآنِ عظیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ایسا عظیم الشان اور لازوال معجزہ ہے، جسے اللہ جل شانہ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ پر تیئس سالوں میں نازل فرمایا۔ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، اس نے پہلے کی ساری کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ یہی وہ واحد کتاب ہے جو تنہا ساری انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اس عظیم الشان کتاب میں اللہ جل مجدہ الکریم نے بے شمار علوم و فنون کے ساتھ ساتھ انسان کے پیش آمدہ سارے مسائل کو بیان فرمادیا ہے، قرآن عظیم میں بے شمار وہ فضائل و کمالات موجود ہیں جو کسی دوسری آسمانی کتاب میں نہیں۔

کچھ قرآنی عظمتیں پیشِ خدمت ہیں۔

● قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی واضح دلیل اور اس کا نازل کیا ہوا نور ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهٰنٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا.

[سورۃ النساء: آیت نمبر: ۱۷۴]

ترجمہ: اے لوگو بیشک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی اور ہم نے تمھاری طرف روشن نور نازل کیا۔

● کسی بندے کے بس میں نہیں کہ ایسا کلام تیار کر دے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ. [سورۃ یونس: آیت نمبر: ۳۷]

ترجمہ: اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اللہ کے نازل کئے بغیر کوئی اسے اپنی طرف سے بنالے، ہاں

یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح محفوظ کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

● تمام جن وانس مل کر اور ایک دوسرے کی مدد کر کے بھی قرآن عظیم جیسا کلام نہیں لا سکتے

چنانچہ ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ [سورۃ بنی اسرائیل: آیت نمبر:۸۸]

ترجمہ: تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔

اس کے علاوہ اور بھی عظمتیں اور فضیلتیں ہیں، جن کی تفصیل سے طوالت کا خوف مانع ہے۔

اب اصل موضوع پر گفتگو مقصود ہے۔

قرآن کی وجہِ تسمیہ:- لفظِ ''قرآن'' یا تو ''قرء'' سے بنا ہے، یا ''قراءۃ'' سے بنا ہے، یا ''قرن'' سے ''قرء'' کا معنیٰ جمع ہونا ہے۔ اب قرآن کو قرآن اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اولین وآخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔

اگر یہ ''قراءۃ'' سے بنا ہے تو اس کا معنیٰ پڑھی ہوئی چیز۔ تو اب کلامِ مقدس کو قرآن اس لیے کہا جاتا ہے، کہ قرآن کریم پڑھا ہوا نازل ہوا، اس طرح سے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کلامِ خداوندی کو بارگاہِ رسول ﷺ میں لے کر حاضر ہوتے اور سرکار ﷺ کے سامنے پڑھ کر سناتے، جب کہ دیگر انبیاے کرام کو ان کے صحیفے اور کتابیں حق تعالیٰ کی جانب سے لکھی ہوئی عطا ہوئیں۔

اگر اس کا مادۂ اشتقاق ''قرن'' ہے جس کے معنیٰ ملنا اور ساتھ رہنا ہے۔ تو اس کو قرآن اس لیے کہا جاتا ہے کہ حق اور ہدایت اس کے ساتھ ہے، نیز اس کی صورتیں اور آیتیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں، کوئی کسی کے مخالف نہیں۔ اس میں عقائد، اعمال، اخلاق، سیاست، عبادات اور معاملات تمام چیزیں ایک ساتھ جمع ہیں۔

قرآن کی فضیلت:- قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، دنیا نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح سے اس کلام سے لوگوں کو دور کر دیں، مگر جتنی کوشش ہوئی اتنا ہی یہ کلام لوگوں کے دلوں میں بستا گیا۔

قرآنِ مقدس ایسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کسی طرح سے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ [سورۂ بقرہ، آیت:۱]

یعنی:- یہ کتاب ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔[کنزالایمان]

مطلب یہ ہے کہ اے پڑھنے والے !اسے یقین کے ساتھ پڑھ، اعتماد کے ساتھ پڑھ، یہ رب کا کلام ہے۔ جب رب میں کوئی شک نہیں، جس پر نازل ہوا، اس میں کوئی شک نہیں، تو اس کلام میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

هُدًى لِلْمُتَّقِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ.[سورۂ بقرہ، آیت:۲]

یعنی:- یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے، وہ جو ایمان لائیں بغیر دیکھے اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی سے ہماری راہ میں خرچ کریں۔[کنزالایمان]

قرآنِ کریم بندوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا، تاکہ بندے اللہ اور اس کے رسول کو پہچانیں، نماز قائم کریں، زکات دیں، ماہِ صیام کے روزے رکھیں۔

اللہ جل شانہ کا ارشادِ دل نواز ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ. [سورۂ یونس، آیت:۵۷]

یعنی:- اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت آئی، دلوں کی صحت، ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے۔[کنزالایمان]

امام احمد رضا اور علمِ قرآن:- مجددِ اسلام اعلیٰ حضرت امامِ عشق و محبت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز دینِ اسلام کے سچے علمبردار اور دینِ حنیف کے سچے مبلغ تھے۔ کسی کے افعال و کردار یا عبارت سے اگر دینِ اسلام پر کوئی آنچ آن پڑتی تو فوراً اس کا سدِباب کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاتے اور احسن طریقے سے ازالہ فرماتے۔

ایک انسان اپنے دماغی کوشش سے بلند پایہ مصنف اور قابلِ صد افتخار ادیب تو بن سکتا ہے، اپنی ذاتی قابلیت کے زور سے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں کا ماہر تو ہو سکتا ہے، اپنے ذہن کی تیزی کے سبب نحو و صرف، معانی و بیان اور حکمت و فلسفہ کا محقق تو ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآنِ عظیم کا مترجم بننا ہر ایک کے بس میں نہیں۔ قرآنِ مجید کی ترجمانی کرنا، کلامِ الٰہی کے اصل منشا اور مراد کو سمجھنا، آیاتِ ربانی کے انداز کو سمجھنا، متشابہات اور محکمات آیتوں میں فرق کرنا، یہ اسی عالمِ ربانی کے بس کی بات ہے، جس کا دماغ

انوارِ ربانی سے روشن، قلب عشقِ مصطفیٰ کا مدینہ اور ذہن بصیرتِ دینیہ کا حامل ہو۔

"سوانحِ اعلیٰ حضرت" میں ہے:

" رہے وہ لوگ جو زبان و ادب، نحو و صرف، فلسفہ و تاریخ وغیرہ علوم کے فاضل ہونے کے باوجود باطل پرستی کے حامی اور پرستار ہیں، تو انھیں بارگاہِ رسالت سے قرآن مجید کی ترجمانی کے لیے تائید رحمانی کا کوئی حصہ نہ ملا، کیوں کہ یہی وہ کسوٹی ہے، جس سے بھلے اور برے کا فرق ظاہر ہوتا ہے، قرآن فہمی ہی وہ معیار ہے جو علمائے باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتا ہے۔" [سوانحِ اعلیٰ حضرت، ص:۳۶۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی]

یوں تو بہت سارے لوگوں نے قرآنِ مقدس کی ترجمانی کو اپنے لیے سعادت مندی اور فیروز بختی تصور کرتے ہوئے اس میدان کی سیر کی ہے، انھیں میں اعلیٰ حضرت، امام عشقِ محبت پروانۂ شمعِ رسالت احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی ذاتِ بابرکات بھی ہے، آپ نے اپنے شاگردِ رشید صدرالشریعہ بدرالطریقہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی مصنف بہارِ شریعت کے پیہم اصرار پر بلا کسی سابقہ تیاری کے قرآنِ مجید کا ایسا باادب اور شاہ کار تفسیری ترجمہ املا کرایا، جسے دیکھ کر اربابِ علم و دانش انگشت بدنداں ہیں۔

اس تاریخی شاہکار کا آپ نے تاریخی نام "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" (۱۳۳۰) تجویز فرمایا۔

کنزالایمان معنوی اعتبار سے ایمان کا خزانہ اور علوم و معارف کا ذخیرہ ہے۔ یہ تقدیس الوہیت اور شان رسالت کا محافظ و نگہبان ہے، عظمت و عصمت انبیا کا نقیب و ترجمان ہے، احادیثِ مبارکہ، اقوالِ صحابہ، تابعین، تبعِ تابعین اور اسلاف کی تفاسیر کا نچوڑ ہے۔ اردو زبان کی فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، اختصار و جامعیت اور زبان و بیان کی نظافت و پاکیزگی سے مزین اور آراستہ ہے۔ کنزالایمان معاشیات، فلکیات، ارضیات اور سائنس کے جدید مسائل کا بہترین حل پیش کرتا ہے۔ الغرض، قرآن کا عین منشائے رب العالمین کے مطابق اردو زبان میں منفرد اور عظیم الشان ترجمہ ہے۔

[جہان امام احمد رضا، ج:۹، ص:۱۴۹، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی]

صاحبِ معارف القرآن نے کنزالایمان کا تعارف ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"کنزالایمان عظمتِ توحید کا محافظ ہے اور احترامِ انبیا و صالحین کا داعی بھی۔ کنزالایمان نے الفاظ کے پیکر کو سامنے رکھتے ہوئے روحِ قرآن کو بڑی حد تک اپنے اندر جذب کر لیا ہے، کنزالایمان میں صفتِ مفہوم و معنیٰ بھی ہے، اور حسنِ ترجمہ بھی، کمال و جامعیت اس کا طرۂ امتیاز ہے اور اختصار و سلاست اس کا خوب صورت زیور۔ خلاصہ یہ کہ کنزالایمان اردو زبان کے اندر صحیح معنوں میں موضحِ قرآن بھی ہے اور ترجمانِ قرآن بھی،

تفہیم قرآن بھی اور تذکیر قرآن بھی، تدبر قرآن بھی ہے اور بیانِ قرآن بھی، روحِ قرآن بھی ہے اور فیضانِ قرآن بھی، ضیائے قرآن بھی ہے اور انوارِ قرآن بھی، معارف قرآن بھی ہے اور محاسنِ قرآن بھی، نظمِ قرآن بھی ہے اور جمالِ قرآن بھی۔" [معارف کنزالایمان، مطبوعہ رضوی کتاب گھر، نئی دہلی]

اب ذیل میں کنزالایمان اور دیگر تراجمِ قرآن کا ایک تقابلی جائزہ پیش خدمت ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ اور لوگوں نے ترجمہ میں احتیاط نہ کرنے کے سبب کبھی توشانِ الوہیت و شانِ رسالت میں گستاخی کر ڈالی اور کبھی ان کی شانِ والاتبار میں ایسا کلمہ استعمال کر بیٹھے جو ان کی شان کے لائق نہیں۔ کچھ نظیریں ملاحظہ ہوں۔

سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے انبیا و رسولانِ عظام ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہیں، خدائے تعالیٰ نے ان سے حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ جیساکہ بہارِ شریعت میں ہے:

"نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے، اور یہ عصمت، نبی اور ملک کا خاصہ ہے، کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں... عصمتِ انبیا کے یہ معنیٰ ہیں کہ ان کے لیے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہولیا، جس کے سبب ان سے صدورِ گناہ محال ہے۔" [بہارِ شریعت، حصہ اول، ص:۳۸، مکتبۃ المدینہ]

بعض مترجمین قرآن نے کچھ مقامات میں قرآن کے ظاہری معنی کو لے کر عصمت انبیاء علیہم السلام پر حملے کی ناکام کوشش کی مگر امامِ عشق و محبت نے ایسے نازک مقامات پر ایسا محتاط ترجمہ فرمایا جس سے ان مترجمین کے ترجمے سے پیدا ہونے والے شبہات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں، ذیل میں اس کی ایک نظیر پیش کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "ووجدك ضالاً فهدىٰ."

مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اس کا ترجمہ کیا: "اور پایا تجھ کو راہ بھٹکتا ہوا پھر راہ سمجھائی۔"

مولوی اشرف علی تھانوی نے ان الفاظ میں ترجمہ کیا "اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو آپ کو (راستہ) دکھلایا۔"

مودودی صاحب نے یہ ترجمہ کیا "اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت دی۔

ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان ترجموں سے عصمت نبی پر بھر پور آنچ آرہی ہے، جسے دفع کرنا بے حد ضروری تھا تاکہ اسلام دشمن عناصر عصمت انبیاء علیہم السلام پر حملے کی جرأت نہ کر سکیں، اس لیے اعلیٰحضرت قدس سرہ نے "ضال" کا ظاہری معنی یہاں پر نہیں لیا بلکہ وہ معنی اختیار کیا جس سے نبی اکرم کی

عظمت کا بھرپور ظہور ہوتا ہے ، اور ساتھ ہی عصمت کے تعلق سے کوئی شبہ بھی پیدا نہیں ہوتا اب اعلیٰحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، وہ رقمطراز ہیں ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''

اس ترجمے کی تائید و توثیق شفا اور اس کی شرح نسیم الریاض کے الفاظ سے یوں ہوتی ہے:

''وقال ابن عطاء فی تفسیر الآیۃ ووجدك ضالا ای محبا لمعرفتی فھداك بانوار ھدایتہ وعنایتہ ولما کان ھذا خلاف المشھور فی اللغۃ بیّنہ بقولہ(والضال)ورد بمعنی المحب کما قال اللہ تعالیٰ انك لفی ضلالك القدیم ای محبتك القدیم وھذامنقول عن قتادۃ وسفیان ومثلہ ای مثل کون الضلال بمعنی المحبۃ فی ھذہ الآیۃ انا لنراھا فی ضلال مبین ای محبۃ بینۃ''.(ج۴،ص:۴۹،۴۸)

حضرت ابن عطا نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:اور تمہیں اپنی معرفت کا محب پایا تو تمہیں اپنی ہدایت و عنایت کے انوار سے راہ دی،اور جب کہ یہ معنی لغت کے معنی مشہور کے خلاف ہے تو اسے اپنے اس قول سے بیان کیا اور ''ضال'' محب کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت فرمایا بیشک آپ اپنی اسی پرانی خودرفتگی میں ہیں،یعنی اپنی محبت میں ،اور یہ تفسیر قتادہ اور سفیان رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور اس کی مثال کہ اس آیت میں ضلال، محبت کے معنی میں ہے یہ ارشاد ہے ''ہم تو اسے خودرفتگی یعنی کھلی ہوئی محبت میں پاتے ہیں۔

ایک دوسری نظیر پیشِ خدمت ہے:

قرآنِ پاک کی ایک آیتِ کریمہ ہے ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استویٰ علی العرش. [سورۂ اعراف آیت ۵۴،پارہ ۸]

مولانا عاشق حسین کشمیری نے اس کا ترجمہ کیا ہے: بے شک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر بیٹھا تخت پر۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔

ایک سعودی عالمِ دین نے اس کا ترجمہ کیا ہے: بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے پھر عرش پر قائم ہوا۔

مولانا امین احمد اصلاحی نے اس کا ترجمہ کیا ہے بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں

اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر متمکّن ہوا۔

اہلِ حدیث کے عالم مولانا وحید الزماں نے اس کا ترجمہ کیا ہے: بے شک تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر تخت پر چڑھا۔

محترم قارئین کرام! آپ نے موجودہ اردو تراجم کو ملاحظہ فرمایا۔ تمام مترجمین نے ذات باری تعالیٰ کے متعلق محتاط انداز نہیں اپنایا بلکہ انھوں نے جو چاہا لکھ دیا جو کہ کھلی گمراہی ہے، حالانکہ بنیادی اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت اور مکان سے پاک ہے تو ایسے الفاظ کا استعمال کرنا اللہ جل شانہ کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

لیکن اب آپ چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام عشق و محبت امام احمد رضا خان برکاتی قدس سرہ العزیز کا دل نواز ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ [کنز الایمان]

اس ترجمے کو بار بار پڑھیے اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ اللہ جلّ مجدہ نے امام احمد رضا کو علم و فضل کا وہ جوہر عطا فرمایا تھا کہ ان نازک جگہوں پر ایسا محتاط ترجمہ فرمایا ہے، جو آپ ہی کی شان کے لائق ہے۔

اور بھی اس کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں، سرِ دست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں بھی ان کے علم کا حصہ عطا فرمائے۔

امام احمد رضا اور علوم حدیث

مولانا کمال احمد علیمی

دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی

حدیث کے معنی عربی زبان میں نئی چیز، گفتگو اور بات چیت کے ہیں، اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

الحديث يطلق على أقوال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم تصريحا وحكما وعلى فعله وتقر يره.

حدیث کا اطلاق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال پر ہوتا ہے۔ یہ اقوال صراحۃ ہوں یا حکماً۔ اور آپ کے فعل وتقریر پر بھی۔

صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال کو بھی تبعاً حدیث میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ صحابہ کرام کی تقریرات بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔

علم حدیث کا موضوع حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے رسول ہونے کی حیثیت سے۔ اور علم حدیث کے حصول کے چند مقاصد ہیں:

(۱) نبی کریم علیہ السلام اور صحابہ کرام کے خصائل اور عادات واطوار سے واقفیت۔

(۲) آپ کی اور آپ کے صحابہ کی پیروی۔

(۳) قرآن حکیم کے مجمل احکام کی توضیح وغیرہ اور عام مقصد، سعادت دارین کا حصول ہے۔(۱)

میرے مقالہ کا عنوان ''امام احمد رضا اور علم حدیث'' ہے۔ اس لیے حدیث کے تعلق سے چند چیزیں جان لینے کے بعد آئیے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کی ایک جھلک دیکھتے چلیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کو جملہ علوم متداولہ نقلیہ وعقلیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مختلف علوم وفنون میں کم وبیش ایک ہزار کتب ورسائل لکھے، فقہ وفتاوی میں رسوخ وتبحر وراثت میں ملا تھا۔ آپ کی زیادہ تر خدمات اسی فن

سے جڑی ہیں، اس کے علاوہ تقریباً پچاس سے زائد علوم وفنون میں طبع آزمائی کی، علم حدیث میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی بلکہ آپ کی تصنیفات کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے آپ کو فن حدیث میں وہ بصیرت حاصل ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساری عمر اس فن کی تحصیل میں گزاری ہے۔(۲)

علمائے عرب میں شیخ اسماعیل مکی نے آپ کو شیخ المحدثین علی الاطلاق (۳) کے لقب سے یاد کیا۔ استاذ المحدثین شاہ وصی احمد محدث سورتی نے فرمایا: ''وہ اس وقت امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔(۴)

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی فرماتے ہیں:

''علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے ان کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت ازبر۔(۵)

علم حدیث پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے تبحر، بصیرت اور صحت نظر کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ علمائے حرمین شریفین اور علمائے عرب نے علم حدیث میں آپ سے اجازتیں لیں۔(۶)

اپنے اس مقالے میں ہم علم حدیث کے حوالے سے آپ کی خدمات کا جائزہ لیں گے۔ اس فن میں آپ کی خدمات پر مندرجہ ذیل زاویوں اور حیثیتوں سے روشنی ڈالیں گے:

(۱) حدیث سے استدلال میں آپ کا اسلوب
(۲) راویان حدیث پر جرح وتعدیل میں آپ کا رسوخ
(۳) فن اسماء الرجال میں آپ کا تبحر
(۴) مختلف روایات میں تطبیق میں آپ کی مہارت
(۵) تخریج حدیث میں آپ کی امتیازی شان
(۶) فتاوی رضویہ اور آپ کے دیگر رسائل میں احادیث کی تعداد
(۷) علم حدیث میں آپ کی تصنیفات
(۸) حوالوں کی کثرت

☆حدیث سے استدلال میں آپ کا اسلوب☆

(۱) احادیث سے استدلال کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں چند امور قابل لحاظ ہیں۔

احادیث سے جن چیزوں کا اثبات ہوتا ہے وہ چار طرح کی ہوتی ہیں:

۱- عقائد قطعیہ، جیسے: توحید، رسالت اور قرآن کا کتاب اللہ ہونا، اس باب میں صرف حدیث متواتر مقبول ہے۔

۲- عقائد ظنیہ، جیسے قبر کے احوال وغیرہ، ان کا اثبات خبر واحد سے بھی ہوتا ہے۔

۳- احکام، ان کے اثبات کے لیے حدیث کا کم از کم حسن لغیرہ ہونا لازم ہے۔

۴- فضائل ومناقب خواہ فضائل اعمال ہوں خواہ فضائل اشخاص، ان سب میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہے۔(۷)

چناں چہ امام ابوزکریا نووی اپنی کتاب مستطاب "كتاب الأذكار المنتخب من كلام سيد الأبرار" (ﷺ) میں فرماتے ہیں:

"قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز و يستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا."(۸)

ترجمہ: علماے محدثین وفقہا کے بقول فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے اگر وہ موضوع نہ ہو۔

(۲) امام احمد رضا نے اپنی کتابوں میں احادیث سے استدلال کا جو طرز اختیار کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، آپ کے اسلوب استدلال کی چند خوبیاں یہ ہیں:

۱- مسئلہ جس پایے کی حدیث چاہتا ہے اسی پایہ کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

۲- احادیث کے ظاہر ہی نہیں باطن پر بھی نظر رکھتے ہیں، اور منشاے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں۔

۳- جہاں عقائد میں فساد کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں ایسی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس سے فساد دفع ہو۔(۹)

۴- حدیث کو پیش کرنے کے ساتھ کہیں یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ یہ حدیث اور کن ائمہ فن حدیث کی شرط ومعیار پر ہے یعنی امام بخاری کی شرط پر ہے یا مسلم وترمذی وغیرہ کی شرط پر۔(۱۰)

۵- طبقوں اور درجوں کا خاص خیال رکھا ہے کہ استدلال کے وقت سب سے پہلے آیات قرآنیہ کے بعد پہلے طبقہ کی کتابوں سے حدیثیں اخذ کیں، پھر دوسرے طبقے کی کتابوں سے، اسی طرح تیسرے، چوتھے طبقے کی کتابوں سے بھی۔(۱۱)

۶- ایک ایک حدیث کے حوالے میں کئی کئی کتب حدیث کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بھی نشان دہی

کرتے ہیں کہ فلاں کتاب میں ان الفاظ میں یہ حدیث مذکور ہے اور فلاں کتاب میں یہی حدیث ان الفاظ میں ہے۔ اور کہیں پر یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں فلاں راوی سے مروی ہے۔

۷- حسب ضرورت حدیث کے حسن وصحت نیز ضعف ووضع کو بھی بیان کرتے ہیں۔

۸- کسی محدث نے حدیث کی تصحیح یا تضعیف کی ہے تو اس کا نام بھی ذکر کرتے ہیں۔

۹- مستدل حدیث میں شارحین حدیث کے بہت سارے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔

☆راویان حدیث پر جرح وتعدیل☆

(۱) فن جرح وتعدیل کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

هو علم يبحث فيه عن جرح الرواة وتعديلهم بالفاظ مخصوصة. (۱۲)

ایسا علم ہے جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ راویوں کے جرح وتعدیل سے بحث کی جاتی ہے۔

تعدیل، راوی کی عدالت وضبط کی تحقیق کو کہتے ہیں جب کہ جرح سے مراد وہ امور ہیں جو عدالت وضبط پر اثرانداز ہوتے ہیں جن کی تعداد تیرہ بیان کی جاتی ہے۔

عدالت پر اثرانداز امور یہ ہیں:

کذب، اتہام کذب، فسق، بدعت، جہالت۔

اور ضبط پر اثرانداز امور یہ ہیں:

زیادت غلط، سوء حفظ، فرط غفلت، زیادت وہم، مخالفت ثقات، شہرت تساہل، شہرت قبول تلقین، نسیان۔

جرح وتعدیل کے بہت سارے فائدے ہیں، اس سے حدیث کی صحت وسقم کا پتہ چلتا ہے چناں چہ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

الكلام فی الجرح والتعديل لتمييز الصحيح من السقيم. (۱۳)

جرح وتعدیل میں کلام کا مقصد صحیح حدیث اور سقیم حدیث میں خط امتیاز کھینچنا ہے۔

واضح رہے کہ جرح وتعدیل وہی معتبر ہے جو ائمہ فن سے بغیر کسی تعصب یا بے جا حمایت کے منقول ہو۔ (۱۴)

اس طرح جن علما وفقہا کو امت نے اپنا مقتدا بنا لیا ہے ان پر کسی کی تنقید وجرح مقبول نہیں، چناں

چہ یہی علامہ ابن حجر عسقلانی، حافظ ابن عبد البر کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والصحیح فی هذا أن من صحت عدالته وثبتت فی العلم أمانته و بانت ثقته وعنایته بالعلم لم یلتفت فیه إلی قول أحد إلا أن یاتی فی جرحه بیّنة عادلة. (۱۵)

اور جرح وتعدیل کے باب میں صحیح بات یہ ہے کہ وہ راوی جس کی عدالت درجہ صحت پر ہو اور علم میں اس کی امانت ثابت ہو اور اس کا ثقہ ہونا اور علم کی طرف متوجہ ہونا عیاں ہو تو اس کی جرح وتعدیل میں کسی کا قول معتبر نہیں ہوگا تاوقتے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی عادل دلیل نہ لائے۔

چوں کہ صحابہ کرام باجماع امت اور بموجب قول باری تعالی ''وألزمهم کلمة التقوی وکانوا أحق بها وأهلها'' [الفتح:۲۶] کے عادل ثقہ ہیں اس لیے ان کی ذات ستودہ صفات ہر قسم کی جرح وتعدیل سے بالاتر ہے، البتہ تابعین میں عادل اور غیر عادل سبھی ہیں۔ اور چوں کہ اس دور میں رافضی، خارجی، معتزلی جیسے فرق باطلہ پیدا ہو چکے تھے۔ اس لیے ماہرین حدیث کو ضرورت محسوس ہوئی کہ حدیث کے راویوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ چناں چہ محدثین کرام نے جب اس طرف توجہ دی تو اسماء الرجال پر مشتمل ایک فن ہی معرض وجود میں آگیا۔ (۱۶)

جرح وتعدیل کا زیادہ تر سلسلہ متون حدیث کی تالیف کے آخری عہد یعنی امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) کے عہد تک رہا، پھر چوں کہ احادیث کے اصل و معتمد تمام مجموع تصنیف کیے جا چکے تھے اس لیے اس کے بعد رواۃ کے حالات کو جمع کرنے کا نہ اہتمام کیا گیا اور نہ ہی اس کی ضرورت رہ گئی لہذا اب تو صرف انھی کتابوں کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ (۱۷)

امام احمد رضا کو اس فن میں کمال حاصل تھا، چناں چہ جرح میں امام احمد رضا کی مہارت ملاحظہ ہو:

☆ مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے یا دونوں سے؟ اس سلسلہ میں امام احمد رضا نے ایک حدیث نقل فرمائی جس میں ''ید'' کا لفظ آیا ہے، فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ ید اگرچہ واحد ہے لیکن استعمال دونوں ہاتھوں کے لیے شائع وذائع ہے تو اس حدیث کے ذریعہ ایک ہاتھ سے مصافحہ ہرگز ثابت نہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

یہ اس وقت ہے کہ حدیث مذکور کو قابل احتجاج مان بھی لیں۔ ورنہ اگر نقد وتنقیح پر آئیں تو وہ ہرگز نہ صحیح ہے نہ حسن، بلکہ ضعیف ومنکر ہے، مدار اس کا حنظلہ بن عبد اللہ سدوسی پر ہے اور حنظلہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

امام یحیی بن سعید قطان نے کہا: "ترکتُه عمدا؛ کان قد اختلط" (میں نے اس کو عمداً متروک کیا، صحیح الحواس نہ رہا تھا۔)

امام احمد نے فرمایا: ضعیف منکر الحدیث ہے "یحدّث بأعاجیب" (تعجب خیز روایتیں لاتا ہے۔) امام یحیی بن معین نے کہا: "لیس بشيء، تغیر فی آخر عمره." (کوئی چیز نہیں تھا، آخر عمر میں متغیّر ہو گیا تھا۔)

امام نسائی نے کہا: "ضعیف" ایک بار فرمایا: "لیس بقوی"۔

یہ تمام تفصیلات امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں ذکر فرمائیں، یوں ہی امام ابو حاتم نے کہا: "قوی نہیں"۔ اور آخر میں خاتم الحفاظ امام ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں اس کے ضعف پر جزم فرمایا۔

یہ ہے نقد رجال پر امام احمد رضا محدث بریلوی کی عمیق نگاہ کہ سات ائمہ حدیث کے اقوال سے حنظلہ سدوسی پر جرح مفسر و مبہم فرمائی۔ (۱۸)

اب آئیے تعدیل میں آپ کے رسوخ کی ایک جھلک دیکھیں۔

☆ "المَحَجّة المؤتمنة" میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ مسجد میں ذمی کافر کا داخلہ جائز ہے یعنی ذمی کتابی کا۔

اس حدیث کی سند کو امام بدر الدین عینی نے "جیّد" کہا تھا حالاں کہ تقریب التہذیب میں اس سند میں وارد "اشعث بن سوار" کو ضعیف بتایا گیا ہے۔

اس پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کی سند ہمارے اصول پر جیّد ہے، پھر اشعث بن سوار کی تعدیل و توثیق میں فرمایا:

یہ امام شعبہ، امام ثوری، اور یزید بن ہارون وغیرہم جیسے جلیل القدر ائمۂ حدیث کے استاذ ہیں اور امام شعبہ کا روایت حدیث میں محتاط ہونا خوب معلوم ہے۔

اشعث کی جلالت شان کے پیش نظر ہی ان کے شیخ ابو اسحاق السبیعی نے ان سے روایت کی، حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ اشعث مجالد سے اثبت ہیں۔

ابن مہدی نے کہا: یہ مجالد سے ارفع ہیں، اور مجالد صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

ابن معین نے کہا: مجھے اسماعیل بن مسلم سے زیادہ محبوب ہیں۔

امام عجلی کہتے ہیں: حدیث میں محمد بن سالم سے امثل ہیں۔

ابن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں۔
عثمان بن ابی شیبہ نے کہا: صدوق ہیں۔
ابن شاہین نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔
ابن عدی نے کہا: میں نے ان کی کسی حدیث کو منکر نہیں پایا۔
بزار کہتے ہیں: ہم کسی ایسے محدث کو نہیں جانتے ہیں جنہوں نے ان کی حدیث کو چھوڑا ہو، ہاں بعض حضرات نے جو فن حدیث میں قلیل المعرفہ ہیں۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ اشعث کے بارے میں یہ توثیق و تعدیل تو منقول ہے لیکن کوئی جرحِ مفسر مذکور نہیں؛ لہذا یہ حدیث حسن ہے۔(۱۹)
اس طرح سے امام احمد رضا نے تقریبا نو ائمہ حدیث کے حوالے سے اشعث بن سوار کی تعدیل فرمائی۔

☆ فن اسماء الرجال میں آپ کا تبحر ☆

(۱) علم اسماء الرجال وہ علم ہے جس کے ذریعہ رجال حدیث اور راویان حدیث سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ راویان حدیث کی شخصیات اور ان کے حالات زندگی کا علم ایک اہم چیز ہے۔ اس لیے کہ جب تک کسی شخصیت کی تعیین اور امتیاز نہ ہوگا اس کے حق میں شرائط مقبولیت کے وجود و عدم وجود اور ہر ایک کے مراتب کی تحقیق نہیں ہو سکتی" علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

ولما كان الدين هوماجاءنا من الله عز وجل وعن رسوله، صلى الله تعالى عليه وسلم بنقل الرواة حق علينا معرفتهم، ووجب الفحص عن الناقلة والبحث عن أحوالهم. (۲۰)
(ترجمہ: اور چوں کہ دین وہی ہے جو نقل رواۃ کے ذریعہ اللہ ورسول کی طرف سے ہم تک پہنچا اس لیے ان رواۃ کی جانکاری ہم پر لازم ٹھہری اور ناقلین کی چھان پھٹک اور ان کے احوال کی کھوج بین ضروری قرار پائی۔)
اس فن سے بہت سارے فنون جڑے ہیں جن میں معرفت صحابہ، معرفت تابعین، معرفت تواریخِ رواۃ، معرفت رواۃ ثقات وضعاف اور معرفت طبقات علماورواۃ نہایت اہم فنون ہیں۔
اس فن کی مشہور کتابوں میں امام ذہبی کی طبقات مشاہیر الاسلام، تذکرۃ الحفاظ، علامہ ابن حجر کی

لسان المیزان اور امام سیوطی کی ''ذیل'' قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر امام ذہبی کی دونوں کتابیں ایک ہجری سے لے کر ۷۰۰ھ تک کے رواۃ کے حالات کو محیط ہے، اور لسان المیزان نویں صدی تک کے اور ''ذیل'' ۹۱۰ھ تک کے مشاہیر کے حالات وخدمات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اس فن کو علم حدیث کے دقیق ترین فنون میں گنا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایک راوی کے بارے میں یہ جاننا کہ وہ کب اور کہاں پیدا ہوا، اس کے مشائخ کون کون ہیں، اس کی عدالت وضبط کس درجہ کی ہے، اس کی تاریخ وفات (اگر وہ وفات پا چکا ہے) کیا ہے؟ اس کی مرویات کی تعداد کتنی ہے؟ یہ ساری چیزیں حیطۂ علم میں لانا اور ان کو محفوظ رکھنا محال نہیں تو انتہائی مشکل امر ضرور ہے۔ لیکن ہزار ہزار رحمتیں برسیں ان محدثین عظام کی قبروں پر جنھوں نے جگر سوزی اور جان فشانی سے اس مشکل فن پر بھی عبور حاصل کیا اور اس میدان میں بے شمار قابلِ قدر خدمات انجام دیں، جس کے نتیجے میں تقریبا ۵/ لاکھ رواۃ حدیث کے حالات کتابوں میں موجود ومحفوظ ہیں۔

امام احمد رضا کی شخصیت اس فن میں بھی یگانۂ روزگار نظر آتی ہے، چناں چہ ڈاکٹر طفیل اپنے مقالہ ''حدیث نبوی فتاوی رضویہ کا بنیادی ماخذ'' میں فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا بریلوی اصول حدیث جرح وتعدیل، سلسلۂ رواۃ اور علم الرجال پر بھی وسیع نظر رکھتے تھے اور انھوں نے مسائل کے استنباط اور ان کے استدلال اور وجوہ استدلال بیان کرنے کے لیے ان علوم سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔'' (۲۱)

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم رجال کا ہے، اعلی حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کے جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تہذیب وتذہیب میں وہی الفاظ مل جاتے''۔ (۲۲)

اس فن میں آپ کے رسوخ کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

تمام بنوہاشم وسادات کرام پر حرمت زکوۃ ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اول تا آخر متونِ مذہب قاطبۃً بے شذوذ شاذ وعامۂ شروح معتمدہ وفتاوی مستندہ اس حکم پر ناطق اور خود حضور پر نور سید السادات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس باب میں وارد، اس وقت جہاں تک فقیر کی نظر ہے، بائیس صحابہ کرام اور تین ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہم نے اس مضمون کی

حدیثیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیں:

● حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنه احمد والبخاری ومسلم ● حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنه احمد وابن حبان بر جال ثقات ● حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی الامام الطحاوی والحاکم وابو نعیم وابن سعد فی الطبقات وابو عبیدة القاسم بن سلام فی کتاب الاموال، وروی عنه الطحاوی حدیثاً آخر والطبرانی حدیثا ثالثا، ● حضرت عبدالمطلب ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنه احمد ومسلم والنسائی ● حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنه ابن حبان والطحاوی والحاکم وأبو نعیم ● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنه الشیخان، وله عند الطحاوی حدیثان آخران ● حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنه البخاری ومسلم، وله عند الطحاوی حدیث آخر ● حضرت معاویہ بن حَیدہ قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنه الترمذی والنسائی، وله عند الطحاوی حدیث آخر ● حضرت ابورافع مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روی عنه احمد وابو داود والترمذی والنسائی والطحاوی وابن حبان وابن خزیمة والحاکم ● حضرت ہرمز یا کیسان مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روی عنه احمد و الطحاوی ● حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ● حضرت ابوعمیرہ رشید بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی عنهما الطحاوی ● حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ● حضرت عبدالرحمن بن علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقال: صحابی ● حضرت عبدالرحمن بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنه علق عن الثلثة الترمذی ● حضرت ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی عنها الستة، حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روی عنها الطحاوی ● حضرت ام المومنین جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی عنها أحمد ومسلم. (۲۳)

☆ مختلف روایات میں تطبیق ☆

حدیث کی باعتبار نقل دو قسمیں ہیں:

(۱) معمول بہ، (۲) غیر معمول بہ۔

پہلی قسم کے تحت دو قسمیں آتی ہیں: (۱) محکم، (۲) ناسخ، جب کہ دوسری قسم کے تحت بھی دو قسمیں

آتی ہیں۔(۱) مختلف (۲) منسوخ۔

محکم وہ حدیث مقبول ہے جو اسی درجہ کی کسی دوسری حدیث کے معارض نہ ہو، اور مختلف اس حدیث کو کہتے ہیں جو اسی درجہ کی دوسری حدیث کے معارض و مخالف ہو اسے مشکل الحدیث یا مشکل الاثر بھی کہتے ہیں۔

حدیث مختلف کی دو قسمیں ہیں:(۱) ممکن الجمع (۲) ممتنع الجمع۔

ممتنع الجمع ان احادیث مختلفہ کا نام ہے جن میں جمع و معرفت ناممکن ہو، اور ممکن الجمع وہ احادیث مختلفہ ہیں جن میں جمع کی صورت ممکن ہو، ایسی احادیث جو ممکن الجمع ہوں ان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کو اصطلاح میں تطبیق کہتے ہیں۔

فنون حدیث میں تمام علما اس فن سے واقفیت ضروری سمجھتے ہیں، لیکن اس فن میں کامل مہارت انہیں کو حاصل ہوتی ہے جو حدیث وفقہ دونوں کے جامع ہوں۔(۲۴)

فن حدیث کے شناوروں نے اس باب میں خوب داد تحقیق دی ہے چناں چہ امام ابن خزیمہ فرمایا کرتے تھے:''مجھے ایسی دو احادیث کا علم نہیں جن میں باہم تعارض ہو۔(۲۵)

اس فن میں متعدّد کتابیں لکھی گئیں جن میں سب سے پہلی کتاب اختلاف الحدیث للامام الشافعی (م ۲۰۴ھ) ہے، اس کے علاوہ شرح مشکل الآثار للطحاوی (م ۳۲۱ھ)، تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) اور مشکل الحدیث لابن فورک (م ۴۰۶ھ) بھی اس فن کی مشہور کتابیں ہیں۔

امام احمد رضا کو اس فن میں ید طولی حاصل تھا، آپ نے متعدّد احادیث مختلفہ میں تطبیق پیدا کر کے ان کے تعارض کو اٹھایا ہے، طوالت کے خوف سے صرف ایک مثال حاضر ہے۔

بخاری شریف، ج:۲، ص:۸۵۰ پر یہ حدیث ہے:

''لا عدوی و لا طیرۃ'' اور اسی صفحہ پر اس کے معارض ایک دوسری حدیث مذکور ہے۔''فر من المجذوم کما تفر من الاسد''.

پہلی حدیث سے ثابت کہ کوئی بیماری متعدّی نہیں ہوتی ہے، جب کہ دوسری حدیث سے وہم ہوتا ہے کہ بیماری متعدّی ہوتی ہے ورنہ جذامی سے دور بھاگنے کا حکم کیوں کر دیا جاتا، امام احمد رضا دونوں حدیثوں میں جمع و تطبیق یوں فرماتے ہیں:

پہلی حدیث اپنے افادہ میں صاف صریح ہے کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، کوئی مرض ایک سے دوسرے کی

طرف سرایت نہیں کرتا، کوئی تندرست بیمار کے قرب واختلاط سے بیمار نہیں ہوجاتا۔

رہی دوسری حدیث تو اس قبیل کی احادیث اس درجہ عالیہ صحت میں نہیں جس پر احادیث نفی ہیں، ان میں اکثر ضعیف ہیں اور بعض غایت درجہ حسن ہیں، صرف حدیث مذکور کی تصحیح ہوسکتی ہے، مگر وہی حدیث اس سے اعلی وجہ پر جو صحیح بخاری میں آئی خود اسی میں ابطال عدویٰ موجود کہ ''مجذوم سے بھاگو اور بیماری اڑکر نہیں لگتی''۔ تو یہ حدیث خود واضح کر رہی ہے کہ بھاگنے کا حکم اس وسوسہ اور اندیشہ کی بنا پر نہیں۔ لہذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہے، کہ اسے امام بخاری نے مسنداً روایت نہ کیا بلکہ بطور تعلیق۔

لہذا کوئی حدیث اصلا ثبوت عدویٰ میں نص نہیں، یہ تو متواتر حدیثوں میں فرمایا کہ ''بیماری اڑکر نہیں لگتی''۔ اور یہ کسی حدیث میں بھی نہیں آیا کہ عادی طور پر اڑکر لگ جاتی ہے۔

قول مشہور ومذہب جمہور ومشرب منصور کہ دوری وفرار کا حکم اس لیے ہے کہ اگر قرب واختلاط رہا اور معاذ اللہ قضا وقدر سے کچھ مرض اسے بھی حادث ہوگیا تو ابلیس لعین اس کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ دیکھ بیماری اڑکر لگ گئی۔

اول تو یہ ایک امر باطل کا اعتقاد ہوگا، اسی قدر فساد کے لیے کیا کم تھا، پھر متواتر حدیثوں میں سن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ بیماری اڑکر نہیں لگتی یہ وسوسہ جمنا سخت خطرناک اور ہائل ہوگا، لہذا ضعیف الیقین لوگوں کو اپنا دین بچانے کے لیے دوری بہتر ہے۔ ہاں، کامل الایمان وہ کرے جو صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما نے کیا اور نہایت مبالغہ کے ساتھ کیا کہ ایک مجذوم کے ساتھ کھانا کھایا تو جہاں سے وہ مجذوم نوالہ لیتے وہیں سے آپ نوالہ لے کر نوش فرماتے، اور حضرت فاروق اعظم نے حضرت معیقیب بدری صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ کھانا کھایا جب کہ ان کو یہ مرض تھا، اگر معاذ اللہ کچھ حادث ہوتا ان کے خواب میں بھی خیال نہ گزرتا کہ یہ عدوائے باطلہ سے پیدا ہوا، ان کے دلوں میں ایمان کوہ گراں شکوہ سے زیادہ مستقر تھا کہ ''لن یصیبنا إلا ما کتب اللہ لنا''۔

اسی طرف اس قول وفعل حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ساتھ کھلایا اور ''کل ثقة باللہ وتوکلا علیہ'' فرمایا:

بالجملہ مذہب معتمد وصحیح ورجیح ونجیح یہ ہے کہ جذام کھجلی، چیچک اور طاعون وغیرہا اصلا کوئی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز اڑکر نہیں لگتی، یہ محض اوہام بے اصل ہیں کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہوجاتا ہے کہ

ارشاد ہوا: ”أنا عند ظن عبدی بي“ (میں اپنے بندے سے اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔)
وہ اس دوسرے کی بیماری اسے نہ لگی بلکہ خود اسی کی باطنی بیماری کہ وہم پرورده تھی صورت پکڑ کر ظاہر ہوگئی، فیض القدیر میں ہے۔”بل الوهم وحده من أكبر أسباب الإصابة.“ اس لیے اور نیز کراہت واذیت وخود بینی وتحقیر مجذوم سے بچنے کے واسطے اور اس دور اندیشی سے کہ مبادا اسے کچھ پیدا ہو اور ابلیس لعین کچھ وسوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی اور اب معاذ اللہ اس امر کی حقانیت اس کے خطرہ میں گزر دے گی جسے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باطل فرما چکے۔ یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا، ان وجوہ سے شرع حکیم ورحیم نے ضعیف الیقین لوگوں کو حکم استحبابی دیا ہے کہ اس سے دور رہیں اور کامل الایمان بندگان خدا کے لیے کچھ حرج نہیں کہ وہ ان سب مفاسد سے پاک ہیں۔(۲۶)

☆ تخریج حدیث ☆

تخریج کہتے ہیں حدیث کے اصل ماخذ اور اس کے مرتبہ ومقام کی تحقیق کرنا۔
اس فن کی اہمیت وافادیت ظاہر ہے، اس لیے کہ ہر دینی تقریر وتحریر میں احادیث کا ذکر آتا ہے اور ان کا اعتبار احادیث کے مآخذ اور مراتب کے علم پر موقوف ہے۔
ابتدائی چند صدیوں میں تخریج کی ضرورت پیش نہیں آئی، پھر جب علوم وفنون کی کثرت ہوئی، پھر جب اور لوگوں میں علم حدیث کی جانب رجحان کم نظر آیا تو محققین حدیث نے اس کام کا آغاز فرمایا۔ شروع میں تخریج کا انداز یہ تھا کہ صرف کتاب جس میں حدیث مذکور ہوتی اور راوی کا تذکرہ کر دیا جاتا تھا، عصر حاضر میں تخریج کا عام طریقہ یہ ہے کہ کسی حدیث کے تعلق سے ان کتابوں کے اسماء، باب، جلد، صفحہ، مطبع اور دیگر ضروری چیزوں کی نشاندہی کی جاتی ہے، جس سے اصل کی طرف رجوع میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔
اس فن کی اہم کتابیں یہ ہیں:
(۱) نصب الرايه في تخريج أحاديث الهدايه: فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”ہدایہ“ کی حدیثوں کی تخریج جو امام عبد اللہ بن یوسف زیلعی کی تالیف ہے۔
(۲) تخريج أحاديث المهذب: فقہ شافعی کی کتاب ”المہذب“ کی احادیث کی تخریج جو امام محمد بن موسیٰ حازمی کی تصنیف ہے۔
(۳) المغني عن حمل الأسفار في الأسفار: امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب ”احیاء العلوم“

کی احادیث کی تخریج ہے جو امام عبد الرحیم بن عراقی (م ۸۰۶ھ) کی تصنیف ہے۔

تخریج کے بہت سارے فوائد ہیں، اس سے حدیث کی سند میں علو پیدا ہوتا ہے۔ کثرت طرق کی بنا پر حدیث کو تقویت ملتی ہے۔ اور تعارض کی صورت میں مستخرج حدیث دوسری حدیث پر راجح و فائق قرار پاتی ہے۔

امام احمد رضا کو فن تخریج میں جو مہارت حاصل تھی وہ حد ایجاد تک پہنچی ہوئی تھی اس فن میں آپ نے دو رسالے تصنیف کیے ہیں "الروض البهيج فی آداب التخريج" اور "النجوم الثواقب فی تخريج أحاديث الكواكب." اول الذکر رسالہ کو دیکھ کر مولانا رحمن علی صاحب ممبر کونسل آف ریاست ریواں، مدھیہ پردیش نے لکھا تھا:

"اگر فن تخریج میں اور کوئی کتاب نہ ہو تو مصنف کو اس تصنیف کا موجد کہا جا سکتا ہے۔" (۲۷)

واضح رہے کہ مولانا عبد المبین نعمانی صاحب کی تحقیق کے مطابق اس فن میں اعلی حضرت کی چار تصنیفات ہیں۔ (۲۸)

☆ حوالوں کی کثرت ☆

امام احمد رضا محدث بریلوی جب کوئی حدیث نقل فرماتے ہیں تو ان کی نظر اتنی وسیع و عمیق ہوتی ہے کہ بسا اوقات وہ کسی ایک کتاب پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پانچ، دس اور بیس بیس کتابوں کے حوالے دیتے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام کتابیں اس موضوع پر ان کے سامنے کھلی رکھی ہیں اور سب کے نام لکھتے جا رہے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ کس محدث نے کس صحابی سے روایت کی۔ (۲۹)

اس سلسلہ میں ایک مثال ملاحظہ ہو:

"رادُّ القحط والوباء" نامی رسالہ میں ایک حدیث نقل فرمائی:

الدرجات إفشاء السلام وإطعام الطعام والصلٰوة بالليل والناس نيام.

اللہ عزوجل کے یہاں درجہ بلند کرنے والے ہیں سلام پھیلانا اور ہر طرح کے لوگوں کو کھانا کھلانا اور رات کو لوگوں کے سوتے میں نماز پڑھنا۔

اب اس ایک حدیث کے حوالوں کی کثرت ملاحظہ ہو:

رواه إمام الأئمة أبوحنيفة والأمام أحمد وعبد الرزاق فی مصنفه، والترمذي والطبراني عن ابن عباس، وأحمد والترمذي والطبراني وابن مردويه

عن معاذ بن جبل . وابن خزيمة و الدارمی والبغوی وابن السكن وأبو نعيم وابن بسطة عن عبدالرحمن بن عايش، وأحمد والطبرانی عنه عن صحابي، و البزار عن ابن عمر و ثوبان . والطبرانی عن أبي أمامة . وابن قانع عن أبي عبيدة بن الجراح . والدارمي وأبو بكر النيسابوری فی الز يادات عن أنس .

وأبو الفرج فی العلل تعليقا عن أبي هر يرة . وابن أبي شيبة مرسلا عن عبدالرحمن بن سابط رضی الله تعالىٰ عنهم أجمعين. (۳۰)

امام احمد رضا نے دس صحابہ کرام اور ایک تابعی کی روایت، حدیث کی ۲۳ر کتابوں سے نقل فرمائی۔

☆فن حدیث میں آپ کی تصنیفات☆

علامہ ملک العلما ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق اس فن میں آپ کی تصنیفات کی تعداد گیارہ ہے۔

(۱) إسماع الاربعين فی شفاعة سيد المحبوبين (۲) تلالؤ الأفلاك بجلال حديث لو لاك (۳) إنباء الحذاق بمسالك النفاق (٤) أعجب الإمداد فی مكفرات حقوق العباد (۵) الهداية المباركه فی خلق الملائكة (٦) النجوم الثواقب فی تخريج أحاديث الكواكب (۷) الروض البهيج فی آداب التخر يج (۸) البحث الفاحص عن طرق أحاديث الخصائص (۹) ذيل المدعا لأحسن الوعاء (۱۰) الأحاديث الراو يه لمدح الأمير معاو ية (۱۱) الاجازات المتينه لعلماء بكة و المدينة . (۳۱)

علاوہ ازیں آپ نے چالیس سے زائد حدیث کی کتابوں پر حواشی تحریر فرمائے ہیں جن میں امہات الکتب صحاح ستہ بھی شامل ہیں، ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں کو اپنے حواشی سے مزین کیا ہے۔

تیسیر شرح جامع صغیر، تقریب التہذیب، سنن دارمی، کتاب الاسماء والصفات، موضوعات کبیر، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، تذکرۃ الحفاظ، خلاصۃ تھذیب الکمال، میزان الاعتدال، کشف الاحوال فی نقد الرجال، اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ، مجمع بحار الانوار، کنزالعمال، کتاب الآثار، کتاب الحجج، مسند امام احمد، طحاوی شریف، خصائص کبری وغیرہ۔(۳۲)

واضح رہے کہ حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی کی تحقیق کے مطابق اس فن میں آپ کی تصنیفات کی

تعداد ۲۶، اسانید حدیث میں ۳، اصول حدیث میں ۶، تخریج احادیث میں ۴، جرح وتعدیل میں ۲، اسماء الرجال میں ۷، اور لغت حدیث میں ایک ہے۔(۴۳)

☆فتاوی رضویہ اور آپ کے رسائل میں احادیث کی تفصیلی تعداد☆

(۱) فتاوی رضویہ امام احمد رضا کا عظیم شاہکار ہے، فتاوی عالم گیری کے بعد ہندوستان میں اگر فتاوی کی کسی کتاب کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے تو وہ فتاوی رضویہ ہے، اس کا پورا نام ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ'' ہے۔ امام احمد رضا نے فتاوی میں اپنے موقف کی تائید میں آیات قرآنیہ کے بعد احادیث رسول علیہ السلام کو بطور دلائل پیش کیا ہے۔ پوری کتاب احادیث رسول کے گل بوٹوں سے لالہ زار ہے، یہ کتاب قدیم ایڈیشن کے مطابق بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ذیل میں ہر جلد کی احادیث کی تعداد پیش کرتے ہیں:

المجلد الاول	اس میں احادیث کی تعداد ۲۵۶ ہے۔			
المجلد الثانی	//	//	۴۷۱	//
المجلد الثالث	//	//	۵۶۲	//
المجلد الرابع	//	//	۵۴۴	//
المجلد الخامس	//	//	۱۸۰	//
المجلد سادس	//	//	۱۴۲	//
المجلد السابع	//	//	۹۴	//
المجلد الثامن	//	//	۸۹	//
المجلد التاسع	//	//	۷۷۲	//
المجلد العاشر	//	//	۱۲۴	//
المجلد الحادی عشر	//	//	۱۸۱	//
المجلد الثانی عشر	//	//	۷۶	//
المجلد التاسع	//	//	۷۷۲	//

واضح رہے کہ یہ فتاوی رضویہ کے علاوہ بہت سارے رسائل ہیں جن میں احادیث رسول مندرج ہیں، حال ہی میں مولانا محمد حنیف صاحب رضوی نے ان تمام احادیث کو جمع کر کے ایک کتاب بنام ''جامع

الاحادیث ترتیب دی ہے، جس میں اعلیٰ کے ساتھ تین سو کتب ورسائل سے تقریبا۳۶۶۳احادیث درج کی ہیں۔ اس سے پہلے بھی حضرت مولانا محمد عیسی رضوی نے ''امام احمد رضا اور علوم حدیث'' نامی کتاب لکھی تھی جس میں صرف فتاوی رضویہ کی احادیث کو جمع کیا گیا تھا۔ اگر اعلیٰ حضرت کی حدیث دانی دیکھنی ہو تو ان دونوں کتابوں کا مطالعہ سود مند ہوگا۔

حوالہ جات:

(۱) حدیث واصول حدیث مشمولہ جامع الاحادیث،۱/۴۸۷،۴۸۸، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۲) محدث بریلوی، تقدیم جامع الاحادیث از پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کراچی،۱/۶۱۔
(۳) رسائل رضویہ ۲/۲۶۰،۷،لاہور۱۹۷۶ء
(۴) جامع الاحادیث۱/۴۰۷، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۵) خطبۂ صدارت، ناگپور، ۱۳۷۹ھ/۱۹۰۰ء بحوالہ معارف رضا کراچی،۱۹۹۸ء، ص:۲۱۔
(۶) رسائل رضویہ، لاہور۱۹۷۶ء۲/۷/۲۲۷،۳۵۹۔
(۷) نزہۃ القاری شرح بخاری،۱/۴۳، مطبوعہ دائرۃ البرکات، گھوسی۔
(۸) کتاب الأذکار للنووی، ص:۷، بحوالہ نزہۃ القاری۱/۴۳۔
(۹) تقدیم بر کتاب جامع الاحادیث از پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب،۱/۶۸،۶۹۔
(۱۰) امام احمد رضا اور علوم حدیث،۱/۲۹، مطبوعہ رضوی کتب گھر، دہلی۔
(۱۱) امام احمد رضا اور علوم حدیث،۱/۴۰، مطبوعہ رضوی کتب گھر، دہلی۔
(۱۲) تھذیب التھذیب،۱/۱۹، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، لاہور، پاکستان۔
(۱۳) تھذیب التھذیب،۱/۱۹، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، لاہور، پاکستان۔
(۱۴) جامع الاحادیث۱/۵۵۹، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۱۵) تھذیب التھذیب،۱/۱۹، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، لاہور، پاکستان۔
(۱۶) مقدمہ نزہۃ القاری۱/۲۸،۲۹، مطبوعہ دائرۃ البرکات، گھوسی۔
(۱۷) جامع الاحادیث۱/۵۶۲، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۱۸) جامع الاحادیث۱/۴۲۹، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔

(۱۹) جامع الاحادیث ۱/۴۲۵، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۲۰) تھذیب التھذیب، ۱/۱۵، مطبوعہ فارقی کتب خانہ، لاہور، پاکستان۔
(۲۱) معارف رضا کراچی، ۱۹۹۳ء، ص:۳۹۔
(۲۲) خطبہ صدارت، ناگپور، ۱۳۷۹ھ/۱۹۰۰ء بحوالہ معارف رضا کراچی، ۱۹۹۸ء، ص:۲۱۔
(۲۳) امام احمد رضا اور علوم حدیث، ۱/۱۹، مطبوعہ رضوی کتب گھر، دہلی۔
(۲۴) جامع الاحادیث ۱/۵۱۸، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۲۵) تدریب الراوی للعلامۃ السیوطی ۲/۱۹۶۔
(۲۶) جامع الاحادیث، مقدمہ، ص:۴۵۱-۴۵۳، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۲۷) معارف رضا کراچی، ۱۹۹۸ء
(۲۸) جامع الاحادیث، مقدمہ، ص:۴۰۵، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۲۹) جامع الاحادیث، مقدمہ، ص:۴۱۳، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۳۰) رسالہ مبارکہ رادّ القحط والوباء، بحوالہ جامع الاحادیث، مقدمہ، ص:۴۱۶، ۴۱۷، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۳۱) حیات اعلیٰ حضرت از ملک العلماء علامہ ظفر الدین احمد بہاری ۱/۵۶۳، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۳۲) جامع الاحادیث ۱/۳۵، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔
(۳۳) جامع الاحادیث ۱/۴۰۵، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔

حدیث ورجالِ حدیث میں امام احمد رضا کی مہارت

مولانا محمد اختر کمال قادری گھوسوی
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

جس طرح عہد ماضی میں امام اعظم ابو حنیفہ اور دیگر اعاظم حنفیہ رضوان اللہ تعالی عنہم کے لیے یہ بے بنیاد الزام تراشا گیا کہ انھیں کچھ زیادہ حدیثیں یاد نہ تھیں۔ بلکہ ان لوگوں کے مذہب کی بنیاد تو قیاس ورائے پر ہے اسی طرح کچھ دنوں سے چند تعصب پسند تاریخ سازوں نے یہ تاثر دینا شروع کیا ہے کہ امام احمد رضا ایک بے مثال فقیہ ہونے کے ساتھ علم حدیث میں کم مایہ تھے۔ انھیں صرف ایک دوسرے کی تکفیر سے دلچسپی تھی۔ چناں چہ دور حاضر کے ایک مشہور مصنف ابوالحسن علی ندوی نے جابجا امام احمد رضا کی فقہی بصیرت تسلیم کرتے ہوئے ان کی حدیث دانی کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔

هو قليل البضاعة في الحديث. (نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۱)

وہ علم حدیث سے کچھ زیادہ واقف نہ تھے۔

جب کہ امام احمد رضا کو باجماع عرب وعجم چودھویں صدی کا مجدد اعظم مانا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے انھیں تجدید واحیاے دین کا حامل بنا کر بھیجا۔ اور یہ عظیم الشان کام اس وقت تک ایک عالم کے لیے مشکل ودشوار ہے جب تک کہ اسے کتاب الہی کے علاوہ احادیث وسنن پر بہ تمام وکمال عبور نہ ہو۔ امام احمد رضا نے سنت وبدعت میں امتیاز پیدا کر کے جس طرح سنت پر عمل پیرا ہونے کا درس دیا یقیناً وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ بلا شبہہ آپ کو حدیث میں ید طولی حاصل تھا خود مصنف مذکور کی دوسری تحریر سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لکھتے ہیں: يندر نظيره في عصره في الاطلاع على الفقه الحنفي

وجزئیاته. (نزهة الخواطر، ج:۸، ص:۴۱)

فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر مطلع ہونے میں وہ نادر روزگار تھے۔

اعلی حضرت کی فقہی بصیرت تسلیم کرتے ہوئے حدیث میں کم مائیگی کا دعوی کرنا ایک عجیب مضحکہ خیز بات ہے۔ کیوں کہ ایک فقیہ کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت وغیرہ میں متبحر ہونا لازمی ہے بغیر اس کے وہ فقیہ نہیں کہلا سکتا تو امام احمد رضا کی فقاہت کو مانتے ہوئے ان کو علم حدیث میں ضعیف کہنے والوں کا دعوی خود ہی باطل ہو گیا۔ اس قسم کا پروپیگنڈا محض بغض وعناد اور تعصب نظری کا عطیہ ہے، مورخ کا قلم ان سب عیوب سے بری ہونا چاہیے۔

آئیے اب حقائق کی روشنی میں امام احمد رضا کے محدثانہ مقام کا جائزہ لیا جائے جس طرح آپ میدان تفقہ میں سب پر فوقیت لے گئے، اسی طرح آپ کو علم حدیث میں وہ بلند مقام حاصل ہے کہ اگر آج علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ ذہبی، علامہ سیوطی اور علامہ عینی ہوتے تو آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے۔ بلا شبہہ آپ ہمارے نبی ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں جو آپ کے وجود میں ظاہر ہوا۔ امام احمد رضا کے ہم عصر علماے ومحدثین عرب وعجم نے آپ کی تصانیف سے بے اندازہ استفادہ کرنے کے بعد اجمالا اپنی اپنی راے عالی کا اظہار کیا ہے جو کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ انھیں میں ایک شیخ الیٰس احمد الخیاری (مسجد نبوی شریف مدینہ منورہ) علیہ الرحمہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی صحیح رائے سے امام احمد رضا کی حدیث دانی پر مہر ثبت کر دی فرماتے ہیں:

وهو إمام المحدثين. (فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں، ص:۱۳۶)

وہ محدثین کے امام ہیں۔

محدث اعظم ہند سید محمد جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ جشن ولادت امام احمد رضا بمقام ناگپور منعقدہ ۱۳۷۹ھ کے خطبہ صدارت میں لکھتے ہیں کہ میں اپنے استاد حدیث حضرت علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی سے (جو اعلی حضرت کے ہم عصر اور صدر الشریعہ کے استاذ تھے) اعلی حضرت کا ذکر اکثر سنتا تھا جب کہ اس وقت تک میں ان کی شخصیت سے وابستہ نہ ہوا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اکثر اعلی حضرت کا خطبہ پڑھتے رہتے ہیں، کیا علم حدیث میں وہ آپ کے برابر ہیں؟ فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا کہ شہزادہ صاحب! آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے؟ سنیے اعلی حضرت اس فن میں امیر المومنین فی الحدث ہیں کہ میں سالہا سال صرف ان فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔ (حظبہ صدارت

ناگپور ماہنامہ اعلیٰ حضرت، شمارہ مارچ، ۱۹۷۳ء، ص:۲۴)

یہ اس محدث کا تجزیہ تھا جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اسے بخاری شریف قرآن شریف کی طرح حرف بحرف یاد تھی۔

اب خود محدث اعظم ہند کی ذاتی رائے ملاحظہ کریں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت کے علم الحدیث وعلم الرجال کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے۔ اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر۔"

مولانا یٰس اختر مصباحی علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کی رفعت و منزلت کے متعلق لکھتے ہیں: "میں پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس دور میں بڑے بڑے محدثین اور ارباب علم و فن بھی اگر انصاف و دیانت کے ساتھ ان کی تحقیقات عالیہ اور وسعت مطالعہ کو دیکھ پائیں تو اپنا سارا دعویٰ فضل و کمال بھول کر محدث اکبر امام اہل سنت احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کے تلمذ و شاگردی کو اپنی عین سعادت سمجھیں۔ آپ پر خدا کا فضل خاص یہ بھی تھا کہ دوسرے فنون کی طرح حدیث کے اصول میں بھی مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ (امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات، ص:۱۶۲)

ان ناقدان علم و فن کے تبصرے کے بعد کتب حدیث پر امام احمد رضا کی وسعت نظر اور باریک بینی میں کیا شبہہ باقی رہ جاتا ہے۔ جب سُنار ہی سونے کی حقیقت جان سکتا ہے تو ایسے شخص کی بات کسی کی حدیث دانی پر کیا داغ لگا سکتی ہے جسے علم الرجال تو کجا علم الحدیث میں بھی کچھ درک نہ ہو۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے واقعی مشاہدات مذکور ہیں جن سے ان کی محدثانہ شان روز روشن کی طرح درخشندہ و تابندہ ہے، جن سے آنکھیں بند کرنا دن کے اجالے میں طلوع آفتاب سے انکار کے مترادف ہوگا۔ امام احمد رضا کی تصانیف کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ موصوف نے علم حدیث میں کیا گہر افشانیاں کی ہیں۔ احادیث کریمہ کی روشنی میں کسی بات کو مدلل و مبرھن کرنے کا انداز ان کی اکثر تصانیف میں یکساں ملتا ہے۔ آپ عام طور پر آیات واحادیث اور نصوص فقہیہ ہی کی روشنی میں عقائد واحکام کی تفصیلات درج فرماتے ہیں۔ کتب حدیث سے کسی مسئلہ کی تائید کے لیے اس کے ابواب و فصول کا ذہن میں رہنا اور بوقت ضرورت اس سے مکمل استفادہ کرنا یہ بڑی وسعت مطالعہ کا کام ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصانیف جب فاضل دیوبند انور شاہ کشمیری کے سامنے آئیں تو انھیں کھلے لفظوں میں یہ اقرار کرنا پڑا کہ

''مولانا احمد رضا خاں ایک مسئلہ کی وضاحت میں کتابوں کے حوالہ جات کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ یہ ان کا علمی کمال نہیں بلکہ کوئی قدسی ملکہ ہے جو انھیں عطا ہوا ورنہ ایک عالم دین اور اتنے حوالہ جات کہاں۔'' (امام احمد رضا اور علم حدیث، ص:۴۷)

امام احمد رضا نے سند حدیث مسلسل تین واسطوں سے حاصل کی جس کا موصوف نے الاِجازات الرضویہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فتاوی رضویہ جلد سوم میں ایک رسالہ ''سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید'' ہے جو اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے لکھا گیا ہے کہ نماز عیدین کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے یا نہیں؟ اس کے ثبوت میں کثیر احادیث جمع فرمادیں اور مخالفین کو دنداں شکن جواب دیا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے ثبوت میں ایک حدیث خود اپنی سند سے صاحب المذہب امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس حدیث کو دو طریق سے روایت کیا ہے۔ ایک سند السراج المکی مولی عبد الرحمن سے ۲۹ر واسطوں سے صاحب المذہب تک پہنچی ہے۔ اور دوسری سند ان کے مرشد سید ال رسول مارہروی علیہ الرحمہ سے ۲۵ر واسطوں سے امام اعظم تک پہنچی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۷۷۵)

ان کی ایک محد ثانہ شان پیش کر رہا ہوں جس سے علم حدیث میں ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی کمالات پر اغیار انگشت بدنداں تھے۔ ایک حدیث نقل کرکے اپنی تحقیق کے تحت اس کے متعدّد طرق اور حوالہ جات کا یوں افادہ کرتے ہیں:

''اقول: ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن حبان و حاکم باسانید صحیحہ جیّدہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ اور ابوداؤد و دارمی و ابوبکر بن ابی شیبہ استاد بخاری و مسلم حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ اور نسائی و طبرانی بسند صحیح و ابن ابی الدنیا اور حاکم بافادہ تصحیح حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ تعالی عنہ اور نسائی و ابن ابی الدنیا و حاکم و بیہقی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں الی آخر الحدیث''۔ (فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۷۸۳)

اسی میں ایک رسالہ ''النہی الأکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید'' ہے جس میں اولا علاوہ آیات قرآنیہ کے تقریباً بارہ حدیثیں بہ سند صحیح درج ہیں جو اولیاے کرام کے فضائل میں بیان فرمائیں۔ اس کے بعد ۱۷۸ احادیث سے وہابیوں کی پیدائش اور ان کے نشانات بیان فرمائے جن کی باقاعدہ اسناد اور ماخذ درج کیے۔ اگر ان مرویات کی کتب ماخذ کو الگ الگ شمار کیا جائے تو سیکڑوں سے متجاوز ہو جائیں۔ رسالہ

کے ایجاز کے پیش نظر ان مختصر احادیث پر اکتفا کیا ورنہ اس مضمون کی کثیر احادیث آپ کے علم میں تھیں جن کو آپ نے ایک دوسرے رسالہ ''المقالة المسفرہ عن أحکام البدعة المکفرة'' میں بیان کیا ہے۔ اس رسالہ میں بھی جگہ جگہ آپ ان کی محدثانہ شان دیکھیں گے۔

مبحث دعا پر آپ کے والد ماجد قدس سرہ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا۔ جس کا نام ''أحسن الوعا لأداب الدعاء'' ہے جس میں انھوں نے آداب دعا کی ہدایات جمع فرمائیں۔ امام احمد رضا نے شرح کے لیے قلم اٹھا کر ہر ادب کو متعدّد احادیث سے ثابت فرمایا۔ اس باب میں امام احمد رضا کے سامنے بہت سی احادیث تھیں جن کی طرف خود ہی اشارہ فرماتے ہیں: ''احادیث مصطفی ﷺ اس باب میں سرحد تواتر پر خیمہ زن ایک جملہ صالحہ ان سے حضرت ختام المحققین سنام المدققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے رسالہ مستطابہ ''أحسن الوعا لأداب الدعاء'' میں ذکر فرمایا ہے اور فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس کی شرح مسمی بہ ''ذیل المدعا لأحسن الوعاء'' میں ان کی تخریجات کا پتا بتایا۔ باقی کتاب الترغیب امام منذری وحصن حصین امام ابن جزری وغیرہما تصانیف علما اس حدیث کی کفیل ہیں۔ میں بخوف طوالت احادیث فضائل سے عطف عنان کرکے ان بعض حدیثوں پر اقتصار کرتا ہوں۔'' (فتاوی رضویہ، جلد سوم، ص:۷۸۵)

یہ رسالہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے اس میں فن حدیث کی بہت سی نادر معلومات وتحقیقات تحریر فرمائی ہیں جن کو دیکھ کر بلا اختیار نوک زبان پر یہ جملہ آجاتا ہے ''کم ترك الاولون للاٰخرین'' امام احمد رضا نے احسن الوعاء کی ذیل المدعا کے نام سے شرح لکھ کر فن حدیث کا ایک اہم پہلو اجاگر فرمایا۔ پھر احادیث آمین کی تحقیق ایسی شرح وبسط سے کی کہ صدہا کتب کی ورق گردانی پر بھی کسی کو نصیب نہ ہو۔ (ملخصًا امام احمد رضا اور علم حدیث)

احادیث کریمہ کی اصطلاحات واسانید، نقد رجال اور دیگر متعلقات پر آپ کی گہری نظر تھی۔ بعض مسائل میں بڑی آسانی کے ساتھ کچھ لوگ یہ کہہ کر دامن چھڑانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس کا فلاں راوی مجہول یا مبہم ہے، اس کی سند منقطع ہے جیسے اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کی حدیث۔ حضرت امام احمد رضا نے اصول حدیث کی روشنی میں اپنے رسالہ منیر العین میں اس کی شاندار تفصیلی تحقیق فرمائی جس میں بہت سارے اصول حدیث کے قوانین کو بے شمار کتب معتبرہ سے ثابت کیا اور پھر ان سے متعلق احکام ومسائل کو نہایت تفصیل سے درج کیا جس کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امام احمد رضا کو فن حدیث میں بھی بلا شبہہ عبور حاصل تھا۔

ایسے ہی فتاوی رضویہ جلد دوم میں ایک ضخیم رسالہ "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین" کے نام سے اس سوال کے جواب میں ہے کہ سفر وحضر میں قصدا ایک وقت میں دو نمازیں اکٹھی پڑھی جا سکتی ہیں یا نہیں جس میں غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین کی تصنیف معیار الحق کا رد بلیغ ہے اصل مقصد سے قبل جمع بین الصلاتین کی اقسام اور ان کے احکام، زیب قرطاس فرمائے پھر ہر ایک کی شناخت کرانے کے بعد ان کے لیے جدا گانہ فصلیں مقرر کیں اور ہر ایک فصل کو روایت ودرایت کی روشنی میں خوب محقق کیا۔ فصل چہارم میں ایک جگہ میاں نذیر حسین دہلوی کا تعاقب کرتے ہوئے حدیث میں اس کی کذب بیانی اور اس کے ضعف استدلال کی دھجیاں بکھیرنے کے بعد لکھا ہے۔ "فقیر غفرلہ اللہ تعالی کہتا ہے کہ اس بحث میں ہمارے نزدیک مفید حدیثیں جو اس وقت نظر میں جلوہ فرما ہیں چالیس سے زائد ہیں۔(ص:۲۷۶)

علم اصول حدیث کے متعلق آپ کا یہ رسالہ اپنی گوناگوں خوبیوں اور قیمتی تحقیقات پر مشتمل ہونے کے سبب علمائے اسلام کے مابین ضرب المثل ہے جس کی مقبولیت کا راز مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔

جب وہابیہ دیوبندیہ نے درود تاج شریف کے جملہ دافع البلاء کو شرک بتایا تو آپ نے پونے تین سو صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مسمی بہ اسم تاریخی الأمن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء" تحریر فرمائی جس میں چھیاسٹھ آیات قرآنیہ کے علاوہ ۲۷۵ احادیث صحیحہ سے محققانہ انداز میں اس کا اثبات فرمایا۔ پھر ان احادیث پر مرتب فوائد اور اصول حدیث کے قاعدے درج فرما کر علم کے شیدائیوں پر احسان عظیم فرمایا۔(ملخص از امام احمد رضا اور علم حدیث)

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک فنی شاہکار اور سنیے: ایک مرتبہ علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی نے عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت میں امام احمد رضا سے ایک سوال کیا اور اس باب کی حدیثیں دریافت کیں تو آپ نے برجستہ بیس احادیث ذکر فرمائیں۔ اور ان پر اعتراضات واردہ کے جوابات محققانہ طریق سے دیے۔(فتاوی رضویہ، جلد سوم، ص:۶۷)

اعلی حضرت قدس سرہ کی حدیث دانی کے لیے یہ مختصر تحریر کیا پتا دے سکتی ہے، آپ نے علم حدیث میں قوم کو جس گراں قدر علمی سرمایہ کا محافظ بنایا ہے اس کی تعداد پینتالیس تک پہنچتی ہے۔(المیزان امام احمد رضا نمبر)

ان کے محدثانہ مقام کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے فن اسماء الرجال فی الحدیث کی اہمیت پھر اس میں

امام کی عظمت ملاحظہ کیجیے۔

رسول اکرم ﷺ کی مقدس احادیث کا جو عظیم تشریعی سرمایہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور ان کے تلامذہ کے ذریعہ ہم تک پہنچا اس میں رواۃ حدیث کے احوال وکوائف کی معلومات وتحقیقات کو فن اسماء الرجال اور رواۃ حدیث کے سلسلۃ الذہب کو سند کہتے ہیں۔ اس فن کے ذریعہ حدیث کی صحت وسقم اور اس کی حیثیات کا علم ہوتا ہے اس کی غیر معمولی افادیث کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اگر یہ فن وجود میں نہ آتا تو متعلقات ذات نبوی کے حفظ وضبط کا شیرازہ دروغ گویوں اور دشمنان اسلام کی خطرناک دست برد سے محفوظ نہ رہتا۔ اسی لیے امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالی عنہ (م: ۱۸۱ھ) نے ارشاد فرمایا:

الإسناد من الدين ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء.“(مقدمہ مسلم، ص:۱۲)

اسناد دین ہے اگر اسناد کی پابندی نہ ہوتی تو جس کے جی میں جو آتا کہہ گزرتا، یعنی ذات نبوی کی طرف ہر قسم کی سچی اور جھوٹی باتیں بے خوف وخطر منسوب کرتا۔

جلیل القدر تابعی محدث امام المعبرین محمد بن سیرین اپنے تلامذہ کو سخت تاکید فرماتے تھے:

إن هذا العلم دين فانظروا عمّن تاخذون دينكم.

بیشک یہ عِلم اسناد دین ہے تو تم دیکھو کہ کس سے دین حاصل کررہے ہو۔ امتداد زمانہ اور طالبان علوم نبوت کی کثرت کے سبب جب دوسری اور تیسری صدی ہجری میں رجال حدیث کی تعداد بڑھ گئی۔ اور لوگوں میں امتیاز مشکل ہو گیا تو رواۃ کی جرح وتعدیل کے لیے اعلی معیار وضع کیے گئے جن سے ان کے مقام ومرتبہ میں نقد وجرح کر کے روایتوں کی صحت وسقم قوت وضعف کے مدارج قائم کیے پھر ان سے اصطلاحات حدیث عمل میں آئیں۔

ظاہر ہے کہ یہ فن کتنا سخت اور مشکل ہو گا کیوں کہ تمام لوگوں کی مکمل تاریخ ولادت ووفات اور علم حاصل کرنے کا زمانہ ان کے شیوخ وتلامذہ اور ان کے اخلاق وکردار وغیرہ کو یاد رکھنا کتنا دشوار ہے بالخصوص جب کہ ایک ہی نام وکنیت کے بہت سے لوگ بیک وقت موجود ہوں تو ان سب کو امتیازی صفات کے ساتھ ضبط کرنا کتنا اہم ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ ایک محدث کامل کے لیے لازم ہے کہ وہ حدیث کے معانی ومفاہیم، اس کے اسلوب بیان اور اس کے ناسخ ومنسوخ ہونے کا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ رجال حدیث سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ تاکہ استخراج احکام

میں صحیح وغیر صحیح ضعیف ومنکر وغیرہ احادیث کے درمیان امتیاز کر سکے۔ علم حدیث میں شہرت پانے والے اجلہ محدثین اس فن پر ملکہ حاصل کرنے کے سبب اپنے ہم عصروں پر فوقیت لے گئے۔ جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ (م ۲۵۶ھ) بہت مشہور ہیں۔

اس اخیر زمانہ میں جب کہ اس فن کے قریب تمام مسائل تفصیلی طور پر سینہ سے سفینہ میں منتقل کر چکے ہیں محدث اکبر امام اہل سنت الشاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے علاوہ کوئی اس پر کامل دست گاہ اور مہارت تامہ رکھنے والا نظر نہیں آتا۔ بلکہ جس طرح آپ تمام علوم دینیہ میں تجدیدی شان کے حامل ہیں بلا ریب اس فن میں بھی منصب تجدید پر فائز ہیں۔ جس پر اس فن میں ان کے عظیم علمی کارنامے اور تحقیقی جواہر پارے شاہد عدل ہیں۔

اسی لیے مختلف دیار وامصار کے اساطین علم وفن نے اجماعا وافراداً بجا طور پر آپ کے ماہر علم وفن ہونے کی شہادت دی ہے۔ محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی نے نقد رجال پر آپ کی وسعت نظر کی شہادت ان لفظوں میں دی ہے۔

علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلی حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب وتہذیب وتذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحیٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جن یحیٰ کے طبقہ اور استاد وشاگرد کے نام بتادیا تو اس فن کے اعلی حضرت خود موجد تھے کہ طبقہ واسماء سے بتادیتے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح اس کو کہتے ہیں علمِ راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت" انتہی کلامہ۔ (مجدد اسلام والمیزان امام احمد رضا نمبر، طبع اول وماہنامہ اعلی حضرت، مارچ: ۱۹۷۳ء، ص: ۲۰)

آپ اسناد حدیث کے تمام رجال پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے ان کے متعلق نقادان حدیث کے اقوال اور وجوہ طعن ومراتب توثیق وغیرہ کے زبردست عالم تھے۔ فتاوی رضویہ جلد دوم میں رسالہ "حاجز البحرین الواقي عن جمع الصلاتین" دیکھیے جس میں حقیقتاً دو نمازوں کو بیک وقت ملا کر پڑھنے کو مقتضائے کتاب وسنت کے خلاف ثابت کیا گیا ہے۔ در اصل یہ رسالہ ایک غیر مقلد مجتہد ملا نذیر حسین دہلوی کی تصنیف معیار الحق کے رد میں لکھا گیا ہے جو جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے کا قائل تھا۔ اس نے اپنی تصنیف میں احناف کے خلاف پوری پوری زہر افشانیاں کرتے ہوئے اپنے باطل دعوی

محدّثی کے خوب گُل کھِلائے ہیں کہ جب اپنا مقصد احادیث کریمہ سے ثابت نہ ہوسکا تو بیشتر احادیث صحاح کو ردبتانے اور رواۃ صحیحین کو مردود بتانے اور بخاری و مسلم کی صدہا حدیثوں کو واہیات بتانے میں ذرا بھی دریغ نہ کی۔ امام احمد رضا نے اس کار دبلیغ کرتے ہوئے زبردست علمی تعاقب کیا ہے جس سے اس کی حدیث دانی کا سارا بھرم طشت ازبام ہوجاتا ہے۔ ملاجی کی مردود بتائی ہوئی صاف وصریح جلیل وصحیح احادیث کو طرق عدیدہ سے درج کرکے ان کی صحت وحجیّت کو بے غبار ثابت کیا۔

جس میں پہلی عظیم وجلیل حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی متعدّد طرق صحیحہ سے مروی ہے مگر ملاجی نے اس حدیث جلیل وعظیم کو پہلے طریق صحیح مروی سنن ابوداود کو محمد بن فضیل کے سبب ضعیف قرار دیا۔

آپ کی رجال حدیث پر وسعت نظر ملاحظہ کریں، مجتہد صاحب کی کذب بیانی کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے افادہ اولی میں لطیفہ نمبر (۱) کے تحت چند تحقیقات رقم فرماتے ہیں۔

اقول: اولا: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال سے ہیں۔

ثانیا: امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ امام احمد نے حسن الحدیث امام نسائی نے لاباس بہ کہا۔ امام احمد نے اس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں فرماتے میزان میں اصلا کوئی جرح مفسر اس کے حق میں ذکر نہ کی۔

ثالثا: یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعوی کیا۔ اور ثبوت میں عبارت تقریب ”رمی بالتشیع“۔ ملاجی کو بایں سال خوری ودعوی محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف واصطلاح محدثین میں تشیع ورفض میں کتنا فرق ہے۔ زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں خذلہم اللہ تعالیٰ جمیعا بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلاف تہذیب جانتے ہیں۔ اور شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں۔ خود ملاجی کے خیال میں اپنی ملائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکا دینے کے لیے متشیع کو رافضی بتایا حالاں کہ سلف میں جو تمام خلفاے کرام کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعی کہتے حالاں کہ یہ مسلک بعض علماے اہل سنت کا تھا اسی بنا پر متعدّد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبۂ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے۔ حالاں کہ یہ محض سنیت ہے۔ بتصریح امام ذہبی محمد بن فضیل کا تشیع

بھی ایسا ہی یعنی خالص سنیت تھا۔

رابعا: ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بتا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری ومسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے، ان کے رواۃ میں تیس سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاح قدما پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا ہے۔ دور کیوں جائیے خود یہی ابن فضیل صحیحین کے راوی ہیں۔

خامسا: کے تحت اس کی نری جہالت کا پردہ فاش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتیں دو ثقات عدول، ابن جابر و عبد اللہ ابن العلا سے ابوداود نے ذکر کردیں اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا۔ ولکن الجھلۃ لایعلمون اور یہ تو ادنی نزاکت ہے کہ تقریب میں ابن فضیل کی نسبت صدوق عارف لکھا تھا ملا جی نے نقل میں عارف اڑا دیا کہ جو کلمہ مدح کا کم ہو وہی سہی۔

پھر لطیفہ نمبر (۲) کے تحت ملا جی کی عمداً دروغ گوئی کو بیان کیا آپ متابعت ابن جابر کو تعلیق کہہ کر جھوٹ کیوں بول گئے۔ نہیں نظر آیا تو کسی سے آنکھیں قرض ہی لے کر دیکھیے معلق چھوڑا ہے یا وہیں ایک سند کے ذریعہ ابوداؤد نے موصول کیا ہے ولکن النجدیۃ لا یبصرون"۔

پھر اس کے بعد لطیفہ نمبر (۳) میں علم رجال حدیث میں ان کی بے ادراکی چوری پھر سینہ زوری دکھائی ہے کیوں کہ ملا جی نے امام طحاوی کی روایت کردہ حدیث کے ایک راوی بشر بن بکر کو سب کے خلاف روایت کرنے والا غریب الحدیث کہا ہے، اور اس قول کو تقریب کی طرف غلط منسوب کردیا ہے لکھتے ہیں:

اقول: اولاً ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں، صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھیے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا وہ ہضم کرگئے۔

ثالثا: محدث جی! تقریب میں ثقة یغرب ہے کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلان یغرب اور فلان غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔

رابعا: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف۔ محدث جی! غریب ومنکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامسا: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب کب باعث رد ہے ورنہ صحیحین کو بالائے طاق رکھیے۔

سادسا: ذرا میزان تو دیکھ لی ہوتی کہ "اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقة لاطعن فيه" بشر بن بکر تنیسی خُوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلاً کسی وجہ سے طعن نہیں۔

طریق ابن جابر سے سنن نسائی کی اسی روایت کردہ حدیث کو ولید بن قاسم سے رد کیا اور تقریب کے حوالہ سے انھیں ''صَدُوق یُخْطِی'' کہا حالاں کہ ''صَدُوق یُخْطِی'' جس ولید کے متعلق تقریب میں کہا گیا ہے وہ سند مذکور کے ولید نہیں ہیں اگرچہ دونوں کے نام ایک ہیں۔

علم حدیث کے ادنی طالب علم پر بھی یہ بات واضح ہے کہ ایک ہی زمانہ میں ایک نام وکنیت کے کئی رجال حدیث پائے جاتے تھے جس کی بین مثال یحیٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں۔ مکار محدث نے یہاں عیاری کرکے تحریف کرتے ہوئے متکلّم فیہ راوی ولید بن قاسم کو متعیّن کرلیا، اس دیدہ ودانستہ تحریف کی پردہ دری کرتے ہوئے لطیفہ نمبر (۴) کے تحت لکھتے ہیں:

اقول اولا: مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا اسنادِ نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب (بغیر ولدیت کے) واقع تھا، ملّاجی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلّم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا۔ حالانکہ یہ ولید بن قاسم رواۃ نسائی سے نہیں بلکہ ولید بن مسلم ہیں۔ رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، میزان الاعتدال میں ''أحد الاعلام و عالم أهل الشام'' کہا، امام احمد نے انہیں شامی علما میں اعقل کہا، ابن مدینی نے کثیر علم والا کہا۔ ذرا بتائیے کہ یہ تعیین آپ نے کیسے کرلی۔ تم نے جانا کہ آپ کے کید پر کوئی آگاہ نہ ہوگا۔

در بساط نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست یا سخن دانستہ گوا ے مرد غافل یا خموش

ملاجی کی یہ خیانت اور کھلی تحریف بھی رائے گاں ہی گئی۔ لکھتے ہیں:

ثانیا: بفرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحقِ رَد ہیں امام احمد نے اُن کی توثیق فرمائی، اُن سے روایت کی، محدثین کو حکم دیا کہ اُن سے حدیث لکھو۔

مجتہد صاحب کے نِسیان اور ان کی بے شعوری کا یہ عالم تھا کہ اپنے موافق مطالب بیان کرنے میں ایک مقام کو نقل کردیا تو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ دوسری جگہ اس کے متعلق کیا بیان کیا گیا ہے۔ پھر مستزاد یہ کہ محدثین کی اصطلاح کا ادنی فرق بھی معلوم نہیں۔ حدیث نسائی وطحاوی وغیرہ کے ایک راوی عطاف کو وہمی کہا۔ اس کے متعلق لطیفہ نمبر (۵) میں لکھتے ہیں کہ ان کے متعلق تقریب میں صَدُوقٌ یَھِمُ لکھا ہے تو اسے وہمی سمجھ لیا یہ نہ دیکھا کہ امام احمد وامام ابن معین جیسے متقدمین ائمہ فن نے انھیں ثقہ لکھا ہے تو صَدُوقٌ یَھِمُ سے وہمی کا مفہوم کیسے درست ہوگا، نیز ان کے مبلغ علم کی داد دیجیے کہ صَدُوقٌ یَھِمُ اور وہمی میں کچھ فرق ہی نہ جانا۔

لطیفہ نمبر۶: میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں بھی مثل (۴) کے ہی خیانت پر آمادہ نظر آتے ہیں۔
لطیفہ نمبر (۷)،(۸) میں میاں جی کی عیاری و مکاری اور پرانی کتر بیونت پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے ان کے ہاتھ سے اکثر کتب حدیث بھی کنارے لگادیں۔ یہ سب گل افشانیاں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی متعدّد طرق سے مروی حدیث صحیح سے متعلق تھیں۔
دوسری حدیث جو ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اس میں عطا ابن ابی رباح کے راوی مغیرہ بن زیاد موصلی کو مجروح وہمی کہ کر اسے بھی تقریب کی طرف غلط منسوب کر دیا ہے۔
امام اہل سنت اپنی تحقیق کے تحت لطیفہ نمبر (۹) میں ارشاد فرماتے ہیں:
اقول: اولا: تقریب میں صدوق کہا تھا، وہ صندوق میں رہا۔
ثانیا: وہی اپنی وہمی نزاکت کہ له أوهام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔
ثالثا: وہی صحیحین سے پرانی عداوت تقریب دور نہیں دیکھیے تو کتنے رجال بخاری و مسلم کو یہی صدوق له أوهام کہا ہے۔ رابعا: مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے امام ابن معین اور امام نسائی دونوں صاحبوں نے باآں تشدد شدید فرمایا۔ اس میں کوئی برائی نہیں، یحییٰ نے اتنا اور بڑھایا اس کی صرف ایک حدیث منکر ہے۔ لاجرم وکیع نے ثقہ ابو داود نے صالح، ابن عدی نے عندی لا بأس به کہا تو اس کی حدیث کے حسن ہونے میں کلام نہیں، اگرچہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو۔ جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی ابو احمد حاکم نے لیس بالمتین عندھم کہا یہ نہ کہا لیس بقوی لیس بمتین کیوں کہ دونوں عبارتوں کے درمیان فرق ہے، حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا اس قسم کے رجال اسانید صحیح میں صدہا ہیں۔ (مقتبس از فتاوی رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۹۶تا۳۰۶)
یہ چند باتیں رقم کی گئیں ورنہ اس قسم کی بے شمار جہالت و خیانت کے سربستہ راز کھولے گئے ہیں، غیر مقلدین کے اس محدث اعظم کی حدیث دانی اور اس کے مبلغ علم پر جو علمی اور تحقیقی تعاقب کیا ہے۔ وہ صرف فصل اول میں چار افادات پر مشتمل ہے ہر افادہ لطائف جلیلہ کثیرہ پر حاوی اور لطائف خود متعدّد تحقیقات کے جامع، معیار حق کے مصنف پر امام احمد رضا کے تعقبات دیکھ کر علم حدیث میں اس غیر مقلد خود ساختہ محدث کی بصیرت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے جب کہ ان کی جماعت بڑے شد و مد کے ساتھ انہیں محدث اعظم جانتی اور مانتی ہے بلکہ ان کی جماعت کے ایک ممتاز فرد جو خود بھی ایک محدث کہلاتے ہیں یعنی عبد الرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۵۳ھ ان کے متعلق یوں لکھتے ہیں:
”حضرت شاہ صاحب“ نے ہجرت فرمائی تو اپنا جانشین فرد زماں قطب رواں شیخ العرب والعجم مولانا

نذیر حسین کوبنادیا"۔ (مقدمہ تحفہ احوذی بحوالہ رد بدعات و منکرات از مولانا یٰسین اختر مصباحی)

اور سنیے صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ مولانا نذیر حسین ہندوستانی درس گاہ علم حدیث کے آخری شہ نشین ہیں۔ ان کے بعد اتنا بڑا محدث ہندوستانی درس گاہ کو نصیب نہ ہوا۔

انتهت إليه رئاسة الحديث في بلاد الهند. (نزهة الخواطر، ج:۸، ص: ۸۰)

ہندوستان میں علم حدیث کی صدارت ان پر ختم ہوگئی اور اسی نزہۃ الخواطر میں ابن مصنف ابوالحسن علی ندوی نے اعلی حضرت کو علم حدیث میں تھوڑی بصیرت رکھنے والا کہا ہے۔ (نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۱)

یہ جابرانہ اور متعصبانہ فیصلہ کہاں تک درست ہے اسے سامعین کی انصاف پسند قوتِ فیصلہ پر چھوڑتا ہوں۔

احادیث کریمہ پر صحت وعدم صحت سے متعلق کوئی حکم لگانا آسان نہیں ہے بلکہ اس کے لیے نقد رجال ان کے مراتب ثقہ وصدوق حفظ وضبط اور ان کے بارے میں نقادان حدیث کے اقوال و وجوہِ طعن ومراتب توثیق پر تحقیقی وتنقیدی نظر اور اس کا استحضار لازمی ہے اعلی حضرت بریلوی قدس سرہ کو حدیث کی ہر سند اور پھر اس کے ماخذ اور رجال کی جرح وتعدیل پر پورا پورا عبور تھا۔ اور وہ تمام باتیں نوک زبان پر تھیں۔ حافظہ ایسا نہیں تھا کہ اپنے مطالب بیان کرنے میں ایک مقام کو نقل کردیں اور دوسرے مقامات ذہن سے اتر جائیں۔ آپ نے حدیث و متعلقات حدیث کی بلند مرتبت کتابوں پر جو وقیع حواشی تحریر فرمائے ہیں ان میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ ان میں ایک بے مثال حاشیہ شارح بخاری علامہ خطیب قسطلانی شافعی (م: ۹۲۳ھ) کی ارشاد الساری علی صحیح البخاری پر بھی ہے۔ مصنف اور اس کتاب کی اہمیت اور عالم گیر شہرت سے کون واقف نہیں۔ مگر اس میں بھی آپ نے بہت سی جگہ شارح کے تسامحات اور اپنا علمی وتحقیقی جوہر دکھاتے ہیں۔ جلد اول کے شروع میں جہاں مصنف نے مرویات بخاری کی صحت پر کلام کیا ہے وہیں ایک ضعیف راوی اُبیّ بن عباس کی روایت کو تقویت پہنچانے کے لیے ایک متابعت کا ذکر کیا ہے کہ اس کی متابعت اس کے بھائی عبدالمھیمن بن عباس سے ہوتی ہے۔ جس میں بزعم شارح اس روایت کو تقویت مل جاتی ہے۔ نقد رجال میں امام اہل سنت کا تحقیقی مطالعہ اور اس کا استحضار دیکھیے۔ فن اسماء الرجال میں شارح کا تسامح دکھاتے ہیں کہ ابیّ بن عباس راوی ضعیف کا بھائی عبدالمھیمن بن عباس تو اضعف ہے۔ لہذا اس سے اس کی روایت کو تقویت کیسے ملتی ہے۔

اسناداً ائمہ حدیث کے اقوال نقل کرتے ہیں کہ عبدالمھیمن بن عباس کو امام نسائی اور امام دارقطنی نے

ضعیف کہا اور امام بخاری نے تو اسے منکر الحدیث کہا۔ جب کہ وہ ایسے راوی سے روایت لینا جائز نہیں رکھتے۔ حافظ ذہبی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ بظاہر یہ تحقیق شارح پر مخفی ہے۔(تعلیقات رضا، مطبوعہ لاہور، ص:۳۳)

اس باب میں ایک اور فنی شاہکار ملاحظہ فرمائیں۔ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت میں آئی ہوئی ایک حدیث کے متعلق علامہ وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ) نے اعلیٰ حضرت سے استفتا کیا کہ بعض لوگ اس حدیث کو موضوع یا ضعیف بتاتے ہیں اور اس کے بیان کرنے والے کو مفتری علی الاحادیث کہتے ہیں محدثین کے نزدیک یہ حدیث کس درجہ کی ہے؟

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے اس کی حقیقت صحت یوں واضح فرمائی ''حق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں اس کی سند میں نہ کوئی وضاع ہے نہ متّہم بالوضع نہ کوئی کذاب نہ متہم بالکذب نہ اس میں عقل یا نقل کی اصلا مخالفت لاجرم اسے امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے جامع صغیر میں ذکر فرمایا جس کے خطبہ میں ارشاد کیا:

تركتُ القشر وأخذت اللباب وصنته عمّا تفرّد به وضاع أو كذاب.

''میں نے اس کتاب میں پوست چھوڑ کر خالص مغز لیا ہے اور اسے ہر ایسی حدیث سے بچایا جسے تنہا کسی وضاع یا کذاب نے روایت کیا ہے''۔ اس کے بعد اس حدیث پر شارح بخاری جلیل القدر حافظ حدیث اور زبردست عالم رجال علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کے وارد کیے ہوئے نقد پر حسن ادب کے ساتھ ایک فاضلانہ وناقدانہ بحث فرمائی ہے لسان میں حافظ نے یہ نقد وارد کیا کہ حدیث عمامہ اپنے چار راویوں کے مجہول ہونے کے سبب منکر بلکہ موضوع ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ حسن ادب کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں:

اقول: رحم الله الحافظ من این یاتیه الوضع ولیس فیه ما یحیله عقل ولا شرع ولا فی سنده وضاع ولا كذاب ولا متهم ومجرد جهل الراوی لا یقتضی بالسقوط حتی لا یصلح للتمسك به فی الفضائل فضلا عن الوضع.

کہ اس کی سند میں نہ کوئی وضاع ہے نہ کذاب نہ ان دونوں سے متہم اور نہ ہی اس میں عقل یا نقل کی اصلا مخالفت بلکہ راوی کی محض جہالت سقوط کی مقتضی کب حتی کہ فضائل میں قابل استدلال ہی نہ رہے چہ جائے کہ وضع کا حکم لگایا جائے۔ جب کہ حضور! خود آپ ہی نے حافظ ابوالفرج ابن جوزی کی موضوعات میں وارد کردہ حدیث قزعہ بن سوید کے متعلق القول المسدد میں یہ لکھا کہ اس حدیث میں اسباب وضع سے کچھ بھی

نہیں کہ موضوع کہا جائے۔ جب کہ ابن جوزی نے علت وضع میں اقوال ائمہ نقل کیے کہ اس کی سند میں عاصم مجہولین سے اور قزعہ کو امام احمد نے مضطرب الحدیث کہا اور ابن حبان نے کثیر الخطا اور فاحش الوہم کہا جس کے سبب اس کی حدیث سے استدلال ساقط ہوگیا۔

اور ایسے ہی ابن جوزی نے ابو عقال کی حدیث فضیلت عسقلان کو موضوع قرار دیتے ہوئے اس کی علت یوں بیان کی کہ اس حدیث کے تمام طرق ابو عقال تک پہنچتے ہیں۔ اور ابو عقال کے متعلق ابن حبان نے لکھا کہ وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف موضوع حدیثیں منسوب کرتا ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل بیان نہیں کیں، اور کہا کہ کسی صورت میں اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسے باطل قرار دیا ہے اور آپ نے ابو عقال کی اس حدیث کے متعلق یہ تحریر کیا کہ اس کی روایت میں کوئی بات خلاف عقل یا نقل نہیں ہے۔ حدیث فضائل اعمال کی ہے، محض راوی ابو عقال کے باعث موضوع کہنا صحیح نہیں جب کہ یہ حدیث نیکیوں کی طرف رغبت دلاتی ہے۔ تو میں (امام احمد رضا) یہ عرض کرسکتا ہوں، کیوں نہ یہی بات عمامہ والی حدیث کے بارے میں کہی جائے جب کہ یہ بھی بارگاہ رب العزت میں تأدب واحترام کی باعث اور باب فضائل اعمال سے ہے جس میں نہ قطعی طور پر عقل یا نقل کی مخالفت اور نہ ہی کوئی ابو عقال جیسا واضع حدیث اور بقول آپ کے متروک راوی، (کما فی التقریب) تو پھر اس پر وضع کا حکم لگانا کیسے مناسب ہوسکتا ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۷۹، ۸۰)

مشتے نمونہ از خروارے کے بطور فن اسماء الرجال پر امام احمد رضا کی مہارت تامہ اور ان کی تجدیدی شان کے چند گوشے سپرد قلم کیے اس فن میں ان کی وسعت علم جلالت شان اور پایۂ بلند دیکھنے کے لیے ان کی تصانیف کی طرف رجوع کیا جائے۔ جہاں قوم کو بہت سے مختلف علوم وفنون میں آپ نے اپنے گراں قدر علمی جواہر پاروں کا امین بنایا ہے وہیں آپ نے اس فن کی دوسری عظیم وجلیل کتب پر بھی وقیع عربی حواشی تحریر فرمائے ہیں جن میں چند یہ ہیں۔

(۱) حاشیہ تقریب عربی۔ (۲) حاشیہ تہذیب عربی (۳) حاشیہ کتاب الاسماء والصفات، (۴) حاشیہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ (۵) حاشیہ تذکرۃ الحفاظ (۶) حاشیہ میزان الاعتدال، (۷) حاشیہ تہذیب التہذیب (۸) حاشیہ خلاصہ تہذیب الکلام) (امام احمد رضا اور علم حدیث، مطبوعہ لاہور، ص:۱۳، ۱۴)

❊ ❊ ❊

امام احمد رضا اور علم حدیث

محترمہ نازش فاطمہ ایوبی

جامعہ ایوب نسواں، پپراکنک، کشی نگر

دور رسالت سے لے کر آج تک بے شمار محدثین گزرے ہیں جنھوں نے حدیث کی عظیم سے عظیم خدمات انجام دے کر امت مسلمہ کے لیے عمل کی راہ کو آسان بنایا ہے انھیں میں سے ایک ذات بابرکات اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ہے۔

آپ چودہویں صدی ہجری کے وہ عظیم عالم اور دنیاے اسلام کے نامور محدث ہیں جنھوں نے ساری زندگی عقائد اسلامیہ کی حفاظت اور سنت رسول کی اشاعت میں گزاری آپ کی شان بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ مجدد اسلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار علوم وفنون عطا فرمائے تھے۔ آپ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم میں بھی ممتاز تھے اور علم حدیث میں آپ معرفت تامہ رکھتے تھے، عامل بالحدیث اور متبع بالسنہ تھے۔ آپ کی علم حدیث میں مہارت تامہ کا نظارہ کرنا ہو تو آپ کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے۔ ورق ورق پر احادیث کریمہ اور آثار صحابہ کی کرنیں ستاروں کے مثل درخشندہ و تابندہ ہیں آپ کی صرف تین سو تصنیفات سے اخذ کر کے ساڑھے چار ہزار احادیث و آثار جمع کیے گئے ہیں اور انھیں کتابی شکل دے کر جامع الاحادیث کے نام سے کئی جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ بے مثال فقیہ تھے اور جو فقیہ ہوتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ محدث بھی ہو اسی لیے امام احمد رضا قدس سرہ بلند پایہ محدث تھے علم حدیث میں تبحر حاصل تھا۔

جیسا کہ ایک واقعہ ہے کہ حضور محدث اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ زمن حضور محدث سورتی علیہ الرحمہ سے علم حدیث سے متعلق عرض کیا کہ کیا اعلیٰ حضرت اس فن. میں آپ کے برابر ہیں؟ تو حضور محدث سورتی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہرگز نہیں پھر فرمایا شہزادے صاحب آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے؟ سنیے اعلی حضرت اس فن میں امیر المومنین فی الحدیث ہیں میں سالہا سال صرف اس فن میں

تلمذ کروں تو بھی ان کے پاسنگ کو نہ پہنچوں۔ (تجلیات رضا، ص ٦٠)

آپ کی محدثانہ عظمت کا اندازہ محدث اعظم کچھوچھوی کے اس قول سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے بارے میں فرمایا:

علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر، اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے، انکی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر، علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلی حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا، اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت۔ (جامع الاحادیث، ج ١، ص ٤٠٧)

واقعی امام احمد رضا قدس سرہ اس فن حدیث کے امام تھے جس کی گواہی ہر وہ منصف شخص دے سکتا ہے جس نے آپ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہو۔ جب آپ کوئی حدیث نقل فرماتے اور اس کا حوالہ پیش فرماتے تو آپ کسی ایک یا دو کتابوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ جب حوالے لکھنا شروع کرتے تو گویا دریا بہا رہے ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع سے متعلق ساری حدیث کی کتابین ان کے سامنے کھلی ہوئی ہیں۔ چناں چہ ایک ایک موضوع کو بہ کثرت حوالوں سے مزین و مرصع کر دیتے۔

حدیث کے حوالوں کی کثرت:

فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ٣٢٦ پر ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ تعدل ثلث القرآن : "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ" پوری سورت مبارکہ کی تلاوت کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے۔

* رواه الإمام مالك وأحمد والبخارى و أبو داؤد والنسائي عن أبى سعيد الخدرى * والبخاري عن قتاده بن النعمان * وأحمد ومسلم عن أبي الدرداء * ومالك وأحمد ومسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه والحاكم عن أبى هريره * وأحمد والترمذي والنسائي عن أبى أيوب الأنصارى * والترمذي وابن ماجه عن انس ابن مالك * وأحمد وابن ماجه عن أبى مسعود البدرى * والطبراني في الكبير عن عبدالله بن مسعود * والطبراني في الكبير

والحاكم وأبو نعيم في الحليه عن عبد الله بن عمرو * والطبراني في الكبير عن معاذ بن جبل * والبزار عن جابر بن عبدالله * و أبو عبيد عن عبدالله بن عباس * وأحمد عن أم مكتوم بنت عقبه * والبيهقي في السنن عن رجاء الغنوى رضى الله تعالى عنهم اجمعين.

یہ کل چودہ صحابہ کرام کی روایت ۱۳ کتابوں سے پیش فرمائی۔

الامن و العلی میں ۱۳۹، پر ایک حدیث نقل فرمائی۔

انا محمد وأحمد والمقفي والحاشر ونبي التوبه ونبي الرحمة -میں محمد ہوں اور احمد اور سب نبیوں کے بعد آنے والا اور خلائق کو حشر دینے والا اور توبہ کا نبی اور رحمت کا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

رواه أحمد ومسلم والطبراني في الكبير عن أبي موسى الأشعري - ونحوه ابنا سعد وأبى شيبه و البخاري في التاريخ والترمذي في الشمائل عن حذيفه وابن مردويه في التفسير وأبو نعيم في الدلائل وابن عدي في الكامل وابن عساكر في تاريخ دمشق والديلمي في مسند الفردوس عن أبى الطفيل وابن عدى عن أبى هريره رضى الله تعالى عنهم.

یہ چار صحابہ کرام کی روایت بارہ کتابوں سے پیش فرمائی۔

رادالقحط والوباء میں صفحہ ۱۲ پر ایک حدیث نقل فرمائی:

الدرجات افشاء السلام و اطعام الطعام والصلوة بالليل والناس نيام.

اللہ عزوجل کے یہاں درجہ بلند کرنے والے ہیں سلام کا پھیلانا، ہر طرح کے لوگوں کو کھانا کھلانا اور رات کو لوگوں کے سوتے میں نمازیں پڑھنا۔

رواه امام الائمه ابو حنيفه والامام احمد وعبدالرزاق في مصنفه والترمذي والطبراني عن ابن عباس - واحمد والطبراني وابن مردويه عن معاذ بن جبل - وابن خزيمه والدارمي والبغوى و ابن السكن وابو نعيم وابن بسطة عن عبد الرحمن بن عائش - واحمد والطبراني عنه عن صحابى - والبزار عن ابن عمر و ثوبان - والطبراني عن ابى امامه - وابن قانع عن ابي عبيدة بن الجراح - والدارمي وابو بكر النيسابورى في الزيادات عن انس -

وابو الفرح في العلل تعليقا عن ابي هريرة - وابن ابى شيبه مرسلا عن عبدالرحمن بن سابط ، رضي الله تعالى عنهم اجمعين.

یہ دس صحابہ کرام اور ایک تابعی کی روایت ۱۷ر کتابوں سے پیش فرمائی۔

الامن والعلی میں ص ۷۰ پر ایک حدیث نقل فرمائی۔

اطلبوا الخير والحوائج من حسان الوجوه۔یعنی بھلائی اور اپنی حاجتیں خوش رویوں سے مانگو۔

رواه الطبراني في الكبير والعقيلي والخطيب وتمام الرازي في فوائده والبيهقي في شعب الايمان عن ابن عباس . وابن أبي الدنيا في قضاء الحوائج و العقيلي والدار قطني في الأفراد والطبراني في الأوسط و تمام و الخطيب في رواة مالك عن ابى هريره وابن عساكر والخطيب في تاريخهما عن انس ابن مالك- والطبراني في الأوسط والعقيلي والخرائطي في اعتلاء القلوب وتمام و ابو سهل عبدالصمد بن عبدالرحمن البزار في جزءه وصاحب المهرانيات فيها عن جابر ابن عبدالله - وعبد بن حميد في مسنده و ابن حبان في الضعفاء وابن عدي في الكامل والسلفي في الطيوريات عن ابن عمر -وابن النجار في تاريخه عن امير المومنين على - * والطبراني في الكبير عن ابى خصيفه * وتمام عن ابى بكره - * والبخاري في التاريخ وابن ابى الدنيا في قضاء الحوائج و ابو يعلى في مسنده والطبراني في الكبير و العقيلي والبيهقي في شعب الايمان وابن عساكر عن ام المومنين الصديقه رضي الله تعالى عنهم اجمعين .

یہ صحابہ کرام کی روایت اٹھارہ کتابوں سے پیش فرمائی۔

اسی کتاب کے صفحہ ۷۳ پر ایک حدیث یوں ہے۔

اللّٰهُمَّ اعز الاسلام باحب هذين الرجلين اليك بعمر بن الخطاب او بابى جهل بن هشام۔الہی اسلام کو عزت دے ان دونوں مردوں میں جو تجھے زیادہ پیارا ہو اس کے ذریعہ سے۔ عمر ابن خطاب یا ابوجہل بن ہشام۔

رواه احمد وعبد بن حميد والترمذي بسند حسن صحيح عن امير المومنين عمر بن خطاب وانسي ايضا * وابن سعد وابو يعلى و حسن بن

سفيان في فوائده والبزار وابن مردويه وخيثمه بن سليمان في فضائل الصحابه وابو نعيم والبيهقي في دلائلهما وابن عساكر كلهم عن امير المومنين عمر - والترمذي عن انس - والنسائي عن ابن عمر - احمد وابن حميد وابن عساكر عن خباب بن الارث - والطبراني في الكبير والحاكم عن عبدالله ابن مسعود - والترمذي والطبرانى وابن عساكر عن ابن عباس - والبغوي في الجعديات عن ربيعة السعدى رضى الله تعالى عنهم.

یہ ۸؍ صحابہ کرام کی روایت ۱۷؍ کتب حدیث سے پیش فرمائی۔ (ملتقطاً از مقدمہ جامع الاحادیث ج۱، ص ۴۱۳)

کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث کی کثرت:

ایک استفتا آیا جس میں تھا کہ وہابی حضور کے افضل المرسلین ہونے کا انکار کر رہے ہیں اور اس کی دلیل قرآن و حدیث سے طلب کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے لکھا:

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل المرسلین و سید الاولین والآخرین ہونا قطعی ایمانی، یقینی، اذعانی، اجماعی، ایقانی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کرے گا مگر گمراہ بد دین بندہ شیاطین۔ والعیاذ باللہ رب العلمین (فتاویٰ رضویہ، ج ۳۰، ص ۱۳۱، ۱۲۹)

پھر ایک ضخیم رسالہ بنام تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین تحریر فرمایا اور اس میں دس بیس نہیں بلکہ سو حدیثوں سے اس مسئلہ پر روشن تحقیق کے موتی نچھاور کر دیے۔

ایک سوال ہوا کہ زید کا قول ہے کہ درود تاج کا پڑھنا شرک ہے کیوں کہ اس میں سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والألم کہا گیا ہے۔

اس کے جواب میں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے سوڈیڑھ سو نہیں بلکہ تین سو احادیث کریمہ پیش فرما کر زید کے قول کا بطلان واضح کیا۔ یہ استفتا اور جواب ایک رسالہ کی شکل میں ہے جس کا نام "الأمن والعلى لناعتي المصطفى بدافع البلاء (۱۳۱۰ھ) جو فتاویٰ رضویہ کی جلد ۱۹ میں موجود ہے۔

ایک استفتا ہوا کہ وبا و بلا کے دفع کے لیے حسب استطاعت لوگ اجتماعی طور پر کھانے کھلانے کا اہتمام کرتے تو کیا یہ از روئے شرع جائز ہے کہ نہیں تو امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے اس کے جواب میں ایک وقیع رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام "راد القحط و الوباء بدعوة الجيران و مواساة الفقراء" ہے اس میں آپ نے دس پندرہ نہیں بلکہ ساٹھ حدیثیں بطور دلیل پیش فرمائیں۔

اسی طرح سجدہ تحیت کے حرام ہونے سے متعلق اپنے رسالے ''الزبدة الزکية لتحريم سجود التحية'' میں چالیس احادیث کریمہ پیش فرمائیں۔

تصاویر کے عدم جواز پر ستائیس احادیث پیش فرمائیں جو فتاوی رضویہ جدید بائیس جلد والے میں جلد نمبر سولہ صفحہ نمبر ۶۶۷ پر رسالہ عطايا القدير فی حکم التصوير میں موجود ہے۔

ایک رسالہ بنام اسماع الأربعين فی شفاعة سيد المحبوبين میں بیس پچیس نہیں بلکہ چالیس احادیث شفاعت کے عنوان پر پیش فرمائیں۔

غرض آپ کا تبحر حدیث کہاں تک شمار کرائیں۔ اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی محدثانہ بصیرت کا اندازہ آپ کی تصنیفات کے مطالعے ہی سے کما حقہ لگایا جا سکتا ہے۔ واقعی آپ جیسا محدث معاصرین میں نظر نہیں آتا فن حدیث میں آپ کو وہ مقام و مرتبہ حاصل تھا کہ جس موضوع پر چاہا احادیث کریمہ کی لڑیاں سجا دیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانے کے علمائے عرب و عجم نے آپ کو امام المحدثین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی بے مثال علمی و عملی عظمتوں کو دیکھ کر اپنوں اور غیروں سب کی زبانیں تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکیں۔ فضا میں آج بھی یہ گونج سنائی دیتی ہے

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور اصول فتوی نویسی

اجلی الاعلام کی روشنی میں

مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

مدارس عربیہ میں زیر تعلیم طلبہ جب فقہ کی کتابوں سے آشنا ہوتے ہیں تو شروع تعلیم سے یہ بات بھی سمجھائی جاتی ہے کہ ہم امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور حنفی ہیں اور ان کتابوں میں جو کچھ آپ کو پڑھایا جارہا ہے وہ امام اعظم کے مذہب کے مطابق ہے، یہ کتابیں انھیں کے مذہب کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ پھر جوں جوں طالب علم آگے بڑھتا جاتا ہے اس کے سامنے یہ باتیں بھی آتی رہتی ہیں کہ اس مسئلہ میں امام اعظم یہ فرماتے ہیں اور ان کے تلامذہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں [ان دونوں حضرات کو صاحبین کہا جاتا ہے] پھر بسا اوقات یہ بھی پڑھایا جاتا ہے کہ فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ اور کبھی امام ابو یوسف اور کبھی امام محمد کے قول پر بھی فتویٰ ہونے کی بات کہی جاتی ہے اور کبھی دونوں حضرات کے قول کے مطابق فتویٰ قرار دیا جاتا ہے۔

یہاں آکر بہت سے طلبہ بلکہ اساتذہ کو بھی یہ تجسس ہوتا ہے کہ جب ہم حنفی ہیں تو پھر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول پر فتوے کی بات کیوں کی جاتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگرچہ صاحبین اختلاف پر ہوں مگر فتویٰ امام اعظم ہی کے قول پر ہوتا کہ ہمارا حنفی ہونا اپنے مقام پر ثابت اور مستحکم رہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام رکھا "أجلی الإعلام أن الفتویٰ مطلقاً علی قول الإمام" (روشن تر آگاہی کہ فتویٰ ہمیشہ قول

امام پر ہے)۔

اس رسالہ میں آپ نے اس بات کی بھرپور عقدہ کشائی فرمائی ہے کہ مطلقاً امام اعظم کے قول پر فتویٰ کس طرح ہوتا ہے۔ پورے رسالہ میں اس عنوان کے تحت کثیر مباحث ہیں اور تمام گوشوں کی نشان دہی کے لیے اعلیٰ حضرت نے بہت سی کتابوں کے حوالے رقم فرمائے ہیں، اور بہت سی فروع اور شقوق بیان کی ہیں، انھیں کے ضمن میں اس مسئلہ کی گتھیاں بھی سلجھائی ہیں۔

راقم الحروف نے اصل مسئلہ کی وضاحت کے لیے ان تمام مباحث کی تلخیص صرف اس جذبہ کے تحت کی ہے کہ قارئین مختصر وقت میں مسئلہ کی تہ تک پہنچ سکیں اور ایسے بہت سے حضرات جنھوں نے اس رسالہ کا اب تک مطالعہ نہیں کیا وہ بھی اس سے آشنا ہوجائیں۔

اولاً یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ راقم نے خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی مد ظلہ العالی کے اُس ترجمے سے بھرپور استفادہ کیا ہے جو آپ نے اس رسالہ کا نہایت سلیس اور فصیح و بلیغ انداز میں رقم فرمایا ہے۔

رسالہ کے آغاز میں حمد و صلاۃ کے بعد سیدنا اعلیٰ حضرت نے فقہائے کرام کی اس مسئلہ کے سلسلہ میں دو تصحیحیں نقل فرمائی ہیں جن کو صاحب بحر الرائق نے کتاب القضا کے شروع میں تحریر فرمایا ہے۔ ایک "سراجیہ" سے اور دوسری "حاوی قدسی" سے۔ سراجیہ کی تصحیح یہ ہے کہ: مفتی کو مطلقاً قول امام پر فتویٰ دینا ہے۔ اور حاوی قدسی کی یہ ہے کہ: امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف ہو تو قوت دلیل کا اعتبار ہے۔

یہاں اعتراض یہ ہے کہ مشائخ مقلدین کو یہ اختیار کیسے ملا کہ قول امام کے خلاف فتویٰ دیں۔

جواب: ائمہ مذہب کا قول ہے کہ ہمارے اقوال پر بلا دلیل فتویٰ نہ دیا جائے۔ اسی لیے شیخ عصام بسا اوقات قول امام کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، کیونکہ انھیں قول امام کی دلیل نہیں معلوم ہو پاتی تھی اور دوسرے ائمہ کی مل جاتی تھی۔

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں: مشائخ کو امام اعظم اور آپ کے اصحاب دونوں حضرات کی دلیل کا علم ہوتا تھا۔ لیکن وہ اصحاب امام کی دلیل کو راجح قرار دیتے ہوئے فتویٰ دیتے تھے۔ یہ گمان ہی درست نہیں کہ انھیں دلیلِ امام کا علم نہیں تھا۔ انھوں نے تو دلائل سے کتابیں بھر دی ہیں۔

اس تفصیل پر صاحب بحر کا قول فیصل یہ ہے کہ دلیل کا معلوم ہونا مفتی کے لیے ان مشائخ کے زمانے میں شرط تھا اب نہیں۔ اب صرف اقوال امام کا یاد ہونا کافی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ فتویٰ قولِ امام

پر دیا جائے گا۔

پھر تفصیل یوں ہوگی کہ مشائخ نے دلائل میں نظر کر کے اجتہاد کی قوت سے مذہب کی تقریر و تحریر اور اثبات و توضیح کی ذمہ داری نبھائی اور مقام اختلاف میں ترجیح و تصحیح کا فریضہ انجام دیا۔ لہٰذا ہم پر راجح کی پیروی لازم ہوئی۔ اب اگر کوئی قاضی کسی ایسے قول کے مطابق فیصلہ کر دے جو قول امام کے خلاف ہے اور اس دوسرے قول کو ترجیح بھی حاصل نہیں تو یہ نافذ نہیں ہوگا۔ لہٰذا ایک نتیجہ یہ بھی برآمد ہوگا کہ ہمارے زمانے کے مفتیان کرام کا یہی کام ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا اسے نقل کر دیں۔

علامہ ابن شلبی فرماتے ہیں: امام اعظم کے قول پر عمل کیا جائے اس لیے کہ مشایخ اکثر انھیں کی دلیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ در مختار میں بھی فرمایا کہ ہم پر تو اسی کی پیروی لازم ہوئی جس کو مشائخ نے راجح قرار دیا۔ البتہ جہاں اقوال متعدّد ہوں اور مشائخ نے کسی کو ترجیح نہیں دی۔ یا ترجیح کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا تو پھر حالات زمانہ اور عرف کی تبدیلی کا اعتبار ہوگا۔ اسی طرح دوسرے اسباب کا۔ اور یہ ہر دور میں ہوتا رہے گا کہ اصحاب تمیز لوگوں کو نکھرے ہوئے مسائل بتاتے رہیں گے اور عوام و خواص ان کے فیصلوں پر عمل کرتے رہیں گے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت نے اس تمہید کے بعد حقیقت کو واضح کرنے کے لیے چند مقدمات وضع فرمائے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

الأُولیٰ: لیس حکایةُ قولٍ إفتاءً به، فإنّا نحکي أقوالاً خارجةً عن المذهب، ولا یتوهّم أحدٌ أنّا نُفتي بها، إنّما الإفتاءُ أن تعتمِد علی شيءٍ، وتُبیّن لسائلك أنّ هذا حکمُ الشّرع في ما سألتَ، وهذا لا یحلّ لأحدٍ من دون أن یعرفَه عن دلیلٍ شرعيٍّ، وإلاّ کان جزافاً وافتراءً علی الشّرع، ودخولاً تحت قوله عز وجل: ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾، وقوله تعالی: ﴿قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾

مقدمہ اول: اقوال نقل کرنا۔ اور فتویٰ دینا۔ دونوں ایک نہیں۔ اس لیے کہ فتویٰ دینا تو یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کر کے سائل کو بتایا جائے کہ تمھارے سوال کے بارے میں حکم شریعت یہ ہے۔ اور یہ کام بلا دلیل شرعی درست نہیں، ورنہ کہیں وہ ان آیتوں کا مصداق نہ ہو جائے۔ ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾، وقوله تعالی: ﴿قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾

المقدّمة الثانية في معرفة الدّليل والمجتهد

الثانية: الدّليل على وجهَين:

إمّا تفصيليٌّ: ومعرفته خاصّةٌ بأهل النظر والاجتهاد؛ فإنّ غيره وإن علم دليلَ المجتهِد في مسألةٍ، لا يعلمه إلاّ تقليداً، كما يظهر ممّا بيّنّاه في رسالتنا المباركة -إن شاء الله تعالى- ''الفضل الموهبي في معنى: إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبِي'' فإنّ قطع تلك المنازل التي بيّنا فيها، لا يمكن إلاّ لمجتهدٍ، وأشار إلى بعضٍ قليلٍ منه في ''عقود رسم المفتي'' إذ نقل فيها: ''أنّ معرفةَ الدّليل إنّما تكون للمجتهِد لتوقّفها على معرفة سلامته من المعارِض، وهي متوقّفةٌ على استقراء الأدلّة كلّها، ولا يقدر على ذلك إلاّ المجتهِدُ، أمّا مجرّدُ معرفة أنّ المجتهد الفلاني أخذ الحكمَ الفُلاني من الدّليل الفُلاني، فلا فائدةَ فيها. اهـ.

وإجماليٌّ: كقوله سبحانه: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[1]، وقوله تعالى: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾[2]؛ فإنّهم العلماء على الأصحّ، وقوله ﷺ: «ألا سألوا إذ لم يعلموا؛ فإنّما شفاءُ العَيِّ السّؤالُ».

مبحث في التقليد الشّرعي والعُرفي

وعن هذا نقول: "إنّ أخذَنا بأقوال إمامنا ليس تقليداً شرعيّاً؛ لكونه عن دليلٍ شرعيٍّ، إنّما هو تقليدٌ عرفيٌّ؛ لعدم معرفتنا بالدّليل التفصيلي".

أمّا التقليد الحقيقي، فلا مساغَ له في الشّرع، وهو المراد في كلّ ما ورد في ذمّ التقليد، والجهّالُ الضلاّلُ يلبِّسون على العوام، فيحملونه على التقليد العُرفي الذي هو فرضٌ شرعيٌّ على كلّ مَن لم يبلغ رتبةَ الإجتهاد، وقال المدقِّق البِهاري في "مُسلَّم الثبوت": "التقليد العملُ بقول الغير من غير حجّةٍ كأخذ العامّيِ والمجتهِدِ من مثله، فالرّجوعُ إلى النّبي ﷺ أو إلى الإجماع ليس منه، وكذا العامي

(۱) پ١٤، النحل: ٤٣.
(۲) پ٥، النساء: ٥٩.

إلى المفتي، والقاضيِ إلى العدول لإيجاب النصّ ذلك عليهما، لكنّ العُرف على أنّ العامّي مقلِّدٌ للمجتهِد، قال الإمام: "وعليه معظم الأصوليين".

وشرحه المولى بحرُ العلوم في "فواتح الرَّحموت" هكذا: "(التقليدُ العملُ بقول الغير من غير حجّةٍ) متعلقٌ بالعمل، والمرادُ بالحجّة حجّةٌ من الحُجج الأربع، وإلاّ فقول المجتهِد دليلُه وحجّتُه (كأخذِ العامّي) من المجتهِد (و) أخذِ (المجتهدِ عن مثله، فالرّجوعُ إلى النّبي -عليه) وآله وأصحابه (الصّلاةُ والسّلام- أو إلى الإجماع ليس منه)؛ فإنّه رجوعٌ إلى الدّليل، (وكذا) رجوعُ (العامّيِ إلى المفتي، والقاضيِ إلى العدول) ليس هذا الرّجوعُ نفسه تقليداً، وإن كان العملُ بما أخذوا بعده تقليداً (لإيجاب النصّ ذلك عليهما) فهو عملٌ بحجّةٍ،

مقدمہ دوم: دلیل اور مجتہد کی شناخت۔

دلیل کی دو قسمیں ہیں: **تفصیلی اور اجمالی۔**

تفصیلی دلیل کی پہچان مجتہد کی شان ہے، اس لیے کہ کسی دوسرے کو مجتہد کی دلیل کا علم ہوتا بھی ہے تو صرف بطور تقلید ہوتا ہے۔ ''الفضل الموہبی'' میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

دلیل اجمالی، جیسے ﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[3]، وقوله تعالى: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾[4]؛ فإنّهم العلماء على الأصحّ، وقوله ﷺ: «ألّا سألوا إذ لم يعلموا؛ فإنّما شفاءُ العَيِّ السّؤالُ».

اسی لیے تو ہمارا اپنے امام کے اقوال کو لینا اور قبول کرنا **تقلید شرعی** نہیں، کیونکہ **تقلید شرعی** تو دلیل شرعی کی معرفت کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور ہم دلیل تفصیلی جانتے نہیں تو پھر یہ محض تقلید عرفی ہے۔ یہاں ایک **تقلید حقیقی** بھی ہے جو حرام ہے۔ یعنی ایسی تقلید جس میں سرے سے کوئی دلیل ہی نہ ہو۔ جیسے کسی عامی کا کسی دوسرے عامی کے قول پر عمل کرنا۔ اسی طرح کسی مجتہد کا اپنے ہی جیسے مجتہد کی تقلید کرنا۔

تقلید عرفی کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے قول پر بغیر کسی دلیل کے عمل کرنا۔ جیسے عامی کا مجتہد سے اخذ کرنا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اجماع کی جانب رجوع تقلید نہیں۔ اسی طرح عامی کا

---

(۳) پ۱٤، النحل: ٤٣.

(٤) پ٥، النساء: ٥٩.

مفتی اور قاضی کا گواہوں کی طرف رجوع۔ کیونکہ یہ ان دونوں پر نص نے واجب کیے۔

المقدّمة الثالثة في منع أهل النّظر عن التقليد

الثالثة: أقول: حيث علمتَ أنّ الجُمهور على منع أهل النظر من تقليد غيره، وعندهم أخذُه بقوله من دون معرفة دليله التفصيلي يرجع إلى التقليد الحقيقي المحظور إجماعاً، بخلاف العامّي؛ فإنّ عدمَ معرفتِه الدّليلَ التفصيليَّ يوجِب عليه تقليدَ المجتهد، وإلاّ لزم التكليفُ بما ليس في الوسع، أو تركُه سُدى،

مقدمہ سوم: مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تقلید حقیقی ہے جو حرام ہے۔

المقدّمة الرابعة في معنى الفتوىٰ

الفتوىٰ قسمان حقيقيّة مختصّة بالمجتهد وعُرفيّة

الرابعة: الفتوى حقيقيّةٌ وعرفيّةٌ، فالحقيقيّة: هو الإفتاءُ عن معرفة الدّليل التفصيلي، وأولئك الذّين يقال لهم: "أصحاب الفتوى"، ويقال: بهذا أفتى الفقيهُ أبو جعفر والفقيهُ أبو اللَّيث وأضرابهما رحمهم الله تعالى، والعُرفيّة: إخبارُ العالِم بأقوال الإمام جاهلاً عنها تقليداً له من دون تلك المعرفة، كما يقال: "فتاوى ابن نجَيم" و"الغزّي"و"الطوري" و"الفتاوى الخيريّة" وهلمّ تنزّلاً زماناً ورتبةً إلى "الفتاوى الرّضوية"، جعلها الله تعالى مُرضيةً مَرضية، آمين!.

مقدمہ چہارم: فتوے کی دو قسمیں ہیں: **حقیقی، عرفی**۔

حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی سے آگاہی کے ساتھ فتویٰ دیا جائے۔ در حقیقت ایسے ہی حضرات کو اصحاب فتویٰ کہتے ہیں۔ اسی لیے بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے حضرات نے فتویٰ دیا۔

عرفی یہ ہے کہ اقوال امام کا علم رکھنے والا دلیل کی تفصیلی شناخت کے بغیر تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم۔ فتاویٰ غزی۔ فتاویٰ خیریہ وغیرہا۔

اعلیٰ حضرت یہ تحریر فرما کر اپنے فتاویٰ رضویہ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: کہ ان کو بھی ان مؤخر الذکر فتاویٰ میں شمار کرتے آئیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رضا کا باعث اور پسندیدہ بنائے۔ آمین

المقدّمة الخامسة في معرفة القول

الخامسة: أقول وبالله التوفيق: القول قولان: صُوريٌّ وضروريٌّ، فالصّوريُّ: هو المقول المنقول، والضروريُّ: ما لم يقله القائلُ نصّاً بالخصوص، لكنّه قائلٌ به في ضمن عموم الحكم ضرورةً بأنّ لو تكلّم في هذا الخصوص لتكلّم كذا، وربما يخالف الحكمُ الضروريُّ الحكمَ الصّوريَّ، وحٍ يقضي عليه الضروريُ، حتّى أنّ الأخذَ بالصّوري يعدّ مخالفةً للقائل، والعدولَ عنه إلى الضّروري موافَقةً أو اتّباعاً له، كأن كان زيدٌ صالحاً فأمر عمروٌ خدّامَه بإكرامه نصّاً جهاراً، وكرّر ذلك عليهم مراراً، وقد كان قال لهم: "إيّاكم أن تُكرِموا فاسقاً أبداً"، فبعد زمانٍ فسق زيدٌ علانيةً، فإن أكرَمه بعده خدّامُه عملاً بنصّه المكرَّر المقرَّر لكانوا عاصين، وإن تركوا إكرامَه كانوا مُطيعين.

مبحث في بيان العدول عن قول الإمام للأسباب السّتّة

ومثل ذلك يقع(٥) في أقوال الأئمّة، إمّا لحدوث ضرورةٍ أو حرجٍ أو عُرفٍ أو تعامُلٍ أو مصلحةٍ مهمّةٍ تجلب أو مَفسدةٍ ملمّةٍ تسلب؛ وذلك لأنّ استثناء الضّروراتِ، ودفعُ الحرج، ومراعاةُ المصالح الدينيّة الخالية عن مَفسدةٍ تربو عليها، ودرءُ المفاسد، والأخذُ بالعُرف، والعملُ بالتعامُل، كلّ ذلك قواعدُ كلّيّةٌ معلومةٌ من الشّرع، ليس أحدٌ من الأئمّة إلاّ مائلاً إليها، وقائلاً بها، ومعوِّلاً عليها، فإذا كان في مسألةٍ نصُّ الإمام، ثمّ حدث أحدُ تلك المغيّرات، علمنا قطعاً أن لو حدث على عهده لكان قولُه على مقتضاه، لا على خلافه وردّه، فالعمل حينئذٍ بقوله الضروريِّ الغيرِ المنقولِ عنه هو العملُ بقوله، لا الجمودُ على المأثور من لفظه.

وقد عدّ في "العقود" مسائلَ كثيرةً من هذا الجنس، ثمّ أحال بيانَ كثيرٍ أُخر على

(۵) چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے، لہٰذا قولِ ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں: ضرورت، دفعِ حرج، عُرف، تعامُل، دینی ضروری، مصلحت کی تحصیل، کسی فسادِ موجود یا مظنون بظنِ غالب کا اِزالہ، ان سب میں بھی حقیقۃً قولِ امام ہی پر عمل ہے۔

"الأشباه"[٦]، ثمّ قال: "فهذه كلّها قد تغيّرتْ أحكامُها لتغيُّر الزّمان، إمّا للضّرورة، وإمّا للعُرف، وإمّا لقرائن الأحوال -قال-: وكلّ ذلك غيرُ خارج عن المذهب؛ لأنّ صاحب المذهب لو كان في هذا الزّمان لقال بها، ولو حدث هذا التغيُّر في زمانه لم ينصّ على خلافها -قال-: وهذا الذي جرّأ المجتهدين في المذهب وأهلَ النظر الصّحيح من المتأخّرين على مخالَفة المنصوص عليه من صاحب المذهب في كتب ظاهر الرّواية، بناءً على ما كان في زمنه، كما مرّ تصريحُهم به"[٧]... إلخ.

أقول: بل ربّما يقع نظيرُ ذلك في نصّ الشّارع ﷺ، فقد[٨] قال ﷺ: «إذا استأذنتْ أحدَكم امرأتُه إلى المسجد فلا يمنعها» رواه أحمد[٩] والبخاري[١٠] ومسلم[١١] والنَّسائي[١٢]. وفي لفظ: «لا تمنعوا إماءَ الله مساجدَ الله» رواه أحمد[١٣] ومسلم[١٤] كلُّهم عن ابن عمر رضي الله عنهما، وبالثاني: رواه أحمد وأبو داود[١٥] عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النّبي ﷺ بزيادة: «وليخرجنَ تفلات»[١٦].

---

(٦) ''الأشباه والنظائر'' الفنّ ١: القواعد الكلية، القاعدة ٦: العادة محكمة، صـ١٠١، ١٠٩، ١١٣.

(٧) ''شرح عقود رسم المفتي''، الجزء ١، صـ٤٥.

(٨) اُنہیں وجوہ صحیح و مؤکد احادیث کا خلاف کیا جاتا ہے، اور وہ خلاف نہیں ہوتا، جیسے عورتوں کا جماعت و جمعہ و عیدین میں حاضر ہونا، کہ زمانۂ رسالت میں حکم تھا اور اب مطلقاً منع ہے۔

(٩) أي: في "المسند" مسند عبد الله بن عمر بن الخطّاب، ر: ٤٥٥٦، ٢/ ٢١٧.

(١٠) أي: في "الصحيح" كتاب النكاح، باب استئذان المرأة زوجها في الخروج...، ر: ٥٢٣٨، صـ٩٣٥ بتصرّف.

(١١) أي: في "الصحيح" كتاب الصّلاة، باب خروج النساء إلى المساجد...، ر: ٩٨٨، صـ١٨٦.

(١٢) أي: في "السنن" كتاب المساجد، باب النّهي عن منع النساء من إتيانهنّ المساجد، ر: ٧٠٢، الجزء ٢، صـ٤٦ بتصرّف.

(١٣) أي: في "المسند" مسند عبد الله بن عمر بن الخطّاب، ر: ٤٦٥٥، ٢/ ٢٣٣.

(١٤) أي: في "الصحيح" كتاب الصّلاة، باب خروج النِّساء إلى المساجد...، ر: ٩٩٠، صـ١٨٦.

(١٥) أي: في "السنن" كتاب الصّلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، ر: ٥٦٥، صـ٩٣.

(١٦) ''المسند'' مسند أبي هريرة، ر: ٩٦٥١، ٣/ ٤٣٧.

وقد أمر ﷺ بإخراج الحُيّض وذوات الخدور يوم العيدَين، فيشهدنَ جماعةَ المسلمين ودعوتَهم، وتعتزل الحيّضُ المصلّى، قالت امرأةٌ: يا رسول الله ﷺ! إحدانا ليس لها جلباب، قال ﷺ: «لتُلبسهاصاحبتُها من جلبابها» رواه البخاري(۱۷) ومسلم(۱۸) وآخرون(۱۹) عن أمّ عطية رضي الله عنها. ومع ذلك نهى الأئمّةُ الشّوابَ مطلقاً، والعجائزَ نهاراً، ثمّ عمّموا النّهيَ عملاً بقوله ﷺ الضروريِّ المستفادِ من قول أمّ المؤمنين الصّدّيقة رضي الله عنها: «لو أنّ رسول الله ﷺ رأى من النِّساء ما رأينا، لمنعهنّ من المسجد كما منعتْ بنو إسرائيل نساءَها» رواه أحمد(۲۰) والبخاري(۲۱) ومسلم(۲۲).

مقدمہ پنجم: قول دوطرح کا ہوتا ہے۔ **قول صوری، قول ضروری۔**

قول صوری تو وہ ہے جو قائل سے صراحۃً صادر ہو اور لوگوں تک نقل ہو کر پہنچے۔

قول ضروری وہ ہے جسے قائل نے صراحۃً نہ کہا مگر کسی عام قول کے ضمن میں وہ اس کا بھی قائل ہے۔ پھر یہ بات یاد رہے کہ **قول ضروری** کبھی **قول صوری** کے خلاف ہوتا ہے اس وقت میں راجح **قول ضروری** ہے۔

جیسے زید ایک صالح اور نیک مرد ہے۔ عمرو جو عالم ہے اس نے اپنے خادموں کو صراحۃً علانیہ حکم دیا کہ **زید کی تعظیم کرو**، اور اسے ان کے سامنے بارہا مکرر بیان کیا۔ لیکن عمرو بہت پہلے خادموں کو ایک عام حکم سنا چکا تھا کہ **کبھی کسی فاسق معلن کی تعظیم نہ کرنا**۔ اب کچھ زمانہ کے بعد زید جو نیک اور صالح شخص تھا فاسق معلن ہو گیا۔ اب اگر ان عالم کے خدام زید کی تعظیم کریں گے تو نافرمان قرار پائیں گے، اس لیے کہ اگرچہ زید کے بارے میں

---

(۱۷) أي: في "الصحيح" كتاب الصّلاة، باب وجوب الصّلاة في الثياب، ر: ۳۵۱، صـ٦۳.

(۱۸) أي: في "الصحيح" كتاب صلاة العيدَين، باب ذكر إباحة خروج النساء في العيدَين...، ر: ۲۰٥٦، صـ۳٥٦.

(۱۹) أي: ابن ماجه في "السنن" كتاب إقامة الصّلاة والسنّة فيها، باب ما جاء في خروج النساء في العيدَين، ر: ۱۳۰۷، صـ۲۲۰. وأحمد في "المسند" مسند البصريّين، حديث أمّ عطيّة، ر: ۲۰۸۱۹، ۷/ ٤۰۰، ٤۰۱. والدّارمي في "السنن" كتاب الصّلاة، أبواب العيدَين، باب خروج النِّساء في العيدَين، ر: ۱٦۰۹، ۱/ ٤٥۸.

(۲۰) أي: في "المسند" مسند السيّدة عائشة رضي الله عنها، ر: ۲٤٦٥٦، ۹/ ۳۸۰.

(۲۱) أي: في "الصحيح" كتاب الأذان، [باب انتظار النّاس قيام الإمام العالم]، ر: ۸٦۹، صـ۱٤۰.

(۲۲) أي: في "الصحيح" كتاب الصّلاة، باب خروج النساء إلى المساجد...، ر: ۹۹۹، صـ۱۸۷.

تعظیم کا قول صراحۃً تھا اور یہ **قول صوری** تھا، لیکن ان کے دوسرے فرمان **"کسی فاسق معلن کی تعظیم نہ کرنا"** کے مطابق **قول ضروری** یہ ہے کہ اس کی تعظیم ہرگز نہ کی جائے۔ چنانچہ اب **قول ضروری** پر عمل ہوگا۔

اسی طرح ائمہ کرام کے اقوال میں بھی ہوتا ہے کہ ان کے **قول صوری** کے خلاف کوئی **قول ضروری** پا لیا جاتا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ اسباب ہیں:

(۱)ضرورت (۲)دفع حرج (۳)عرف (۴)تعامل

(۵)کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہے (۶)کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب۔

یہ ایسے اسباب اور قواعد ہیں کہ ائمہ دین کا ان پر اعتماد ہے۔ اب کسی مسئلہ میں امام کا کوئی صریح قول اور حکم ہے پھر ان امور میں سے کوئی بعد میں رونما ہوا تو یہ یقینی امر ہے کہ اگر ان کے زمانہ میں یہ پیدا ہوتا تو حکم اس کے تقاضے کے مطابق ہی ہوتا۔ تو ان پر عمل دراصل ان کے **قول ضروری** پر عمل ہے۔ کتب فقہیہ میں ایسے مسائل بکثرت ہیں۔

بلکہ ان کی نظیر خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص میں موجود، کہ عورتوں کو مسجد میں لانے کی تاکید فرمائی، پھر بھی ائمہ کرام نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے پیش نظر عورتوں کو تمام نمازوں میں مسجد کی حاضری سے روک دیا۔

المقدّمة السّادسة في العدول عن قول الإمام بدعوىٰ ضَعفِ دليله

السادسة: حاملٌ آخَر على العدول عن قول الإمام مختصٌّ بأصحاب النظر، وهو ضَعفُ دليلِه. **أقول:** أي: في نظرهم؛ وذلك لأنّهم مأمورون باتّباع ما يظهر لهم، قال تعالى: ﴿ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾[23]، ولا تكليفَ إلاّ بالوسع، فلا يسعهم إلاّ العدولُ، ولا يخرجون بذلك عن اتّباع الإمام، بل متّبعون لمثل قوله العامّ: "إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبِي"، في "شرح الهداية"[24] لابن الشّحنة، ثمّ "شرحِ الأشباه"[25] لبِيري، ثمّ "ردِّ المحتار": "إذا صحّ الحديثُ وكان على خلاف المذهب

(۲۳) پ۲۸، الحشر: ۲.

(٢٤) أي: "نهاية النهاية" المقدّمة، الفصل ٥ في ذكر مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة ﷺ، قـ٩ ٤.

(٢٥) أي: "عمدة ذوي البصائر بحلّ مهمّات الأشباه والنظائر" معرفة القواعد التي ترد إليها...، قـ٤.

عُمل بالحديث، ويكون ذلك مذهبَه، ولا يخرج مقلِّدُه عن كونه حنفيّاً بالعمل به، فقد صحّ عنه أنّه قال: "إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبِي"[۲۶] اهـ. **أقول:** يريد[۲۷] الصّحةَ فِقهاً، ويستحيل معرفتُها إلاّ للمجتهِد، لا الصّحةَ المصطلحةَ عند المحدِّثين، كما بيّنتُه في "الفضل الموهبي"[۲۸] بدلائل قاهرة يتعيّن استفادتُها.

قال ش: "فإذا نظر أهلُ المذهب في الدّليل وعملوا به، صحّ نسبتُه إلى المذهب؛ لكونه صادراً بإذن صاحب المذهب؛ إذ لا شكَّ أنّه لو علم ضعفَ دليلِه، رجع عنه واتّبع الدّليلَ الأقوى، ولذا ردّ المحققُ ابن الهمام على بعض المشايخ -حيث أفتَوا بقول الإمامَين- بأنّه لا يُعدَل عن قول الإمام إلاّ لضَعف دليلِه"[۲۹] اهـ.

مقدمہ ششم: قول امام کو چھوڑنے کا ایک سبب جو اصحاب نظر یعنی مجتہد کے لیے خاص ہے وہ یہ ہے کہ ان کی نظر میں یہ قول کمزور ہو۔ اس لیے کہ ان حضرات کو اسی کی اتباع کا حکم ہے جو ان پر ظاہر ہو۔ قرآن کریم میں ہے ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾[۳۰] (اے بصیرت والو نظر اور اعتبار سے کام لو)۔ ظاہر ہے کہ بندہ بقدر وسعت ہی مکلف ہے۔ چنانچہ ان کے لیے اس کے سوا گنجائش ہی نہیں کہ قول امام کو چھوڑ دیں۔ اس کے باوجود وہ امام کی اتباع سے خارج شمار نہیں ہوں گے بلکہ امام کے اِس قول عام کے متبع شمار ہوں گے۔ "إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبِي"[۳۱] (جب حدیث صحیح مل جائے تو وہ میرا مذہب ہے)۔

واضح رہے کہ صحت حدیث سے مراد صحت فقہی ہے اور اس کی معرفت غیر مجتہد کے لیے محال۔ سیدنا اعلیٰ حضرت نے "الفضل الموہبی" میں اس کی مکمل وضاحت کردی ہے۔

علامہ شامی نے اس مقام پر فرمایا کہ جب اہل مذہب نے دلیل میں نظر کی اور اس پر عمل پیرا ہوئے

---

(۲٦) "ردّ المحتار" المقدّمة، مطلب: صحّ عن الإمام أنّه قال: "إذا صحّ الحديث فهو مذهبِي" ۱/ ۲۲۱.

(۲۷) المراد في قوله: "إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبِي" هي الصحّةُ الفقهيّة، ولا تكفي الأثريّة.

(۲۸) "الفضل المُوهبي في معنى إذا صحّ الحديث فهو مذهبِي" ۲۷/ ٦٤-۷۰.

(۲۹) "ردّ المحتار" المقدّمة، ۱/ ۲۲۱.

(۳۰) پ۲۸، الحشر: ۲.

(۳۱) "ردّ المحتار" المقدّمة، مطلب: صحّ عن الإمام أنّه قال: "إذا صحّ الحديث فهو مذهبِي" ۱/ ۲۲۱.

تو اس کو مذہب کی طرف منسوب کرنا درست ہوا، کیونکہ یہ صاحب مذہب کی اجازت سے ہی ہوا۔

لیکن سیدنا اعلیٰ حضرت اس موقف سے متفق نہیں۔ فرماتے ہیں:

أقول: هذا غيرُ معقولٍ ولا مقبولٍ۔

یہ غیر معقول اور ناقابلِ قبول ہے۔

کیونکہ بعض مقلدین کی نظر میں دلیل کے کمزور ہونے سے واقع میں اس دلیل کا کمزور ہونا کیسے ظاہر ہوا۔ یہ تو دیکھیے کہ امام مالک، شافعی اور احمد وغیرہم بسا اوقات امام کی مخالفت پر متفق نظر آتے ہیں اور اپنے اجماع سے امام کی دلیل کمزور بتاتے ہیں، پھر بھی واقع میں امام کی دلیل کا کمزور ہونا ثابت نہیں ہوتا، اگر ایسا ہوتا تو جو ان حضرات ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے وہی امام اعظم کا مذہب قرار پاتا۔ اور ایسا ہرگز نہیں۔ حالانکہ یہ حضرات مجتہد مطلق ہیں، تو پھر ان حضرات کا عمل مذہب کی طرف کیوں کر منسوب ہوگا جو ان سے نہایت کم درجہ کے ہیں۔

یہ دیکھو مسئلہ رضاعت جس میں تیس ماہ کی مدت امام کا مذہب ہے حالانکہ اکثر مرجحین کے نزدیک اس کی دلیل ضعیف بلکہ ساقط الاعتبار ہے، تو کیا اب **دو سال** پر ہی اکتفا کر لینا مذہب امام ہو گیا، ہرگز نہیں۔

اسی طرح **رضاعی باپ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کا حرام ہونا مذہب امام ہے**، حالانکہ امام محقق علی الاطلاق کے خیال میں اس کی **دلیل ضعیف** بھی موجود نہیں بلکہ ان کے نزدیک تو **دلیل حلت** کا حکم کرتی ہے۔ تو کیا یہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ یہ امام کا مذہب ہے۔ نہیں بلکہ یہ ابن ہمام کی ایک بحث ہے۔

لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ اہل نظر کو صرف ایسے مقامات پر جہاں دلیل کی کمزوری ظاہر ہو جائے **مذہب** سے عدول جائز ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہی **مذہب** امام قرار دیا جائے۔ البتہ **اسباب ستہ مذکورہ** کے تحت جو **قول ضروری** ثابت ہوگا اس میں **مذہب** امام کی طرف نسبت بجا اور درست ہے۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت تواضعاً فرماتے ہیں:

هذا، وأمّا نحن فلم نؤمرْ بالاعتبار كأُولي الأبصار، بل بالسّؤال والعمل بما يقوله الإمامُ غيرَ باحثين عن دليلٍ سِوى الأحكام، فإن كان العدولُ للوجوه السّابقة، اشترك فيه الخواصُ والعوام؛ إذ لا عدولَ حقيقةً، بل عملٌ بقول الإمام، وإن كان لدعوى ضَعفِ الدّليلِ اختصّ بمَن يعرفه۔

یہ گفتگو اہل نظر سے متعلق تھی، رہے ہم لوگ تو ہمیں اس کا حکم نہیں، ہم تو صرف اس بات کے

مامور ہیں کہ کسی دلیل کی تلاش یا پھر اس کی چھان بین میں نہ جاکر صرف قول امام دریافت کریں اور اس پر کاربند ہوجائیں۔

البتہ چھ اسباب میں سے کسی سبب کے تحت تلاش و جستجو میں خواص و عوام سب شریک ہیں، کیونکہ یہاں در حقیقت انحراف اور عدول نہیں بلکہ قول امام پر ہی عمل ہے۔

المقدّمة السابعة في تقديم قول الإمام عند اختلاف التّصحيح

السابعة: إذا اختلف التصحيحُ تقدَّم قولُ الإمام الأقدَم، في "ردّ المحتار" قبل ما يدخل في البيع تبعاً: "إذا اختلف التصحيحُ أخذ بما هوقولُ الإمام؛ لأنّه صاحبُ المذهب"[٣٢] اهـ. وقال في "الدرّ": "في وقف "البحر"[٣٣] وغيره[٣٤]: "متى كان في المسألة قولان مصحَّحان جاز القضاءُ والإفتاءُ بأحدهما"[٣٥] اهـ، فقال العلاّمةُ ش: "لا تخييرَ لو كان أحدُهما قولَ الإمام والآخرُ قولَ غيره؛ لأنّه لمّا تعارَض التّصحيحان تساقطا، فرجعنا إلى الأصل، وهو تقديمُ قول الإمام، بل في شهادات "الفتاوى الخيريّة": "المقرَّر عندنا أنّه لا يفتى ولا يعمل إلاّ بقول الإمام الأعظم، ولا يُعدل عنه إلى قولهما أو قولِ أحدهما أو غيرهما إلاّ لضرورةٍ كمسألة المزارَعة، وإن صرّح المشايخُ بأنّ الفتوى على قولهما؛ لأنّه صاحبُ المذهب والإمامُ المقدَّم"[٣٦] اهـ. ومثله في "البحر"[٣٧] وفيه[٣٨]: يحلّ الإفتاءُ بقول الإمام، بل يجب وإن لم يعلم من أين قال اهـ"[٣٩] اهـ.

---

(٣٢) "ردّ المحتار" كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ما وقع عليه العقد وإن ظنّ البائع...، ١٤/ ١٧١ ملتقطاً.

(٣٣) "البحر" كتاب الوقف، ٥/ ٣٣٧.

(٣٤) "النهر" كتاب الوقف، ٣/ ٣١٧.

(٣٥) "الدرّ" المقدّمة، ١/ ٢٣٤.

(٣٦) "الفتاوى الخيريّة" كتاب الشهادات، ٢/ ٥٣.

(٣٧) "البحر" كتاب الصّلاة، ١/ ٤٢٧.

(٣٨) "البحر" كتاب القضاء، فصل: يجوز تقليد مَن شاء من المجتهدين، ٦/ ٤٥٢.

(٣٩) "ردّ المحتار" المقدّمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح، ١/ ٢٣٥ ملتقطاً.

مقدمہ ہفتم: جب تصحیح میں اختلاف ہو تو **قول امام اعظم** مقدم ہو گا۔ اس لیے کہ امام **صاحبِ مذہب** ہیں۔ درمختار میں بحر کے حوالہ سے ہے: جب کسی مسئلہ میں دو قول تصحیح یافتہ ہوں تو کسی پر بھی فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ اس پر علامہ شامی نے لکھا کہ یہ اختیار اس وقت نہیں جب ایک **قول امام** ہو۔ اس لیے کہ اس صورت میں تو صرف قول امام پر ہی عمل ہو گا۔ بحر میں تو یہاں تک کہا کہ اس صورت میں بھی امام کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

یہاں تک مقدمات بیان ہوئے، ان سے فارغ ہو کر بیان فرماتے ہیں کہ:

إذا عرفتَ هذا أوضَح لك كلامُ "البحر"، وطاح كلُّ ما ردّ به عليه، وإن شئتَ التفصيلَ المزيد فألق السَّمع وأنت شهيد!.

شروع رسالہ میں جو بحر رائق کا کلام پیش کیا گیا تھا اس کا مطلب اب روشن ہو گیا اور اس کی تردید میں جو کچھ لکھا گیا وہ سب بے کار ثابت ہوا۔ اگر تفصیل چاہتے ہو تو سنو!

علامہ شامی نے شرح عقود میں فرمایا کہ **بحر رائق** کے کلام کی بے نظمی بالکل ظاہر ہے۔ اسی لیے تو اس کے محشی **علامہ خیر الدین رملی** نے کہا یہ قول: "يجب علينا الافتاء بقول الإمام وإن لم نعلم من أين قال "اور پھر امام اعظم کا فرمان "لا يحل لأحد ان يفتي بقولنا حتى يعلم من اين قلنا "ان دونوں میں کھلا تضاد ہے۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: مقدمہ چہارم سے معلوم ہو چکا کہ فتویٰ دو طرح کا ہوتا ہے: **حقیقی، عرفی۔** یہاں امام اعظم کا فرمان **فتوی حقیقی** سے متعلق ہے۔ اور صاحب بحر رائق کا قول **فتوی عرفی** سے متعلق ہے، پھر تضاد کہاں رہا۔

علامہ خیر الدین رملی کا فرمان: قول امام سے تو معلوم ہوا کہ صاحب نظر و اجتہاد کے علاوہ کو فتویٰ دینا ہی جائز نہیں، پھر اس سے وجوب افتا پر استدلال کرنا کیونکر درست ہو گا۔

اعلیٰ حضرت: اس کا جواب مقدمہ سوم میں ہے کہ مجتہد کسی دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرتا اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے۔ تو اس کو امام کے قول پر فتویٰ دینا واجب نہیں ہوا بلکہ واجب غیر مجتہد پر ہے۔

علامہ خیر الدین: غیر مجتہد جو حکم سناتا ہے وہ در حقیقت افتا نہیں۔ تو پھر وجوب کیسا؟

اعلیٰ حضرت: جواب تو آپ کے اسی قول میں موجود ہے، یعنی وہ مجتہد کے قول کی حکایت ہے۔ اور غیر مجتہد کا فتویٰ ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہی تو فتویٰ عرفی ہے۔

علامہ خیر الدین: فتویٰ تو امام مجتہد سے نقل و حکایت ہی ہے۔

اعلیٰ حضرت: ایسا نہیں، مقدمہ اولیٰ ملاحظہ کریں۔

علامہ خیر الدین: تو پھر غیر امام کے قول کی نقل و حکایت بھی جائز ہے۔

اعلیٰ حضرت: نقل و حکایت سے کوئی رکاوٹ نہیں اگر چہ مذہب سے باہر کسی کا قول ہو۔ یہاں بات تقلید سے متعلق ہے، اور مجتہد مطلق اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کے مقابلہ میں اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی تقلید کی جائے۔

علامہ خیر الدین: تو امام کے قول پر فتویٰ دینا ہم پر کیوں واجب ہوا۔

اعلیٰ حضرت: اس لیے کہ ہم نے انھیں کی تقلید کی ہے دوسرے کی نہیں۔

علامہ خیر الدین: ہم تو صرف فتاویٰ مشائخ کے ناقل ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

اعلیٰ حضرت: بلکہ ہم تو صرف امام اعظم کے مقلد ہیں کچھ اور نہیں۔ پھر آپ نے ہمارے افتا کی حقیقت بھی پہچان لی کہ صرف دوسروں کے قول کی حکایت اور نقل۔ تو اب آپ ہی بتائیں وہ کون ہے جس نے ہم پر اپنے امام کے قول کی حکایت حرام کر دی۔ اور دوسرے اہل مذہب کے قول کی حکایت واجب کر دی۔ اگر وہ تراجیح دینے والے حضرات ہیں تو امام پر تو ترجیح یافتہ نہیں ہو سکتے۔

علامہ شامی: مشائخ کو امام اعظم کی دلیل سے آگاہی ہو گئی تھی لہٰذا انھوں نے جان لیا کہ امام کے قول کا ماخذ کیا ہے۔ پھر ان کو ترجیح دینے کا اختیار مل چکا ہے لہٰذا انھوں نے اپنے اختیار سے کام لیا۔

اعلیٰ حضرت: یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ فلاں مسئلہ میں امام کا ماخذ یہ ہے اور ان کی دلیل یہ ہے اور فلاں میں یہ ؟ امام سے تو صرف مسائل منقول ہیں دلائل نہیں۔ اصحاب و مشائخ نے اجتہاد کر کے مسائل کی دلیلوں کو نکالا۔ اور یہ بھی اپنے مبلغ علم اور منتہائے فہم کے اعتبار سے۔ اور کوئی بھی امام کی منزل کو نہ پا سکا۔ بلکہ ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچا۔ بلکہ اس سے بھی آگے کہا جائے کہ یہ حضرات ان کی گرد پا کو بھی نہ پا سکے۔

علامہ شامی: مشائخ کرام کے بارے میں یہ گمان بعید ہے کہ انھوں نے قول امام سے انحراف اس لیے کیا کہ انھیں ان کی دلیل کا علم نہیں تھا۔

اعلیٰ حضرت: تو کیا امام کے بارے میں یہ گمان درست ہے کہ انھیں وہ دلیل نہ مل سکی جو مشائخ کو مل گئی۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر مشائخ امام کے مبلغ علم کو نہ پاسکے تو اس میں ان کی کوئی بے عزتی نہیں، کیونکہ امام کے مدارک عالیہ تک تو مجتہدین فی المذہب کی رسائی بھی نہ ہوسکی باقی کس شمار و قطار میں ہیں۔

امام ابن حجر مکی شافعی لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف فرماتے ہیں: مجھے کوئی ایسا نظر نہ آیا جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر اور اس میں موجود فقہی نکات کا علم رکھتا ہو۔ کسی بھی مسئلہ میں جب میں ان کی مخالفت کے دوران سوچتا تو یہی فیصلہ کرتا کہ امام کا مذہب ہی آخرت میں زیادہ نجات بخش ہے۔ کبھی حدیث کی طرف میرا میلان ہوتا تو بعد میں پتہ چلتا کہ حدیث میں بصیرت مجھ سے زیادہ امام کو ہے۔ اس طرح کی بہت سی شہادتیں مجتہدین کی طرف سے آپ کے سلسلہ میں موجود ہیں۔

علامہ شامی: مشائخ نے تو دلائل کے ذریعہ کتابیں بھر دی ہیں۔

اعلیٰ حضرت: وہ تمام دلائل درایۃً ہیں روایۃً نہیں، پھر ان کی درایت کو امام کی درایت سے کیا نسبت۔

علامہ شامی: اس کے بعد بھی مشائخ لکھتے ہیں کہ فتویٰ مثلاً امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔

اعلیٰ حضرت: یہ اس لیے کہ مشائخ پر وہ دلیل ظاہر نہ ہوئی جو امام پر ظاہر تھی۔ چونکہ یہ حضرات بھی اہل نظر ہیں اس لیے ان کو اسی دلیل کی پیروی لازم تھی جو ان پر ظاہر ہوئی۔ اگر ان پر وہ دلیل ظاہر ہوجاتی جو امام پر ظاہر تھی تو یہ بھی امام کے تابعدار ہی نظر آتے۔

علامہ شامی: تو ہمارے ذمہ یہی ہے کہ مشائخ کے اقوال نقل کردیں۔

اعلیٰ حضرت: جس نے امام کی تقلید چھوڑ کر مشائخ کی تقلید اختیار کرلی ہو وہ ایسا کرسکتا ہے۔ ورنہ امام کے مقلد کے ذمہ تو **قول امام** ہے۔

علامہ شامی: اس لیے کہ یہ حضرات مذہب امام کے متبع ہیں۔

اعلیٰ حضرت: ایسا ہے تو تابع سے زیادہ متبوع اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

علامہ شامی: اور ان حضرات نے مذہب کے اثبات کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔

اعلیٰ حضرت: بالکل صحیح فرمایا۔ لیکن یہاں مذہب کے اثبات و تقریر کی بات کہاں ہے، یہاں تو بات تغییر مذہب کی ہے۔

اس طرح علامہ شامی اور علامہ خیر الدین رملی کو پیش آنے والے بہت سے شبہات کے جواب سیدنا اعلیٰ حضرت نے دیے ہیں، پھر ان سب سے گزر کر فرماتے ہیں: اب ہم اپنے مقصود کی طرف آتے ہیں

کہ اپنے مدعا یعنی (فتویٰ مطلقاً قول امام پر ہوتا ہے) پر نصوص اور نقول پیش کریں۔ اقول و باللہ التوفیق:

ہماری اب تک کی بحثوں سے طے شدہ چیز معلوم ہوگئی۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ:

کسی مسئلہ میں اسباب ستہ میں سے کوئی سبب رونما ہوا یا نہیں۔ اگر **پہلی صورت** ہے کہ رونما ہوا تو یہ امام کا **قول ضروری** ہے جس پر مطلقاً اعتماد لازم۔ **قول ضروری** ایک ایسی چیز ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ کسی روایت پر نظر ہوگی اور نہ ترجیح پر۔ بلکہ مرجحین کا بھی یہی **قول ضروری** ہوگا۔ اس میں کسی زمانہ کی پابندی بھی نہیں ہے جب بھی کوئی سبب پیدا ہوگا حکم اسی کے مطابق ہوتا جائے گا۔ پھر اس کے تعلق سے بہت سے مسائل بیان کرکے اس کی تائیدات نقل کی ہیں۔

دوسری صورت ہے کہ اسباب ستہ میں سے کوئی رونما نہیں ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امام سے اس مسئلہ میں کوئی روایت آئی یا نہیں۔ اگر نہیں آئی تو یہ صورت ہماری بحث سے ہی خارج ہے، کیونکہ اس صورت میں تو بلا شبہ مجتہدین فی المذہب کی جانب رجوع ہوگا۔

اگر روایت آئی ہے تو دیکھنا ہے کہ روایت مختلف آئی یا بغیر اختلاف۔ اگر مختلف آئی تو بھی انھی حضرات کی طرف رجوع لازم ہوگا۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ اختلاف سے ظاہر روایت اور نوادر کا اختلاف نہیں، فقط ظاہر روایت ہی کا اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر روایت کے علاوہ جو بھی ہے وہ مرجوع عنہ ہے، امام نے اس سے رجوع فرمالیا تھا لہٰذا وہ ان کا قول نہ رہا۔

دوسری صورت کہ روایت امام بلا اختلاف آئی۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ اس میں صاحبین امام کے موافق ہیں۔ یا ایک صاحب موافق ہیں۔ یا دونوں حضرات مخالف ہیں۔ پہلی صورت میں تو قول امام پر ہی عمل ہوگا اور کسی بھی مجتہد فی المذہب کو ان حضرات کی مخالفت روا نہیں۔ البتہ اسباب ستہ کے تحت اب بھی جائز ہے۔ **دوسری صورت** کا بھی یہی حکم ہے۔ **تیسری صورت** میں تفصیل ہے۔

یا تو صاحبین کسی ایک حکم پر آپس میں متفق ہوں گے۔ یا یہ خود بھی مختلف ہوں گے۔ **دوسری صورت** میں پھر قول امام پر ہی عمل ہوگا۔ **پہلی صورت** میں پھر تفصیل ہے کہ مرجحین قول صاحبین کی ترجیح پر متفق ہوں گے۔ یا قول امام کی ترجیح پر۔ یا خود ان حضرات میں بھی اختلاف ہوگا۔ یا سرے سے کسی کی ترجیح ہی نہ آئی ہوگی۔

پہلی صورت نہ کبھی ہوئی اور نہ کبھی ہو سکتی ہے، جب بھی ہوگی اسباب ستہ میں سے کسی کے سبب، اگر ایسا ہوگا تو ہم مرجحین کا اتباع کریں گے، کیونکہ یہی ہمارے امام کا **قول ضروری** ہوگا۔

یہاں سیدنا اعلیٰ حضرت نے یہ فیصلہ کن بات بھی ارشاد فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص اسباب ستہ کے بغیر کوئی ایسا جزئیہ نکال کر لانا چاہے جس میں تمام مرجحین قول صاحبین کی ترجیح پر متفق ہو جائیں تو ہرگز ہرگز ایسا کوئی مسئلہ نہیں مل سکے گا، وللہ الحمد۔

دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ قول امام ہی پر عمل ہو گا، اس میں کسی دو فرد کا بھی نزاع نہیں۔

تیسری اور آخری صورت میں **قول امام** ہی کی پیروی لازم۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ مقلد کو امام ہی کی تقلید کرنا ہے اگرچہ ایک مفتی یا چند مفتیوں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو، کیونکہ تمام مفتیوں کا امام کے قول کے خلاف فتویٰ دینا کبھی معرض وجود میں آیا ہی نہیں۔

یہاں پہنچ کر سیدنا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ھٰذا ما تلخّص لنا من کلماتھم، یہ ہے وہ جو کلمات علما کی تلخیص سے ہمیں حاصل ہوا۔

بحمدہ تعالیٰ راقم الحروف نے بھی اس تلخیص کا یہاں تک خلاصہ بیان کر دیا۔ اس سے آگے اعلیٰ حضرت نے اپنے مدعا یعنی ”فتویٰ مطلقاً قول امام پر ہوتا ہے“ کے سلسلہ میں علمائے کرام کی تصانیف سے چوالیس (۴۴) نصوص پیش فرمائی ہیں، ان کی تلخیص بھی ملاحظہ کریں:

(۱) محیط سرخسی

(۲) فتاویٰ ہندیہ

ان دونوں میں ہے کہ ائمۂ ثلاثہ جب کسی مسئلہ میں متفق ہوں تو قاضی اپنی رائے سے ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

(۳) امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ائمۂ ثلاثہ جب باہم مختلف ہوں تو امام اعظم کا قول لیا جائے گا۔

(۴) علامہ قاسم نے اپنی تصحیح میں

(۵) علامہ شامی نے رد المحتار میں

اس پر اضافہ کیا کہ امام اعظم کا قول ہی اقویٰ ہو گا جب کہ عصر و زمانہ کا اختلاف نہ ہو۔

(۶) امام قاضی خاں فرماتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں کسی مسئلہ میں سوال ہو اور وہ مسئلہ ہمارے ائمہ کے درمیان بلا اختلاف ظاہر الروایہ میں مروی ہو تو مفتی اپنی رائے سے مخالفت نہ کرے۔ اور اگر صاحبین میں سے کوئی امام کے ساتھ

ہیں تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر صاحبین اختلاف پر ہیں اور یہ اختلاف عصر و زمان کا اختلاف ہے تو صاحبین کا قول لیا جائے گا۔

(۷) فتاویٰ سراجیہ

(۸) نہر فائق

(۹) فتاویٰ ہندیہ

(۱۰) حموی

فتویٰ مطلقاً قول امام پر ہوگا۔ پھر امام ابو یوسف۔ پھر امام محمد۔ پھر امام زفر۔ پھر امام حسن۔

(۱۱) شرح عقود

جب امام کی کوئی نص نہ ملے تو امام ابو یوسف کا قول مقدم ہو پھر امام محمد کا الخ۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ غیر مجتہد کے حق میں ہے۔ رہا مفتی مجتہد تو یہ اسے اختیار کرے گا جس کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو۔

(۱۲) تنویر الابصار

(۱۳) در مختار

مفتی کی طرح قاضی بھی قول امام کو لے گا۔ یہی اصح ہے۔

(۱۴) منیہ و سراجیہ وحاوی قدسی

ان میں قوت دلیل کے اعتبار کو صحیح کہا۔

(۱۵) نہر فائق

مفتی و قاضی کو دونوں میں اختیار نہ ہوگا مگر جب کہ وہ صاحب اجتہاد ہو۔

(۱۶) طحطاوی علی الدر المختار

(۱۷) ادب المقال

مصنف نے جو ذکر کیا ہے ادب المقال میں اسی کو صحیح کہا ہے۔

(۱۸) بحر رائق

علما نے اسی کو صحیح کہا کہ فتویٰ قول امام پر ہوگا۔

(۱۹) علامہ حلبی

(۲۰) علامہ طحطاوی

(۲۱) علامہ شامی

جس کو دلیل کی قوت سے آگاہی کی قدرت ہو وہ اپنے دریافت کردہ قوی قول پر فتویٰ دے گا۔ ورنہ ترتیب ہوگی۔

(۲۲) فتاویٰ خانیہ

اگر امام کے ساتھ صاحبین میں سے ایک ہوں تو ان کے قول کو لیا جائے۔ اور صاحبین امام کے خلاف ہوں اور اختلاف بلحاظ زمانہ ہے تو صاحبین کا قول لے۔

(۲۳) حاوی قدسی

صاحبین کا قول امام کے قول کے موافق ہو تو اس سے تجاوز نہیں کیا جائے گا البتہ جب ضرورت پیش آئے اور معلوم ہو جائے کہ اگر امام دیکھتے جو بعد والوں نے دیکھا تو اسی پر فتویٰ دیتے۔ یہی حکم جب ہے کہ صاحبین میں سے کوئی امام کے ساتھ ہوں۔ اگر دونوں ظاہر میں مخالف ہوں تو مشائخ میں اختلاف ہے: بعض نے قول امام لینے کو کہا اور بعض نے اختیار دیا۔ اور اصح یہ ہے کہ قوت دلیل کا اعتبار ہے۔

(۲۴) شرح عقود

جب امام اور صاحبین متفق ہوں تو عدول جائز نہیں مگر بضرورت۔ اسی طرح جب کوئی ایک موافق ہوں۔ دونوں مخالف ہوں اور آپس میں بھی مختلف ہوں تو بھی ترجیح قول امام کو ہے۔

(۲۵) علامہ شامی رفع الغشاء میں

قول امام پر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کو ترجیح نہ ہوگی مگر کسی سبب سے۔ یا تو دلیل میں ضعف۔ یا ضرورت۔ یا تعامل۔ یا عصرو زمان کا اختلاف۔

(۲۶) شیخ قاسم اپنی تصحیح میں۔ اسی کے موافق ہیں۔

(۲۷) طحطاوی میں علامہ نوح آفندی کا تعاقب اور یہ فرمان:

قول امام پر قول صاحبین کو ترجیح نہیں مگر ضعف دلیل، یا ضرورت، یا تعامل، یا اختلاف زمان جیسے موجب کے سبب۔

(۲۸) محقق علی الاطلاق نے صاحبین کے قول پر فتوے کے سبب مشائخ پر رد کیا اور کہا کہ قول امام سے ضعف دلیل کے بغیر عدول نہ ہوگا۔

(۲۹) علامہ شامی

(۳۰)بحر رائق

ان دونوں حضرات نے اسے نقل کر کے برقرار رکھا۔

یہاں محقق علی الاطلاق نے ضعف دلیل کے علاوہ اور کسی صورت کا استثنا نہیں کیا۔ اس کی وجہ معلوم ہے کہ باقی تمام صورتوں میں دراصل قول امام پر ہی عمل ہے۔ تو جن حضرات نے استثنا کیا ہے: جیسے خانیہ، تصحیح، جامع الفصولین، بحر، خیر، رفع الغشاء، اور علامہ نوح وغیرہم، انھوں نے ظاہری صورت پر نظر کی۔ جنھوں نے استثنا نہیں کیا انھوں نے معنی پر نگاہ کی۔

واضح رہے کہ ضعف دلیل کا استثنا بھی مجتہد کے اعتبار سے ہے۔ مقلد کے حق میں حکم مطلق ہے۔

(۳۱)شرح عقود

(۳۲)ایضاح الاستدلال

(۳۳)بعض کتب متأخرین

(۳۴)صدر الدین سلیمان

(۳۵)دیگر مشائخ

یعنی شرح عقود میں ہے کہ بعض کتب متأخرین میں ایضاح سے منقول صدر الدین سلیمان نے فرمایا: ان فتاوی کی حیثیت یہی ہے کہ یہ مشائخ کی ترجیحات اور ان کے اختیار کردہ اقوال و احکام ہیں تو یہ کتب مذہب کے مقابل نہیں ہوسکتے۔

(۳۶)فتاوی خیریہ

(۳۷)فتاوی شامی

ان دونوں کا فرمان ہے کہ طے شدہ یہی ہے کہ ضرورت کے سوا فتوی اور عمل قول امام ہی پر ہوگا اگر چہ مشائخ تصریح فرمائیں کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

(۳۸) بحر رائق

(۳۹)فتاوی شامی

ان دونوں کا یہ کلام گزر چکا کہ افتا قول امام پر واجب اگر چہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا ماخذ اور دلیل کیا ہے۔

(۴۰)بحر رائق

(۴۱)فتاوی شامی

(۴۲) منحۃ الخالق

علامہ شامی نے بحر سے نقل کیا کہ قول امام سے صاحبین کی طرف عدول نہ ہوگا مگر صرف ضعف دلیل یا تعامل کے وقت، منحۃ الخالق میں بھی اس کو برقرار رکھا۔

(۴۳) منظومہ رسم المفتی (علامہ شامی)

ضرورت یا ضعف دلیل کے سوا کسی حال میں قول امام سے عدول نہ ہوگا۔

(۴۴) ردالمحتار

ہبہ مشاع کے بیان میں ہے: جب معلوم ہو گیا کہ یہی ظاہر الروایہ ہے اور امام سے مروی ہے، تو ظاہر ہو گیا کہ عمل اسی پر ہوگا اگرچہ صراحت کی گئی ہو کہ مفتٰی بہ اس کے خلاف ہے۔

یہ ہیں علمائے کرام کے نصوص اور ان کی تصریحات۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے طفیل ہم پر بھی رحمت فرمائے۔

یہ تمام تر تفصیلات بیان کرنے کے بعد سیدنا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

وھی کما تری کلھا موافقۃ لما فی البحر ولم یتعقبہ فی ما علمت الا عالمان متأخران.

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ تمام نصوص بحر رائق کے موافق ہیں اور میرے علم میں کسی نے بھی اس پر تعاقب نہ کیا دو متأخر عالموں کے سوا۔ عجیب بات ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک نے عیب بھی لگایا اور رجوع بھی کیا۔ انکار بھی اقرار بھی۔ مفارقت بھی مرافقت بھی۔ مخالفت بھی موافقت بھی۔ یہ دونوں حضرات ہیں **علامہ خیر الدین رملی اور سید امین الدین شامی**۔ رحمہما اللہ تعالیٰ، یعنی ان دونوں حضرات کے کلمات مضطرب ہیں اور کلام مضطرب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

پہلے اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ مسئلہ کی آٹھ صورتیں ہیں:

(۱) کسی مسئلہ میں اسباب ستہ میں سے کوئی سبب رونما ہوا۔ (یہ قول ضروری ہے)

(۲) امام سے روایت آئی تو مختلف آئی۔ (اصحاب کی طرف رجوع ہوگا)

(۳) روایت بغیر اختلاف آئی اور صاحبین موافق ہیں۔ (یہاں قول امام پر عمل ضروری)

(۴) روایت بغیر اختلاف آئی اور ایک صاحب موافق ہیں۔ (یہاں قول امام پر عمل ضروری)

(۵) امام کے دونوں مخالف ہیں اور آپس میں مختلف ہیں۔ (یہاں قول امام پر عمل ضروری)

(۶) صاحبین آپس میں متفق ہیں اور مرجحین ان کے قول کی ترجیح پر متفق ہیں (یہ صورت

بغیر سبب کبھی نہ ہوگی)

(۷)صاحبین آپس میں متفق ہیں اور مرجحین قول امام کی ترجیح پر متفق ہیں۔(یہاں قول امام پر عمل ضروری)

(۸) صاحبین متفق ہیں اور مرجحین کا کسی کی ترجیح پر اتفاق نہیں۔(صحیح مشہور معتمد منصور قول امام کی پیروی اور ضعیف قول مقلد دونوں میں سے جس کی چاہے پیروی کرے)۔

سات میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔ بس صرف ایک آٹھویں صورت ہے جس میں ضعیف اختلاف ہے: وہ یہ ہے کہ صاحبین کسی ایک قول پر متفق ہوتے ہوئے امام کے خلاف ہوں، اور مرجحین کا کسی کی ترجیح پر اتفاق نہ ہو۔ بس اس صورت میں ایک ضعیف قول آیا جس کے قائل کا بھی پتہ نہیں بلکہ اس کے وجود میں بھی شبہہ ہے، وہ قول یہ ہے کہ مقلد دونوں میں سے جس کی چاہے پیروی کرے۔ لیکن صحیح مشہور، معتمد منصور قول یہ ہے کہ مقلد قول امام ہی کی پیروی کرے۔

یہاں پر اس آٹھویں صورت میں چھ قسمیں متصور ہوں گی:

(۱) مرجحین قول امام کی ترجیح پر متفق ہوں۔

(۲) صاحبین کی ترجیح پر متفق ہوں۔(لیکن گزرا کہ یہ صورت کبھی نہ ہوئی اور نہ ہوگی۔)

(۳) مرجحین کی کثرت۔ یالفظ ترجیح کی قوت۔کی وجہ سے ارجح قول امام ہو۔

(۴) یا قول صاحبین ہو۔

(۵) دونوں قول ترجیح میں برابر۔

(۶) عدم ترجیح میں برابر۔

ان میں اختلاف کے قابل صرف چوتھی قسم ہے، وہ یہ کہ دونوں ترجیحوں میں سے ارجح، قول صاحبین کے حق میں ہے۔ مگر اب یہ دس قسموں میں سے دسویں قسم بن جاتی ہے۔اس کی تفصیل اس طرح ہوگی کہ امام کے مخالف صاحبین ہیں۔ یا ایک ہیں۔ یا کوئی نہیں۔ اب ان میں مرجحین کے اعتبار سے دس صورتیں نکلیں گی۔

(۱) ترجیح میں سب برابر ہیں۔

(۲) عدم ترجیح میں سب برابر ہیں۔

(۳) قول امام کی ترجیح پر اتفاق ہے۔

(۴) قول صاحبین کی ترجیح پر اتفاق ہے۔

(۵) ایک صاحب کے قول پر اتفاق ہے۔

(۶) اس پر اتفاق ہے جو کسی کا قول نہیں۔

۴/۵/۶/ یہ تینوں صورتیں نہ کبھی واقع ہوئیں اور نہ ہوں گی۔

(۷) ترجیحات میں ارجح قول امام کے حق میں ہے۔

(۸) ترجیحات میں ارجح قول صاحبین کے حق میں ہے۔

(۹) ترجیحات میں ارجح ایک صاحب کے حق میں ہے۔

(۱۰) ترجیحات میں ارجح اس کے حق میں جو کسی کا قول نہیں۔

واضح رہے کہ جب صاحبین کسی ایک قول پر متفق ہونے کے ساتھ امام کے خلاف ہوں اور مرجحین دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح پر متفق نہ ہوں تو جیسا کہ گزرا ایک ضعیف قول یہ ہے کہ مقلد دونوں میں سے جس کی چاہے پیروی کرے۔ اور صحیح معتمد یہ ہے کہ امام کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے۔ اگر بالفرض ضعیف قول کا کہیں نام ونشان مل بھی جائے جب بھی ترجیح امام کی پابندی والے قول کو ہوگی۔ اس کی چند وجہیں ہیں:

وجہ اول: یہ امام اعظم کے عظیم شاگرد سیدنا عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے۔

وجہ دوم: اسی پر جمہور ہیں۔

وجہ سوم: اسی قول پر پے در پے تصحیحات کے ساتھ ترجیحات کا اتفاق ہے۔

اب یہاں قابل توجہ یہ بات ہے کہ جب ترجیحات کا اتباع واجب ٹھہرا تو اس بات کا قائل ہونا بھی ضروری ہے کہ امام کی تقلید ضروری ہے اگرچہ صاحبین مطلقاً امام کے مخالف ہوں۔ اور اگر ترجیحات کا اتباع ضروری نہیں ٹھہرا تو سرے سے ساری بحث ہی ساقط ہوگئی، کیونکہ یہ سارا اختلاف تو ترجیحات کا اتباع واجب ہونے ہی کے بارے میں تھا۔

البتہ منحۃ الخالق کی ایک عبارت پر کلام باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کتاب القضا میں لکھتے ہیں:

"نعم، ما ذكره المؤلِّف[٤٠] يظهر بناءً على القول بأنّ مَن التزم مذهبَ الإمام

(٤٠) أي: في "الظهيرية" كتاب الدعوى والبيّنات، الفصل ٦ فيما ينبغي للقاضي أن يعمل في تقلّد...، قـ٣١٧.

لا يحلّ له تقليدُ غيرِه في غير ما عمل به، وقد علمتَ ما قدّمناه[41] عن "التحرير"[42] أنّه خلافُ المختار"[43] اهـ.

ہاں مؤلف نے جو ذکر کیا اس قول کی بنیاد پر ظاہر ہے کہ جس نے مذہب امام کا التزام کر لیا اس کے لیے دوسرے کی تقلید جن پر وہ عمل کر چکا ہے ان کے علاوہ میں بھی جائز نہیں۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ تحریر کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ قول مختار کے خلاف ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

أقول: وهذا[44] وإن كان قِيلاً باطلاً مغسولاً، قد صرّح ببطلانه كبارُ الأئمّةِ النّاصحين، وصُنّف في إبطاله زُبرٌ في الأوّلين والآخِرين، وقد حدثتْ منه فتنةٌ عظيمةٌ في الدّين من جهة الوهابية الغير المقلِّدين، واللهُ لا يُصلح عملَ المفسدين.

یہ قول باطل ہے کہ ائمہ کبار اس کے بطلان کی تصریح فرما چکے، اولین و آخرین فقہا نے متعدّد کتابیں تصنیف کیں، اس باطل قول کی وجہ سے ہی تو وہابیہ غیر مقلدین کی طرف سے دین میں عظیم فتنہ پیدا ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے مقام بحث میں یہ لکھ تو دیا کہ آدمی جس قول پر چاہے عمل کرے لیکن یہ بحث تک ہی محدود ہے، ان کو ہرگز یہ پسند نہیں بلکہ برا جانتے ہیں، جابجا جس مسئلہ میں بے قیدی عوام کا اندیشہ سمجھتے ہیں صاف فرما دیتے ہیں کہ اسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے کہ وہ مذہب کے گرانے پر جرأت نہ کریں۔ پھر یہی علما عمر بھر اپنے کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہتے کہلاتے رہے، کبھی مذہب سے بے قیدی نہ برتی، عمریں اپنے اپنے مذہب کی تائید میں صرف کیں اور اس میں بڑے بڑے دفتر تصنیف ہوئے اور تمام علمائے امت نے اس پر اجماع کیا۔ بلکہ اپنے اپنے مذہب کی تائید میں مناظرہ تو زمانہ صحابہ کرام سے چلا آتا ہے، اگر مذہب کوئی چیز نہ ہوتا اور آدمی کو عمل کے لیے سب برابر ہوتے تو یہ سب کچھ مناظرے اور

---

(٤١) "المنحة"، كتاب القضاء، ٦/ ٤٤٧.

(٤٢) "التحرير"، ٣/ ٤٦٧-٤٦٩.

(٤٣) "المنحة"، كتاب القضاء، فصل في التقليد، ٦/ ٤٥٣.

(۴۴) تقلید شخصی واجب ہے، اور یہ بات کہ: "جس مسئلہ میں جس مذہب پر چاہو عمل کرو" باطل ہے، اکابر ائمہ نے اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی، اس کے سبب غیر مقلّد وہابیوں کا دین میں ایک بڑا فتنہ پیدا ہوا۔

ہزار ہا کتابیں اور ائمہ و اکابر کی عمروں کی کارروائیاں سب لغو و فضول میں وقت و عمر و مال برباد کرنا ہوتا۔ اس سے بدتر کون سی شناعت ہے۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے علامہ شامی کے بہت سے شبہات کے جواب دیے ہیں۔ اور پھر ان کے قول کی توجیہ بھی کی۔

تمام مباحث کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:

فقد ظهر -ولله الحمد- أنّ الترجيحَ بكون القول قولَ الإمام لا يوازِيه شيءٌ، وإذا اختلف الترجيحُ، وكان أحدُهما قولَ الإمام، فعليه التعويلُ، وكذا إذا لم يكن ترجيحٌ، فكيف إذا اتّفقوا على ترجيحه... ؟! فلم يبقَ إلاّ ما اتّفقوا فيه على ترجيح غيره.

اس تفصیل سے بحمدہ تعالیٰ روشن ہو گیا کہ کسی قول کے **قول امام** ہونے کے باعث ترجیح پانے کے مقابل کوئی چیز نہیں، اور جب اختلاف ترجیح کی صورت میں دو قولوں میں سے ایک **قول امام** ہو تو اسی پر اعتماد ہے۔ اسی طرح اس وقت بھی جب کوئی ترجیح ہی موجود نہ ہو۔ پھر اس وقت کیا حال ہو گا جب اسی کی ترجیح پر متفق ہوں تو اب کوئی صورت باقی نہ رہی سوا اس کے جس میں دوسرے کی ترجیح پر سب متفق ہوں۔

چنانچہ اگر علامہ شامی کا کلام اس پر محمول کر لیا جائے جو ہم نے بیان کیا تو اس صورت میں بلا شبہ حاصل حکم کے لحاظ سے صحیح ہو گا، کیونکہ ہم بھی اس پر ان کی موافقت کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں ہم اسی کو لیں گے جس کی ترجیح پر مشائخ کا اتفاق ہے البتہ ہمارے اور ان کے درمیان **طریق حکم** کا فرق رہ جاتا ہے۔ انھوں نے اس حکم کو **اتباع مرجحین** کی بنیاد پر اختیار کیا ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا **اسباب ستہ** میں سے کسی ایک کے پائے جانے ہی کے موقع پر ہو گا تو یہی امام کا **قول ضروری** ہو گا اگرچہ وہ ان کے **قول صوری** کے بر خلاف ہو۔ بلکہ ہمارے نزدیک یہاں بعض صورتوں میں تقلید مشائخ کی بھی گنجائش ہے۔

پھر بلا شبہ ایسے وقت میں اس کی بھی پابندی نہیں کہ وہ دوسرا قول، صاحبین ہی میں سے کسی کا ہو بلکہ مدار حوادث پر ہو گا، وہ جہاں دائر ہوں اگرچہ وہ تینوں ائمہ کے بر خلاف مثلاً امام زفر ہی کا قول ہو۔

اور وہ جو علامہ شامی نے ذکر کیا کہ مشائخ نے دلیل کی جانچ کر رکھی ہے اور باقی کلام، یہ سب اس طریق سے پیدا شدہ ہے جسے انھوں نے اپنایا، اور اب ان کے اور بحر کے درمیان صرف لفظی اختلاف رہ جائے گا، کیونکہ بحر بھی ایسی صورت میں امام کے **قول صوری** سے ان کے **قول ضروری** کی جانب عدول کے

منکر نہیں، منکر کیسے ہوں گے ایسا تو انھوں نے خود کیا ہے۔ اور اتفاق، اختلاف سے بہتر ہے۔

آخر میں دو تنبیہیں ذکر فرما کر بحث کو آخری منزل میں پہنچا دیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ فتویٰ ہمیشہ قول امام پر ہی ہو گا۔

فرماتے ہیں:

تنبيه(١): أقول: كون المحلّ محلَّ إحدى الحوامل إن كان بيّناً لا يلتبس فالعملُ عليه، وما عداه لا نظرَ إليه، وهذا طريقٌ لِمِيٌّ، وإن كان الأمرُ مشتبهاً رجعنا إلى أئمّة الترجيح، فإن رأيناهم مُجمِعين على خلاف قول الإمام، علمنا أنّ المحلّ محلُّها، وهذا طريقٌ إنّيٌّ، وإن وجدناهم مختلفين في الترجيح، أو لم يرجّحوا شيئاً، عملنا بقول الإمام وتركنا ما سِواه من قولٍ وترجيح؛ لأنّ اختلافَهم إمّا لأنّ المحلّ ليس محلَّها، فإذن لا عدولَ عن قول الإمام؛ أو لأنّهم اختلفوا في المحليّة، فلا يثبت القولُ الضروريُّ بالشكّ، فلا يترك قولُه الصّوريُّ الثابتُ بيقينٍ إلاّ إذا تبيّنتْ لنا المحليّةُ بالنظر فيما ذكروا من الأدلّة، أو بنى العادلون عن قوله الأمرَ عليها وكانوا هم الأكثرين فنتبعهم، ولا نتّهمهم، أمّا إذا لم يبنوا الأمرَ عليها، وإنّما حامُوا حولَ الدّليل، فقولُ الإمام عليه التعويلُ، هذا ما ظهر لي، وأرجو أن يكونَ صواباً -إن شاء الله تعالى- والله تعالى أعلم!.

تنبیہ اول: اقول: چھ اسباب میں سے کسی کا محل ہونا اگر واضح غیر مشتبہ ہو تو اسی پر عمل ہو گا اور ماسوا پر نظر نہ ہو گی۔ **یہ لمّی طریقہ (دلیل لمّی) ہے۔** اور اگر معاملہ مشتبہ ہو تو ہم ائمہ ترجیح کی جانب رجوع کریں گے، اگر قول امام کے بر خلاف انھیں اجماع کیے دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ یہ بھی اسباب ستہ میں سے کسی ایک کا موقع ہے۔ **یہ انّی طریقہ (دلیل انّی) ہے۔**

اور اگر انھیں ترجیح کے بارے میں مختلف پائیں یا یہ دیکھیں کہ انھوں نے کسی کو ترجیح نہ دی تو ہم قول امام پر عمل کریں گے اور اس کے علاوہ قول و ترجیح کو ترک کر دیں گے، کیونکہ ان کا اختلاف یا تو اس لیے ہو گا کہ وہ اسباب ستہ کا موقع نہیں۔ جب تو **قول امام** سے عدول ہی نہیں۔ یا اس لیے ہو گا کہ اسباب ستہ کا محل ہونے میں وہ باہم مختلف ہو گئے، تو قول ضروری شک سے ثابت نہ ہو پائے گا۔ اس لیے امام کا **قول صوری** جو یقین سے ثابت ہے ترک نہ کیا جائے۔ لیکن جب ہم پر اسباب ستہ کا محل ہونا ان حضرات کی بیان کردہ دلیلوں میں نظر کرنے

سے واضح ہو جائے۔ یا قول امام سے عدول کرنے والے حضرات نے اسی محلیت پر بنائے کار رکھی ہو اور وہی تعداد میں زیادہ بھی ہوں تو ہم ان کی پیروی کریں گے اور انھیں متہم نہ کریں گے۔ لیکن جب انھوں نے بنائے کار محلیت پر نہ رکھی ہو، بس دلیل کے گردان کی گردش ہو تو قول امام پر ہی اعتماد ہے۔ یہ وہ **طریق عمل** ہے جو مجھ پر منکشف ہوا، اور امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ درست ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

لمّی طریقے یعنی (دلیل لمّی) اور انّی طریقے یعنی (دلیل انّی) کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے:

علت سے معلول کی طرف انتقال **دلیل لمّی** ہے۔
معلول سے علت کی طرف انتقال **دلیل انّی** ہے۔

اس کی صورت یہ ہوگی:

دلیل لمّی

دعویٰ: اسباب ستہ میں سے کوئی پایا جائے تو قول ضروری پر عمل ہو گا۔
صغریٰ: یہاں اسباب ستہ میں سے ایک سبب پایا جا رہا ہے۔
کبریٰ: اور جہاں کوئی سبب پایا جائے تو قول ضروری پر عمل ہو گا۔
نتیجہ: چنانچہ اسباب ستہ میں سے کوئی پایا جائے تو قول ضروری پر عمل ہو گا۔

دلیل انّی

دعویٰ: اس مسئلہ میں خلافِ قولِ امام کوئی سبب ضرور ہے۔
صغریٰ: اس مسئلہ میں خلافِ قولِ امام اجماعِ ائمہ ترجیح ہے۔
کبریٰ: جب اجماعِ ائمہ ترجیح ہو تو اسباب ستہ میں سے کوئی سبب ضرور ہے۔
نتیجہ: لہٰذا اس مسئلہ میں خلاف قول امام کوئی سبب ضرور ہے۔

تنبیہ(۲): أقول: هذا كلّه إذا خالَفوا الإمامَ، إمّا إذا فصّلوا إجمالاً، أو أوضَحوا إشكالاً، أو قيّدوا إرسالاً كدأب الشُرّاح مع المتون، وهم في ذلك على

قوله ماشون، فهُم أعلَم منّا بمراد الإمام، فإن اتّفقوا، وإلاّ فالترجيح بقواعده المعلومة، وإنّما قيّدنا بأنّهم في ذلك على قوله ماشون؛ لأنّه تقع هنا صورتان: مثلاً قال الإمام في مسألةٍ بإطلاق، وصاحباه بالتقييد، فإن أثبتوا الخلافَ واختاروا قولهما فهذه مخالَفةٌ، وإن نفَوا الخلافَ وذكروا أنّ مرادَ الإمام أيضاً التقييدُ، فهذا شرحٌ -والله تعالى أعلم-، وليكن هذا آخَر الكلام، وأفضل الصّلاة والسّلام على أكرَم الكرام، وآله وصحبه وابنه وحزبه إلى يوم القيام، والحمد لله ذي الجلال والإكرام!.

تنبیہ دوم: اقول: یہ سب اس وقت ہے جب وہ وقعی امام کے خلاف گئے ہوں، لیکن جب وہ کسی **اجمال کی تفصیل**۔ یا کسی **اشکال کی توجیہ**۔ یا کسی **اطلاق کی تقیید** کریں، جیسے متون میں شارحین کا عمل ہوتا ہے۔ اور وہ ان سب میں قول امام ہی پر گامزن ہوں تو وہ امام کی مراد ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اب اگر وہ باہم متفق ہوں تو قطعًا اسی پر عمل ہوگا، ورنہ ترجیح کے قواعد معلومہ کے تحت ترجیح دی جائے گی۔

ہم نے یہ قید لگائی کہ **"وہ ان سب میں قول امام ہی پر گامزن ہوں"** اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہوتی ہیں: مثلاً امام کسی مسئلہ میں اطلاق کے قائل ہیں اور صاحبین تقیید کے قائل ہیں، اب مرجحین اگر اختلاف کا اثبات کریں اور صاحبین کا قول اختیار کریں تو یہ مخالفت ہے۔ اور اگر اختلاف کا انکار کریں اور یہ بتائیں کہ امام کی مراد بھی تقیید ہی ہے تو یہ شرح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور عربی زبان وادب

نفیس احمد قادری مصباحی

استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اس مقالے میں مجھے ”عربی زبان وادب میں امام احمد رضا کی مہارت“ کے عنوان پر کچھ گفتگو کرنی ہے۔ مقررہ عنوان پر لب کشائی سے پہلے مناسب یہ ہے کہ کچھ ادب اور اس کی اقسام واصناف کو بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔

ادب:

عربی ادب کی تاریخ کے مختلف مراحل میں ادب کی مختلف تعریفیں کی جاتی رہی ہیں، کبھی اس میں اتنی وسعت دی گئی کہ سارے علوم وفنون کو اس میں جمع کر دیا گیا، اور کبھی اس کا دامن اتنا تنگ کر دیا گیا کہ صرف نظم ونثر کی ایک مخصوص قسم کے اندر ”ادب“ سمٹ کر رہ گیا۔ چناں چہ تاریخ ادب کے ابتدائی مرحلوں میں ادب سے مراد وہ علوم لیے جاتے تھے جن کے ذریعہ سے تہذیب نفس کا کام لیا جائے جس کے نتیجے میں آدمی کے اندر اچھے اخلاق، بلند کردار، بے داغ سیرت اور معاملہ وبرتاو میں صفائی اور ستھرائی پیدا ہوتی ہے۔ مگر جب عربی معاشرہ میں وسعت اور عربی فکر ونظر میں جلا اور گہرائی پیدا ہونے لگی تو ادب کے مذکورہ دائرے میں ”تعلیم“ کو بھی شامل کر لیا گیا، چناں چہ ”مُؤدِّب“ یا ”معلّم“ اس شخص کو کہا جانے لگا جو تعلیم کو بطور پیشہ اختیار کر کے اس سے اپنی روزی کماتا ہو اور ادب میں وہ سارے علوم شامل کیے جانے لگے جنھیں یہ ”مُؤدِّب“ یا ”مُعَلِّم“ اپنے شاگردوں کو سکھاتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا:

یا رسول اللّٰہ نحن بنو أب واحد ونراك تكلّم وفود العرب بما لا نفهم أكثره. (۱)

تو سرکار نے فرمایا:

(۱) یعنی اے اللہ کے رسول! ہم سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ عربوں کے وفود سے ایسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں جس کا بیش تر حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي، وَرُبِّيتُ فِي بَنِي سَعْد.[۲]

"بنوسعد" حلیمہ سعدیہ کے خاندان کا نام ہے جو اس زمانے میں قبائلِ عرب کے درمیان فصاحت وبلاغت میں نمایاں اور ممتاز تھا۔ غور کیجیے یہاں سرکار نے " أَدَّبَنِي " کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی بہر حال ادب یا تہذیب سکھانے کے نہیں ہیں کیوں کہ خود قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ " اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ " (یعنی آپ بڑے بلند اخلاق کے مالک ہیں) بلکہ یہاں " أَدَّبَنِي " کا معنی ہے: "اللہ نے مجھے تعلیم دی، سکھایا"۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صدر اسلام میں "تادیب" تعلیم کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور "مؤدّب" معلّم کے معنی میں بولا جاتا تھا، اور عہد اموی میں بھی ممتاز اساتذہ کی جماعت کو "مُؤدِّبِين" کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اس زمانے کے دستور کے مطابق نظم ونثر اور اخبار ووقائع کی تعلیم روایت کے طریقے سے دیتے تھے۔[۳]

ادب کا یہ مفہوم صدر اسلام اور پہلی صدی ہجری تک قائم رہا، بعد میں جب اسلامی معاشرہ میں اور وسعت پیدا ہوئی اور علم وفن میں ترقی کے ساتھ انھیں شاخوں میں تقسیم کیا گیا اور باضابطہ ان کی اصطلاحات مقرر ہوئیں تو نحو وصرف، بلاغت، معانی، بیان، بدیع، لغات وغیرہ فنون بھی اس کی وسعت کے دائرہ میں داخل ہو گئے اور ادب "مجموعۂ فنون" ہو گیا۔ اس زمانے کے مایہ ناز ادیب اور ممتاز دانشور "جاحظ" نے اعلان کر دیا "الأدب هو الأخذ من كل فن بطرف"۔[۴] (تمام مروّجہ فنون میں سے تھوڑے کو بقدر ضرورت استعمال کرنے کو ادب کہتے ہیں۔)

جاحظ نے ادیب کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ جملہ فنون کے اصول اور مبادی اسے ضرور آنے چاہئیں تاکہ وہ حسبِ ضرورت ان سے مدد لے سکے۔

اور اب "کسی زبان کے شعرا و مصنفین کا وہ نادر کلام جس میں نازک خیالات وجذبات کی عکاسی اور باریک معانی ومطالب کی ترجمانی کی گئی ہو اس زبان کا "ادب" کہلاتا ہے"۔

اسی ادب کی بدولت نفس انسانی میں شائستگی، اس کے افکار وخیالات میں جلا، اس کے احساسات

(۲) مجھے میرے رب نے تعلیم دی ہے اور بہترین تعلیم دی ہے، پھر میں نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی ہے۔
(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: ● "اللغة والادب" از: محمد حسین ہیکل ● "في الأدب الجاهلي" از: ڈاکٹر طہ حسین ● "أسس النقد الأدبي عند العرب" از: ڈاکٹر احمد بدوی۔
(۴) دیکھیے البیان والتبیین، ج:۱۔

میں نزاکت وحسن اور زبان میں سلاست وزور پیدا ہوتا ہے۔ ادب کا اطلاق ان تصانیف پر بھی ہوتا ہے جو کسی علمی یا ادبی شعبے میں تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ اس لحاظ سے گویا لفظ ادب ان تمام تصانیف کو اپنے احاطے میں لے لیتا ہے جو محقق علما کے انکشافات، مضمون نگاروں کے افکار، شاعروں کے انوکھے تخیلات اور نازک تصورات پر مشتمل ہوں۔(۵)

عربی زبان کا ادب دنیا کی دوسری تمام زبانوں کے ادب کے مقابلہ میں زیادہ مالا مال ہے، اس لیے کہ اس کا آغاز انسان کی پیدائش ہی سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا عربی تمدن کے مٹ جانے پر ہوگی۔ خاندانِ مُضَر کی یہ زبان اسلام پھیلنے کے بعد صرف ایک قوم کی ہی زبان نہ رہی بلکہ ان تمام اقوام عالم کی زبان بھی بن گئی جو وقتاً فوقتاً اسلام کی دعوت قبول کرتی رہیں، یہ دعوت قبول کرنے والے بھی اپنی زبانوں کے اسرار وغوامض، انوکھے تصورات وخیالات اور اچھوتے مطالب ومعانی کا اس زبان میں اضافہ کرتے رہے اور آگے چل کر یہ زبان حاملِ دین وادب، داعیِ علم وتمدّن بن کر زمین کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور اس نے ہر اس زبان کو جو اس سے نبرد آزما ہوئی زیر کرلیا، اس طرح اس زبان نے یونانیوں، ایرانیوں، یہودیوں، عیسائیوں، ہندیوں اور حبشیوں کے قدیم علوم وآداب اپنے اندر جذب کرلیے۔ اور زمانے کی سخت گردشوں کے باوجود ان درمیانی صدیوں میں یہ بخیر وخوبی محفوظ رہی۔ اس نے اپنے گرد وپیش کی کئی زبانوں کو تباہ وبرباد ہوتے دیکھا، مگر یہ بہادری کے ساتھ، پُر وقار طریقے پر سر اونچا کیے تمام مذہبی فلسفوں اور ادبی افکار وخیالات کو اپنے اندر سمیٹتے ہوئے سلامتی کے ساتھ نکل آئی۔

پھر کلام کی دو قسمیں ہے: (۱) نثر (۲) نظم

نثر: وہ کلام کہلاتا ہے جو وزن وقافیہ کی قید سے آزاد ہو۔

یہ کسی بھی زبان میں تبادلہ خیالات کرنے کے لیے کلام کی سب سے پہلی وجود پذیر ہونے والی قسم ہے، اس لیے کہ یہ آسان اور بے قید ہونے کے ساتھ ساتھ سب کی ضرورت کی چیز ہے۔

اس کی دو قسمیں: (۱) مُسجَّع (۲) مُرسَل۔

نثر مُسجَّع: وہ نثر ہے جس کے فقروں کے آخری کلمات ہم قافیہ ہوں۔

نثر مرسل: وہ ہے جس میں سادگی ہو، تک بندی اور قافیہ بندی نہ ہو۔

---

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: ”تاریخ الادب العربی“ از احمد حسن زیات۔

طبعی قوت، موروثی ذہانت اور عجمیوں سے بہت کم اختلاط کے باعث عربوں کی نثر نہایت شستہ، پاکیزہ، آسان اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی۔ البتہ صرف طبعی وجوہ واسباب کی بنا پر تلفظ اور حروف کی مخارج سے ادائگی میں اختلاف ہوتا تھا۔

نظم: اس کلام کو کہتے ہیں جس کا کوئی خاص وزن اور قافیہ ہو۔

شعر: ماہرین عروض کے نزدیک شعر موزون و مقفّٰی کلام کو کہتے ہیں۔

مگر یہ تعریف ناقص ہے کیوں کہ اس طرح ہر قسم کا کلام جس میں وزن اور قافیہ ہو شعر ہو جائے گا حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ ناقدین کہتے ہیں کہ اگر جغرافیہ کے مسائل یا صرف ونحو کے قواعد یا تاریخی واقعات یا اقتصادی مسائل کو وزن و قافیہ کے قالب میں ڈھال دیا جائے تو بھی ہم اسے شعر نہیں کہیں گے۔ وہ منظوم فن یا موضوع تو ہو سکتا ہے مگر اسے شعر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خیال یا حقیقت کو صرف نظم کر دینا شعر ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس میں کچھ اور خصوصیات کا ہونا بھی ضروری ہے، وہ خصوصیات کیا ہیں؟ ”اچھوتے خیالات وافکار، لطیف جذبات واحساسات کی ایک خاص طریقے سے تعبیر“۔ چناں چہ ناقدین، شعر کی یہ تعریف کرتے ہیں:

”شعر وہ فصیح و بلیغ کلام ہے جس میں وزن کے علاوہ نادر اور اچھوتے خیالات اور لطیف جذبات و احساسات کی عکاسی اس طرح کی گئی ہو کہ انسان کے دل و دماغ پر براہ راست اس کا اثر پڑے۔“

ان ناقدین کے نزدیک شعر کے اجزائے ترکیبی میں ندرت خیال، لطافت جذبات واحساسات اور وزن کے ساتھ اثر اندازی کو اولیت حاصل ہے۔ لیکن انسانی جذبات واحساسات میں اس وقت تک ہیجان یا بیداری پیدا نہیں ہو سکتی جب تک شاعر اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر خوبصورت اور چیدہ الفاظ اور وزن و قافیہ کے تانے بانے سے معانی میں ہم آہنگی پیدا کر کے سامع یا قاری کے دل کے تاروں کو جھنجھنا نہ دے۔ (٦)

عربی زبان و ادب اور اس کے تعلقات کے بارے میں بنیادی گفتگو کے بعد اب ہم برصغیر میں چودھویں صدی کی سب سے باکمال اور بے مثال شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں جس نے اپنے نثری شہ پاروں اور شعری فن پاروں کا ایک تسلسل قائم فرما کر عربی زبان وادب میں بھی اپنے تفوق و کمال اور لیاقت و مہارت کا

---

(٦) شعر کی تعریف اور اس کی ماہیت سے متعلق تفصیلات کے لیے دیکھیے (١) ”العمدۃ“ از ابن رشیق قیروانی۔ (٢) ”نقد الشعر“ از: قدامہ بن جعفر۔ (٣) ”الشعر والشعراء“ از: ابن قتیبہ۔ (٤) ”عیار الشعر“ از: ابن طباطبا۔ (٥) ”أسس النقد الأدبی عند العرب“ از: ڈاکٹر احمد جاوید بدوی۔

لوہا منوالیا ہے اور برصغیر ہندو پاک کے ماہرین لسانیات کے علاوہ عرب ارباب علم و دانش اور رجال فکر و فن نے بھی ایک روشن حقیقت کے طور پر اس کا اعتراف کیا ہے جس کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ ہندستان کے مشہور شہر بریلی (یوپی) میں ۱۰/شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ایک خوش حال، متمول، علمی و روحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد، تاریخی نام "المختار" ہے اور جد کریم مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے "احمد رضا" نام رکھا، اور اسی نام سے مشہور بھی ہوئے۔ اللہ تعالی نے آپ کو وہ ذہانت وفطانت عطا فرمائی تھی کہ چار سال کی عمر ہی میں ناظرہ قرآن مجید ختم کرلیا، چھ سال کی عمر میں ایک نووارد عرب سے فصیح عربی میں گفتگو کی۔ آٹھ سال کی عمر میں درس نظامی کی مشہور کتاب "ہدایۃ النحو" کی عربی زبان میں شرح لکھی اور دس سال کی عمر میں "مسلم الثبوت" پر عربی میں حاشیہ لکھا۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ آٹھ اور دس سال کی عمر میں جب کہ آپ ابھی سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے عربی زبان میں کتابیں لکھنا اس بات کا اشارہ کررہا ہے کہ اس کم عمری کے عالم میں ہی علمی وفنی اور ادبی ولسانی حیثیت سے بالغ نظر ہوچکے تھے۔ اور عربی زبان وادب سے آپ کو ذہنی مناسبت ہوچکی تھی۔ اور علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت کے بعد دیگر علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان وادب میں وہ علمی کارنامے انجام دیے اور وہ فنی شہ پارے یادگار چھوڑے کہ جنہیں دیکھ کر ارباب علم و دانش کی عقلیں حیران ہیں، اور اپنوں کے ساتھ پرائے بھی انھیں خراج عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

اردو، ہندی، ملیالم، عربی اور انگریزی جیسی زبانوں پر بھرپور دسترس رکھنے والے اہل حدیث فاضل ڈاکٹر محی الدین الوائی استاذ جامعہ ازہر مصر اپنے ایک عربی مقالے میں لکھتے ہیں:

"قديما قيل: إن التحقيق العلمى الأصيل والخيال الذهنى الخصيب لا يجتمعان فى شخص واحد، ولكن مولانا أحمد رضا كان قد برهن على عكس هذه النظرية التقليدية، فكان شاعرا ذا خيال خصيب، وتشهد له بذلك دواوينه الشعرية باللغات الفارسيّة والأردية والعربية." (۷)

(یعنی پرانا مشہور مقولہ ہے کہ علمی تحقیق اور نازک خیالی دونوں بیک وقت شخص واحد میں یکجا نہیں ہوتیں، لیکن مولانا احمد رضا کی ذات اس روایتی نظریہ کے خلاف دلیل ہے، آپ (ایک محقق عالم ہونے کے

(۷) احمد رضا نمبر، ماہنامہ قاری دہلی، شمارہ ۱۲،، جلد:۵، ص:۴۷۶۔

ساتھ) ایک بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے، جس پر آپ کے فارسی، اردو اور عربی شعری دیوان گواہ ہیں۔)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے عربی نثر اور نظم دونوں میں اپنے تفوق وکمال اور صلاحیت ومہارت کے جلوے دکھائے۔ اور آپ نے عربی زبان وادب کی دونوں صنفوں میں عظمت وجلالت کے انمٹ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک درخشندہ وتابندہ رہیں گے۔

عربی زبان میں آپ کی علمی وادبی خدمات درج ذیل خانوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہیں:

(الف) منثور کتابیں اور رسائل . (ب) قصائد اور اشعار (ج) خطبات و مقدمات (د) اسانید و اجازات (ہ) کتابوں کے نام۔(و) تواریخ ولادت ووفات۔

اب ہم ذیل میں ان پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں:

(الف) منثور کتب ورسائل:

ڈاکٹر احمد ادریس مصری نے اپنے مقالہ "الأدب العربی فی شبه القارة الهندية" میں لکھا:

"نواب صدیق حسن خاں قنوجی (متوفی:۱۳۰۷ھ) کی عربی زبان میں چھپن کتابیں ہیں، مولانا عبدالحی بن عبدالحلیم فرنگی محلی (متوفی :۱۳۰۴ھ) کی چھیاسی، اشرف علی تھانوی (متوفی: ۱۳۶۲ھ) کی تیرہ اور مولانا احمد رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) کی تین سو تصنیفات ہیں"۔[۸]

ذیل میں ان میں سے بعض عربی تصانیف کی فہرست پیش خدمت ہے:

۱- الدولة المكية بالمادة الغيبة -۲- كفل الفقيه الفاهم فی أحكام قرطاس الدراهم -۳- جد الممتار على رد المحتار (۵/ جلدیں) - ٤-المعتمد المستند بناء نجاة الأبد -٥ - حسام الحرمين على منحر الكفر والمين - ٦- أجلى الإعلام أن الفتوى مطلقا على قول الإمام -۷- شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر -۸- الكشف شافيا حكم فونوجرافيا -۹ - الزلال الأنقى من بحر سبقة الأتقى - ۱۰ - مدارج طبقات لحديث . -۱۱ - صيقل الرين عن أحكام مجاورة الحرمين. - ۱۲- التاج المكلل فی إنارة مدلول كان يفعل.-۱۳- فتاوى الحرمين برجف ندوة المين -١٤ - أطايب الصيّب على أرض الطيّب-١٥- أزهار الأنوار مِن صَبَا صَلاةِ الأسرار -١٦- الصافية الموحية لحكم جلد الأضحية -۱۷- هادي الأضحية بالشاة الهندية -۱۸-

(۸) حولیۃ الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، العدد الرابع، عام ۱۹۹۶م، ص:۱۵۹۔

الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة.[۹]

(ب) خطبات و مقدمات:

امام احمد رضا نے عربی زبان میں شاندار، وقیع اور بیش قیمت خطبے لکھے جن میں قدر مشترک کے طور پر زور بیان، متانت اسلوب، قوت تاثیر، حلاوت الفاظ، آیات قرآنی واحادیث نبوی کے اقتباسات و حوالہ جات، مطلب سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے قرآن کے طرز بیان کی پیروی وغیرہ اوصاف پائے جاتے ہیں. خیال رہے کہ یہ اوصاف خاص طور سے آپ کے ان خطبوں میں پائے جاتے ہیں جو جمعہ وعیدین کے مواقع پر مسجدوں اور عید گاہوں کے منبروں پر دیے جاتے ہیں، جنھیں عربی زبان میں ''خطب المنابر'' کہا جاتا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے اپنی تصانیف کے آغاز میں رواں اور بے تکلف عربی زبان میں گراں قدر خطبے لکھے ہیں جنھیں عربی میں ''خطب الدفاتر'' کہا جاتا ہے۔

اس طرح آپ کے خطبے دو طرح کے ہوئے۔ خطب المنابر یعنی جمعہ و عیدین کے خطبے۔ (۲) کتابوں کے خطبے۔ اب ذیل میں ہم ان کے منتخب نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ براہ راست انھیں دیکھیں، جانچیں، اور پرکھیں اور امام احمد رضا کی عربی زبان وادب میں مہارت کو سلام عقیدت پیش کریں۔

قسم اول کا نمونہ:

عید الفطر کے ایک خطبے کا نمونہ درج ذیل ہے:.

الحمدلله حمد الشاكرين، الحمد لله كما نقول، وخيرا مما نقول، الحمد لله قبل كل شيء، الحمد لله بعد كل شيء، الحمدلله مع كل شيء، الحمد لله كما ينبغي بجلال وجهه الكريم، الحمد لله كما حمده الأنبياء والمرسلون، والملائكة المقربون، وعباد الله الصالحون، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد ... فيا أيها المؤمنون، رحمنا ورحمكم الله، اعلموا أن يومكم هذا يوم عظيم، ... ألا وللصائم فرحتان: فرحة عند الإفطار، وفرحة عند لقاء الرحمن، ألا وإن فى الجنة بابا يقال له الريّان، لايدخله إلا الصائمون شهر رمضان.

قسم دوم کا نمونہ:

اب ہم ذیل میں بطور نمونہ فتاوی رضویہ جلد اول کا خطبہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

(۹) تفصیل کے لیے دیکھیے المصنفات الرضویہ۔ از مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

جو فصاحت وبلاغت کا پیکر محسوس ہے، دل کش اشارات، واضح تلمیحات، خوش نما تشبیہات، خوب صورت استعارات پر مشتمل اس خطبہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے جملہ لوازم ومناسبات (اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کی آل پر درود وسلام، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت اور صحابہ کرام کی مدح وثنا) کو کتب فقہ اور ائمہ فقہ کے ناموں سے ادا کیا گیا ہے، کتب فقہ کے ناموں اور ائمہ کرام کے اسمائے گرامی کو اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ کہیں حمد الٰہی کی خوشبو مہکتی ہے، کہیں نعت رسول کے گلشن لہلہاتے ہیں، کہیں درود وسلام کی رعنائیاں دعوت نظارہ دیتی ہیں، تو کہیں مدح صحابہ واہل بیت کی جلوہ سامانیاں ہوتی ہیں۔

اس خطبے میں براعت استہلال، رعایت سجع اور دیگر صنائع وبدائع اور محاسن بلاغت کا بے تکلف استعمال ہے، مگر کمال یہ ہے کہ ان سب کی رعایت کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں کہیں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا، نہ جملوں کی معنویت، الفاظ کی بندش اور تراکیب کی برجستگی میں کوئی فرق محسوس ہوتا ہے، وہ خطبہ یہ ہے:

"الحمد للّٰہ ھو الفقہ الأکبر، والجامع الکبیر لز یادات فیضہ المبسوط الدرر والغرر، بہ الھدایۃ، ومنہ البدایۃ، وإلیہ النھایۃ، بحمدہ الوقایۃ، ونقایۃ الدرایۃ، وعین العنایۃ، وحسن الکفایۃ، والصّلاۃ والسلام علی الإمام الاعظم للرسل الکرام، مالکی وشافعی أحمد الکرام، یقول الحسن بلاتوقف، محمد الحَسَنُ أبو یوسف، فإنّہ الأصل المحیط، لکل فضل بسیط، ووجیز ووسیط، البحر الزخار، والدر المختار، وخزائن الأسرار، وتنویر الأبصار، وردالمحتار، علٰی منح الغفار، وفتح القدیر، وزاد الفقیر، وملتقی الأبحر، ومجمع الأنھر، وکنز الدقائق، وتبیین الحقائق، والبحر الرائق، منہ یستمدّ کل نھر فائق، فیہ المنیۃ، وبہ الغنیۃ، ومراقی الفلاح، وإمداد الفتاح، وإیضاح الإصلاح، ونور الإیضاح، وکشف المضمرات، وحل المشکلات، والدر المنتقی، وینابیع المبتغی، وتنویر البصائر، وزواھر الجواھر، البدائع النوادر، المنزہ وجوبا عن الأشباہ والنظائر، مغنی السائلین، ونصاب المساکین، الحاوي القدسي، لکل کمال قدسي وإنسي، الکافي الوافي الشافي، المصفی المصطفی المستصفی المجتبی المنتقی الصافی، عُدّۃ النوازل، وأنفع الوسائل، لإسعاف السائل، بعیون المسائل، عمدۃ الأواخر وخلاصۃ الأوائل، وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ، وأھلہ وحزبہ، مصابیح

الدّجی، ومفاتیح الهدی، لاسیما الشیخین الصاحبین، الاٰخذین من الشریعة والحقیقة بکلا الطرفین، والختنین الکریمین، کل منها نورالعین، ومجمع البحرین، وعلیٰ مجتهدي ملته، وأئمة أمته، خصوصا الأرکان الأربعة، والأنوار اللامعة، وابنه الأکرم، الغوث الأعظم، ذخیرة الأولیاء، وتحفة الفقهاء، وجامع الفصولین، فصول الحقائق والشرع المهذب بکل زین، وعلینا معهم، وبهم ولهم، یا أرحم الرحمین، اٰمین اٰمین، والحمدلله رب العٰلمین۔" (١٠)

صنعتِ تلمیح اور اقتباس کے کامیاب استعمال کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کے خطبے کے درج ذیل جملے ملاحظہ کیجیے اور ان کی لسانی مہارت، زبان وبیان کی قدرت کے جلووں کا سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیجیے:

"أمابعد فهذه - بحمدالله، ورفدالله، وعون الله، وصون الله، تبارك الله، وبارك الله، ماشاء الله، لاقوّة إلابالله، وحسبناالله ونعم الوکیل، نعم المولی ونعم النصیر- جنات عالیة، قطوفهادانیة، فیها سررمرفوعة، وأکواب موضوعة، ونمارق مصفوفة، وزرابيّ مبثوثة، من مسائل الدین الحنیفي، والفقه الحنفي، تجد فیها إن شاء الله عینا جاریة من عیون تحقیقات السلف الکرام، مع رفرف خضروعبقري حسان من تمهیدات الخلف الأعلام، وعرائس نفائس کأنهن الیاقوت والمرجان، لم یطمثهن قبلي إنس ولاجان." الخ (١١)

امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنی اکثر وبیش تر تصنیفات کے خطبوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور درود شریف کے ساتھ ساتھ وہ مسئلہ بھی بیان فرمادیتے ہیں جسے بعد میں اصل کتاب کے اندر تفصیلی دلیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، مقدموں اور خطبوں میں محاسنِ بلاغت اور صنائع بدائع کا بے تکلف اور برمحل استعمال کوئی ان سے سیکھے۔

کتابوں کے نام:

امام احمد رضا قدس سرہ کے عربی زبان وادب میں کمالِ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ان کی تصنیفات کے نام بھی ہیں، کیوں کہ آپ نے اکثر رسائل وتصنیفات کے عربی میں ایسے حسین نام تجویز فرمائے ہیں جو نہایت موزوں، مناسب اور واقع کے عین مطابق ہوتے ہیں جنھیں پڑھنے کے بعد باذوق قاری پھڑک اٹھتا ہے، اور

---

(١٠) العطایاالنبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ، ج:١، ص:٢، ٣۔

(١١) العطایاالنبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ، ج:١، ص:٣۔

حضرت امام کی ادبی ولسانی دسترس پر حیران و ششدر رہ جاتا ہے، اکثر ناموں میں مندرجہ ذیل خصوصیات قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہیں:

(ا) وہ نام جو دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے، بلکہ دونوں فقروں کے آخری کلمات ہم وزن ہوتے ہیں۔ اور اس طرح سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

(۲) ہر نام اسم بامسمی ہوتا ہے۔ نام ہی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس رسالہ کا موضوع کیا ہے۔

(۳) اس سے حروف ابجد کے اعداد کے حساب سے سالِ تصنیف بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

درج ذیل ناموں پر غور فرمائیں تو یہ حقائق آفتاب نیم روز کی طرح روشن و تاباں نظر آئیں گے:

● كنزالإيمان فی ترجمة القرآن (١٣٣٠هـ) ● الدولة المكية بالمادة الغيبة (١٣٢٣هـ) ● الإجازات المتينة، لعلماء بكة والمدينة (١٣٢٤هـ) ● الهاد الكاف، في حكم الضعاف(١٣١٣هـ)●إعلام الاعلام بأن هندوستان دارالإسلام (١٣٠٦هـ) ● إقامة القيامة على طاعن القيام لنبي تهامة. (١٢٩٩هـ) ● جمل النور في نهي النساء عن زيارة القبور (١٣٣٩هـ) ● أعالي الإفادة، في تعزية الهند و بيان الشهادة. (١٣٢١هـ) ● بدر الأنوار في آداب الآثار (١٣٢٦هـ) ● الكشف شافيا، حكم فونوجرافيا (١٣٢٨هـ) ● كفل الفقيه الفاهم، في أحكام قرطاس الدراهم (١٣٢٤هـ) ● الزبدة الزكية، في تحريم سجود التحية (١٣٣٧هـ). وغيره

تواریخ ولادت ووفات:

تاریخ گوئی میں بھی اعلی حضرت کو حد درجہ کمال حاصل تھا، آپ فارسی زبان کی طرح عربی میں بھی تاریخیں کہا کرتے تھے جس سے فن تاریخ گوئی میں حیرت انگیز قدرت کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں مہارت کا بھی پتا چلتا ہے، اعلی حضرت کی تاریخ گوئی کی مثالیں تو بے شمار ہیں لیکن ہم یہاں وہ تواریخِ ولادت اور تواریخ وفات نذرِ قارئین کرتے ہیں جو آپ نے اپنے والد ماجد علامہ نقی علی خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف "جواهر البيان في أسرار الأركان" میں مصنف کی سوانح کے آخر میں درج فرمائی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(تواریخ ولادت) جاء ولي نقي الثياب علي الشان(١٢٤٦هـ)، رضيّ الأحوال بهيّ المكان (١٢٤٦هـ)، وهو أجلّ محققي الأفاضل (١٢٤٦هـ)، شهاب المدققين الأماثل (١٢٤٦هـ)، قمرفي برج الشرف (١٢٤٦هـ)، بريء من الخسوف والكلف

(۱۲٤٦ھ) ، أفضل سُبّاق العلماء (۱۲٤٦ھ) ، أقدم حُذّاق الكرماء. (۱۲٤٦ھ)

(تواریخ وفات) كان نهاية جمع العظماء (۱۲۹۷ھ)، خاتم أجلة الفقهاء (۱۲۹۷ھ)، أمين الله في الأرض أبدا (۱۲۹۷ھ)، إن موتةَ العالِم موت العالَم، (۱۲۹۷ھ)، وفاة عالم الإسلام ثلمة في جمع الأنام (۱۲۹۷ھ)، خلل في باب العبادة لاينسدّ إلى يوم القيامة (۱۲۹۷ھ)، ياغفور (۱۲۹۷ھ)، كمِّل له ثوابك يوم النشور (۱۲۹۷ھ)، امنحه جنة أعدت للمتقين، (۱۲۹۷ھ)، صلى الله تعالى على سيدنا محمد وآله وأهله أجمعين (۱۲۹۷ھ).[۱۲]

اسلوب بیان:

مافی الضمیر کی ادائگی اور اپنی بات دوسرے تک پہنچانے کے لیے ایک ادیب جو پیرایۂ بیان اور طرز تعبیر اختیار کرتا اور جس خاص روش کو اپناتا ہے اسے ''اسلوب'' کہتے ہیں۔

اسلوب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) علمی اسلوب یعنی عالمانہ طرز بیان۔(۲) ادبی اسلوب یعنی ادیبانہ طرز بیان.(۳) خطابی اسلوب یعنی خطیبانہ طرز بیان.

اسلوب علمی تمام اسالیب کے مقابل نہایت متین، پُروقار، سنجیدہ اور پُرسکون ہوتا ہے، اس میں نہ ادبی شوخیوں کی چاشنی ہوتی ہے نہ خطابی جوش وخروش ہوتا ہے۔اس اسلوب کو علمی حقائق کی تشریح کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جو عموماً مشکل اور دقیق ہوتے ہیں جنھیں سمجھانے کے لیے مستحکم دلائل اور وضاحت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

اسلوب ادبی کا مطمحِ نظر خوب صورت سے خوب صورت تعبیر ہے، اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ معانی، الفاظ، تراکیب اور پیرایہ بیان، سب میں حسن وجمال ہو، اگر زندگی کا کوئی فلسفہ بھی بیان کرنا ہے تو خوب صورت سے خوب صورت تعبیر اختیار کی جائے۔ اس اسلوب میں ہمیشہ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ مضامین کا پیرایہ بیان اتنا دل کش ہو کہ سننے والا ہر طرف سے ہٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے، اس کے لیے حسب موقع تشبیہ، تمثیل، استعارہ وکنایہ ہر چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلوب خطابی کا مطمح نظر عزائم کو پختہ اور طاقت ور بنا کر سرگرم عمل بنانا اور دلوں میں زندہ تحریک

---

(۱۲) حیات اعلیٰ حضرت (بترتیب جدید مفتی مطیع الرحمن) ج۱/ص۳۱۷۔

اور جوشِ عمل کی روح پھونکنا ہے۔ (۱۳)

جب ہم امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے نثری شہ پاروں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا اسلوب نہ خالص علمی اسلوب ہے، نہ محض ادبی یا خطابی، بلکہ یہ مختلف اسالیب کا حسین امتزاج ہے، اس لیے آپ کی عربی تحریروں میں نہ الفاظ و معانی کا الجھاؤ ہوتا ہے، نہ طرز بیان میں کوئی جھول، اسی بنا پر قاری کے قلب وذہن تک مفہوم کی ترسیل بہت موثر اور طاقت ور پیرایے میں ہوتی ہے۔

پوری بیدار مغزی اور توجہ کے ساتھ درج ذیل اقتباس پڑھیے، رسالہ ''الکشف شافیا حکم فونو جرافیا'' میں شعر کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فما هو إلا أن الأوزان العروضية آلة لأداء كل قسم من الكلام موزونا، فلا يحكم عليها فى أنفسها بحسن ولا قبح ، بل تتبع المودى بها، فإن كان حسنا سائغا وذكرا بالغا ففي الحديث الصحيح: "إن من الشعر لحكمة" . وإن كان هزلا فارغا و رذلا زائغا ففي القرآن المجيد: "الشعراء يتبعهم الغاون " وللأول بشرى تحيي الفؤاد: "إن الله يؤيد حسّان بروح القدس " وعلى الآخر وعيد يفت الأكباد: "امرؤالقيس صاحب لواء الشعراء إلى النار". (۱۴)

دبستانِ ادب:

امام احمد رضا قدس سرہ کی عربی منثور تحریروں کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ نہ آپ دبستان ابن العمید سے متاثر نظر آتے ہیں جس میں سارا زور الفاظ کو پُر شوکت اور حسین وجمیل بنانے پر ہوتا ہے اور معنوی حسن کی طرف توجہ یا تو بالکل نہیں ہوتی، یا ہوتی ہے تو بہت کم۔ اور نہ آپ دبستان ابن المقفع کی پیروی کرتے ہیں جس کے امتیازی اوصاف جملوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑنا، الفاظ میں ہم آہنگی اور سہل پسندی کے ساتھ معانی کا زیادہ اہتمام اور سجع بندی سے نفرت کی حد تک گریز اور دوری ہیں۔ بلکہ آپ کا اسلوب بیان ان دونوں دبستان ادب کے درمیان ہے آپ کے یہاں معانی سے غفلت ولا پرواہی بھی نہیں اور سجع بندی سے نفرت و دشمنی بھی نہیں، بلکہ معنوی پہلو کو پورے طور پر سامنے رکھتے ہوئے بے تکلف سجع بندی بھی پائی جاتی ہے۔ اس طرح آپ کا طرز بیان دونوں دبستانوں کا آمیزہ معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱۳) تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمۃ ''البلاغۃ الواضحہ''، مبحث الاسلوب۔
(۱۴) رسالہ ''الکشف شافیا حکم فونو جرافیا''۔ ص:۹۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

ایک شبہہ کا ازالہ:

امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے یہاں سجع بندی اور قافیہ بندی کے نمونے بکثرت ملتے ہیں جب کہ یہ دور جدید، نثر مرسل کا دور ہے اور اب تو نثر مسجع کو عیب سمجھا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سجع کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

اول: یہ کہ سجع کی رعایت اس حد تک کی جائے کہ مافی الضمیر کی ادائگی متاثر ہوجائے یا معنی و مفہوم سے یکسر نگاہیں پھیر لی جائیں۔ جیسے ایک امیر نے شہر "قُم" کے قاضی کو خط لکھا اور اس میں صرف سجع بندی کا لحاظ کرتے ہوئے اس بے قصور قاضی کی برخاستگی کا فرمان جاری کر دیا، خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

أيها القاضي بِقُم، قد عزلناك فَقُمْ.

(اے شہر قم کے قاضی! میں نے تجھے برخاست کیا لہٰذا یہاں سے اٹھ جا۔)

جب قاضی تک یہ شاہی فرمان پہنچا تو اس نے برجستہ کہا:

ما عزلني إلا هذه السجعة. (حاشية الدسوقي على مختصر المعاني، ج: ٤، ص: ٨٠)

(مجھے صرف اس سجع بندی اور تک بندی ہی نے برخاست کیا۔)

دوم: یہ کہ اس سجع میں تکلف اور تصنع نہ ہو، اس سے معنی کی ترسیل متاثر نہ ہوتی ہو۔

سجع کی قسم اول قبیح اور ناپسندیدہ ہوتی ہے جب کہ دوسری قسم نہ صرف یہ کہ عیب نہیں گردانی جاتی، بلکہ اسے زبان و بیان پر قدرت اور مہارت کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی سجع اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے اس لیے یہ عیب نہیں، بلکہ ان کی قادر الکلامی اور لسانی مہارت کی دلیل ہے۔ اسی بنیاد پر عربی زبان کے ماہرین بلکہ خود عرب علما آپ کی فصاحت و بلاغت اور زبان دانی کا کھلے دل سے اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

شیخ علی بن حسین مالکی مدرس مسجد حرام، مکہ مکرمہ نے آپ کی شان میں یوں خراج عقیدت پیش کیا:

ذاخبرة مولى المعارف و الهدى

ربّ البلاغة مَنْ به الدنيا زهت

أبدى معانى المشكلات بيانه

ببديع منطقه الجواهر نظمت

(ترجمہ: وہ تجربہ کار اور صاحب معارف و ہدایت ہیں، ایسے بلیغ جس پر دنیا ناز کرے۔ ان کے بیان

نے مشکل معانی کو واضح کر دیا، ان کے اچھوتے کلام سے موتیوں کو پرویا گیا ہے۔)

ڈاکٹر حازم محفوظ استاذ جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر کہتے ہیں:

عند مانطالع مؤلفاته النثرية التي كتبها- وكتب أغلبها - باللغة العربية نتحير من تمكنه التام من اللغة العربية وآدابها،..... و مما يدعو إلى التأمل أن هذا الإمام تعلم اللغة العربية و أجادها إجادة تامة... أما عن النثر العربي فقد بلغ أسلوبه فيه قمة الفصاحة و البلاغة.(۱۵)

(جب ہم امام احمد رضا کی ان کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو آپ نے عربی زبان میں لکھی ہیں تو عربی زبان وادب میں ان کی مہارت اور کمالِ قدرت کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے ہیں... قابل غور پہلو یہ ہے کہ انھوں نے عربی زبان سیکھی، اور اسے خوب سے خوب تر کیا... اور عربی نثر میں تو آپ کا اسلوب و پیرایہ بیان فصاحت و بلاغت کی بلندیوں تک پہنچا ہوا ہے۔)

عربی شاعری:

امام احمد رضا نے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں پُر مغز، بیش قیمت اور شان دار اشعار کہے ہیں ان کی شاعری قلبی واردات کا بیان ہوتی ہے، انھیں شاعری پر پورا پورا قابو حاصل ہے اسی لیے ان کے یہاں معانی کی تعبیر اور مفاہیم کی ادائیگی کا میدان بہت کشادہ نظر آتا ہے۔ عربی زبان سے انھیں فطری مناسبت ہے۔ ان کی نظم و نثر کا مطالعہ کرنے والا اس حقیقت واقعیہ کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں کرتا۔

حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ گیارہ سال سے زیادہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دار الافتاء میں خدمتِ افتا سر انجام دیتے رہے اور حضرت مفتی اعظم ہند ان پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے، آپ کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ فرماتے تھے:

"قلبِ فقیر میں مضامین کی آمد اوّلاً عربی زبان میں ہوتی ہے، دوسری زبان میں بات کہنے کے لیے نقل و ترجمہ کی ضرورت پڑتی ہے"۔

امام احمد رضا کی تحریروں کو دیکھنے سے اس بات کی حرف بحرف تصدیق ہو جاتی ہے، عربی تو جانے دیجیے خود ان کی اردو میں عربیت کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا نظر آتا ہے، عربی الفاظ کا کثرت سے استعمال، بلکہ بہت سے اردو جملوں کا اندازِ ترتیب بھی عربی جیسا ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھیں بچپن ہی سے دینی و علمی ماحول ملا

(۱۵) محمد أحمد رضا خان و العالم العربي، ص ۳۰، ۳۱

تھا، داداجان حضرت مولانا رضا علی خان بریلوی اور والد گرامی حضرت رئیس المتکلّمین مولانا نقی علی خان بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے زبردست عالم تھے، گھریلو ماحول کے علاوہ طبعی میلان اور خداداد قابلیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور انھیں وجوہ کی بنا پر عربی زبان سے مناسبت ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں زبان پر اتنی دسترس اور اس قدر عبور ملتا ہے کہ جہاں، جس مضمون کو، جس طرح عربی میں ادا کرنا چاہا ہے اسے بے تکلف ادا کر دیا ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کی عربی آپ کی اردو سے کہیں فائق نظر آتی ہے۔ آپ کے عربی اشعار کا مطالعہ کرنے کے بعد عرب اُدبا اور ریسرچ اسکالر عربی شعروادب میں آپ کی مہارت اور اصناف سخن میں آپ کی گہرائی وگیرائی کو دیکھ کر محوِ حیرت ہیں۔

ڈاکٹر حازم محمد محفوظ استاذ جامعہ ازہر مصر لکھتے ہیں:

”إن هذا الديوان قد جعل الإمام في طليعة شعراء العربية الأعلام في شبه القارة بل أننا لا نكون مبالغين إذا قلنا : إن هذا الإمام يُعَدُّ في جملة أكابر شعراء العربية في العصر الحديث. وبمطالعة هذا الديوان العربى ”بساتين الغفران“ نتيقن من أسلوبه ولغته العذبة. أن ناظمه لابد أن يكون عربى اللسان والبيان، بيد أننا عندما نطالع أغراضه و موضوعاته التي تصوّر المجتمع الهندي فى عصره نقول: إن ناظمه من تلك البيئة ،و نتساءل أين وكيف ومتى تعلّم وأجاد واطلع على اللغة العربية.“

(اس دیوان نے امام احمد رضا کو برصغیر کے بلند پایہ شعرا میں سرفہرست کر دیا ہے بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ امام احمد رضا، دور جدید میں عربی زبان کے اکابر شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور اس عربی دیوان ”بساتین الغفران“ کے مطالعے کے بعد اس کے اسلوب کی حلاوت اور زبان کی چاشنی سے ہمیں اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا نظم کرنے والا، زبان و بیان کے اعتبار سے ضرور عربی ہے۔ لیکن جب ہم اس کے (شعری) اغراض و مقاصد اور ان موضوعات کو دیکھتے ہیں جو ان کے عہد کے ہندوستانی معاشرہ کی تصویر پیش کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اسے نظم کرنے والا اسی ماحول سے تعلق رکھتا ہے، اور ہم سوال کرتے ہیں کہ اس نے کہاں، کیسے اور کب عربی سیکھی اور اس میں عمدگی اور بہتری پیدا کی۔)

اصنافِ سخن:

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی شاعری میں تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی فرمائی، ان کے یہاں نعت رسول بھی ہے، حمد و مناجات بھی ہے، مدح و ہجو بھی ہے اور پاکیزہ غزل بھی۔ انھوں نے اپنی شاعری میں خلاف واقع تشبیہات واستعارات اور جھوٹے مبالغے سے پرہیز کیا ہے۔

عربی دیوان(بساتین الغفران):

امام احمد رضا کے عربی اشعار کی جمع وتدوین اور ترتیب کا کام آپ کی حیات میں نہ ہوسکا تھا، بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی سالہاسال تک یہ کام کسی مرد مجاہد کے عزم واستقلال اور محنت وکاوش کا انتظار کرتا رہا۔

اس دوران کئی ریسرچ اسکالروں نے آپ کی حیات وخدمات کے عنوان پر ایم، اے. اور پی، ایچ ، ڈی بھی کی اور گراں قدر علمی مقالے سپرد قلم کیے لیکن کسی نے آپ کے منتشر عربی اشعار کو جمع وترتیب کے مراحل سے گزار کر ارباب علم ودانش کے سامنے پیش کرنے کی جرأت نہ کی۔ بالآخر جامعہ ازہر مصر کے استاد ڈاکٹر حازم محمد احمد عبدالرحیم محفوظ پاکستان آئے اور انھیں اس کام کی اہمیت کا احساس ہوا، اور انھوں نے کمرِ ہمت کس لی، اور محقق عصر علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ، سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور اور دیگر اہل علم کے تعاون سے یہ کام تکمیل آشنا ہوا، اور آپ کے اردو دیوان ''حدائق بخشش'' کو سامنے رکھتے ہوئے اس عربی شعری مجموعہ کا نام ''بساتین الغفران'' رکھا۔ یہ مجموعہ پہلی بار ۱۹۹۷ء میں طباعت کے مرحلے سے گزرا، اس کی طباعت واشاعت رضا اکیڈمی برطانیہ، رضا دار الاشاعت لاہور، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے زیر اہتمام ہوئی۔ اس مجموعہ میں سات سو پنچانوے اشعار اور ننانوے شعری تاریخیں ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت امام کے عربی اشعار صرف اتنے ہی نہیں ہیں، بلکہ یہ تو ان اشعار کی مجموعی تعداد ہے جو اس جمع وتدوین کے وقت جامع کو حاصل ہوئے تھے۔

آپ کے اس عربی شعری مجموعہ میں عربی زبان پر کامل دسترس اور بھرپور قدرت کا پہلو ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ اب ذیل میں آپ کے عربی اشعار کے کچھ نمونے کچھ ضروری تفصیلات کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

قصیدتان رائعتان:

یہ دو عربی قصیدوں کا مجموعہ ہے ایک قصیدہ نونیہ، جس کا اصل تاریخی نام ''مدائح فضل الرسول'' ہے اس قصیدے میں کل دو سو تینتالیس اشعار ہیں اور دوسرا قصیدہ دالیہ، جس کا تاریخی نام ''حمائد فضل الرسول'' ہے، اس کے اشعار کی مجموعی تعداد ستر (۷۰) ہے۔ مجموعی طور پر اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق کل (۳۱۳) اشعار ہیں۔ یہ دونوں قصیدے تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ کے پوتے حضرت مولانا شاہ عبد الحمید سالم القادری سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے پاس خود شاعر ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ'' کی تحریر میں موجود ہیں، ۵ر صفر ۱۴۰۹ھ کو

مدرسہ قادریہ بدایوں میں خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے ہمراہ استاذی الکریم صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی ملاقات حضرت سالم میاں مدّ ظلّہ سے ہوئی، اسی موقع پر انھوں نے یہ دونوں قصیدے حضرت صدر العلماء کو دکھائے اور آپ کی طلب پر بغیر کسی پس وپیش کے ان کی فوٹو کاپی دینے کے لیے رضا مند ہو گئے۔ حضرت مولانا قاضی شہید عالم رضوی نے ان دونوں قصیدوں کی بہترین فوٹو کاپی کرا کے جلد ہی حضرت صدر العلماء کے پاس مبارک پور بھیج دی۔ اور اس طرح المجمع الاسلامی مبارک پور کے زیر اہتمام یہ دونوں قصیدے "قصیدتان رائعتان" کے نام سے شائع ہو کر اہل علم کی نگاہوں کی زینت بنے۔ یہ دونوں قصیدے سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح میں لکھے ہیں۔ راقم سطور (نفیس احمد مصباحی)، اور مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی اور مولانا نظام الدین مصباحی کی کوششوں سے یہ دونوں قصیدے دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، ضلع بستی یوپی نے جماعت خامسہ کے عربی ادب کے نصاب میں شامل کر لیے ہیں۔ دار العلوم علیمیہ کے زمانہ تدریس میں دو سال تک یہ قصیدے میرے ہی زیر تدریس رہے اور اسی دوران میں نے ان کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا اور کچھ حل لغات اور محاسن بلاغت کی تعیین بھی کر لی۔ مگر اس کی باضابطہ شرح لکھنے کا ارادہ ابھی عملی شکل اختیار نہ کر سکا۔ واللہ الموفق والمعین.

(۱) قصيدة مدائح فضل الرسول:

ان میں پہلا قصیدہ "مدائح فضل الرسول" باتشبیب قصیدہ ہے۔ عموماً باتشبیب قصیدہ کے چار جز ہوتے ہیں:

(۱) تشبیب۔ (۲) گریز۔ (۳) مدح یا ہجو۔ (۴) خاتمہ۔

(۱) تشبیب: عربی شعر وادب میں "عشقیہ شاعری" کو کہتے ہیں، خواہ وہ مدحیہ قصیدہ کی تمہید کے طور پر ہو یا پوری نظم کا موضوع ہو۔ فارسی میں جب غزل ایک صنف سخن کی حیثیت سے وجود میں آئی تو تشبیب صرف قصیدہ کی عشقیہ تمہید کا نام رہ گیا، بعد میں ہر قسم کی تمہید کو تشبیب کہا جانے لگا۔

(۲) گریز: تشبیب کے بعد قصیدے کا دوسرا جز گریز ہے، اس کو عربی میں خروج، توسل اور تخلص کہتے ہیں۔ اس کی تعریف ابن رشیق نے یوں کی ہے:

الخروج: إنما هو أن تخرج من نسيب إلى مدح أو غيره بلطف تحيل.[۱۶]

---

(۱۶) العمدة لابن رشيق القيرواني، ج:۱، ص:۱۵۶.

(تشبیب سے مدح یا دوسرے موضوع کی طرف بہترین حیلے سے نکلنے کا نام گریز ہے۔)

(۳) مدح یا ہجو: یہ قصیدہ کا تیسرا اور سب سے بنیادی جز ہے، قصیدہ کا مرکزی مضمون اسی میں ہوتا ہے، یہ جز شعرا کی توجہ کا مرکز اور فنی مہارت کی جولان گاہ اور امتحان گاہ ہوتا ہے۔

(۴) خاتمہ: قصیدہ کی آخری منزل خاتمہ ہے، اسے مقطع اور دعائیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اگر قصیدہ کا خاتمہ اچھا ہے تو قصیدہ اچھا مانا جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ ابن رشیق قیروانی نے اپنی کتاب 'العمدہ'' میں متنبی کو ان تینوں میں تمام شعرا سے فائق تسلیم کیا ہے۔

خیال رہے کہ عربی، فارسی اور اردو کسی بھی زبان کے قصیدوں میں ان اجزائے ترکیبی کی پابندی لازم نہیں ہوتی، مدحیہ قصیدوں میں تو یہ اجزا اکثر کام میں لائے گئے ہیں لیکن دوسرے موضوعات کے قصیدوں میں ان کا چنداں خیال نہیں رکھا جاتا۔

قصیدہ ''مدائح فضل الرسول'' با تشبیب قصیدہ ہے اس میں مندرجہ بالا چاروں جز (تشبیب، گریز، مدح اور خاتمہ) پائے جاتے ہیں۔

(۱) تشبیب کا آغاز: ''رَنَّ الحمامُ علیٰ شُجونِ البَانِ
یاما أمیلحَ ذکرَ بیضِ البَانِ''

سے ہوکر چوبیسویں شعر: ''فومحنتي أحد الثلاثة کائن
أمضی کذا أومِتُّ أو تلقاني''

پر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ پھر ''مه یا رضا یا ابن الکرام الاتقیا'' سے گریز شروع ہوتی ہے۔

قصائد کے آغاز میں تشبیب لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اصل مضمون بیان کرنے کے لیے محبوب اور اس سے نسبت و تعلق رکھنے والی اشیا اور اسے یاد دلانے والے مقامات کا تذکرہ کیا جائے یا اس کے بے مثال حسن و جمال اور بے نظیر محاسن و کمالات بیان کیے جائیں تاکہ قارئین اور سامعین دونوں کی آتشِ شوق تیز ہو، خوابیدہ جذبات و احساسات بیدار ہوں، اور جس وقت اصل مضمون پر آئیں اس وقت قاری کے بیان کا جوش اور سامع کی سماعت کا اشتیاق، نقطۂ عروج اور ذروۂ کمال کو پہنچ چکا ہو، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ تشبیب کا مضمون عام طور سے قصیدہ کے ایک تہائی یا نصف پر حاوی ہوتا ہے، مگر کامیاب شاعر وہ ہوتا ہے جو اس مضمون کو اتنا طول نہ دے، بلکہ چند اشعار ہی میں ایسے اچھوتے، پُر کشش اور سحر انگیز مضامین لائے جن سے سامعین کے ذہن و دماغ کے تار جھنجھنا اٹھیں، دل کی تشنگی اپنے شباب پر آجائے،

اور قلب وجگر پورے شوق ورغبت کے ساتھ اصل مضمون کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور قاری ان اشعار کو پڑھ کر اور سامع انھیں سن کر پھڑک اٹھے اور بے ساختہ دل کی گہرائیوں سے شاعر کے لیے داد و تحسین کے جذبات یا جملے نکل پڑیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی تشبیب اس معیار پر پوری آتی ہے اور ان کی شاعرانہ مہارت اور فنی عظمت وجلالت کو بے نقاب کرتی نظر آتی ہے۔ اس کا مشاہدہ خود میں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے کیا ہے۔

یہ کوئی ان دنوں کا قصہ ہے جب میں لکھنؤ میں قیام پذیر تھا۔ ایک دن میری ملاقات دار العلوم ندوہ کے دو اساتذہ سے ہوئی جو شعبہ عربی ادب کے بلند پایہ استاذ مانے جاتے تھے ان میں سے ایک کا تعلق دیوبندی جماعت سے تھا جب کہ دوسرے صاحب جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے، اتفاقا اس وقت میرے ہاتھ میں "قصیدتان رائعتان" کا ایک نسخہ تھا۔ اول الذکر نے یہ کتاب مجھ سے لے کر دیکھنا شروع کی، اس کے آغاز میں عمدۃ المحققین، صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا عربی زبان میں لکھا ہوا ایک گراں قدر اور وقیع مقدمہ ہے، اس کو جستہ جستہ پڑھتے ہوئے جب تشبیب کے پہلے شعر تک ان کی رسائی ہوئی جو درج ذیل ہے:

رَنَّ الحمامُ علیٰ شُجُونِ البَانِ   یَامَا أُمَیْلِحَ ذکرَ بیضِ البَانِ

(کبوتری نے درخت بان کی شاخوں پر نغمہ سرائی کی، واہ! مقام بان کی حسیناؤں کا ذکر کتنا حسین وملیح ہے!)

تو ان پر ایک طرح سے بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور بے ساختہ زبان سے تعریف وتحسین کے کلمات نکل پڑے کہ واہ واہ! کیا خوب کہا ہے۔ پھر تین چار بار اس شعر کو دہرایا اور ہر بار تعریف وتحسین کے کلمات کا اعادہ بھی کیا۔ اور پھر جب تشبیب کے اشعار پڑھنے شروع کیے تو درج ذیل اشعار تک اسی سرمستی کے عالم میں پڑھتے چلے گئے:

یَا حُسْنَ غُصنٍ فیه مِنْ کُلِّ الجَنیٰ   عِنَبٌ وَ عُنَّـابٌ به سُلـوانی

واللَّوْ زُفیه الفَوْزُ والتُّفَّاح والـ   رُّطَبُ ولا تَسْئَل عن الرُّمَّان

(ترجمہ: واہ رے اس شاخ کا حسن وجمال جس میں ہر قسم کے میوے ہیں، اس میں انگور بھی ہے اور وہ عُنَّاب بھی جو میرے لیے سامان تسکین ہے۔ اس میں بادام بھی ہے جس میں میری کامیابی ہے اور سیب اور تر وتازہ پختہ کھجوریں بھی، اور انار کی تو بات ہی نہ پوچھو۔)

اور پھر پوری کتاب تیزی کے ساتھ پڑھتے چلے گئے اور اس دوران جگہ جگہ کلماتِ تحسین بھی زبان

سے نکلتے رہے، اخیر میں انھوں نے اپنے رفیق اہل حدیث فاضل سے کہا: کہ مختلف علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان وادب میں بھی مولانا احمد رضا بریلوی کی مہارت کی بات اب تک صرف سنتے تھے لیکن آج ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں بلا جھجھک کہتا ہوں کہ اگر شاعر کا نام بتائے بغیر یہ قصیدہ عربی زبان وادب کے کسی شناور اور شعروسخن کا ذوق رکھنے والے فاضل ادیب کے سامنے رکھ دیا جائے تو وہ اسے پڑھنے، لفظی ومعنوی خوبیوں کو دیکھنے اور اس کے دل کش اسلوب بیان اور طرز تعبیر سے محظوظ ہونے کے بعد بلا جھجھک یہ کہہ اٹھے گا کہ یہ عہد اموی یا عہد عباسی کے کسی باکمال شاعر کا کلام ہے۔

اس پر اہل حدیث فاضل نے کہا کہ مولانا کے مخصوص نظریات (فتاواے تکفیر) کو چھوڑ کر دیگر علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان وادب میں بھی مولانا کی برتری ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ان کے مخالفین بھی کرتے ہیں۔ ان دونوں فضلا کی گفتگو سننے کے بعد میں نے دل میں کہا:

الفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ. (کمال فضل وہ ہے کہ دشمن بھی جس کی گواہی دیں۔)

اس کے بعد دیوبندی فاضل نے مجھ سے کہا: مولانا! آپ مجھے ان دونوں قصیدوں کی فوٹو کاپی دے دیجیے، میں نے کہا کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو فوٹو کاپی کی بجائے اصل کتاب ہی دے دوں۔ پھر اسی دن میں نے استاذی الکریم صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ بانی رکن المجمع الاسلامی وناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی بارگاہ میں اس واقعے کو لکھ بھیجا اور حضرت سے "قصیدتان رائعتان" کے کچھ نسخے بھیجنے کی درخواست بھی کی، آپ نے کرم فرمایا اور المجمع الاسلامی کی جانب سے پانچ عدد کتابیں میرے پاس بھیج دیں۔ میں نے وہ کتابیں ان دونوں ندوی اساتذہ کے پاس بھجوادیں اور کچھ وہاں کی لائبریری اور دار المطالعہ میں دے دیں۔

اس واقعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے عربی اشعار، حسن ودل کشی کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں جنھیں پڑھنے اور سننے کے بعد اپنے تو اپنے، پرائے بھی بے اختیار ہو کر ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

بہر حال اس قصیدہ کی تشبیب میں چوبیس شعر ہیں۔ پھر پندرہ شعر "گریز" کے ہیں، اس کے بعد انتالیسویں شعر سے اپنے ممدوح سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح شروع کی ہے، جو شعر نمبر:۸۱ پر ختم ہوتی ہے، شعر نمبر:۸۲ سے حضرت سیف اللہ المسلول کے معاندین ومخالفین کی ہجو کا آغاز ہوتا ہے جو نو اشعار پر مشتمل ہے، شعر نمبر:۹۱ سے شعر نمبر:۹۳ تک تین شعر میں تواضع

اور خاکساری کا اظہار ہے۔ پھر شعر نمبر: ۹۴ سے شعر نمبر: ۱۰۶ تک تیرہ اشعار میں حضرت سیف اللہ المسلول سے استغاثہ و توسل ہے۔ اس کے بعد حضرت سیف اللہ المسلول کے والد ماجد حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری عثمانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے نو اشعار میں توسل و استغاثہ ہے جو شعر نمبر: ۱۱۵ پر ختم ہوتا ہے، پھر شعر نمبر: ۱۱۶ سے شعر نمبر: ۱۲۱ تک اپنے مرشد گرامی خاتم الاکابر حضرت مولانا سیّد شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی قدس سرہ کی مدح و ستائش ہے۔ شعر نمبر: ۱۲۲ سے شعر نمبر: ۱۳۰ تک نو اشعار میں حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری بدایونی اور ان کے والدِ گرامی حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی علیہما الرحمۃ والرضوان کی مشترکہ مدح و ستائش ہے۔ پھر سولہ اشعار حضرت سیف اللہ المسلول کے صاحب زادۂ گرامی حضرت تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ کی تعریف و توصیف میں ہیں۔ اس کے بعد شعر نمبر :۱۴۷ سے شعر نمبر: ۱۵۹ تک کے اشعار حضرت تاج الفحول کے مخالفین کی مذمت میں ہیں۔

اس کے بعد شعر نمبر: ۱۶۱ سے حضور غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کی منقبت اور ان سے توسل و استعانت ہے جو چونتیس اشعار کو حاوی ہے۔ پھر شعر نمبر: ۱۹۵ سے رب کریم کی بارگاہ عالی میں دعا اور مناجات کی ہے جو چونتیس اشعار پر مشتمل ہے اور شعر نمبر: ۲۲۸ پر ختم ہوتی ہے۔

اس کے بعد پانچ اشعار میں اپنے والد گرامی خاتم المحققین علامہ مفتی نقی علی خاں قادری، برکاتی، بریلوی اور داداجان عالم ربانی مولانا مفتی رضا علی خاں بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا کی ہے۔

شعر نمبر: ۲۳۴ سے شعر نمبر: ۲۳۶ تک تین اشعار میں تمام اہل ایمان کے لیے دعا کی ہے۔ اور اخیر میں حمد و ثنا اور درود و سلام بیار گاہِ خیر الانام پر یہ شان دار قصیدہ ختم ہوجاتا ہے۔

درمیان میں شعر نمبر: ۱۳۱ تا ۱۴۴، چودہ اشعار تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ کی مدح و ستائش میں ہیں۔

تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ اَدِم شآبِیبَ الرِّضَا و نَدَی العَطا
لجمیع أهـلِ الدین والإذعـانِ

(تمام برادران دینی و یقینی کو اپنی رضا و خوشنودی کے چھینٹوں اور جود و عطا کی بارش سے ہمیشہ بہرہ ور کر)

شَرَّ فتَنَا بِالحقِّ فَانْصُرْنا علی بِدَعِ العَنُوْدِ و نزغَة المُجّانِ

(تو نے ہمیں حق سے مشرف کیا تو ان معاندین کی بدعتوں اور ان گستاخوں کے فتنہ و فساد کے خلاف

ہماری مدد فرما۔)

حتی نکونَ حُماۃ دین قیمٍ ومُحاۃ شر الزیغ والبطلان

(تاکہ ہم دین حق کے محافظ اور گمراہی وباطل پرستی کے مٹانے والے بن جائیں۔)

حمد وثنا اور درود وسلام پر اختتام اس طرح کیا ہے:

فلک الثناء ببدئه وثنائه وللك المديح بأول و بثانٍ

(ساری حمد وثنا تیرے ہی لیے ہے، اس کے آغاز اور انجام میں۔ اور ساری مدح وستائش تیرے ہی لیے ہے اول اور آخر میں۔)

وصلاۃ ربی دائما أبدا علی

خیر البریة سید الأکوان

والآل والأصحاب والأحباب والـ

نُّوَّابِ والأصهار والأختان

(اور ہمیشہ میرے رب کی رحمتیں افضل الخلق، سرور کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب، احباب، خلفا اور ان کے خسروں (حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما) اور دامادوں (حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالی عنہما) پر نازل ہوں)

صلی المجید علی الرسول وفضله

ومحبه ومطیعه بحنان

(خدائے بزرگ وبرتر رسول، فضل رسول، محب رسول اور مطیع رسول پر بخشش ونوازش کے ساتھ رحمتیں نازل کرے۔)

صلی علیك الله یا ملك الوری

ما غرَّدَ القُمري فی الأفنان

(اے ساری مخلوق کے بادشاہ! اللہ آپ پر اس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے جب تک قمری شاخوں پر نغمہ سنجی کرتی رہے۔)

صلی علیك الله یا فرد العلی ما أطربَ الورقاء بالإلحان

(اے بے مثال بلندی والے! اللہ تعالی آپ پر اس وقت تک رحمتیں نازل کرتا رہے جب تک

فاختہ اپنی خوش آوازی سے لوگوں کو مست و بے خود کرتی رہے۔)

صلی علیك الله یا مولاي ما رنَّ الحَمامُ علی شجون البانِ

(اے میرے آقا! اللہ تعالی اس وقت تک آپ پر رحمت برساتا رہے جب تک کبوتر، بان کی شاخوں پر نغمہ سرائی کرتا رہے۔)

(۲) قصیدة ”حمائد فضل الرسول“:

اس قصیدہ میں ستر(۷۰)اشعار ہیں، اور یہ قصیدہ ”غیر مشبَّب“ ہے یعنی اس کا آغاز تشبیب سے نہیں، بلکہ حمد وصلاۃ سے ہے۔ ذیل میں اس کے کچھ ابتدائی اشعار پیش خدمت ہیں۔ غور کیجیے کہ حضرت امام نے اس مختصر سی بحر میں کس طرح اپنی مہارت اور قادر الکلامی کا ثبوت پیش کیا ہے کہ نہ کہیں مفہوم کی ترسیل اور معنی کی تعبیر میں کوئی خلل واقع ہو رہا ہے اور نہ اشعار کی سلاست وروانی متاثر ہوتی نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

(۱) الحمدُ للمتوحد بجلاله المتفرد

(۲) وصلاة مولانا علی خیر الأنام محمد

(۳) والآل أمطار الندی والصحب سحب عوائد

(۴) لَا هُمَّ قد هجم العدی من کل شأو أبعد

(۵) في خیلهم ورجالهم مع کل عاد معتد

(۶) هاوین زلة مثبت باغین ذلة مهتد

(۷) لکن عبدك آمن إذ من دعاك یؤید

(۸) لا أختشي من بأسهم یدُ ناصري أقوی ید

(۹) یارب یاربّاه یا کنز الفقیر الفاقد

(۱۰) بك اَلْتَجِيْ بِكَ أدفع في نحر کل مهدد

(۱۱) أنت القويُّ فقوّني أنت القدیرُ فأید

(۱۲) فالی العظیم توسلي بکتابه وبأحمد

(۱۳) وبمن أتی بکلامه وبمن هَدی وبمن هُدِي

(۱۴) وبطیبة وبمن حوت وبمنبر وبمسجد

(۱۵) وبکل من وجد الرضا من عند رب واجد

ترجمہ: (۱- تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے جو اپنے منفرد جلال کے ساتھ یکتا ہے۔

۲، ۳ — مولا تبارک وتعالی کی رحمت خیر الانام حضرت محمد ﷺ پر نازل ہو، اور آپ کی آل پر جو بارشِ جود وعطا ہیں، اور آپ کے اصحاب پر جو فوائد ومنافع کے بادل ہیں۔

۵، ۴- اے اللہ! دشمنوں نے دور دراز مقام سے اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ، ہر حد سے تجاوز کرنے والے ظالم کے ہمراہ مجھ پر یورش کر دی ہے۔

۶- وہ ثابت قدم انسان کی لغزش کے خواہاں اور ہدایت یافتہ شخص کی ذلت کے طلب گار ہیں۔

۷- لیکن تیرا بندہ محفوظ ومامون ہے، کیوں کہ جو تجھے پکارے اس کو قوت پہنچائی ہی جاتی ہے۔

۸- میں ان کی طاقت وقوت سے خوف زدہ نہیں۔ کیوں کہ میرے مدد گار کا دست قدرت سب سے طاقت ور اور باقوت ہے۔

۹- اے میرے پروردگار! پالنہار! اور اے بے سروسامان بے مایہ کے خزانے!

۱۰- میں تیری پناہ لیتا ہوں اور ہر دھمکی دینے والے کے سینے میں تیری مدد سے دھکا مارتا ہوں۔

۱۱- تو قوت والا ہے تو ہمیں قوت دے، اور تو قدرت والا ہے تو ہمیں طاقت بہم پہنچا۔

۱۲-۱۵- تو خدائے بزرگ وبرتر کی بارگاہ میں میرا وسیلہ اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ، اس کے کلام کو لانے والے (حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام)، نبی ہادی اور ان کے ہدایت یافتہ اصحاب، مدینہ طیبہ اور اس کی آغوش میں آرام فرمانے والے نفوس قدسیہ، منبر رسول، مسجد نبوی اور ہر وہ ذات ہے جس نے خدائے بے نیاز کی طرف سے رضا وخوشنودی کی دولت پالی۔)

یہ عنوان مختلف الجہات ہے۔ اگر اس کے تمام گوشوں پر گفتگو کی جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ لیکن وقت کی قلت اور کاموں کی کثرت کی بنا پر میں اپنی گفتگو اس اعتراف کے ساتھ یہیں پر ختم کرتا ہوں:

نکالی سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی ترے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور شعر و سخن

مولانا توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی
جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

امام نعت گویاں امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ ۱۰؍ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے اور ۲۵؍ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو وصال فرمایا۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی زندگی کے ماہ و سال مسلسل علمی و قلمی جہاد میں گزرے اور وہ تاحیات نئے آفاق پر کمندیں ڈالتے رہے۔ اپنی پینسٹھ سالہ زندگی میں انھوں نے ہمہ وقت دین حق کا آوازہ بلند کیا، مذہب اہل سنت کی ترویج و تنفیذ کی اور سنتِ نبوی [صلی اللہ علیہ وسلم] کا احیا کیا۔ فتویٰ نویسی، تصنیفِ کتب و رسائل اور تعمیر شخصیت ان کا خاص مشغلہ رہا ہے۔ کتاب و قلم ان کی زندگی کا لازمہ تھا اور دین و سنت کا فروغ ان کا مقصد۔ جو زندگی کے اخیر وقت تک ان کے ساتھ تھا۔

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد درو ے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

[ترجمہ: نہ مجھے تحسین کی لذت سے سروکار، نہ طعن و تشنیع کے ڈنک کی پروا، نہ مجھے کسی مدح پر توجہ، نہ کسی مذمت کا خیال۔ میں ہوں اور ایک گوشہ تنہائی ہے جس میں سوائے میرے اور چند کتاب، دوات اور قلم کے کسی اور کی گنجائش نہیں۔]

اس فارسی قطعہ کے اندر امام احمد رضا قادری نے اپنی مکمل سوانح عمری بیان فرمادی ہے۔ یہ دو اشعار ان کا زندگی نامہ بن سکتے ہیں۔ ایک اور چیز ہے جسے انھوں نے تاحیات اپنی شناخت بنا کر رکھا اور وہ ہے سچا عشق رسول [صلی اللہ علیہ وسلم]، جو دنیوی مال و منفعت سے ہمیشہ دور و نفور رہا۔ انھوں نے اپنے محبوب حقیقی کے اوصاف و کمالات کے انکشاف اور اپنے درد و غم کے اظہار کے لیے نعتیہ شاعری کا سہارا لیا اور یہ میدان

بھی ان کی قلمرو میں سجتا چلا گیا۔

امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات جس طرح دنیاے فقہ و تحقیق میں مشتہر ہے بزم شعر و سخن اور محفل علم و ادب میں بھی نام رضا محتاج تعارف نہیں۔ جس طرح دین کے فروغ و استحکام اور عقائد و اعمال کی درستی و اصلاح میں آپ کی خدمات جلیلہ قابل قدر ہیں، اسی طرح شعر و ادب کے ارتقا اور جدید اسلوب نگارش میں بھی آپ کی کاوشیں تاریخی ہیں۔

اردو شاعری کے آغاز، تشکیل دور اور دور عروج پر ممتاز فکشن نگار سید محمد اشرف مارہروی کے یہ جملے ملاحظہ کریں:

"اردو شاعری کا آغاز حضرت امیر خسروؔ سے ہوتا ہے اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز [۸۲۶ھ]، محمد قلی قطب شاہ [۹۸۸ھ] سے ہوتا ہوا میرؔ و سوداؔ، غالبؔ و داغ اور امیرؔ و اقبالؔ تک پہنچتا ہے۔ جہاں اس کا قد خاصا نمایاں، واضح اور بلند ہو جاتا ہے اور جب اس کینوس کو نعت پاک کی مقدس فضا میں لے جاتے ہیں تو اس پر خواجہ میر دردؔ، امیرؔ مینائی، محسنؔ کاکوروی، کافیؔ مرادآبادی کے جلو میں حضرت رضاؔ بریلوی کا نعتیہ رنگ بھی بڑا ممتاز نظر آتا ہے۔ رضاؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری، اردو نعتیہ شاعری کا سرنامہ کہی جا سکتی ہے۔" (۱)

امام احمد رضا قادری نے بے شمار میدانوں میں اپنی خداداد لیاقت و صلاحیت کا مظاہرہ کیا اور الحمد للہ ان سب میں فضل ربی سے کامیاب و کامران رہے۔ میدانِ شعر و سخن میں اس عاشق رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] نے جب طبع آزمائی کی تو دوسروں کے لیے سراپا مثال بن گئے، شعر گوئی کے لوازم و مطالبات کو اتنی مہارت و خوب صورتی کے ساتھ پورا کیا کہ ہوش و خرد کی قوتِ پرواز بھی جبین نیاز خم کرنے پر مجبور ہو گئی، صرف یہی نہیں بلکہ ان اشعار کے اندر استعمال کی گئی تشبیہات و تمثیلات اور استعارات و کنایات کو سند کا درجہ حاصل ہو گیا پھر تمام اربابِ شعر و ادب نے بالاتفاق آپ کی شہنشاہی کو مان لیا:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی:

امام احمد رضا قادری نے شعر و شاعری میں کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی، کسی کو اس میدان میں اپنا استاد نہیں بنایا، بلکہ خداداد علمی لیاقتوں کی دل آویز نکہت و رعنائی اور عشق و محبت کی تابانی و زیبائی نے آپ

کو صرف ایک شاعر ہی نہیں بلکہ فکر وفن کا امام اور استاد الشعراء بنا دیا جس کی شہادت آپ کے ہم عصر اور بعد کے ارباب فکر وفن دیتے آئے ہیں۔

سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کی سیرت کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شاعری میں کسی استاذِ سخن کے آگے زانوئے تلمذ نہیں تہ کیا، وہ اپنے ہی شاگرد تھے اور اپنے ہی استاذ۔'' (۲)

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''مولانا بریلوی باکمال شاعر تھے، وہ تلمیذِ رحمٰن تھے، شاعری میں ان کا کوئی استاد نہ تھا۔'' (۳)

امام احمد رضا قادری اپنی شاعری کے بارے میں سخن سرا ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے اَلْمِنّۃُ لِلّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

اور اگر سخن سرائی میں کسی رہبر کی حاجت درپیش ہو تو امام احمد رضا یوں کہتے ہیں:

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حساں بس ہے

امام احمد رضا کے شعری امتیازات:

امام احمد رضا قادری کا شعری سرمایہ مختلف ادبی، شعری، اسلوبی، معنوی، محاوراتی اور ہیئتی امتیازات رکھتا ہے جس پر محققین ادب اور ناقدین سخن نے کافی شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی ہے، بلکہ اس موضوع پر مستقل تحقیقی کتب ومقالات تحریر کیے ہیں۔ ویسے تو امام احمد رضا کی شاعری کا مکمل تجزیہ مجھ جیسے ادب کے ادنیٰ طالب علم سے ممکن بھی نہیں، پھر بھی راقم الحروف کی نگاہ میں ان امتیازات کی درجہ بندی یوں کی جاسکتی ہے:

(۱) زباں دانی (۲) احتیاط پسندی (۳) عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۴) وسعت مطالعہ (۵) علوم وفنون کی کہکشاں (۶) محاوروں کا استعمال (۷) منظوم فتویٰ نویسی (۸) صنعتوں کا استعمال (۹) شعری اصناف میں نعت گوئی (۱۰) اچھوتی ردیفیں (۱۱) حقیقت آمیز تخیل۔

زبان دانی :

امام احمد رضا قادری ایک کثیر المطالعہ متبحر عالم دین، ماہر فقیہ اور حاذق محقق ہونے کے ساتھ ساتھ باطل افکار و فاسد اوہام کے سنجیدہ ناقد اور علمی، فکری، تحقیقی، سائنسی، ارضیاتی اور ادبی وفنی نگارشات کے تجزیہ نگار بھی تھے، اس ایک ذات میں علوم عقلیہ ونقلیہ کا ایک جہان آباد تھا۔ ایسے میں زبان وادب کی رمز شناسی میں کیوں کر شک کیا جاسکتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ ان کی حیات کا لمحہ لمحہ علم وادب کی جوہر کشائی میں ہی صرف ہوا۔ مطالعہ اور تحریر، یہی دو چیزیں تو علم وادب، زبان وبیان کی زلف برہم کی مشاطگی میں اہم رول ادا کرتی ہیں اور امام احمد رضا کی زندگی میں یہ جواہر پوری طرح بے نقاب رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں زبان دانی کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ عربی، فارسی اور اردو، تین زبانوں کا ادب عالی ان کے زیر مطالعہ رہا ہے۔ عربی میں جہاں کلام الٰہی [قرآن مجید] اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم [احادیث نبویہ] کی معجز بیانی، اسلوبی شان، ظاہری ومعنوی جمالیات اور زبان وبیان کی نکہت نے انھیں مسحور کیا، وہیں ائمہ مجتہدین، شعراے اسلام، مورخین اسلام، محدثین، شارحین، فقہا و محققین اسلام، اور سیرت نگاروں کی عربی نگارشات کے گہرے مطالعہ نے انھیں زبان وبیان کا کمال بخشا۔ فارسی اور اردو کی شعری ونثری ادبیات کی قراءت نے انھیں شعری ونثری اسلوب عطا کیا۔ ان کا پورا وقت قرطاس وقلم کی نذر ہوتا تھا، وہ ہمہ وقت کتابوں کے درمیان رہتے تھے۔ اس لیے ان کی زبان دانی مسلم الثبوت مانی گئی اور کہنے والے کہتے ہیں کہ انھوں نے ان تینوں زبانوں میں جو بھی نثری وشعری سرمایہ چھوڑا ہے اس کی روشنی میں امام احمد رضا زبان وبیان کے بھی امام نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا کی نثری تحریروں کی مثال میں صرف ”فتاویٰ رضویہ“ اور شعری کی مثال میں ”حدائق بخشش“ کو پیش نظر رکھ کر تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انھیں زبان وبیان کی باریکیوں سے کماحقہ آگاہی تھی۔ عربی زبان میں تصنیف شدہ فتاویٰ اور شعری کلام دیکھیں تو کسی عرب عالم وشاعر کا گمان گزرے، فارسی نگارشات ملاحظہ کریں تو ماہر فارسی داں نظر آئیں اور اردو تحریریں اور شعری سرمایہ سامنے آئے تو ادب عالی کا یقین ہو جائے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ عربی، فارسی، اردو، ہندی چار زبانوں میں نعت نگاری کا حسین سنگم آپ کی مشہور زمانہ نعت ”لم یات نظیرک فی نظر، مثل تو نہ شد پیدا جانا“ میں پہلی بار دیکھنے کو ملا، جس نے آپ کی قادر الکلامی، زبان واسلوب کی مہارت، شعر کی جاذبیت ورعنائی اور حسن تعبیر کی مثال قائم کردی اور اس کے وجد آفریں نغموں سے پورا میدان سخن گونج اٹھا۔ امام احمد رضا نے عربی، فارسی اور اردو

تینوں زبانوں میں شاعری بھی کی اور عمدہ ادبی نثر بھی لکھی۔

ان کی فصاحت وبلاغت اور عربی دانی کی اہل عرب نے بھی تحسین و تعریف کی ہے۔ چناں چہ شیخ احمد ابوالخیر میرداد مکی لکھتے ہیں :

"الحمد لله علىٰ وجود مثل هٰذا لشيخ فانى لم ار مثله فى العلم والفصاحة."

[ترجمہ] "امام احمد رضا جیسے شیخ کے وجود پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، بیشک میں نے علم اور فصاحت میں ان جیسا نہیں دیکھا۔" (۴)

جامعہ ازہر میں شعبۂ اسلامیات کے استاد پروفیسر رزق مرسی ابوالعباس آپ کی عربی شاعری کے بارے میں رقم طراز ہیں :

"امام احمد رضا خان عربی نہیں تھے لیکن جب آپ ان کی عربی شاعری پڑھیں گے تو آپ کو خوش گوار حیرت ہوگی کہ ان کے عجمی ہونے کے باوجود ان کی شاعری میں عجمیت کا شائبہ نہیں پایا جاتا، اگر قاری کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عجمی تھے تو انھیں عربی شاعر گمان کرے گا۔" (۵)

ڈاکٹر حامد علی خاں [لیکچرار شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ] رقم طراز ہیں:

"امام احمد رضا نے نہ صرف عربی، فارسی اور اردو تین زبانوں میں شاعری کی بلکہ بعض نظمیں التزام کے ساتھ ہندی بھاشا کی آمیزش سے لکھیں۔ آپ کا تخلص رضاؔ تھا۔ آپ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کے نام سے تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے اور تین چار ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ حصہ سوم کے فاضل مرتب نے صراحت کی ہے کہ آپ کا عربی دیوان گم ہو گیا ہے۔ مولانا ظفر الدین احمد صاحب مرحوم نے اپنی تالیف "المجمل المعدد لتالیفات المجدد" میں صراحت کی ہے کہ آپ کے دیوان میں پندرہ سولہ عربی و فارسی کے قصائد ہیں۔ یقین ہے کہ آپ کے وصال تک عربی و فارسی کلام کا معتد بہ اضافہ ہوا ہوگا کیوں کہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ علامہ رضا عشق رسول میں مستغرق و سرشار تھے لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ نے فخر موجودات سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت اور خداوند عالم کی حمد و ثنا میں وارادتِ قلبی کو نظم کا جامہ نہ پہنایا ہو۔ مجھے اب تک اپنی تلاش میں مجموعی طور پر تین سو نوے اشعار حسب ذیل کتب میں دستیاب ہو سکے ہیں۔ کاش امام احمد رضا کا تمام عربی کلام پیش نظر ہوتا مگر افسوس کہ محفوظ نہ رہا۔" (۶)

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری نے "الشیخ احمد رضا خان البریلوی الھندی: شاعراً عربیاً" کے عنوان سے

تحقیق کی ہے اور اس موضوع پر گراں قدر مقالہ قلم بند کیا ہے جو پاکستان سے طبع ہو چکا ہے۔

مثال میں سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہ [متوفیٰ: ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء] کی شان میں امام احمد رضا قادری کے تحریر کردہ "قصیدتان رائعتان" کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں قصائد امام احمد رضا نے ۱۳۰۰ھ میں منعقدہ سیف اللہ المسلول کے عرس مقدس میں پیش کیے تھے، ان میں پہلا قصیدہ نونیہ ہے اور دوسرا دالیہ۔ قصیدہ نونیہ کا تاریخی نام "مدائح فضل الرسول" اور دالیہ کا نام "حماید فضل الرسول" ہے جن سے ان کا سنہ نظم ۱۳۰۰ھ برآمد ہوتا ہے۔ پہلا قصیدہ ۲۴۳/ اشعار پر مشتمل ہے اور دوسرے میں ۷۰/ اشعار ہیں، دونوں کی مجموعی تعداد ۳۱۳/ ہوتی ہے، جو اصحاب بدر کی تعداد کی مناسبت سے ہے۔ امام احمد رضا کے عربی دیوان "بساتین الغفران" [مرتبہ: ڈاکٹر حازم محفوظ، مصری] میں یہ قصائد شامل ہیں، الگ سے بھی ان کی اشاعت ہوئی ہے۔ اکتوبر ۲۰۱۳ء میں مولانا عاصم اقبال مجیدی بدایونی کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں سے ۲۵۶ صفحات میں طبع ہوا ہے۔ قصیدہ نونیہ سے چند اشعار ملاحظہ کریں:

رنّ الحمام علیٰ شجون البان ۔۔۔ یا ماامیلح ذکر بیض البان

تبکی دما وتقول فی اسجاعها ۔۔۔ اللہ یضحک سن من ابکانی

شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ کی شان میں "مشرقستان قدس" نامی قصیدہ لکھا۔ ایک طویل نظم "الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد" لکھی۔ کتاب "الطاری الداری" کے تیسرے حصے میں امام احمد رضا کے تقریباً ۲۰۰/ عربی و فارسی اشعار ملتے ہیں۔ اسی طرح مشہور عربی "قصیدہ غوثیہ" کی منظوم فارسی شرح لکھی جس میں اشعار کی مجموعی تعداد ۹۲/ ہے۔ "آمال الابرار" کے نام سے بھی ایک عربی قصیدہ لکھا۔ "نظم معطر" کے عنوان سے بھی ایک طویل کلام "حدائق بخشش" میں موجود ہے جو ۶۸/ رباعیوں پر مشتمل ہے، ان میں پہلی رباعی حمد باری تعالیٰ اور دوسری نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، بقیہ رباعیات حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں ہیں۔ اپنے ممدوح غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی شان میں جہاں کئی مناقب اردو میں تحریر کیے، وہیں "اکسیر اعظم" [۱۳۰۲ھ] کے نام سے ایک طویل فارسی قصیدہ نظم کیا اور پھر اس کی فارسی شرح بھی "مجیر معظم" [۱۳۰۳ھ] کے نام سے کی۔ ان دونوں کا اردو ترجمہ استاذ گرامی علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے "تاب منظم" [۱۴۳۳ھ] کے نام سے کیا ہے جو المجمع الاسلامی، مبارک پور اور رضا اکیڈمی، ممبئی سے طبع ہو چکا ہے۔ یہ فارسی قصیدہ حدائق بخشش، حصہ دوم میں شامل

ہے۔ شروع میں موجود تشبیب کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں :

اے کہ صد جاں بستہ در ہر گوشہ داماں توئی　　دامن افشانی و جاں بار د چرا بے جاں توئی
آں کدامیں سنگ دل عیارہ خوں خوارۂ　　کز غمش باجان نازک در تپ ہجراں توئی
سرِ ناز خویشتن را برکہ قمری کردۂ　　عندلیب کیستی چوں خود گل خنداں توئی

اسی طرح فارسی زبان میں ''مثنوی ردِ امثالیہ'' بھی لکھی جو ۱۹۳ / اشعار پر مشتمل ہے۔ امام احمد رضا قادری کی اردو شاعری کا زیادہ تر کلام'' حدائق بخشش'' حصہ اول و دوم میں موجود ہے جو ہر خاص و عام کے مطالعے میں رہتا ہے، اس کی روشنی میں امام احمد رضا کی زبان دانی کو پرکھا جا سکتا ہے۔

احتیاط پسندی :

شعر گوئی میں امام احمد رضا ایک خاص اصول کی رعایت کرتے ہیں، یہ لحاظ وہ شرعی ضابطوں کی وجہ سے کرتے ہیں۔ بطور خاص ''نعت گوئی'' میں ان کا شعری سرمایہ حد درجہ محتاط روی کی غمازی کرتا ہے۔ ''الملفوظ'' میں خود ایک جگہ فرماتے ہیں :

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل کام ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں (ایک طرف) راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض! حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔''(۷)

مندرجہ ذیل اشعار اسی شرعی احتیاط کا اشارہ دیتے ہیں، اس کے باوجود ان کی شعریت متاثر نہیں ہوتی، لکھتے ہیں :

ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبداللہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِّ خدا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں

نثر ہو یا نظم امام احمد رضا قادری نے ہر جگہ اسی احتیاط کا دامن تھامے رکھا ہے اور دوسروں کو بھی یہی تعلیم دی ہے، بلکہ شعرا کے کلام کی اصلاح بھی اسی نہج پہ کی ہے اور انھیں صائب مشوروں سے بھی نوازا ہے۔ جیسا کہ مولانا کافی مرادآبادی اور مولانا حسن رضا خاں کے متعلق خود فرماتے ہیں :

''مولانا کافی [مرادآبادی] اور [مولانا] حسؔن [رضا] میاں مرحوم کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے۔ حسن میاں کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتا دیے تھے، ان کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام اسی معیار اعتدال پر صادر ہوتا، جہاں شبہہ ہوتا، مجھ سے دریافت کر لیتے۔'' (۸)

ایک جگہ آپ یوں فرماتے ہیں :

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
نہ ہو آقا کو سجدہ، آدم ویوسف کو سجدہ ہو
مگر سدِّ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیش جلوہ زمزمۂ رضؔا کہ یوں

لیکن رضؔا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

پروفیسر محمد اسحاق قریشی [گورنمنٹ کالج، فیصل آباد، پاکستان] اپنے مضمون ''فاضل بریلوی اور عربی شاعری'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا کی شاعری کا مجموعی جائزہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ ان کی نعت پر قرآنی ادب کا سایہ ہے۔ کہیں بھی جوش محبت بے راہ نہیں ہوتا اور کسی مقام پر بھی شعر جذبوں سے خالی ہو کر صرف عروضی کرشمہ سازی دکھائی نہیں دیتا۔ شعر حدود شریعت میں رہتے ہوئے بھی معطر خیالات کا امین ہے، اسلام کا مقصود ہر آن راہ نما ہے، نہ کہیں شعری ضرورت راہ راست سے بہکاتی ہے اور نہ سرمستی بے قابو ہونے پر اکساتی ہے، جوش ولولہ، بے حساب عقیدت، کامل محبت اور زلہ ربائی کا شوق فراواں اپنی بہار تو دکھاتا ہے مگر انگشت نمائی کا موقع فراہم نہیں کرتا۔ مولانا کی شاعری اسلامی نظریات کی حامل شاعری کا بہترین نمونہ ہے کہ جس میں شریعت اور شعریت گلو در گلو ہیں اور یہی آپ کی شاعری کا نقطہ کمال ہے۔'' (۹)

امام احمد رضا کی زندگی میں کمال فروتنی اور کم مائگی بھی عیاں ہے جو ان کے مخلص بندہ خدا ہونے کا اشارہ دیتی ہے:

پیشہ مِرا شاعری، نہ دعویٰ مجھ کو
ہاں! شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کا خلاف
لَوزینہ میں سِیر تو نہ بھایا مجھ کو

ان کی شاعری میں بھی اپنے ممدوح حقیقی سے طرز تخاطب میں اعلیٰ درجہ تواضع وانکسار نمایاں ہے اور اس کی شان میں معمولی درجہ بے ادبی وگستاخی ناقابل برداشت ہے۔ اسی مقام پہ آکر امام احمد رضا انبیا وخاصان خدا کی شان میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کرنے والوں کی تردید کرتے ہیں اور انھیں اخروی نعمتوں سے دور ومہجور بتاتے ہیں۔

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب، وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی

ترا کھائیں، تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے، غرانے والے

عشق رسول [صلی اللہ علیہ وسلم]:

امام احمد رضا قادری ایک ایسے مخلص عاشق رسول کا نام ہے کہ آج غلامان مصطفی وعاشقان نبی اس عاشق صادق کے درِ عقیدت والفت پر سوالی بن کر کھڑے نظر آتے ہیں، والہانہ عشق ومحبت کا سلیقہ اور درد و سوز کے کیف کا سوال کرتے ہیں۔ امام احمد رضا ایک قادر الکلام شاعر تھے، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تب وتاب نے ان کو وہ تابانیاں عطا کیں کہ آسمان سخن پر مہر درخشاں بن کر چمکے اور جذبہ صادق کی رعنائیوں نے ان کو سخن وری کی تمام گلی، کوچوں کا سچا راہبر اور نشان منزل بنا دیا۔

امام احمد رضا قادری صرف ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ مقام نبوت کے رمز شناس اور عارف بھی تھے۔ انھوں نے آداب نبوت اور مقام رسالت کا خاص خیال رکھا، وارفتگی شوق میں بے خود ہو کر پاکیزہ خیالات کو صفحہ قرطاس پر ثبت کر دیا، شرعی حدود میں رہ کر کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی زبان سے اس انداز میں شاعری کی کہ پوری دنیائے شعر وسخن ان کے کلام کو ''امام الکلام'' ماننے پر مجبور ہوئی۔

امام احمد رضا قادری کو ان کے اجداد، اساتذہ فن اور آقاؤں سے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

جو حلاوت و لطافت عطا ہوئی، جو سوز و گداز ملا، محبت و الفت کی تب و تاب اور والہانہ شیفتگی کی جو رعنائی ملی اس نے آپ کو امام عشق و محبت بنا دیا اور قلب و فکر میں موجزن وارفتگی نے امام احمد رضا کو قلبی واردات کے اظہار کے لیے شعر و سخن کا ذوق عنایت کیا اور ایک نعت گو شاعر کے روپ میں آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا یہ بلند قامت پہلو بھی دنیائے ادب کے سامنے آیا۔ اس سلسلے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امام احمد رضا نے اپنے اشعار کے ذریعہ سخن کو بلند اقبال کیا، شاعری کو ایک مقام دیا، ادب و فن کو نئے کیف سے آشنائی بخشی اور شعر و ادب کے نادر دبستاں کو صوری و معنوی حسن عطا کر کے ہر دل عزیز بنا دیا۔

محترم نیاز فتح پوری رقم طراز ہیں:

"شعر و ادب میرا خاص موضوع اور فن ہے، میں نے [امام احمد رضا] بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے، ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی [صلی اللہ علیہ وسلم] کا ہے، ان کے کلام سے ان کے بیکراں علم کا اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے، مولانا کے بعض اشعار میں انفرادیت کا دعویٰ بھی ملتا ہے، جو ان کے کلام کی خصوصیت سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل برحق ہیں، مولانا حسرتؔ موہانی بھی مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے مداح تھے اور معترف بھی۔"(۱۰)

امام احمد رضا قادری کو عشق کی یہ حلاوت ان کے شریعت پر عمل اور راہِ طریقت پہ ثبات قدمی کی بنا پر حاصل ہوئی ہے، انھوں نے قرآن اور صاحب قرآن سے اپنا قلبی رشتہ استوار رکھا اور سنن مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے پر خود کو ڈھال رکھا تھا اور اپنا سب کچھ محبوب رب العالمین کے حضور نذر کر دیا تھا۔ اور قرآنی شہادت "فاتبعونی یحببکم اللہ۔" سے اکتساب فیض کر رہے تھے۔

ان کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد قادری علیہ الرحمہ کے اس بیان سے بھی ہمارے نظریے کو قوت ملتی ہے:

"آپ [امام احمد رضا] عام ارباب سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے، بلکہ پیارے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی اور دردِ عشق آپ کو بیتاب کرتا تو از خود زبان پر نعتیہ اشعار جاری ہوتے اور پھر یہی اشعار آپ کے سوزش عشق کی تسکین کا سامان بن جاتے۔ چناں چہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں، ورنہ شعر و سخن میرا مذاق طبع نہیں۔"(۱۱)

امام احمد رضا عشق رسول کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور ان کی پوری زندگی اسی محبت کے تقاضوں کی تکمیل میں گزری۔ بلکہ وہ ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہر چیز کا ادب بھی کرتے تھے اور لحاظ بھی۔ اور کسی دنیادار کی مدحت سرائی میں کبھی رطب اللسان نہ ہوئے، بلکہ ایک بار جواب میں یوں فرمایا:

کروں مدح اہل دُوَل رضا، پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ ان کا جسمانی وجود شہر بریلی میں رہتا اور وہ عالم بے خودی میں مدینہ کی گلیوں کا طواف کر رہے ہوتے:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے

تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

اور پھر اللہ نے کرم فرمایا، جب دوسری بار حج بیت اللہ کے لیے جانا ہوا اور مدینہ پہنچے تو شوق دیدار میں روضہ رسول کے مواجہہ میں درود شریف کا ورد کرتے رہے اور یقین کیا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب ایسا کچھ نہ ہوا تو ایک نعتیہ غزل لکھی، جس کا مطلع ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

دوسری شب یہی غزل عرض کر کے انتظار دیدار میں مودب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگی اور چشم سر سے زیارت محبوب [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] کا شرف پایا۔ یہ واقعہ مولانا بدرالدین قادری نے سوانح اعلیٰ حضرت، ص:۲۲۸ پر ذکر فرمایا ہے۔ امام احمد رضا کے یہ اشعار کس جذب و کیف کی نشان دہی کرتے ہیں، اہل ذوق محسوس کر سکتے ہیں:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں

دل کو جو عقل دے خدا، تیری گلی سے جائے کیوں

رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں

سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

جان ہے عشق مصطفیٰ، روز فزوں کرے خدا

جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں

امام احمد رضا اپنی دعاؤں میں بھی اسے یاد رکھتے تھے، جیسا کہ اللہ عزوجل کے حضور یوں عرض گزار ہیں:

یاالٰہی! جب رضاؔ خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

امام احمد رضا قادری کے دور میں اور ان سے قبل بھی بے شمار شعرا نے صنف نعت میں طبع آزمائی کی، اپنی تخیلات کے جوہر بکھیرے اور بہت سارے نعت گو شعرا نے نعتیہ شاعری میں اپنی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، اس کی ادبی و فنی جہتوں کو اجاگر کیا، لیکن رضاؔ بریلوی کے اشعار کو دیکھنے، باریک بینی سے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ نعتیں لکھیں بلکہ سوز دروں کو ساز بخشا اور عشق پنہاں کو نغمہ سرا بنا دیا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری [شعبہ اردو، کراچی یونیورسٹی، پاکستان] لکھتے ہیں:

"علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خان رضا بریلوی کا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے وہ مولانا حالی، مولانا شبلی، امیر مینائی اور اکبر الہ آبادی وغیرہ کے ہم عصروں میں تھے۔ ان کی شاعری کا محورِ خاص آں حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی، صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اور سلام سیرت کے جلسوں میں عام طور پر پڑھے اور سنے جاتے ہیں۔ (۱۲)

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ادب کا متقاضی ہے، جہاں ادب نہ ہو عشق کا دعویٰ ایک جھوٹی صدا کے سوا کچھ نہیں، ایک عاشق صادق اپنے محبوب کا بھی ادب کرتا ہے اور اس کی ذات سے منسوب ہر شے کا ادب کرتا ہے، امام احمد رضا ایک باادب محب رسول کا نام ہے ادب کے مظاہر ان کی پوری زندگی میں نظر آتے ہیں۔ دونوں اسفار حج کا لمحہ لمحہ اسی ادب کے اردگرد گھومتا ہے اور ان کی نعتیہ شاعری بھی انھیں آداب کا مرقع دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ ان کی شاعری کا محور بنتا ہے اور روضہ رسول ان کا حقیقی نقطہ نظر، شہر رسول کی گلیاں، ان گلیوں میں رہنے والے کتے، ان گلیوں کے گرد و غبار، اور بھی بہت سے منسوبات ہیں جو امام احمد رضا کی نگاہ میں قابل عزت اور لائق احترام ہیں، جبھی تو فرماتے ہیں:

رضاؔ! کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ، کہ اتنا دماغ لے کے چلے

مدینے کے خطے، خدا تجھ کو رکھے
غریبوں، فقیروں کو ٹھہرانے والے

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا؟
ارے! سر کا موقع ہے او جانے والے!

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

وسعت مطالعہ:

میں نے آغاز میں عرض کر دیا ہے کہ امام احمد رضا ایک کثیر المطالعہ اور قوی الحفظ انسان تھے، وہ کثرت سے مختلف موضوعات پر قدیم وجدید علماو محققین کی کتابیں پڑھتے بھی تھے اور یاد بھی رکھتے تھے۔ ان کی یاد داشت بہت اعلیٰ تھی، ان کے علمی استحضار کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ انھوں نے مظاہر قدرت کا گہرا مشاہدہ کیا تھا اور حقائق کے مطالعے میں تو انھیں سند کا درجہ حاصل ہے۔ قرآنیات، اسلامیات، تاریخ، سائنس، عہد وار سیرت نبوی، سیرت صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین، اولیاے کاملین، اور اقطاب جہاں کے احوال وافکار میں انھیں دل چسپی بھی تھی اور ان کا گہرا شعور بھی تھا۔ جس کے مظاہر ان کے فتاویٰ، علمی وفنی تحقیقات، اور شاعری میں نظر آتے ہیں۔ دور کیوں جائیے، ان کا تحریر کردہ "قصیدہ معراجیہ" ملاحظہ کر لیجیے، یہ نکتہ سمجھ میں آجائے گا۔ جہاں حقیقت کی جلوہ گری بھی ہے اور تخیل کی رنگارنگی بھی، گہرے مطالعے کی

چھاپ بھی ہے اور فکر عالی کی تب و تاب بھی۔ صرف چند اشعار دیکھیں :

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پہ جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
یہ جوت پڑتی تھی ان کے رخ کی، کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی ، جگہ جگہ نصب آئنے تھے
خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو وجد آ رہے تھے
وہی ہے اول ، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن ، وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے، اسی سے اس کی طرف گئے تھے

امام احمد رضا کی شاعری میں برجستگی، شگفتہ بیانی اور خوش سلیقگی کے نئے حقائق ملاحظہ کیجیے اور عش عش کر اٹھیے، انھوں نے اس مبارک صنف کو خوب صورت رنگ و آہنگ سے نوازا، اسلوب نگارش کے حیران کن جزئیات اور نادر نکات کو آشکار کیا اور عالم اسلام کے قوی المشاہدہ و کثیر المطالعہ عالم و شاعر بن کر نمودار ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعرانہ عظمت اور مہارت فن کا اعتراف اردو ادب کے محققین نے کیا ہے، آپ نے شاعری کے اسرار و رموز سے اپنی شاعری کو جلا بخشی ہے۔

چند شعری نمونے اور ملاحظہ کرلیں :

راہ عرفاں سے جو ہم نادیدہ رو محرم نہیں
مصطفی ہے مسند ارشاد پر کچھ غم نہیں
غنچے مَا اَوْحٰی کے جو چٹکے دَنٰی کے باغ میں
بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں
ایسا امی کس لیے منت کش استاذ ہو
کیا کفایت اس کو اِقْرَاْ رَبُّكَ الْاَكْرَمْ نہیں

علوم و فنون کی کہکشاں:

یہ بات بالکل سچ ہے کہ امام احمد رضا قادری نے جس فن کو بھی ہاتھ لگایا ہے معراج کمال کو پہنچا دیا ہے۔ پچپن سے زائد علوم و فنون میں کمال و تبحر رکھنے والا یہ عالم دین جب شاعری کرتا ہے تو اپنے اشعار میں

بھی علوم و فنون کی یہ کہکشاں سجا دیتا ہے، جہاں ادب مسکرا رہا ہوتا ہے اور فن عروج کا جوہر لٹا رہا ہوتا ہے۔ گویا یہاں علم بھی ہے، معرفت بھی، آگہی بھی ہے شعور بھی، تحقیق بھی ہے تنقید بھی، تجزیہ بھی ہے، تحسین بھی، علمی جلال بھی ہے اور فکری جمال بھی، زبان و بیان کا طمطراق بھی ہے اور شوخیِ اظہار بھی۔

شاعری میں یہی امام احمد رضا کی انفرادیت ہے کہ ان کا شعری سرمایہ اپنے قاری کو علم و فن کے الگ جہانوں میں پہنچا دیتا ہے، جس کی وجہ سے امام احمد رضا قادری کی شاعری دنیائے شعر و ادب میں اپنی الگ پہچان رکھتی ہے، اس میدان میں آپ کی پیش کردہ فکری و فنی تحقیقات قابل استفادہ بھی ہیں اور لائق تحسین بھی، تاریخ ادب و فن کا باب اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک امام احمد رضا کی اس میدان میں کی گئی کاوشوں کو زیر بحث نہ لایا جائے، متعصب اور تنگ نظر تاریخ نگار بھی بادلِ ناخواستہ اس امام کا تذکرہ فراموش نہیں کر سکتا۔ یار لوگوں نے کوشش کی مگر ناکام رہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفی خاں اس حقیقت کو یوں بے نقاب کرتے ہیں:

”اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشق رسول یعنی مولانا احمد رضا بریلوی کا ذکر بھی کر دیا جائے جس سے ہمارے ادبا نے ہمیشہ بے اعتنائی برتی ہے، حالاں کہ یہ غالباً واحد عالم دین ہیں جنھوں نے نظم و نثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگا دیے ہیں۔“ (۱۴)

امام احمد رضا نے اپنے اشعار میں علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ میں سائنس و فلسفہ، فلکیات، ارضیات، مائیات اور منطق و ریاضی کے مسائل شامل کیے ہیں اور گمراہ کن نظریات کا رد بلیغ بھی کیا ہے۔ بلا تبصرہ چند اشعار دیکھیں:

زبان فلسفی سے امن ”خرق والتیام“ اسرا
پناہِ دور رحمت ہائے یک ساعت تسلسل کا

ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ایک سینے تک مشابہ، اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے ”نیما“ نور کا

تیرے تو وصف عیب "تناہی" سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض "فروع "ہیں
"اصل الاصول" بندگی اس تاجور کی ہے

کعبہ بھی ہے انھیں کی تجلی کا ایک" ظل "
روشن انھیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے

"سعدین" کا قران ہے پہلوئے ماہ میں
جھرمٹ کیے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے

غایت و علت ، سبب ، بہر جہاں تم ہو سب
تم سے بَنا، تم بِنا ، تم پہ کروڑوں درود

سراغ اَین و متیٰ کہاں تھا، نشان کیف و اِلٰی کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی ، نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

محیط و مرکز میں فرق مشکل، رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

کمان امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اول وآخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو ، کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ ، قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ، روی تھی کیا ، کیسے قافیے تھے

ان اشعار کا مطالعہ بتاتا ہے کہ امام احمد رضا شاعری میں بھی مرتبہ امامت پہ فائز ہیں اور اعلیٰ فکر، عالی دماغ نعت گو شاعر ہیں۔

محاوروں کا استعمال:

امام احمد رضا قادری صرف ایک نعت گو شاعر نہیں، بلکہ عشق و محبت کے آداب و مطالبات کے آئینہ دار بھی تھے، ان کے نعتیہ اشعار صرف قلبی جذبات کا اظہار یہ ہی نہیں ہیں بلکہ ہر ہر شعر کو کوثر و تسنیم میں ڈھل کر، وارفتگیِ شوق کی عطر بیز چھاؤں میں پروان چڑھا کر اردو ادب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے، جس نے آپ کی سخن سنجی اور سخن گوئی کو ہر اعتبار سے نمایاں مقام عطا کیا اور عشق رسول کی تابانی نے انھیں فکر و فن کی بلندیوں پر پہنچادیا، جس کے مطالعہ نے واقعی فکر و فن کو مہمیز دیا اور دلوں کی دنیا میں عجب فضا ہموار کر دی اور شعری ماحول کو خوش گوار عناصر سے سجادیا۔ آپ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اردو ادب کا عظیم شاہ کار ہے، علمی و فنی اصطلاحات کا حسین گلدستہ ہے، ظاہری و باطنی حسن و دلکشی کا خوب صورت تاج محل اور قرآن و احادیث کی بے مثل ترجمانی کا منہ بولتا ثبوت اور نادر و نایاب پیرایۂ بیان اور لاجواب انداز تخاطب کا سرچشمہ ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''یہ ان کا کمال فن ہے کہ ان کی نعتوں میں مختلف علمی و فنی اصطلاحات و حوالہ جات سطح پر تیرتے پھرتے نظر آتے ہیں۔'' (۱۴)

''حدائق بخشش'' شعر و سخن کا ایک بیش بہا خزانہ ہے، فنی و ادبی آرائش و زیبائش کا انمول موتی، معرفت شعری کا گنجینہ، عقائد و اعمال کی درستی و عمدگی کا سرمایہ اور عشق و محبت کی سبق آموزی کا مایہ ناز استاد ہے۔ ساتھ ہی اس میں محاروں کی ایک کہکشاں سجی ہوئی ہے اور ان کا مطالعہ کرنے والا ایک عجیب شعری و فکری سحر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

محاورہ کسی بھی زبان کی جان ہوتا ہے، جس کے بغیر اس زبان کی تفہیم ممکن ہی نہیں، اور امام احمد رضا قادری تو عربی، فارسی، اردو ہندی چار اہم زبانوں کے محاورات، تشبیہات، کنایات، مجازات اور ضرب الامثال سے نہ صرف کماحقہ واقف تھے بلکہ انھیں برجستہ اپنی نثری و شعری تحریروں میں استعمال بھی کرتے

تھے۔ اور کہیں یکجا ان کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان کی مشہور زمانہ نعت ''لم یات نظیرک فی نظر، مثل تو نہ شد پیدا جانا'' کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

محاورہ کسی بھی زبان میں ایک اہم وسیلہ اظہار ہے، ہم اس کے ذریعہ اپنی بات کو پر اثر اور حسین بنا سکتے ہیں اور پھر نثری تحریر ہو یا نظم اس میں ادبی جمالیات در آتے ہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اس کا استعمال انتہائی مہارت چاہتا ہے ورنہ قاری کو گراں بھی گزرے گا اور تحریر کی سلاست کو خطرہ بھی لاحق ہو جائے گا۔ گویا محاورہ اہم ضرور ہے لیکن اس کا استعمال نازک ہے۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے اپنی شاعری میں جا بجا علمی و ادبی محاوروں کا استعمال کیا ہے اور اس نازک راہ سے سلامت روی کے ساتھ گزر بھی گئے ہیں کہ نہ شعر کی بُنَت متاثر ہوئی ہے نہ اس کی روانی میں کوئی حرف آیا ہے۔ ثبوت کے لیے امام احمد رضا کے شعری مجموعہ ''حدائق بخشش'' کا مطالعہ کافی ہوگا۔ ''واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا''، ''واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا''، ''صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا'' اور ''وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں'' جیسے مشہور زمانہ نعتیہ و منقبتی کلام میں انھیں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقالہ ان کی تفصیل کا متحمل نہیں۔ اس موضوع پر ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے ایک مستقل رسالہ قلم بند کیا تھا جو نوری مشن مالیگاؤں سے چھپ چکا ہے۔

منظوم فتویٰ نویسی :

امام احمد رضا قادری قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار علوم و فنون کا بحر ذخار بنایا تھا، لیکن انھیں زیادہ رغبت علم ''فقہ'' سے تھی۔ علم فقہ میں آپ کی مہارت و حذاقت کی بہترین مثال ''فتاویٰ رضویہ'' ہے جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور امام احمد رضا کی شہرت و مقبولیت کا سب سے بڑا نشان امتیاز بھی یہی فتاویٰ ہیں۔ لیکن یہ فتاویٰ جہاں ان کی علم فقہ میں مہارت کو نمایاں کرتے ہیں وہیں ان کے ایک قادر الکلام شاعر ہونے کا اشارہ بھی دیتے ہیں جسے ان فتاویٰ میں تلاش کیا جا سکتا ہے جو منظوم شکل میں ہیں۔ یہ ان کا کمال فن ہے کہ سائل نے جس انداز و ہیئت میں ان سے سوال کیا ہے اسی طرز کا جواب بھی دیا گیا ہے، نثری استفتا کا جواب نثر میں اور منظوم کا نظم میں، عربی کا عربی میں، اردو کا اردو اور فارسی کا فارسی میں۔ جیسا کہ ان نمونوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ چناں چہ نواب سلطان احمد خاں بریلوی نے اردو نظم میں مسئلہ پوچھا تو آپ نے یوں جواب دیا :

ترجمہ بھی اصل سا ہے وجہ سجدہ بالیقیں
فرق یہ ہے فہم معنی اِس میں شرط، اُس میں نہیں

آیت سجدہ سنی ، جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے ، نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہیے
نظم و معنی دو ہیں ، ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہ یہ صادق ہو ، سنا قرآن کو
ورنہ اک موج ہوا تھی ، چھو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب ، بہ یُفْتٰی،علیہ الاعتماد
شامی از فیض و نہر واللہ اعلم بالرشاد

نظم فارسی میں استفتا ہوا تو جواب بھی منظوم فارسی زبان میں دیا گیا، لکھتے ہیں :

مسلماں را سزا لازم کہ کر دست
کہ قول اعتزالی ظالم است
وگر یابد سزا کامل نیابد
کہ عفوش بہر مومن لازم است

بطور نمونہ فارسی اور اردو کے دو فتووں کے چند اشعار پیش کیے گئے ہیں، اس سے شعر گوئی میں امام احمد رضا کی اعلیٰ مہارت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ جواب استفتا میں سائل کی نفسیات سے کس قدر آگاہ تھے اور اس کی طرز گفتگو کا کس طرح خیال رکھتے تھے، بلکہ فتاویٰ رضویہ میں ایک فتویٰ انگریزی زبان میں ہے جس کے سائل نے انگریزی میں استفتا کیا تھا۔ جواب انگریزی میں ترجمہ کرا کے ارسال ہوا۔

صنعتوں کا استعمال:

پروفیسر غفور شاہ قاسم [میاں والی] رقم طراز ہیں:

"تین جلدوں پر مشتمل اعلیٰ حضرت کا نعتیہ مجموعہ کلام "حدائق بخشش" نہ صرف فکری اور موضوعاتی سطح پر خاصے کی چیز ہے بلکہ فنی حوالے سے بھی اس کا کوئی جواب نہیں، خیالات کی گہرائی اور گیرائی، وسعت اور پھیلاؤ، زبان کی روانی اور سلاست، تشبیہات و استعارات، لفظی و معنوی صنائع و بدائع ہر

حوالے سے حدائق بخشش فن کا معجزہ اور سرچشمۂ فیض ہے۔ ان کا یہ مجموعۂ کلام اردو کے علاوہ فارسی اور ہندی زبان پر بھی ان کے کامل عبور اور دسترس کی ناقابل تردید مثال ہے، مولانا کی پرواز تخیل، رفعت فکر اور قدرت کلام ان کی لکھی نعت کے ہر شعر سے عیاں ہے۔" (۱۶)

آپ نے اپنے اشعار میں صنعات کا بھی بر محل استعمال کیا، پیکر تراشی میں تو بہت آگے نکل گئے، "قصیدۂ نور" اور "قصیدۂ سلامیہ" جس کا واضح ثبوت ہیں۔ امام احمد رضا قادری نے "قصیدہ نور" میں کثرت سے قافیوں کا استعمال کیا ہے، اور حسن مطلع کے استعمال میں ایک ایسا ریکارڈ قائم کیا ہے جس تک اردو کا کوئی شاعر نہیں پہنچ سکا۔ قصیدہ نور کا مطلع ہے:

صبح طیبہ میں ہوئی ، بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اور حسن مطلع یہ شعر ہے:

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

یہ حسن مطلع ایک کامیاب شعری تسلسل کے ساتھ اس شعر پہ ختم ہوتا ہے:

یہ جو مہر و مہ پہ اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

گویا چھیالیس [۴۶] اشعار حسن مطلع کے امام احمد رضا قادری نے قلم بند فرمائے ہیں۔

صنائع، بدائع شاعری کے ماتھے کا جھومر ہیں، جن کے استعمال سے شعر میں جان پڑ جاتی ہے اور اس کا ظاہری و معنوی حسن نکھر جاتا ہے۔ تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کی دنیا ہی الگ ہے جہاں رنگا رنگ فکری و فنی، ادبی و لسانی جلوہ طرازیاں ہیں اور جمال و کمال کی سحر کاریاں بھی۔ امام احمد رضا قادری نے خوب صورت صنعتوں کا استعمال کر کے اپنی شاعری کو مستند کیا ہے۔

ڈاکٹر جوہر میاں شفیع آبادی رقم طراز ہیں :

"اساتذۂ قدیم کے کلام میں صنائع بدائع کا استعمال ضروری سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ان کے یہاں بکثرت اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت بریلوی نے بھی اپنے کلام میں ان صنائع بدائع کو کافی جگہ دی ہے۔ ایک تو روایت کی پاسداری مقصود تھی، دوسرے یہ کہ ان صنعتوں کے استعمال سے کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے،

تیسرے یہ کہ اس سے اس امر کا بھی ثبوت فراہم ہو جاتا ہے کہ شاعر کو زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔ حضرت رضا بریلوی کا کمال فن یہ ہے کہ ان صنعتوں کے استعمال میں انھوں نے کہیں تکلف سے کام نہیں لیا اور ہر جگہ اعتدال و توازن کا لحاظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صنائع کے استعمال کے باوجود ان کے یہاں شعری حسن مجروح نہیں ہوا ہے بلکہ ان کی فنی آب و تاب دو آتشہ ہو گئی ہے۔"(۱۷)

تشبیہ، رعایت لفظی:

شاخ قامت شہ میں زلف و چشم و رخسار و لب ہیں
سنبل نرگس گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ

تشبیہ، استعارہ، رعایت لفظی:

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

امام احمد رضا قادری کی شاعری میں صنعتِ اقتباس، صنعتِ تضاد، صنعت لف و نشر، صنعتِ مراعات النظیر، صنعتِ ترصیع، صنعت مقابلہ، صنعت سیاق الاعداد وغیرہ ایسی کئی صنعتیں ہیں جن کے استعمال سے شعر میں عجب شان پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی فنی جلوہ گری کی مثالیں اردو شعر و ادب میں کم یاب ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں :

صنعت اقتباس:

اتنی رحمت رضاؔ پہ کر لو لَا یَقْرَبُہُ البَوَار آقا

صنعت تضاد:

دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم

لف و نشر مرتب:

مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمرِ جاوداں
زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ مسیحائی دوست

مراعاۃ النظیر:

اُحد پاک کی چوٹی سے الجھ لے شب بھر
صبح ہونے دو شبِ عید نے ہارے گیسو

صنعت ترصیع:

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

صنعت مقابلہ:

خوار و بیمار و خطا وار و گنہگار ہوں میں
رافع ونافع وشافع لقب آقا تیرا

صنعت سیاق الاعداد:

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

صنعت اشتقاق:

شر خیر، شور سَور، شرر دور، نار نور
بشریٰ کہ بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے

آپ کے یہاں نہ صرف فنی بلکہ موضوعاتی سطح پر بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ تاریخ شعر وادب میں تنقیدی کسوٹی پر پرکھا جائے تو امام احمد رضا قادری ایک بلند و برتر مقام پہ فائز نظر آئیں گے۔ اس ضمن میں مولانا شمس بریلوی کا اقتباس پیشِ خدمت ہے:

''مجھے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت رضا کے کلام کو اگر آپ اس نقطۂ نظر یعنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ علمِ معانی وبیان، صرف ونحو حضرت رضا کے بحرِ علم کے چند قطرے ہیں۔'' (۱۸)

شعری اصناف میں نعت گوئی:

آپ نے کئی زبان میں اشعار قلم بند کیے لیکن آپ کے اردو کلام سے بھی صحیح معنوں میں وہی لطف اندوز ہو سکتا ہے جسے عربی، فارسی پر عبور ہو اور اس کی اچھی سوجھ بوجھ رکھتا ہو، ایک دو فن ہی نہیں بلکہ بے شمار دقیق سے دقیق فنون وعلوم کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور ان کے ذریعہ نعت نگاری کو برتا، سیرت نگاری کی، مدح سرائی کی، نعتیہ ادب میں ''حدائق بخشش'' کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، جس نے آپ کا مرتبہ ومقام ہر نعت گو شاعر سے بلند تر کر دیا۔

ڈاکٹر لطیف حسین ادیب اپنی کتاب ''تذکرہ نعت گویان بریلی'' میں لکھتے ہیں :

''آپ بلند پایہ نعت گو تھے، تمام عمر صرف نعت لکھی، شعر کی ہر قسم میں نعت لکھی، طبیعت میں خاصی جدت تھی، جس کو ان کے علم وفضل سے سہارا ملا، بلاغت کلام کے علاوہ نئی زمینوں میں اشعار لکھے، طبیعت کی موزونی نے کلام کو شعریت و تاثیر بخشی۔'' (۱۱۹)

چوں کہ نعت کی کوئی مستقل شعری ہیئت متعیّن نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ کہ نعت گوئی کے لیے نظم ضروری ہی نہیں، نثر میں بھی یہ مقدس کام کیا جاسکتا ہے، بلکہ لاجواب نثری نعتیں تاریخ ادب کا حصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا نے نعت گوئی میں مختلف شعری اصناف کو برتا ہے اور غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، مستزاد، قطعہ وغیرہ صنفوں اور ہیئتوں میں ان کا نعتیہ کلام ملتا ہے۔

صنف غزل میں نعت:

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو
دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں
کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

صنف قصیدہ میں نعت:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارا نور کا

صنف مثنوی میں نعت:

گریۂ کن بلبلا از رنج وغم
چاک کن اے گل گریباں از الم
سنبلا از سینہ بر کش آہِ سرد
اے قمر از فرط غم شو روئے زرد
ہاں صنوبر خیز و فریادے بکن
طوطیا جز نالہ ترک ہر سخن

صنف رباعی میں نعت:

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ
اِن سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

ایک اور رباعی ملاحظہ فرمائیں جو ایک مشہور مثل سے سجی ہوئی ہے:

ہر جا ہے بلندی فلک کا مذکور
شاید ابھی دیکھے نہیں طیبہ کے قصور
انسان کو انصاف کا بھی پاس نہیں
گو دور کے ڈھول ہیں سہانے مشہور

صنف مستزاد میں نعت:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتاتا
تجھے حمد ہے خدایا
تمھیں حاکم برایا، تمھیں قاسم عطایا
تمھیں دافع بلایا، تمھیں شافع خطایا

کوئی تم سا کون آیا
کبھی خندہ زیر لب ہے ، کبھی گریہ ساری شب ہے
کبھی غم ، کبھی طرب ہے، نہ سبب سمجھ میں آیا
نہ اسی نے کچھ بتایا

صنف قطعہ میں نعت:

عالم ہمہ صورت اگر جاناں ہے تو، تو ہے
سب ذرے ہیں گر مہر درخشاں ہے تو، تو ہے
پروانہ کوئی شمع کا ، بلبل کوئی گل کا
اللہ ہے شاہد ، مرا جاناں ہے تو ، تو ہے
طالب میں ترا ، غیر سے ہرگز نہیں کچھ کام
گردیں ہے تو، تو ہے ، ایماں ہے تو، تو ہے

اچھوتی ردیفیں:

امام احمد رضا نے اپنی شاعری میں مختلف کامیاب شعری محاسن کو سمونے کی کوشش فرمائی ہے۔ لفظوں کا انتخاب، تراکیب کی ندرت، خیال بندی، شوخی ادا، طرز جدید، سب کچھ بالکل انوکھا اور اجتہادی نظر آتا ہے۔ طویل کلاموں میں عمدہ اور معنی خیز قوافی کی ایک کہکشاں چمک رہی ہے۔ ان کے مشہور زمانہ سلام ''مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام''معروف عالم مناجات ''یا الٰہی ! ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو''اور ممتاز عربی و فارسی قصائد میں یہ حقیقت پوری طرح جلوہ گر ہے۔ قوافی کے حسن انتخاب کے ساتھ انھوں نے مشکل اور اچھوتی ردیفوں کو بھی استعمال کیا ہے اور اپنی قادر الکلامی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں :

پھر کے گلی گلی تباہ ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا ، تیری گلی سے جائے کیوں

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحی، ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

پوچھتے کیا ہو عرش پہ یوں گئے مصطفی کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری، واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری، واہ واہ

پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلان عرب
پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابان عرب

جو بنوں پر ہے بہار چمن آرائی دوست
خلد کا نام نہ لے بلبل شیدائی دوست
نارِ دوزخ کو چمن کر دے بہارِ عارض
ظلمت حشر کو دن کر دے نہار عارض

تمھارے ذرے کے پرتو ستارہائے فلک
تمھارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثال گل
پامال جلوۂ کف پا ہے جمال گل

سرتا بہ قدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

عشق مولیٰ میں خوں بار کنار دامن
یا خدا جلد کہیں آئے بہار دامن

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ

حقیقت آمیز تخیل:

شعر کلام موزوں متخیل ہی کو کہتے ہیں، بلند خیال نہ ہو شعر تک بندی لگتا ہے، اسی طرح مضمون آفرینی بھی ہے۔ شاعر کا تخیل جس قدر بلند ہوتا ہے وہ اتنا ہی بڑا شاعر مانا جاتا ہے، غالب و اقبال، میر و درد کا نام کیوں ہے؟ انھوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں اعلیٰ فکر پیش کی اور ان کی خیال آوری کا کوئی جواب نہ ملا۔ امام احمد رضا قادری بھی خیال بندی اور مقدس فکر کی پیش کش میں بلند مقام رکھتے ہیں، انھوں نے ”نعت“ کی پر خطر راہ چلتے ہوئے بھی بہت اونچا خیال پیش کیا جو ان کی ندرت بیان کی مثال بن گیا۔ امام احمد رضا کی خیال بندی اور مضمون آفرینی سے متعلق جناب نظیر لدھیانوی لکھتے ہیں:

”غزل گو شاعر ہو یا نعت گو، اس کا تخیل عموماً مضامین کے محدود دائرے میں گھومتا ہے، وہ بہ تبدیلی الفاظ ایک ہی مضمون کو بار بار بیان کرتا ہے۔ نعت گو شعرا میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے اشعار میں ندرت ہے، چوں کہ انھوں نے نعت گوئی بقول خود قرآن مجید سے سیکھی ہے اس لیے انھوں نے حضور [صلی اللہ علیہ وسلم] کی صفات کو قرآن کریم کی روشنی میں نئے نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ عام طور سے مضمون آفرینی شعرا کے شعر کو مشکل بنا دیتی ہے، کبھی وہ مضمون کی تلاش میں اتنا اونچا

اڑتے ہیں کہ نظروں سے غائب ہوجاتے ہیں، یعنی کلام مہمل ہو کر رہ جاتا ہے، مگر مولانا کے کلام میں یہ نقص کہیں نہیں پیدا ہوا ہے۔ انھوں نے نہایت نازک مضامین عام فہم انداز میں بیان کیے ہیں۔"(۲۰)

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری حقیقت آمیز تخیل کی واضح مثال ہے۔ یہاں نہ سچائی کا قتل عام ہوا، نہ الفاظ کا تقدس پامال دکھائی دیتا ہے، جو کچھ ہے نکھرا، نکھرا، ستھرا، ستھرا ہے۔ ہر شعر شریعت کی حد میں ہے، اور کمال یہ کہ نہ اس کی شعریت میں کوئی فرق واقع ہوا ہے، نہ سلاست و روانی اور بحر کی ترنم ریزی میں کچھ خلل ہے۔ یقین نہ آئے تو یہ نمونے ملاحظہ کرلیں:

لحد میں عشق رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے
تمھارے وصف جمال وکمال میں جبریل
محال ہے کہ مجال ومساغ لے کے چلے

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہی چار پھرتے ہیں
انبیا کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

آپ کی علمی وادبی تحقیقات پر ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے، کلام رضاؔ پر مختلف انداز میں تشریح وتفہیم کا کام بھی انجام دیا جا رہا ہے، مشہور ادیب، محقق ومترجم علامہ شمس بریلوی [م: ۱۹۹۷ء]، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی [۲۰۱۱ء]، مولانا فیض احمد اویسی [۲۰۱۰ء]، صوفی اول رضوی، مفتی محمد خان قادری، مولانا وارث جمال قادری، مولانا عبدالستار ہمدانی وغیرہم نے مقالات اور مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مولانا فیض احمد اویسی

نے حدائق بخشش کی مکمل شرح پچیس [۲۵] جلدوں میں فرمائی ہے۔ بالکل سچی بات شارح کلام رضا احسن العلماء حضرت مولانا سید مصطفی حیدر حسن مارہروی علیہ الرحمہ نے کہی ہے:

''محدث بریلوی کے ایک ایک شعر پر ڈاکٹریٹ کیا جا سکتا ہے۔''(۲۱)

حقیقت تو یہ کہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی نعت گوئی سے نعتیہ شاعری کے ایک دبستاں کی تشکیل ہوئی اور اس کے بعد شعرا کی ایک جماعت انھی کے نقوش فکر کو اپناتے ہوئے آج تک نعتیہ ادب کے فروغ میں گراں قدر خدمت انجام دے رہی ہے۔

شعر و فن کے فروغ میں آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اردو نعت کے ایک محقق محترم ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے، کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے، انھوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں، بلکہ ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستاں کی تشکیل ہوئی۔''(۲۲)

☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات:

(۱)مولانا عبدالستار ہمدانی، فن شاعری اور حسان الہند، تقریظ، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص:۳۵
(۲)مولانا عبدالستار ہمدانی، عرفانِ رضا، تقریظِ جلیل، رضا دارالمطالعہ سیتامڑھی، ص:۱۳۱
(۳)پروفیسر مسعود احمد، امام اہل سنت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص:۳۸
(۴)ڈاکٹر مسعود احمد، حیات امام اہل سنت، مرکزی مجلس رضا، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص:۳۹
(۵)زبیر قادری، سہ ماہی افکار رضا، ممبئی، اکتوبر تا دسمبر، ۲۰۰۵ء، ص:۶۷
(۶)المیزان، بمبئی، امام احمد رضا نمبر، ۱۹۷۶ء، ص:۴۳۳، ۴۳۴
(۷)مولانا مصطفی رضا نوری، الملفوظ، حصہ دوم، ص:۴۰، ج:۲
(۸)مولانا مصطفی رضا نوری، الملفوظ، حصہ دوم، ص:۱۷۵، ج:۲
(۹)سال نامہ اہل سنت کی آواز، مارہرہ شریف، اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص:۳۰۵، ۳۰۶
(۱۰)پروفیسر محمد مسعود احمد، کراچی، عاشق رسول، کراچی /مالیگاؤں ص:۹
(۱۱)مولانا بدرالدین رضوی، سوانح اعلیٰ حضرت، ص:۲۶۰
(۱۲)ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو کی نعتیہ شاعری، طبع آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص:۸۶
(۱۳)راجا رشید محمود، اقبال و احمد رضا، اعجاز بک ڈپو، کولکاتا، ۱۹۸۲ء، ص:۲۳
(۱۴)معارف رضا کراچی، شمارہ ۱۶، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۴/ تاریخ مشائخ قادریہ، ص:۳۸۵، ج:۲
(۱۶)سید صبیح رحمانی، نعت رنگ، اعلیٰ حضرت نمبر، شمارہ:۱۸، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص:۲۶۱
(۱۷)ڈاکٹر جوہر میاں شفیع آبادی، حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت، ص:۱۰۵، ۱۰۴
(۱۸)مولانا شمس بریلوی، کلام امام احمد رضا: تحقیقی اور ادبی جائزہ، ص:۱۹۸
(۱۹) ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب، تذکرہ نعت گویان بریلی، طبع بریلی، ۱۹۸۶ء، ص:۶۳
(۲۰)ڈاکٹر سراج احمد قادری، امام احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری، لاہور، نومبر ۲۰۰۰ء، ص:۱۸۴
(۲۱)پروفیسر مسعود احمد، محدث بریلوی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، ص:۸۵
(۲۲)سید صبیح رحمانی، نعت رنگ، اعلیٰ حضرت نمبر، شمارہ:۱۸، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص:۴۳۔

امام احمد رضا اور نعت رسول ﷺ

محترمہ نوری صبا ایوبی
جامعہ ایوب نسواں، پپراکنک، کشی نگر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مافی الضمیر کی ادائیگی کے گوناگوں طریقے ہیں جن کو اولا دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک حصہ نثر کہلاتا ہے دوسرا حصہ نظم کہلاتا ہے پھران دونوں کی بھی متعدّد قسمیں موجود ہیں جن میں سے کسی کو بھی اختیار کر کے آدمی اپنے دل کی بات کا اظہار کرتا رہتا ہے لیکن جو اثراندازی اور سحر انگیزی نظم کے طریقے میں آئی ہے اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نظم کے طریقے بھی کئی ایک ہیں جن میں سے غزل، قصیدہ، منقبت، حمد اور نعت وغیرہ مشہور ہیں۔ اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے تعبیر کے دونوں طریقوں (نثر و نظم) کو بحسن وخوبی نبھایا ہے اور صنف نعت میں وہ جلوہ دکھایا ہے کہ جس کی نظیر تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

نعت کا لغوی معنی مدح، ثنا، تعریف وتوصیف کرنا ہے۔ نعت کا اصطلاحی معنی نبی آخر الزماں ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار کہنا۔

نظم کے تمام اقسام میں نعت بہت ہی مشکل فن ہے۔ اصناف سخن اور فن شاعری میں مکمل مہارت حاصل ہونے کے باوجود اس وادی میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ اس میں ہر قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر حد سے بڑھتا ہے تو الوہیت کی تجلی سپر دخاک کر دیتی ہے اور اگر کمی کرتا ہے تو شان رسول میں کمی کرنے اور ایمان وعمل کے حبط کا باعث بنتی ہے اس کے لیے جذبۂ اخلاص وعقیدت کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف کی بھی سخت ضرورت ہے۔ نعت سرور کائنات ﷺ بڑے ہوش وحواس کا کام ہے نعت کی پہلی شرط دل کا عشق رسول ﷺ سے معمور ہونا ہے اور فصاحت وبلاغت، حلاوت وملاحت، نزاکت اور شاعری کے جملہ اصول کلیہ یہ بعد کی چیز ہیں۔ امام عشق ومحبت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حقیقۃً نعت رسول ﷺ لکھنا بہت ہی مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہوتا ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے غرض حمد میں ایک جانب اصلا کوئی حد نہیں ہوتی اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔ (الملفوظ حصہ دوم ص ۴۶)

آپ دیگر شاعروں کی طرح دن بھر شاعری میں مشغول نہیں رہتے تھے بلکہ جب آپ کو آقائے دو عالم ﷺ خاتم النبیین، امام المرسلین، طٰہٰ ویسین، ﷺ کی یاد تڑپاتی تو اپنے دل کی تسکین کے لیے حضور ﷺ کی شان میں نعت شریف تحریر فرماتے۔ آپ کا کلام انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ بھٹکے ہوؤں کے لیے ہدایت ہے آپ کا کلام دنیاوی لذت وآرائش سے پاک ہے۔ آپ کا نعتیہ دیوان **"حدائق بخشش"** حمد و نعت، سلام و منقبت، عشق و محبت، آیات واحادیث وغیرہ کا ایک بہترین ذخیرہ ہے جس کی وسعت کا اندازہ کرنا ہم جیسی ناچیز کے بس کی بات نہیں بلکہ اہل بصیرت کا ہی کام ہے۔ آپ کے کلام کے ہر شعر سے عشق رسول ﷺ کی خوشبو پھوٹتی ہے۔

آپ دنیا کے کسی تاجدار کو تاجدار کہنا غلامی رسول کی توہین سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی کسی امیر، بادشاہ، نواب، حاکم وغیرہ کی مدح سرائی نہیں کی۔ ایک بار نواب ریاست نانپارہ (ضلع بہرائچ شریف یوپی) کی مدح میں شاعروں نے قصائد لکھے کچھ لوگوں نے آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ حضرت آپ بھی نواب کی مدح میں کوئی قصیدہ لکھ دیں اس کے جواب میں آپ نے ایک نعت لکھی جس کا مطلع یہ ہے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

آپ کا کلام مجازی حسن وعشق کی شاعری اور دیگر شوقیانہ خیالات سے بالکل پاک ہے۔ آپ کا ذوق سخن احترام شریعت کا آئینہ دار رہا ہے۔ نعت گوئی کا درس آپ نے قرآن کریم سے حاصل کیا۔ چنانچہ ایک رباعی میں آپ خود فرماتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ | بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی | یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

(حدائق بخشش حصہ دوئم ص ۳۱۷)

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ سرور کائنات بہ نفس نفیس حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

لیے مسجد نبوی میں منبر کا اہتمام فرماتے تھے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ منبر رسول ﷺ پر رسول محترم ﷺ کے سامنے جھوم جھوم کر آپ کی تعریف کرتے اور سناتے

واحسن منك لم تر قط عيني   واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرأ من كل عيب   كانك قد خلقت كما تشاء

یہی نہیں بلکہ سیرت کی کتابوں نے اس کا بھی اقرار کیا ہے کہ سرکار علیہ السلام حضرت حسان کی زبان سے بھرے مجمع میں اچھی تعریف سن کر بے پناہ خوش ہوے اور ان کے لیے دعا کی:

اللهم ايده بروح القدس یعنی اے میرے رب توروح القدس کے ذریعے ان کی مدد فرما۔

اسی عشق و محبت کو اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے اندر دیکھ کر ان کو حسان الہند کہا جاتا ہے۔ اب ذیل کی سطور میں حسان الہند امام احمد رضا قدس سرہ کی نعتیہ شاعری کے نمونے اور ان کی قرآن وحادیث سے تائید و توضیح پیش کرتے ہیں۔

نعت رسول میں قرآنی جھلکیاں

اعلی حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ﴿۴﴾ کا ہے سایہ تجھ پر   بول بالا ہے ترا، ذکر اونچا تیرا

اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے اس شعر میں قرآن کی آیت "وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ﴿۴﴾" (سورہ الم نشرح، آیت: ۴) اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کیا۔ (کنزالایمان) کو جس انداز سے مربوط کیا ہے وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ اس شعر میں حضور ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوے کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ پر "وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ﴿۴﴾" کا سایہ فرمایا ہے اور یا رسول اللہ ﷺ آپ کا ساری دنیا میں بول بالا ہے سبھی آپ کا ذکر کرتے ہیں اور آپ کا ذکر سب سے اونچا ہے۔

اعلی حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحی تیرے چہرۂ نور فزا کی قسم

قسم شب تاریک میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

قرآن مجید جو "وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰىهَا ۪ۙ﴿۱﴾" اور "وَ الضُّحٰی ۙ﴿۱﴾" کا لفظ واقع ہے۔ ان میں حضور ﷺ

کا چہرۂ اقدس مراد ہے یعنی اللہ تعالی نے شمس و ضحی ہر دونوں لفظ سے اپنے محبوب کریم رؤف رحیم ﷺ کے چہرۂ نورانی کی قسم یاد فرمائی ہے۔

قرآن میں ہے : ''وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝'' (سورۃ الضحی آیت :۱، ۲) ترجمہ: چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے۔

احادیث صحیحہ میں آپکے چہرۂ انور کو سورج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: مارأیت شئیا أحسن من رسول اللہ ﷺ کأن الشمس تجری فی وجھه. (رواہ الترمذی، مشکوۃ المصابیح باب اسماء النبی ﷺ وصفاتہ، ص:۵۱۸)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے چہرۂ انور میں سورج تیر رہا ہے۔

اعلی حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کہا
کوئی تجھ سا نہ ہوا نہ ہوگا شہا تیرے خالق حسن وادا کی قسم

حل لغات: خلق: طبعی خصلتیں، عادت، مروت اس کی جمع اخلاق ہے۔ خلق: بالفتح ظاہری شکل وصورت یعنی اے محبوب دوعالم ﷺ اللہ تعالی نے آپ کے خلق کو عظیم اور آپ کی شکل کو جمیل فرمایا ہے اور آپ جیسا نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ ہوگا اللہ تعالی نے آپ کے خلق کو عظیم اور آپ کے خلق کو یعنی صورت مبا کہ کو جمیل کہنا مندرجہ ذیل دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے۔

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (سورہ قلم آیت:۴)

ترجمہ: اور بے شک تمھاری خو بڑی شان کی ہے۔

''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝'' (سورہ تین، آیت ۴)

ترجمہ: بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔

پہلی آیت میں جملہ مفسرین متفق ہیں کہ یہ خطاب صرف حضور ﷺ سے مخصوص ہے اور آپ ہی اس کے مصداق ہیں آپ کے سوا اور خلق عظیم کسی اور کے ساتھ متّصف نہیں۔ دوسری آیت میں بھی الانسان سے بعض مفسرین نے حضور ﷺ کی ذات پاک مراد لی ہے۔

تفسیر خلق عظیم: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سعد بن ہشام بن عامر نے جب حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا کہ کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ حضرت سعد نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا خُلق قرآن ہے۔ (رواہ مسلم، نور الانوار بحث ادلۃ الشرع واصولہ، ص:٦)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر محامد اخلاق مذکور ہیں وہ سب نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ میں بدرجۂ اتم موجود تھے آپ کا مرتبہ تمام مخلوق یہاں تک کہ انبیا علیہم السلام سے بڑھا ہوا ہے۔ سیدنا امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فاق النبیین فی خلق وفی خلق ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

حضور ﷺ حسن صورت وحسن سیرت میں جملہ انبیا علیہم السلام پر فائق ہیں کوئی بھی نبی آپ کے مرتبہ معرفت وسخاوت تک نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کی خلق بالفتح: تخلیق یعنی پیدائش کو اللہ تعالی نے جمیل فرمایا مثلاً آپ شکم مادر میں تھے تو والدہ ماجدہ کو تکلیف نہ ہوئی آپ ناف بریدہ پیدا ہوے۔ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں آپ صاف ستھرے پیدا ہوے دوسرے بچوں کی طرح خون آلود نہ تھے آپ سے اس وقت نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات نظر آنے لگے دیوان کسری کے چودہ کنگرے گر گئے آتش کدہ فارس سرد ہو گیا جو ہزار سال سے روشن تھا۔ بت اوندھے منھ گر گئے کعبہ وجد کرنے لگا۔

اعلی حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

انت فیہم نے لیا عدو کو بھی دامن میں
عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ شعر قرآن کریم کے اس آیت کی طرف مشیر ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط" (سورہ انفال آیت: ۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔

اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ اس شعر میں حضور ﷺ کی رحمت کے بارے میں بیان فرماتے ہوے کہتے ہیں کہ دنیا میں آپ کی تشریف ارزانی کا فائدہ کفار کو بھی ملا کہ آپ کے وجودِ گرامی کے باعث ان پر وہ عذاب نہ آیا جو گزشتہ قوموں کے منکرین پر آتا تھا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے اس شعر میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

"لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾". (سورہ بلد آیت: ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ (کنزالایمان)

کلام: یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف وَ قِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ (سورہ زخرف، آیت: ۸۸) ترجمہ: مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔

بقا: یہ مشیر ہے اس آیت کی طرف "لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۲﴾" (سورہ حجر آیت: ۷۲)

ترجمہ: اے محبوب! تمھاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔ (کنزالایمان)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ اس شعر میں بیان فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ رفعت و بلندی وہ شان و شوکت عطا کی ہے جو نہ آج تک کسی کو ملی اور نہ ہی صبح قیامت تک کسی کو ملے گی جس کی شہادت قرآن مجید خود دے رہا ہے۔ قرآن مجید میں حضور ﷺ کی رفعت و بلندی کا ذکر ہے قرآن آپ ﷺ کے شہر و کلام اور بقا کی قسم کھا رہا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

اس شعر میں امام اہل سنت فرماتے ہیں کہ دونوں جہان کے لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔ یہ شعر اس آیت مبارکہ کی طرف مشیر ہے:

ولسوف يعطيك ربك فترضى (سورۃ الضحیٰ آیت :۵) ترجمہ: اور بے شک قریب ہے کہ تمھارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے

اعلیٰ حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

امام اہل سنت اس شعر میں مندرجہ ذیل آیت کی ترجمانی فرماتے ہیں:

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك (سورۃ النساء آیت: ۶۴) ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی

جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمھارے حضور حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے بخشش چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا، مہربان پائیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے گناہوں کی مغفرت کا نسخہ آپ کے دربار کی حاضری اور آپ کی شفاعت کو بتایا ہے اسی کے مطابق مجرم حاضر دربار ہوتے ہیں تو یہ از خود نہ آئے بلکہ بلانے پر حاضر ہوئے۔ پھر کریموں کی یہ شان کہاں کہ بلا کر محروم کردیں۔ بلانے پر آئے ہیں تو بامراد ہو کر ہی لوٹیں گے۔

نعت رسول میں حدیث کی جھلکیاں

اعلیٰ حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا روروکے مصطفی نے دریا بہادیے ہیں

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عبد الله بن عمرو بن العاص عن النبي ﷺ أنه رفع يديه وقال اللهم أمتي أمتي وبكى فقال الله عز وجل يا جبرئيل اذهب إلى محمد وربك اعلم فاسئله ما يبكيك فاتاه جبرئيل عليه السلام فسئله فاخبره رسول الله ﷺ بما قال وهو اعلم فقال الله تعالى عز وجل يا جبرئيل اذهب الى محمد فقل انا سنرضيك فى امتك ولا نسوءك.
(مسلم شریف ج ۱، باب دعاء النبی ﷺ، ص: ۱۱۳)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے کہ ایک مرتبہ سرکار اقدس ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور فرمایا اے میرے پروردگار میری امت، میری امت اور رونے لگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اے جبریل محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور تیرا رب خوب جانتا ہے۔ لیکن ان سے پوچھو آپ کیوں رو رہے ہیں؟ طائر سدرہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سرکار مدینہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے اپنا حال بیان کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تو رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اے جبرئیل محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو تمھاری امت کے بارے میں ہم تم کو راضی کردیں گے اور مایوس نہیں کریں گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس حدیث شریف کو اپنے شعر میں ڈھال دیا اور حضور ﷺ کا امت کے لیے دعا کرنا اس کو اتنے مختصر الفاظ میں بیان کردیا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے   کہ ہے رب سلم صدائے محمد ﷺ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث شریف کی جانب اشارہ کیا ہے۔

نبیکم قائم عند الصراط یقول رب سلم سلم. (مسلم شریف ج۱، باب دعاء النبی ﷺ، ص:۱۱۲)

ترجمہ: تمھارا نبی پل صراط پر کھڑے ہوکر عرض کرے گا اے رب سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ اس شعر میں حضور ﷺ کی شفاعت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کی امت پل صراط سے گزرے گی تو آقائے نامدار ﷺ پل صراط پر کھڑے ہوکر اپنی امت عاصی کے لیے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر فریاد کر رہے ہوں گے "رب سلم" الٰہی ان گنہگاروں کو بچالے۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے شعر میں بیان کر دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث شریف کی جانب اشارہ کیا ہے۔

عن جابر قال عطش الناس یوم الحدیبیة ورسول الله ﷺ بین یدیه رکوة فتوضأ منها ثم اقبل الناس نحوه قالوا لیس عندنا ماء نتوضأ به ونشرب الا مافی رکوتك فوضع النبی ﷺ فی الرکوة فجعل الماء یفور من بین اصابعه کامثال العیون قال فشربنا وتوضأنا قیل لجابر کم کنتم قال لو کنا مأئة الف لکفانا کنا خمس عشر مأة. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی - کہا صلح حدیبیہ کے روز لوگ پیاسے ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک پیالہ تھا جس سے حضور ﷺ نے وضو فرمایا تو لوگ حضور کی طرف دوڑے حضور ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا آقا ہمارے پاس وضو کرنے اور پینے کے لیے پانی

نہیں ہے صرف یہی جو آپ کے سامنے موجود ہے آپ نے انگلیوں کو پیالے میں رکھ دیا تو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح ابلنے لگا حضرت جابر فرماتے ہیں ہم تمام لوگوں نے پانی پیا اور وضو کیا حضرت سالم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا آپ حضرات کی تعداد کتنی تھی تو انھوں نے کہا کہ اگر ہم لوگ ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی کافی ہوتا اس وقت تو ہماری تعداد صرف پندرہ سو تھی۔

سرکا اعلیٰ حضرت نے اس شعر میں حدیث مبارکہ کو اتنے مختصر انداز میں یوں ڈھال دیا کہ پیاسوں کو دیکھ کر جب سرکار کی انگلیاں فیض پر آئیں تو گویا پانچ انگلیوں سے پانچ ندیاں رواں ہو گئیں۔ پیاسے ٹوٹ پڑے اور اس قدر سیر ہو کر پیا کہ سب کی پیاس دور ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں:

سب نے صف محشر میں للکار دیا ہم کو
اے بیکسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث شریف کی ترجمانی کی ہے۔

حدثنا محمد ﷺ اذا کان یوم القیامة ماج الناس بعضهم الی بعض فیأتون آدم علیه السلام فیقولون له اشفع لذر یتك فیقول لست لها ولکن علیکم بابراهیم فانه خلیل الله تعالی فیأتون ابراهیم علیه السلام فیقول لست لهاولکن علیکم بموسی فانه کلیم الله تعالی فیوتی موسی علیه السلام فیقول لست لها ولکن علیکم بعیسی فانه روح الله وکلمته فیوتی عیسی علیه السلام فیقول لست لها ولکن علیکم بمحمد ﷺ فیوتی فاقول انا لها .(مسلم شریف ج ا باب اثبات الشفاعۃ، ص:۱۱۰)

ترجمہ: مصطفی جان رحمت ﷺ نے فرمایا کہ بروز قیامت شفاعت کے تعلق سے لوگ آپس میں جھگڑا کریں گے تو سب سے پہلے آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے حضور اپنی اولاد کی شفاعت کیجیے حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس کام کے لیے نہیں ہوں حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ جو اللہ کے خلیل ہیں تو سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضور حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے حضور آپ ہماری شفاعت فرمائیں۔ تو وہ فرمائیں گے میں اس کام کے لیے نہیں ہوں تم سب کے سب موسی علیہ السلام کی بارگاہ میں جاؤ جو اللہ کے کلیم ہیں تو سب کے سب موسی علیہ السلام کی

بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے حضور ہماری شفاعت فرمائیے۔ آپ فرمائیں گے میں اس کام کے لیے نہیں ہوں تم سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کے پاس جاؤ جو روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں توسب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے حضور آپ ہماری شفاعت فرمائیے آپ فرمائیں گے میں اس کام کے لیے نہیں ہوں - سب کے سب محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ توسب کے سب محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ جائیں گے اور عرض کریں گے یا رسول اللہ ہماری شفاعت فرمائیے تو آقا ﷺ فرمائیں گے ہاں ہاں میں اس کام کے لیے ہوں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ اس شعر میں حضور ﷺ کا روز قیامت اپنے تمام امتیوں کی شفاعت کرانا بیان فرماتے ہیں مذکورہ بالا حدیث میں جب سارے نبی شفاعت کرنے سے انکار کردیں گے۔ تو نبی کریم ﷺ اپنے امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

میں نے امام احمد رضا قدس سرہ کی نعتوں سے چند ایسے اشعار پیش کردیے ہیں، جن کی تائید قرآن وحدیث سے ہوتی ہے۔ مزید کے لیے علما واہل دانش کے مضامین کا مطالعہ مفید ہوگا۔

دعاگو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دل میں حضور کی محبت قائم ودائم رکھے اور ہمیں ان کا مخلص نعت خواں بنائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆

بابِ ششم

روابط و تعلقات

- امام احمد رضا اور مشاہیر صوفیہ و مشائخ
  علامہ یسین اختر مصباحی
- امام احمد رضا اور حضرت اشرفی میاں
  غلام مصطفیٰ رضوی
- امام احمد رضا اور محدث سورتی مولانا مجیب عالم مصباحی
- اعلیٰ حضرت اور حافظ بخاری مفتی انفاس الحسن چشتی
- امام احمد رضا اور صدر الشریعہ مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی
- اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل مولانا عبدالسلام نظامی ثقافی
- امام احمد رضا اور ملک العلماء مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی
- اعلیٰ حضرت اور مبلغ اسلام کے تعلقات
  مولانا کمال احمد علیمی
- امام احمد رضا اور مبلغ اسلام مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی
- امام احمد رضا کے اکابر و معاصر مولانا زبیر احمد قادری
- امام احمد رضا کے خلفا مولانا سید علی علیمی

امام احمد رضا اور مشاہیر صوفیہ و مشائخِ متحدہ ہند

علامہ یٰسٓ اختر مصباحی

دار القلم، ذاکر نگر، نئ دہلی

گنج مُراد آباد (ضلع اُنّاؤ، اتر پردیش)

حضرت مولانا ظفر الدین، قادری، رضوی، عظیم آبادی (متوفی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) تحریر فرماتے ہیں:

''مدّاحُ الحبیب، مولوی جمیل الرحمن خاں صاحب، بریلوی نے ''دربارِ فضائل'' میں ذکر کیا کہ:

۱۲۹۳ھ ماہ مبارک، رمضان شریف میں کہ اعلیٰ حضرت کی عمر شریف، اِکیس (۲۱) سال کی تھی، حضرت مولانا شاہ فَضلِ رحمن صاحب (گنج مرادآبادی) سے ملنے تشریف لے گئے۔

ایک جگہ، قیام فرما کر اپنے دو ہمراہیوں کو حضرت کی خدمت میں بھیجا اور تاکید فرمائی کہ صرف اتنا کہنا: ''ایک شخص، بریلی سے آیا ہے۔ حضور سے ملنا چاہتا ہے۔''

انھوں نے جاکر کہا۔ حضرت مولانا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے فرمایا:

وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ ان کے دادا، اتنے بڑے عالم، ان کے والد، اتنے بڑے عالم اور، وہ خود، عالم، فقیر کے پاس کیا، دھرا ہے؟

بعدِ ملاقات، اعلیٰ حضرت نے مجلسِ میلاد شریف کے متعلق حضرت مولانا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے اِستفتا کیا۔

ارشاد فرمایا: تم، عالم ہو۔ پہلے، تم بتاؤ۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: میں مستحب جانتا ہوں۔

فرمایا: اب لوگ اسے بدعتِ حَسنہ کہتے ہیں اور میں سنّت جانتا ہوں۔

صحابہ، جو، جہاد کو جاتے تھے، تو کیا کہتے تھے؟

یہی نا کہ مکہ میں نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اُتارا ہے۔

انھوں نے یہ معجزے دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل دیے۔

اور مجلسِ میلاد میں کیا ہوتا ہے؟ یہی بیان ہوتے ہیں، جو صحابہ، اُس مجمع میں بیان کرتے تھے۔

فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڑوا (لڈو) بانٹتے ہو اور صحابہ اپنا موڑوا (سر) بانٹتے تھے۔

حضرت مولانا رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ نے اعلیٰ حضرت کو بکمالِ شفقت و محبت، تین دن تک مہمان رکھا۔ ۲۹/ ماہِ مبارک (رمضان ۱۲۹۳ھ) کو رخصت کیا۔ جب عید سر پر آگئی۔

وقتِ رخصت، فرشِ مسجد کے کنارے تک تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت مُدَّظِلُّہٗ نے درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ فرمایا: تکفیر میں جلدی نہ کرنا۔

اعلیٰ حضرت مُدَّظِلُّہٗ نے دل میں خیال کیا کہ:

میں تو اس کو کافر کہتا ہوں جو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔

یہ خیال آتے ہی، مَعاً، مولانا رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ نے فرمایا:

ہاں! جو کوئی، ادنیٰ حرف، گستاخی کا، شانِ اقدس میں بکے، ضرور کافر کہنا۔ بے شک، کافر ہے۔

پھر، اعلیٰ حضرت سے فرمایا: ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے موڑ (سر) کی ٹُپیا (ٹوپی) تمھارے موڑ پر، دھر دیں اور تمھارے موڑ (سر) کی ٹُپیا (ٹوپی) اپنے موڑ پر رکھ لیں۔

اعلیٰ حضرت نے براہِ ادب، سر جھکا دیا۔ مولانا رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ نے اعلیٰ حضرت کی کلاہِ مبارک اپنے سر پر رکھ لی اور اپنی کلاہِ مقدس، اعلیٰ حضرت کے سرِ مبارک پر رکھ دی۔

جو بطورِ تبرک، اب تک، محفوظ ہے۔"

(ص ۲۶۲ تا ۲۶۴۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی)

"فاضلِ بریلوی، مولانا شاہ احمد رضا، شیخ المحدثین، حضرت مولانا وصی احمد، محدِّث سورتی کی رفاقت میں، گنج مرادآباد، حضرت شاہ فضلِ رحمن عَلَیہِ الرَّحمۃ وَالرِّضوان کی ملاقات کو پہنچے۔

حضرت نے مولانا بریلوی کا قصبہ سے باہر نکل کر استقبال کیا۔

اپنے مخصوص حُجرے میں مہمان ٹھہرایا اور عصر کے بعد کی صحبت میں آپ کے بارے میں حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"مجھے، آپ میں، نور ہی نور، نظر آتا ہے۔"

اس کے بعد اپنی ٹوپی اُڑھا دی اور ان کی خود اوڑھ لی۔"

(ص ۲۰۸۔ تذکرۂ عُلماے اہلِ سنّت۔ از محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور۔ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء)

رفیعُ المکان، حاجی مولوی احمد رضا خاں، زَادَاللّٰہُ قَدَرُہٗ...... اَلسَّلامُ عَلَیکُم

آپ کی تحریر، درباب ندوہ، بنام، حکیم عظمت حسین صاحب پہنچی۔

حکیم صاحب آپ کی لیاقت و ذہانت کے قائل ہوئے اور آپ کی مدح کی۔

عجب نہیں کہ حکیم صاحب، خود بھی آپ کی خدمت میں کوئی خط لکھیں۔

آپ کے اِرسالِ تحریر سے بہت محظوظ ہوئے۔ وَالسَّلام۔

(ص ۶۔ ایضًا۔ از حضرت شاہ احمد میاں صاحب، جانشینِ حضرت مولانا فضلِ رحمن، گنج مرادآبادی۔ ۱۲/ شوال)

اجمیرِ مقدس

"بیشک! حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب، بریلوی رَحمۃُاللّٰہ عَلَیہِ کی

ذاتِ ستودہ صفات کا شمار، چودھویں صدی کے اکابر عُلما و مبلغین میں ہوتا ہے۔"

(ص ۱۸۔ امام احمد رضا نمبر۔ ماہنامہ المیزان، بمبئی ۱۹۷۶ء۔ از زینُ العابدین علی، درگاہِ معلٰی۔ اجمیر مقدس)

پاکپتن شریف (پنجاب)

"حضرت مولانا احمد رضا، قادری، بریلوی رَحمۃُاللّٰہِ عَلَیہِ آقائے نامدار حضور نبیِ کریم شفیع المذنبین، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے عاشقِ صادق اور عالمِ متبحر تھے۔

انھوں نے دَورِ انحطاط و اِلحاد میں اہلِ سنّت و جماعت کی بروقت رہنمائی و قیادت فرمائی۔ اور آج بھی ان کی تعلیمات، عُلماے کرام کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

اور ان کی تحریریں، اہلِ باطل کے غلط نظریات و معتقدات کے لئے تریاقِ اکبر کا اثر رکھتی ہیں۔

لِھٰذا، حضرت فاضلِ بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی تعلیمات و نظریات کی اشاعت وقت کی اہم ترین دینی ضرورت ہے۔"

(ص ۱۴۔ "پیغاماتِ یوم رضا" طبعِ دوم، لاہور۔ از حضرت دیوان غلام قطب الدین، سجادہ نشین پاکپتن شریف ۱۔۳۔۷۱ء)

درگاہ حضرت نظام الدین اولیا، نئ دہلی

امام احمد رضا، بریلوی سے متعلق، خواجہ حسن، نظامی کے تأثرات امام احمد رضا کی زندگی ہی میں، ہفت روزہ خطیب (دہلی) کے شمارہ مؤرخہ ۲۲؍ مارچ ۱۹۱۵ء۔ (ص ۱۷۳۔۱۷۴، ج۱، ش۱۱) میں، شائع ہوئے۔

"بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب، جن کو، ان کے معتقد، مجددِ مائۃ حاضرہ کہتے ہیں در حقیقت، طبقۂ صُوفیائے کرام میں، بہ اعتبار علمی حیثیت کے، منصب مجدّد کے مستحق ہیں۔

انھوں نے، ان مسائلِ اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہاسال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں۔ اور جن کے جوابات، گروہِ صوفیہ کی طرف سے کافی و شافی، نہیں دیے گئے تھے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں، بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مُدلّل ہیں، جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحرِ علمی کا، جیّد سے جیّد مخالف کو، اِقرار کرنا پڑتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب، جو کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی خصلت ہے، جس کی ہم سب کو، پیروی کرنی چاہیے۔

ان کے مخالف، اعتراض کرتے ہیں کہ:

مولانا کی تحریروں میں سختی، بہت ہے۔ اور بہت جلد، دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

مگر، شاید، ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں، نہیں پڑھیں، جن کو سالہاسال تک، صوفیائے کرام، برداشت کرتے رہے۔

ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے، اس کے مقابلہ میں، جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے، اب تک بہت کم لکھا ہے۔

جماعتِ صوفیہ، علمی حیثیت سے مولانا کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے۔

اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔

جس طرح، دیوبند کے تذکرے میں، مَیں نے قومی کارناموں کا ذکر کیا ہے۔

اس موقع پر بھی نہایت فخر سے حضرت مولانا بریلوی کی اُس خدمتِ قومی کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو انھوں نے، جنگِ بلقان، طرابلس اور کانپور میں کی۔

میرے نزدیک، مولانا صاحب کی جرأت و دلیری عُلمائے دیوبند، فرنگی محل اور تمام لیڈران گرم سرد سے بڑھ کر ہے۔ انھوں نے، جو کام کیا، وہ، ایک سے بھی، نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہوسکا۔ اور، وہ، ان کے بے

باکانہ فتاویٰ ہیں۔

جو، ان مواقع پر، انھوں نے لکھے اور باطل کے مقابلے میں حق کی حمایت کی۔"

(خواجہ حسن نظامی۔ درگاہِ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا۔ نئی دہلی۔

ہفت روزہ "خطیب" دہلی۔ شمارہ مارچ ۱۹۱۵ء)

"مولانا احمد رضا خاں صاحب، ہندوستان کی برگزیدہ شخصیت تھے۔

ان کی ذات، مجمعُ الصِّفات تھی۔ مختلف علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ

وہ، ایک شاعرِ بے بدل، بلند پایہ ادیب، مفسرِ قرآن اور محدّثِ اعظم تھے۔

انھوں نے، بے شمار خلق اللہ کو، نیکی کے راستہ پر، گامزن کیا۔

ان کی عالمانہ شخصیت اور بے مثال خدمات کا اعتراف، ہندوستان کی اعلیٰ شخصیات نے کیا ہے۔"

(ص ۲۱۔ امام احمد رضا نمبر۔ ماہنامہ المیزان، بمبئی ۱۹۷۶ء۔ از سید پیر ضامن نظامی، درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء، نئی دہلی)

سیال شریف (ضلع سرگودھا، پنجاب)

"میں، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔

کیوں کہ فقیر کے عقیدے میں مذہب کی بنیاد، عشقِ رسول پر ہے۔

اور عشقِ رسول کی بنیاد، ادب پر ہے۔ مولانا بریلوی کو، ذاتِ رسول سے بے پناہ عشق تھا۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
وگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(از حضرت خواجہ قمرالدین، سیالوی ۔ص ۳۰۱۔ مرآۃُ العاشقین ۔اردو ۔مطبوعہ اسلامک فاؤنڈیشن۔ لاہور ۱۹۷۷ء)

کراچی (پاکستان)

"فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل، جامعِ علومِ عقلیہ ونقلیہ، حامیِ سنّتِ سید المرسلین قامعِ اَساسِ مُبتدعین، حضرت الحاج سیدنا و مولانا احمد رضا خاں صدق و صفا اور زہد و ورع میں نمونۂ سلف تھے۔

ان کی پاک زندگی، اِحقاقِ حق و اِبطالِ عقائدِ باطلہ میں گذری۔
ان کے دعویٰ کی کوئی تردید نہ کرسکا اور رد کا جواب، نہ دے سکا۔
وہ، اس دَور کے صاحبِ بحر الرائق تھے۔
انگریزی میں جینیس اور اصطلاحِ فُقہا میں اگر، فقیہِ نفس کے لقب سے ملقّب کیا جائے
تو، یہ ان کے شانِ والاشان میں مبالغہ نہ ہو گا، اظہارِ حقیقت ہو گا۔
رہی ان کی حقیقت، یہ ان کی عقیدت کی پختگی اور شدت پر مبنی تھی۔ وہ فنا فی عشقِ رسولِ کریم تھے۔
اپنے محبوب کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی، برداشت نہ کرسکتے تھے۔
اگر، اُن کے عشق کے سمندر کا ایک قطرہ بھی، ہمیں، میسر ہوتا
تو، ہم اُسے عین حقیقت اور الفت و مُودّت کہتے۔ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ وَ بَرَّ مَضْجعَہٗ " (آمین)
(حضرت مولانا مفتی سید حامد جلالی، دہلوی، کراچی۔ محرّرہ ۱۹۷۱ء۔ طبعِ چہارم "فاضلِ بریلوی اور تَرکِ موالات" از پروفیسر مسعود احمد۔ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ۔ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور)

کچھوچھہ مقدسہ (فیض آباد۔ اتر پردیش)

سرزمینِ بریلی پر، ایک حق گو، حق پرست اور حق شناس ہستی تھی۔
جس نے، بِلا خوفِ لَومَۃِ لائم، اعلانِ حق کے لئے میدانِ جہاد میں قدم رکھا۔
اور قوم کے تفرقوں سے بے پرواہو کر، اپنی شانِ امامت و تجدید کو عرب و عجم پر، روشن کر دیا۔
جس کی عظمت کے سامنے، اَعدائے دیں کے کلیجے، تھرّاتے رہتے ہیں۔
میرا، اِشارہ، اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت، مجدِّدِ مِاۃِ حاضرہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی طرف ہے۔
جن کے فراق نے، میرے بازؤں کو کمزور کر دیا اور مسلمانوں کو جن کی وفات نے، بے کس کر دیا۔"
(ص ۶۔ ماہنامہ "اشرفی" کچھوچھہ شریف۔ شمارہ شوال ۱۳۴۲ھ۔
تأثرات: از حضرت سید شاہ، علی حسین، اشرفی کچھوچھوی۔ وصال ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء)
"آپ (حضرت سید شاہ علی حسین، اشرفی میاں، کچھوچھوی) وضو فرمارہے تھے کہ:
یکبارگی، رونے لگے۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ: کیا، کیڑے نے کاٹ لیا۔
میں آگے بڑھا — تو فرمایا — بیٹا — میں، فرشتوں کے کاندھوں پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر، رو

پڑا ہوں—

چند گھنٹے کے بعد، بریلی کا تار ملا، تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا۔"

(خطبۂ صدارت یومِ رضا۔ ۹ ۱۳۷ھ در ناگپور۔ ص ۵۷۔ ماہنامہ "تجلیات" ۱۹۶۶ء۔ ناگپور۔
از محدّثِ اعظم، سید محمد، اشرفی، کچھوچھوی)

پُھلواری شریف (پٹنہ، بہار)

"بِلا شبہ، وہ (امام احمد رضا) ایک محقق، فاضل، شاعر و ادیب تھے۔
بہت سے مسائل کی تحقیق، فاضلانہ انداز میں کی ہے اور شعر و ادب کے میدان میں
صفِ اول میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔
اور نعت گوئی میں ان کا مخصوص رنگ ہے، جس سے ذاتِ اقدسِ نبوی سے
ان کی عقیدت و محبت و شغف کا ثبوت ملتا ہے۔"

(ص ۲۲۔ امام احمد رضا نمبر۔ ماہنامہ المیزان۔ بمبئی۔ از شاہ عون احمد قادری، خانقاہِ مجیبیہ، پُھلواری شریف، پٹنہ)

پیلی بھیت (روہیل کھنڈ)

"اِمامُ الدَّهر، هُمامُ العصر، بحرالعلوم، هُمامُ الفُقَهاء وَ الْمُحدِّثین، امامُ المتکلّمین، خَیرالّلحقه بِالْمهرةِ السابقین، سیدُالعلماء وَ سندالفضلاء، نَاصِرُ السُّنَّة و قامع البدعةِ، مُجَدِّ دُ دَهْرنا و مُمَجِّد عصرنا، مولانا وَ بِالفضلِ اَولانا، مولوی اَحمد رضا خاں صاحب عَمَّتْ فُیوضَاتهم اَهْلَ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِب."

(حضرت مولانا وصی احمد، محدّث سُورتی، تلمیذِ مولانا احمد علی، محدّث سہارنپوری۔
مکتوباتِ عُلما و کلامِ اہلِ صفا (۱۳۱۴ھ) مطبع اہلِ سنّت، بریلی)

دربارِ غوثیہ (کوئٹہ)

"مولانا احمد رضا خاں، قادری، بریلوی، رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ
عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عاشقِ حضرت غوث الاَعظم رَضِیَ اللہِ عَنہُ

عابد و متقی، عالمِ موحّد اور خادمِ سادات تھے۔
انھوں نے، اسلام کے لئے بے حد خدمات انجام دیں۔ ان کا مدرسہ، بابرکت ہے۔
خود، مولانا مغفور اور ان کے شاگردوں نے ہندوستان و پاکستان میں
اسلام کی بے حد خدمات انجام دیں۔"
(ص ۱۵۔ "پیغاماتِ یومِ رضا" طبعِ دوم، لاہور۔ حضرت السید الشریف طاہر علاؤ الدین القادری النقیب، دربارِ غوثیہ، شارع الکیلانی، کوئٹہ)

شور بازار، کابل (افغانستان)

"مفتی احمد رضا، قادری، ایک جیّد عالم اور واقفِ اَسرارِ طریقت تھے۔
اسلامی علوم کی تشریح میں ان کا عظیم الشان ملکہ اور باطنی حقائق کی توضیح میں ان کے معارف بہت زیادہ ستائش کے لائق ہیں۔ اور فقہی علوم میں ان کی تحقیقات، اہلِ سنّت و جماعت کے بنیادی نظریات میں قابلِ قدر یادگار کی حیثیت رکھتی ہیں۔
ان کی تحقیقات کو، اگر تشنگانِ علومِ دینیہ کے لئے سر چشمۂ فیض و ہدایت قرار دیا جائے
تو، مبالغہ، نہ ہوگا۔ (چند سطروں کے بعد)
مولانا احمد رضا خاں، قادری، حضرت خاتم النبیین ﷺ کے عاشقِ صادق
اور آنحضور کی محبت میں سرشار تھے۔ ان کا دل، عشقِ محمدی کے سوز سے لبریز تھا۔
چنانچہ، ان کے نعتیہ کلام اور نغمات، اس حقیقت پر، شاہدِ عادل ہیں۔
مولانا کے کلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں کو
عشقِ محمدی (ﷺ) کے مقدس نور سے روشن کر دیا ہے۔ جَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَاء۔
معارف آگاہ، مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام، فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی
اور عمدہ تشبیہات و لطیف استعارات کے لحاظ سے، ادبی برتری کا حامل ہے۔"
(ص ۱۸۔ "پیغاماتِ یومِ رضا" طبع دوم، لاہور۔ از حضرت محمد ابراہیم، فاروقی، مجددی۔
شور بازار کابل، افغانستان۔ ۷؍ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ)

جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، دکن

"مولانا احمد رضا خاں صاحب، سَیف الاسلام اور مجاہدِ اعظم گذرے ہیں۔
اہلِ سنّت و جماعت کے مسلک و عقائد کی حفاظت کا ایک مضبوط قلعہ تھے۔
آپ کا مسلمانوں پر، احسانِ عظیم، یہ ہے کہ:
ان کے دلوں میں عظمت و احترامِ رسولِ کریم عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام
اور اولیاے اُمت کے ساتھ، وابستگی، برقرار ہے۔
خود، مخالفین پر بھی، اس کا اچھا خاصا اثر پڑا اور ان کا گستاخانہ لب ولہجہ
ایک حد تک، درست ہوا۔
بجا طور پر، آپ، امامِ اہلِ سنّت و جماعت ہیں۔
آپ کی تصنیفات و تالیفات، علوم کا ایک بحرِ زخّار ہیں۔"
(ص ۱۰۔ استقامت، ڈائجسٹ۔ ستمبر ۱۹۷۶ء کانپور۔ انٹرویو: از حضرت مولانا عبد الحمید، شیخ الجامعہ النظامیہ، حیدرآباد، دکن)

میرپور خاص

"فاضلِ بریلوی، حضرت مولانا احمد رضا خاں رَحمۃُ اللہِ عَلَیہِ کی ذاتِ بابرکات، کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انھوں نے اپنے علم و فضل سے عُلماے عرب و عجم میں ایک خاص مقام، پیدا کیا۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم کے غلاموں میں ایسی شخصیت کا پیدا ہونا، حضور پاک کے فیضانِ نظر کا ایک اعجاز ہے۔ شیخ محمد مختار بن عطار دالجادی نے خوب فرمایا، کَانَ مُعجِزَۃً مِن مُعجِزَاتِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم۔
فاضلِ بریلوی نے، اس فقیر کے دل میں جو اونچی جگہ پیدا کی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ:
ان کے دل میں حضورِ اکرم، نورِ مجسم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم کی بے پناہ محبت تھی۔
جس نے، پاک و ہند (غیر منقسم ہندوستان) کی تاریک فضا کو، منور کر دیا تھا۔

ہمارے پاس، اگر کوئی معیارِ صداقت و شرافت ہے، تو وہ، حضور ﷺ کی محبت ہے۔
فاضلِ بریلوی میں یہ محبت، بدرجہ اَتم، موجود ہے۔
انھوں نے، بہت سی نعتیں اور منقبتیں لکھیں۔
لیکن، حقیقت یہ ہے کہ ان کا ایک ایک شعر اور ایک ایک جُملہ، سراپا نعت ہے۔

شدہ است سینۂ ظہورؔی، پُراز محبتِ یار
برائے کینۂ اَغیار، در دِلم جانیست

سرکارِ دوعالَم ﷺ کا، جو مقام، ان کے دل میں تھا، اُس کا اندازہ، اِس شعر سے ہو سکتا ہے:

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

(از حضرت الحاج پیر محمد اسحٰق جان، مجدّدی، سرہندی، میر پور خاص۔ از اَولادِ اَمجادِ حضرت مجدّدِ الفِ ثانی، قُدِّسَ سِرُّہٗ۔ ص ۳۳۴۔ "فاضلِ بریلوی! عُلماے حجاز کی نظر میں"۔ طبعِ دوم۔ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور۔ از پروفیسر محمد مسعود احمد)

مَرولہ شریف (ضلع سرگودھا، پنجاب)

"مولانا احمد رضا خاں کی ذات، محض ایک فرد نہیں، بلکہ اہلِ سنّت و جماعت کی اَواخرِ انیسویں صدی اور اَوائلِ بیسویں صدی کی علمی میراث
نظریاتی آویزش اور مذہبی تاریخ کا ایک قابلِ مطالعہ، دَور ہے۔
موصوف کی زندگی کا، کم و بیش، ہر پہلو، انسانی عظمتوں کا گنجینہ ہے۔
جس کی شایانِ شان اِستحسان کے لئے کاوش، درکار ہے، نہ کہ ایک اُچٹتی ہوئی سطحی نظر۔"
(حضرت مولانا غلام سدید الدین، سجادہ نشیں مرولہ شریف ضلع سرگودھا۔ ص ۲۱۔ "پیغاماتِ یومِ رضا" لاہور)

یکہ توت، پشاور

"اعلیٰ حضرت، وقت کی موزوں ترین ضرورت تھے۔
برصغیر ہند و پاک میں مسلمانوں کی سیکڑوں برسوں کی بھرپور عظمت اور زوال کے بعد

مِلّتِ اسلامیہ، جس طغیانی میں گھر چکی تھی

اس وقت، جس اکیلے مردِ مومن نے، بہ نصرتِ ایزدی، اس کے رُخ کو موڑ کر رکھ دیا

وہ، اعلیٰ حضرت، مجدّدِ مائۃِ حاضرہ کی ذاتِ گرامی ہی تھی۔''

(حضرت سید محمد امیر شاہ قادری، سجادہ نشیں یکہ توت۔ پشاور، سرحد۔ ص ۲۳۔ ''پیغاماتِ یومِ رضاؔ''۔ لاہور ۹۱ھ)

دربار بھرچنڈی، سندھ

''مقتدائے اہلِ سنّت، اعلیٰ حضرت، مولانا احمد رضا خاں، فاضلِ بریلوی رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ مذاہب کے فلسفے اور ان کے عروج وزوال پر

گہری نظر رکھنے والے حضرات ہی، اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ:

اعلیٰ حضرت نے، اپنے دَور میں کتنے اہم اور عظیم کام کو سنبھالا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی مذہب میں ولولے، جذبے اور دیوانگی کی حد تک لگاؤ بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ اس جذبے میں ضُعف، یا کمزوری کا، براہِ راست اثر، مذہب پر پڑتا ہے۔

بِلا شبہ، اعلیٰ حضرت نے اُمتِ مسلمہ میں جذبہ عشقِ رسول ﷺ کے تحفظ

اور اس کے فروغ کے لئے ایک انقلابی وتجدیدی کارنامہ، انجام دیا ہے۔

جس کی نظیر، اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

اس مردِ مجاہد نے، تنِ تنہا، سَلف کے خلاف اُٹھنے والی یلغار کو، روکا۔''

(حضرت شیخ عبدالرحیم۔ سجادہ نشیں، دربار بھرچنڈی شریف، سندھ۔ ص ۲۵۔ ''پیغامات یومِ رضاؔ''۔ لاہور)

سندھ

''فاضلِ بریلوی (قُدِّسَ سِرُّہٗ) نے، عظیم کارنامے، انجام دیے ہیں۔

وہ، اس دَور کے عظیم عُلما میں شامل ہیں۔ اگر، فاضلِ بریلوی اپنے دَور کے ان فتنوں کا سدِّباب، نہ کرتے اور ان لوگوں کا شدید مقابلہ نہ کرتے، تو نہ معلوم آج، وہ طوفان کہاں پہنچتا۔''

(ص ۲۷۔ ''ماہنامہ، ترجمانِ اہلِ سنّت'' اگست ۱۹۷۴ء۔ کراچی۔

بحوالہ ص ۵۱۰ "تذکرہ اکابرِ اہلِ سنّت" مکتبہ قادریہ، لاہور۔ تاثرات از حضرت محمد ہاشم جان، سرہندی قُدِّسَ سِرُّہٗ)

ساہن پال (گجرات، پنجاب)

"اعلیٰ حضرت، مولانا شاہ احمد رضا قادری، برکاتی، بریلوی رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ کی
ذاتِ ستودہ صفات، اِس سے بالاتر ہے کہ ان کے فضائل و کمالات کو، حیطۂ تحریر میں لایا جائے۔
آپ، علومِ معقول و منقول کے بحرِ زَخّار تھے۔
دینِ قدیم کی تجدید، سُنّتِ سَنِیَّہ کی ترویج اور بدعاتِ سَیِئہ کے اِستیصال میں
جس قدر سَعیِ بلیغ، آپ سے وقوع میں آئی، وہ، آپ ہی کا حصہ ہے۔
مذاہبِ باطلہ کا مقابلہ، آپ نے، برابر جانفشانی اور جرأت و اِستقلال سے کیا۔
آپ کی وُسعتِ علم کی یہ روشن دلیل ہے کہ ہزار کے قریب آپ نے کتابیں، تصنیف فرمائیں۔
جو، نصف سے زائد، ابھی، غیر مطبوعہ، پڑی ہیں۔"
(حضرت شاہ شریف احمد، شرافت نوشاہی، درگاہِ عالیہ نوشاہیہ، ساہن پال ضلع گجرات۔ ص ۲۶۔ پیغاماتِ یومِ رضاؔ۔ لاہور)

موہڑہ شریف

"اعلیٰ حضرت بریلوی رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ کا، ہر قول اور فعل
عشقِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَسَلَّم سے، اِس طرح، لبریز معلوم ہوتا ہے، گویا، خالقِ کُل نے
آپ کو، احمد مختار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَسَلَّم کے عاشقوں کے لئے شمعِ ہِدایت بنایا ہے۔
تاکہ، یہ مَشعَل، اس جادہ پر چلنے والوں کو تکمیلِ ایمان کی منزل سے ہم کنار کر سکے۔
آپ کی تصنیفات ایسے انمول موتیوں سے مرصّع ہیں، جو قارئین کے لئے
اس قدر رُوح پَرور اور کیف آور ہیں کہ عشقِ حضور نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَسَلَّم سے ہمہ تن، سرمست کر دیتی ہیں۔"
(حضرت صاحبزادہ، ہارون الرشید، سجادہ نشیں دربار عالیہ، موہڑہ شریف۔ ص ۲۷۔ "پیغاماتِ یومِ رضاؔ"۔ لاہور)

شتالو، ضلع ہزارہ (پنجاب)

''فِرَقِ باطلہ کی فتنہ سامانیاں، بے ادبیاں اور عقائدِ فاسدہ نے
جب طوفان کی شکل، اختیار کی
تو اعلیٰ حضرت کی تحریرات نے، کشتیِ نوح کی طرح، حضورِ اکرم ﷺ کی اُمت کو اپنی آغوش میں لے لیا اور رحمتِ عالم ﷺ کے دریائے رحمت سے فیض یاب فرمایا۔
اعلیٰ حضرت کا نعتیہ کلام سُننے سے، صاحبِ ایمان، وجد میں آجاتا ہے۔
مقامِ غور ہے کہ جس شخص کی زبان پر، یہ کلام، جاری ہو، اُس ہستی کے سینے کی کیا کیفیت ہوگی؟
لاریب، آپ کو، فنافی الرسول کا مقام، حاصل تھا۔''
(حضرت صاحبزادہ محمد طیب، دربارِ عالیہ قادریہ، شتالو شریف، سری کوٹ۔ ہزارہ۔ ص ۳۱۔ ''پیغاماتِ یومِ رضاؔ'' لاہور)

بھیرہ شریف، ہزارہ (پنجاب)

''اعلیٰ حضرت کی تصانیف، آپ کی علمی وُسعتوں اور دلائل و براہین میں
بے پایاں مہارت پر، قطعی اِستناد کا درجہ رکھتی ہیں۔
اعلیٰ حضرت، جب کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں، تو بے تکلف، دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں۔
یوں، محسوس ہوتا ہے کہ علم و فضل کے بادل سے دلائل کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔
ان کی خداداد صلاحیتوں، دینی خدمات اور مذاہبِ باطلہ کی بیخ کنی کو دیکھ کر
بے ساختہ، تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ منصب، بغیر مجدِّدِ وقت کے
کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا۔
آپ کے زورِ بیان اور قوتِ اِستدلال کو دیکھ کر، مخالفین پر، سکتہ، طاری ہو جاتا ہے۔
کچھ جواب، نہیں بن پڑتا۔''
(حضرت شاہ فضل الرحمن علوی، قادری، بانیِ مدرسہ اسلامیہ قادرہ، بھیرہ شریف، ہری پور۔ ہزارہ۔ ص ۳۰۔ ''پیغاماتِ یومِ رضاؔ'' لاہور)

الٰہ آباد (اترپردیش)

”جامِعُ الْکمالاتِ الْعِلْمیۃِ وَالْعَمَلِیۃ، حَاوِی الْفُنونِ الاصلِیّۃِ وَالْفَرعِیۃِ حامِی المِلّۃِ الْحَنْفِیّۃِ، مخدومی المُعَظَّم وَ مُطاعِی المُفَخَّم جناب مولوی احمد رضا خاں دَامَ مَجْدُ ہُمْ مولانا! بِفَضْلِہٖ تعالیٰ آپ، رئیس حُماۃِ السُّنّۃ ہیں۔

اِس قحط الرِّجال میں آپ کا قلمِ فیض رقم، سَیف سے بڑھ کر، کام کر رہا ہے۔

اور تمام اہلِ سنّت پر آپ کا احسان ہے۔

اور ایک جہان کو فتنۂ عظیم سے بچانے کے لئے آپ، سرگرم ہیں۔

ہر وقت آپ کا، عبادتِ متعدّیہ میں گذرتا ہے۔ جزاکُمُ اللّٰہ عَنّی وَعَن جَمِیعِ اَہْلِ السُّنّۃ۔“

(مولانا الشیخ محمد عبید اللہ، تلمیذِ مولانا احمد حسن، کانپوری۔ ص ۸۷۔ ”مکتوباتِ عُلما و کلام اہلِ صفا“ (۱۳۱۴ھ) مطبع اہلِ سنّت، بریلی)

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُ القلم، قادری مسجد روڈ
ذاکر نگر، جامعہ نگر
نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

مؤرخہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ
۳/ فروری ۲۰۱۹
بروز شنبہ

موبائل: 9560848408 / 9350902937

ای میل: misbahi786.mk@gmail.com

☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور شیخ المشائخ اشرفی میاں کچھوچھوی

غلام مصطفی رضوی، نوری مشن مالیگاؤں

دنیا کے بیش تر خطوں میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ عہدِ صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے بعد اولیاے اسلام نے انجام دیا۔ ہندوستان میں حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری، حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتی اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی، حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا دہلوی، حضرت علاء الدین صابر کلیری، حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری، حضرت راجہ قتال حسینی، حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ذواتِ بابرکات سے اسلام کی عظیم تبلیغ ہوئی اور سارا ہندوستان اسلام کی کرنوں میں نہا گیا۔

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی نے جامِ عرفاں سے تشنگان روحانیت کو ایسا سیراب کیا کہ معمولی مدت میں دلوں کی دنیا میں عظیم انقلاب کی دستک محسوس ہوئی اور بنجر زمیں شاداب ہو گئی۔ علاقۂ کچھوچھہ ہی کیا دور دور تک فیضِ مخدومی عام ہوا۔ حضرت محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی کچھوچھوی فرماتے ہیں: ''کیا آنکھ والے نہیں دیکھتے کہ سمنان کے مطلع سے وہ آفتاب طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نورانی کرنوں اور شعاعوں سے عرب وعجم چمک اٹھا اور جس سعادت مند نے اس کی روشنی سے نفع حاصل کیا اس کے سر پر زرّیں تاج رکھ دیا گیا جس پر جلی حرفوں سے ''اشرفی'' لکھا ہوا ہے۔'' (ماہ نامہ المیزان کچھوچھہ، اکتوبر ۱۹۷۲ء، ص ۵۷)

حضرت شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی، حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی کے خانوادے کے فردِ فرید اور سلسلۂ اشرفیہ کے عظیم داعی و روحانی اقدار کے امین تھے۔ آپ کی ذات اپنے عہد میں بڑی ممتاز اور جامع صفات تھی۔ خانقاہی نظام کے حوالے سے بے مثال تھے ہی امورِ شرع میں بھی گہری نگاہ رکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جہاں آپ کی ذات سے سلسلے کی اشاعت بڑے اور وسیع کینوس پر ہوئی وہیں خانقاہِ اشرفیہ کچھوچھہ میں اشاعتِ علم دین کے سلسلے میں نمایاں پیش رفت ہوئی اور

باضابطہ درس گاہ کا قیام عمل میں آیا۔

ولادت: ۲۲؍ ربیع الآخر ۱۲۶۶ھ میں پیر کے دن بہ وقت صبح صادق آپ کی ولادت ہوئی۔ نام سید علی حسین تجویز ہوا۔

تعلیم و تربیت: چار سال چار ماہ چار دن کی عمر میں مولانا گل محمد خلیل آبادی نے بسم اللہ خوانی کرائی۔ مولانا امانت علی کچھوچھوی نے فارسی کی درسی کتابیں پڑھائیں۔ مولانا سلامت علی گورکھ پوری و مولانا قلندر بخش کچھوچھوی سے بھی درس لیا۔

خلافت واجازت: حضرت اشرفی میاں نے ۱۲۸۲ھ میں برادرِ اکبر حضرت سید شاہ ابو محمد اشرف حسین کچھوچھوی کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ مولانا مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں: ''آپ کے استاد مولوی قلندر بخش صاحب نے آپ سے بیعت کی اور فرمایا کہ مجھ کو مدت سے اس دن کا انتظار تھا، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے آج میری مُراد پوری کی۔'' (پاسبان الہ آباد، مارچ اپریل ۱۹۶۲ء، امام احمد رضا نمبر، ص:۵۴)

اسی طرح خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ (وصال ۱۲۹۶ھ) نے بھی آپ کو خلافت واجازت سے نوازا، چوں کہ آپ حضرت خاتم الاکابر کے آخری خلیفہ تھے، اس لیے 'خاتم الخلفا' کہلائے۔

۱۲۹۰ھ میں حسبِ ارشاد ارواحِ بزرگان ایک سال کامل آستانۂ اشرفیہ پر حسبِ قاعدۂ مشائخ چلہ کشی فرمائی۔ اس مدت میں بہ برکتِ روحانی حضرت محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ و بہ توجہِ حضرت محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تمام منازلِ ایقان و عرفان کو اس طرح سے طے فرمایا کہ آپ کی ذات بابرکات سے جہانگیری آثار و انوار ظاہر ہونے لگے، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بہت مدت کے بعد اس خاندان میں ایسا شخص صاحبِ رشد و ہدایت و تقدس نہار ظاہر ہوا ہے۔ (نفسِ مصدر)

۱۲۹۷ھ میں خانقاہِ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے سجادہ نشیں ہوئے اور ۸؍ محرم الحرام کو خرقۂ خاندانی جو ایک روایت کے مطابق حضرت مخدوم سمناں علیہ الرحمہ کا عطیہ تھا زیبِ تن فرمایا۔

وصال: آسمانِ روحانیت کا یہ نیرِ تاباں کچھوچھہ کی سرزمینِ تقدیس میں ۱۱؍ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں غروب ہوگیا۔ آپ کا مزار اقدس آج بھی مرجع خلائق و منبعِ برکات ہے۔

فکر انگیز صدارتی خطبہ: حضرت اشرفی میاں اپنے عہد کے اکابر میں نمایاں تھے، متعدّد تاریخی

نوعیت کے اجلاس اور کانفرنسوں میں آپ نے صدارتی خطبات پیش کیے۔ ان خطبات کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے قلب وجگر میں ملت کے لیے درد و سوز تھا، مسلکِ حق اہلِ سُنّت کا وقار ہر جگہ اور ہر محاذ پر عزیز تھا، جمعیت واتحادِ اہلِ سُنّت کا جذبہ خطبات میں خوب عیاں ہے۔ آپ کی فکر ونظر میں تب وتاب ہے، مسلمانوں کے لیے پیامِ اخوت ہے، سلاسلِ طریقت کے لیے مل جُل کر رہنے کا جذبۂ فراواں ہے، عزم محکم اور جہدِ مسلسل کا درس ہے۔ ایسے ہی ایک خطبے پر یہاں تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔ جسے حضرت اشرفی میاں کی طرف سے حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی نے آل انڈیا سنی کانفرنس (مرادآباد) کے تاسیسی اجلاس میں پیش کیا جو ۱۹۲۵ء میں انعقاد پذیر ہوا۔ اس خطبے میں ایک دستور ہے جس میں مسلمانوں کے لیے ایمان و عقیدے کی سلامتی کے ساتھ ہی اپنے مذہبی تشخص کی بقا کی فکر بھی مستور ہے۔ سازشوں سے نمٹنے کے لیے ٹھوس لائحۂ عمل بھی نہاں ہے۔ راقم خطبے کے چیدہ چیدہ پہلو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جس سے حضرت اشرفی میاں کی فکر وبصیرت کا اندازہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔

دعوتِ حق کا نظارہ: اپنے معرکہ آرا خطبے میں حضرت اشرفی میاں فرماتے ہیں: ''دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عرب کے افق اور فاران کے مطلع سے ایک بے نظیر آفتابِ قرب و خورشیدِ محبوبیت چمکا جس کی نورانی شعاعوں نے تمام عالَم کو روزِ روشن کر دیا۔ اور جس کی گرمی کا نظارہ آج بھی کر لو کہ کرۂ زمین کے چپے چپے پر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی دھوم ہے، ان توحید کے متوالوں اور شمعِ رسالت کے پروانوں کی حیات کا مطمحِ نظر اور زندگی کا مقصد غیرِ حق سے ہٹ کر صرف اعلانِ حق ہو گیا۔ چناں چہ یہی جذبہ تھا جو توحید کا نعرہ مکہ معظمہ کی گلیوں اور مدینہ طیبہ کے کوچوں ہی میں چکر کھا کر نہیں رہ گیا، بلکہ جزیرۃ العرب سے نکلا، ایشیا و افریقہ و یورپ غرض ربع ارض مسکونہ میں پھیل گیا، اور اسلامی تکبیر کی آوازِ بازگشت یورپ کے ایوانوں، افریقہ کے صحراؤں اور ایشیا کے پہاڑوں سے آنے لگی... یہی اعلانِ حق کا جذبہ تھا جس کے نشہ نے توحید و رسالت کے متوالوں سے گھر بار و عزیز و یار سب کچھ چھڑایا۔ اور دنیا نے دیکھا کہ حق پرستوں کا گروہ عرب سے نکل کر دنیا میں پھیل گیا۔ کیا تم اس کو نہیں پہچانتے جو عرب سے 'چشت' آیا اور بڑھتے بڑھتے جس نے سرزمینِ ہند میں آکر اعلانِ حق کا فریضہ ادا کیا۔ اور اپنی قوت و صداقت سے بڑے بڑے نبرد آزماؤں کے زورِ بازو اور شجاعت کے غرور کو خاک میں ملایا۔ جس پر دارالخیر اجمیر شریف کا تقدس قیامت تک گواہ رہے گا۔ یہی سرور تھا جس نے غوث العالم محبوبِ یزدانی تارکِ سلطنت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کو سمنان کے آزاد تخت و تاج

سے علاحدہ کر کے ہندوستان کے ایک قصبہ کچھوچھہ شریف میں بٹھا دیا۔ اور آج اس بارگاہ بے کس پناہ کی عظمت محتاجِ بیان نہیں۔ مجھے اب اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسلمان اعلانِ حق کرنے والوں کا نام تھا، اور اسی جذبے نے قومِ مسلم کو عزت دی تھی۔'' (ماہ نامہ المیزان، کچھوچھہ، اپریل مئی ۱۹۷۲ء، ص:۷، بہ حوالہ ماہ نامہ اشرفی مئی ۱۹۲۵ء)

اعلانِ حق: ''یہاں اتنا اور بتادوں کہ اعلانِ حق کی استعداد اس قلب میں پیدا ہوتی ہے جس میں جرأت و ہمت، عقل و فراست، دین و دیانت، استقلال و شجاعت، صبر و قناعت، تحمل و مُروت موجود ہو، اور اگر ان میں کسی ایک کی کمی ہو تو اعلانِ حق صحیح معنوں میں ایک امرِ محال ہے۔ (لیکن) اگر آپ کا دل مادّی قوتوں سے مرعوب ہو چکا ہے یا دین کا پاس اور دیانت کا لحاظ معاذاللہ باقی نہیں رہا یا ناکامیوں کو یاد کر کے سکتہ طاری ہو جاتا ہے یا شکم پروری و دنیا طلبی مدِ نظر ہے یا شہرت پسندی یا اظہارِ جاہ و جلالت مطلوب ہے تو آسمان کے تارے اور زمین کے ذرے گواہ ہیں کہ اس کا نتیجہ دارین کی روسیاہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔'' (نفسِ مصدر، ص: ۷۔۸)

اعلاے کلمۃ الحق اور احیاے دین: ''جب تک قومِ مسلم میں صفاتِ خمسہ مذکورہ کا وجود تھا اس وقت تک اعلان حق کا عروج کسی پر پوشیدہ نہ تھا۔ لیکن جب سے بساطِ عالم کا رُخ بادِ مخالف سے پلٹ گیا (تو) اسلامی تنظیم و اجتماع کے خلاف خروج و بغاوت کا مادہ پیدا ہوا۔ اور شور و غُل اس قدر بڑھ گیا کہ اعلانِ حق کا امتیاز دشوار ہو گیا۔ اس نازک وقت میں علماے کرام و علم بردارانِ شریعت کے لیے جائز نہ تھا کہ وہ اس کے دفاع سے غفلت برتیں۔ اور تہلکہ کو نذرِ تغافل کر دیں، چناں چہ ہندوستانیوں نے دیکھا کہ بدایوں میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور رام پور میں حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب اور لکھنؤ میں حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ وغیرہ اور سرزمینِ بریلی پر ایک حق گو حق پرست اور حق شناس ہستی تھی جس نے بلا خوف لومۃ لائم اعلانِ حق کے لیے میدانِ جہاد میں قدم رکھ دیا، اور قوم کے تفرقوں سے بے پروا ہو کر اپنی اس شانِ امامت و تجدید کو عرب و عجم پر روشن کر دیا جس کی عظمت کے سامنے اعداے دین کے کلیجے تھرّاتے رہے، میرا اشارہ امامِ اہلِ سُنّت مجدد مائۃ حاضرہ (امام احمد رضا) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف ہے جن کے فراق نے میرے بازو کو کم زور کر دیا اور مسلمانوں کو جن کی وفات نے بے کس و ناتواں کر دیا۔ اس امامِ وقت کی وفات ہند میں کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ اس عظیم انقلاب کا پہلا واقعہ تھا جس کی گردش میں آج ہم آپ پریشان

ہیں۔" (نفسِ مصدر، ص: ۸)

اس اقتباس میں ملتِ اسلامیہ کو گم رہی سے بچانے کے لیے علماے حق بالخصوص امام احمد رضا کی احیاے دین کے لیے خدمات کا ذکرِ خیر ہے، ساتھ ہی امامِ اہلِ سُنّت کی رحلت (۱۹۲۱ء) کی یاد تازہ کر کے تاسف فرمایا ہے کہ وہ فتنے جو امام کے کارِ تجدید سے نیم جاں ہو گئے تھے وہ پھر سر اُبھار رہے ہیں لہٰذا ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کے مشن کو پھر سے تازہ کیا جائے۔

اساطینِ اسلام کا مدعا اور جمعیت: "(ملتِ اسلامیہ کے اضطراب کا) جواب صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں نے اپنا فرض فراموش کر دیا انھیں یاد نہیں رہا کہ ہم ہندوستان کیوں آئے تھے۔ ہم نے زمین داری، تجارت، ملازمت وغیرہ ہی کو مقصودِ اصلی قرار دے دیا۔ اور اس کا خیال نہ رہا کہ اس قسم کی حرصِ دنیا میں ہرگز یہ قوت نہ تھی کہ ہم کو ہمارے بابرکت گھر سے علاحدہ کر دیتی۔ اگر راحتِ دنیا کوئی قابلِ قدر چیز ہوتی تو گروہِ انبیا سلاطینِ وقت ہوتا اور کربلا کی انجمن جلتے تپتے ریگستان پر قائم نہ ہوتی اور ہم تو اپنی کہتے ہیں کہ بغداد کا راج اور سمنان و تخت و تاج چھوڑ کر آج ہندوستان کی مشکلات کو اختیار نہ کیا جاتا؛ مگر ہمارے بزرگوں نے اپنے نظامِ حیات سے اس حقیقت کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا کہ مسلمانوں کے سفر و قیام کا صرف ایک مدعا ہے اور وہ اعلانِ حق ہے، مگر ہماری خاموشی اور غفلتوں کی انتہا ہے کہ صفاتِ محمودہ آہستہ آہستہ ہم سے رُخصت ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہمارے تفرق و تشتت کا افسوس ناک منظر ہمارے اعدا کو شہ دے دے کر ابھار رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اب بھی ہندوستان میں مشائخ کرام و علماے عظام کی مبارک ہستیاں موجود ہیں۔ جن کی برکت سے اس تاریک ماحول کا زمین و آسمان قائم ہے مگر سب کا شیرازہ اس طرح بکھرا ہوا ہے کہ ہر ہستی کے مقامی اثر کا پھیلاؤ ایک درجے پر جا کر محدود ہو گیا ہے، اور وہ اپنے تمام کاموں کا تنہا ذمہ دار رہ گیا ہے۔ اور اب بھی مسلمانوں کا بڑا گروہ ان کی برکت سے محروم ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مشرکوں نے نڈر ہو کر ملکانہ کے علاقہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو اقرار کرنا پڑا کہ ان کے سایۂ عاطفت سے یہ خطہ برسوں سے علاحدہ پڑا تھا، جب اشرفی جھنڈا اس علاقے میں پہنچا تو مَیں نے خود جا کر دیکھا کہ کام کرنے والوں کی دشواریاں اس درجہ بڑھی ہوئی ہیں جن کا تصوّر بھی گھر بیٹھنے والے دماغ پر بار ہے۔" (نفسِ مصدر، ص: ۸-۹)

فتنوں کی یورش: "پیارے عزیزو! اگر ہم اسی حالت میں ہوں اور ہم پر قیامت برپا کر دی جائے اور سب سے پہلا سوال یہ ہو کہ اعداے اسلام مملکتِ اسلامیہ کی دھجیاں اڑاتے تھے، ابنِ سعود نجدی حرمِ پاک کی

بے حرمتی اور عتباتِ عالیہ کو منہدم کرتا تھا، تمھارے پڑوس میں تو ہب کا زور و شور اور اس کے فتنوں کا بازار گرم تھا، قادیانیوں کی بدزبانیاں بڑھی ہوئی تھیں، اور فتنۂ ارتداد روز بروز بڑھتا جاتا تھا تو اس وقت اے اسلام کے مدعیو! تم نے کیا کر کے دکھایا؟ سچ بتاؤ اس سوال کا جواب ہمارے پاس کیا ہوگا؟" (نفسِ مصدر، ص: ۱۰)

اس سوال میں کیسا درد ہے؟ ایسے عالم میں جب کہ چہار سمت سے عظمتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حملے ہو رہے تھے، گستاخی و جسارت کی فضا ہموار کی جا چکی تھی، ایمان کے تحفظ نیز گستاخوں کی بیخ کنی کی غرض سے مسلمانوں کو بیدار کیا ہے۔ ضرورت توجہ کی ہے۔

تلقین و پیغام: "مرنے سے پہلے توبہ کر لو اور قیامت آنے سے پیش تر توشہ جمع کر لو، جمعیت کی موت کو اپنی تباہی کا مقدمہ سمجھو اور اس کو دائمی حیات سے مطمئن کر لو۔ اب میں مختصر لفظوں میں صرف اتنا کہوں گا کہ ہماری تاریخ کی ابتدا اور انتہا میں جو زمین و آسمان کا فرق ہے وہ آپ پر ظاہر ہو گیا اور آپ نے سمجھ لیا کہ اس مصیبت کا خاتمہ اسی پر موقوف ہے کہ منتشر قوتیں یک جا کر دی جائیں اور خانقاہ و مدرسہ سے لے کر غریب مسلمانوں کے جھوپڑے تک کو ایک سلسلے میں منسلک کر دیا جائے، اور اپنی تمام ملکی قومی اور مذہبی امور کی باگ اس طرح حضرات علمائے کرام کے مقدس ہاتھوں میں دے دی جائے جس سے سرتابی کی مجال کسی میں باقی نہ رہے۔" (نفسِ مصدر)

اتحاد کا پیام: سوز و گداز سے بھرپور اور اتحاد کی فکر سے آراستہ مختصر و جامع پیام بھی زبانِ اشرفی میاں سے سُن لو: "اے میرے پیارے سنیو اور عزیز اشرفیو! خدا کرے کہ تم غفلت کو ہٹاؤ اور ہوشیار ہو، اغیار کو پہچانو! اپنی تنظیم کی قدر کرو۔ محبت و اتفاق کا تخم جماؤ، بڑھو، پھولو، پھلو اور تمھارے اقتدار کا پرچم زمین پر لہراتا ہو۔ ع　این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد" (نفسِ مصدر، ص: ۱۱)

امام احمد رضا سے تعلقات و روابط: مجدد اعظم امام اہلِ سُنّت امام احمد رضا محدث بریلوی (وصال: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی ذات مرجع علما تھی، عرب و عجم کے مشاہیر نے آپ کو اپنا امام و مقتدا جانا، دینی و علمی خدمات کا شہرہ دینی مدارس سے لے کر عالمی جامعات اور یونی ورسٹیوں تک پھیلا اور آج ایمان و عقیدہ اور خدمتِ دینی کے اعتبار سے گزری کئی صدیوں میں امام احمد رضا کی ذات یکتا و منفرد اور ممتاز نظر آتی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ؛ شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں قدس سرہٗ کی عظمتوں کے قدر داں تھے، آپ کی شان و مدح میں کئی ملفوظات یادگار ہیں۔ یوں ہی حضرت اشرفی میاں بھی امام احمد رضا کی شان و آن بان، علم و فن اور خدماتِ دینِ مبیں کے معترف تھے۔ دونوں بزرگوں کے تعلقات و مراسم پر روشنی ڈالتے ہوئے ماہ نامہ

المیزان ادارتی نوٹ میں لکھتا ہے:

”اعلیٰ حضرت اشرفی میاں صاحب کچھوچھوی قدس سرہٗ متوفی ۱۱ر رجب المرجب ۱۳۵۵ھ شہر بریلی رونق افروز ہوئے، تو وہیں امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ سے ملاقات ہوئی اور پھر سلسلہ دراز ہی ہوتا گیا۔ دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کو بہت قریب سے دیکھا اور مراتبِ علیا سے واقف ہوئے۔ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں صاحب امام موصوف کے تبحرِ علمی اور دینی فہم و بصیرت کے بہت معترف تھے، اسی طرح امام احمد رضا بھی اعلیٰ حضرت (اشرفی میاں) کی مشیخت اور جمالِ ظاہری و باطنی نیز روحانی کمالات کے دل دادہ تھے۔ ایک مقام پر امام موصوف نے ایک شعر میں اعلیٰ حضرت (اشرفی میاں) کے امتیازی اوصاف کو نہایت بلیغ اور دل کش انداز میں پیش کیا تھا، جو درج ذیل ہے ؎

اشرفی اے رُخت آئینہ حُسنِ خوباں
اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں“

(ماہ نامہ المیزان، کچھوچھہ، دسمبر ۱۹۷۱ء، ص:۴۸)

امام اہلِ سُنّت کے شعر مذکور پر متعدّد تضمینیں لکھی گئی ہیں، محدث اعظم ہند سیّد محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے جو تضمین کہی اس کا مقطع ملاحظہ کریں ؎

کیا بیاں تیرا کرے سیّد آشفتہ بیاں
تر زباں اند بمدحت چو نعیمِ دوراں
تو رانگھ دیکھ کے اس بولے رضا شیخِ جہاں
”اشرفی اے رُخت آئینہ حُسنِ خوباں
اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں“

حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی نے اپنی تضمین کے مقطع میں یوں ارشاد فرمایا ؎

تیری تخصیص نہیں اخترؔ آشفتہ بیاں
کتنے اختر ہیں نشید آرا ترنم ریزاں
دیکھ خود شیخ رضا بھی ہیں یوں گوہر افشاں
”اشرفی اے رُخت آئینہ حُسنِ خوباں
اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں“

فکری ہم آہنگی:

شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں نے ایک نصیحت میں فرمایا: ”میرا مسلک شریعت وطریقت میں وہی ہے جو حضور پُر نور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ کا ہے۔“ (سُنّی آواز ناگ پور، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ء، ص: ۴۸؛ بہ حوالہ ہفت روزہ رضوان لاہور)

اشاعت سُنّیت اور خدمتِ دین متین نیز تردیدِ فرقہاے باطلہ کے لیے امام احمد رضا اور حضرت اشرفی میاں میں فکری مماثلت اور ذہنی ارتباط کا نظارہ ان بزرگوں کے اقوال و افعال سے ہوتا ہے، مولانا لیٰسؔ اختر مصباحی (بانی وصدر دار القلم دہلی) رقم طراز ہیں:

”شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (وصال ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) قدس سرہٗ خاتمُ الاکابر سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ کے خاتمُ الخُلفا تھے۔ حضرت خاتمُ الخُلفا (اشرفی میاں) کا یہ ایمان افروز وگراں قدرِ ارشاد وفرمانِ ہدایت نشان ہے کہ:

”فقیر کو حضرت مولانا سید شاہ آلِ رسول مارہروی قدس سرہٗ سے شرفِ خلافت حاصل ہے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی ان کے دربار سے فیض یاب ہیں۔ فقیر اور وہ اس رشتے سے پیر بھائی ہوئے۔ میرا مُرید اُن کا مُرید ہے اور اُن کا مُرید فقیر کا مُرید ہے۔ جو اِس کے خلاف ہے، فقیر اُس سے بَری ہے۔“ (علماے اہل سنت کی بصیرت وقیادت، ۴۲۴۔۴۲۵، مجلسِ فکر رضا لدھیانہ ۲۰۱۲ء)

روحانی اعتبار سے حضرت اشرفی میاں انفرادی مقام پر فائز تھے۔ وصالِ امام احمد رضا کی اطلاع کچھوچھہ مقدسہ میں پہنچی نہیں تھی کہ نگہِ روحانیت سے آپ نے ملاحظہ فرمالیا تھا، اس بابت حضرت محدث اعظم سید محمد اشرفی کچھوچھوی فرماتے ہیں:

”مَیں اپنے مکان پر تھا اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا، میرے حضور شیخ المشائخ (اشرفی میاں) قدس سرہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یک بارگی رونے لگے، یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے، مَیں آگے بڑھا تو فرمایا کہ: بیٹا! مَیں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔ چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا۔ اس وقت حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہٗ کی زبان پر بے ساختہ آیا کہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی وقت ایک خاندانی بزرگ نے فرمایا کہ اس سے تو تاریخ وصال نکلتی ہے۔“ (مجددِ اعظم، مشمولہ سُنّی آواز ناگ پور، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ء، ص: ۹۰)

اللہ کریم ہمیں شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں قدس سرہٗ کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا

فرمائے۔ ان کا مقدس مشن ہی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ گردشِ دوراں اور ہنگامِ زماں کا تقاضا ہے کہ ہم حضرت اشرفی میاں کے افکار و مشن کو اپنی حیات کا وطیرہ بنائیں۔ ان کی متعیّن کردہ راہ جو اسلاف کی راہ ہے، مشائخ اسلام کی راہ ہے، اگر ان کو عمل کے میدان میں سجالیں تو بہاریں چھا جائیں گی۔ موجودہ دور فکری انحطاط کا دور ہے۔ ایمان کی سلامتی اور افکار کی دمک اسی میں ہے کہ اسلاف کے دامن کو مضبوطی سے تھاما جائے۔ ان کے ارشادات کو اپنایا جائے۔ ان کی تعلیمات سے رشتۂ فکر مضبوط کیا جائے۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

یاد رکھیں! انھوں نے ایمان و عقیدے کو مقدم رکھا، مصلحت کی سیاست سے کوسوں دور رہے۔ گستاخوں سے کنارہ کش اور ان کی تردید میں صفِ اول میں رہے اس لیے اس رُخ سے بھی ان کے افکار کی اشاعت کی ضرورت ہے۔ ایمانی رشتہ کم زور ہو گیا تو نسبت بھی کم زور ہو جائے گی۔ نسبت کا استحکام ایمان کی سلامتی و حفاظت سے ہے۔ بے دینوں اور بدمذہبوں سے مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کی حفاظت کا جو درس شیخ المشائخ کی حیاتِ طیبہ سے ملتا ہے اس کی اشاعت و توسیع ہی ان سے محبت و الفت کا حاصل ہے۔

☆☆☆

امام احمد رضا اور محدث سورتی

مولانا محمد مجیب عالم مصباحی

استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

امام احمد رضا۔مختصر تعارف:

مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت، الشاہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ۱۰؍ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء بروز دوشنبہ مبارکہ بریلی شریف میں ایک علمی اور متدین گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان صدیوں سے علم و عمل کا گہوارہ تھا۔ جوہر علم آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے اندر قدرت نے بڑا اعالی دماغ اور جستجوے علم کا بیکراں ذوق ودیعت فرمایا تھا۔ جس کی بنا پر آپ نے نہایت قلیل مدت میں مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کرلی۔ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خان صاحب نے آپ کی فقہی بصیرت اور درک فی العلم کو دیکھ کر ۱۴؍ سال کی عمر میں مسند افتا کی ذمہ داریاں آپ کو تفویض فرمادیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱ص: ۸۔ محدثین عظام حیات وخدمات، ص:۶۶۸-۶۶۷،ہم نے مذکورہ کتابوں کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے)

فارابی، ابن سینا عمر خیام، امام رازی، امام غزالی، بیرونی، ابن رشد وغیرہ میں سے اکثر کسی ایک فن کے امام تھے، لیکن امام احمد رضا کا حال یہ تھا کہ جس فن کی طرف نظر اٹھائی وہ ان کے تار نگاہ کا اسیر ہو کر رہ گیا، جس فن کی طرف توجہ دی اسے کمال تک پہنچادیا، جس سمندر فن میں غوط زنی کی اس کی گہرائی تک پہنچ کر گونا گوں موتی کتابوں کے صفحات پر بکھیر دیے، جس چمن علم کی سیر کی اس میں اپنی بصیرت کے پھول کھلا دیے۔ (المیزان امام احمد رضا نمبر، ص:۴۵۵)

امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیت ہمیشہ پیدا نہیں ہوتی بلکہ سیکڑوں برس کی گردش لیل ونہار کے بعد ایسے بلند قامت صاحب تقوی، فقیہ، محدث، مفسر و متکلّم، صاحب طرز شاعر اور بلند پایہ مصنف پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے منبع علم وفن کے صدہا چشمے جاری ہوتے ہیں جن سے کشور علم کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوتی ہیں اور باغ اسلام میں بہار نو آتی ہے۔

امام احمد رضا کی تنہا ایک ذات گوناگوں علوم وفنون کا مخزن تھی اور علوم وفنون متداولہ کے علاوہ ایسے فنون کے بھی رمز شناس تھے جن کے جاننے والے تقریبا مفقود ہو چکے تھے آپ پچاس سے زائد فنون کے صرف جاننے والے ہی نہ تھے بلکہ ان میں امامت کے درجہ پر فائز تھے، جس فن پر آپ قلم اٹھاتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ پوری زندگی اس کے مطالعہ اور اس کے اسرار وغوامض کی تحقیق میں بسر ہوئی ہے۔ امام احمد رضا خان محدث بریلوی جیسی علمی شخصیت ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں ان کے عہد بلکہ ان سے صدی دوصدی پیشتر اور ان کے بعد آج تک پیدا نہ ہوسکی وہ یقینا عطیہ ربانی تھے اور انہیں علم لدنی کی دولت عطا ہوئی تھی۔ ان کو صرف ملک سخن ہی کی شاہی مسلم نہ تھی بلکہ وہ علم وفن کی جس قلمرو سے گزرے اپنی عظمتوں کے سکے بٹھاتے چلے گئے۔

آپ کے علمی فضل وکمال کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے علمائے دہر نے آپ کی شان میں مدحیہ قصیدے پڑھے۔ جو بھی آپ کی علمی گہرائی اور گیرائی سے متعارف ہوا وہ ہمیشہ کے لیے آپ کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ جب علمائے عرب نے آپ کی علمی گہرائی کو ملاحظہ کیا تو وہ بھی آپ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ چنانچہ جب شیخ محمد مختار بن عطاری مکی نے "الدولۃ المکیۃ" کا مطالعہ کیا تو بے ساختہ کہ اٹھے "ان المؤلف من سلطان العلماء المحققين في هذا الزمان وإن كلامه كله حق صراح فكانه من معجزات نبيناﷺ اظهره الله تعالى على يد هذا الإمام الاوحد سيدنا ومولانا خاتمة المحققين وعمدة العلماء السنيين سيدى أحمد رضا خان متعنا الله تعالى ببقائه وحماه من جميع من ارادا به سوءاً. (محدثین عظام حیات وخدمات، ص:۶۶۹-الدولۃ المکیۃ ص:۷۲)

بیشک مؤلف (الدولۃ المکیۃ امام احمد رضا خان) اس زمانے میں علمائے محققین کے بادشاہ ہیں اور ان کی ساری باتیں سچی ہیں گویا کہ وہ ہمارے نبی ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں جو اللہ تعالی نے اس یگانہ امام کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا۔ ہمارے سردار، ہمارے آقا، علمائے محققین کے خاتم، علمائے اہل سنت کے پیشوا سیدی احمد رضا خان کی زندگی سے اللہ تعالی ہمیں فائدہ پہنچائے اور ان سب کے خلاف ان کی حمایت فرمائے جو ان کی برائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

محافظ کتب خانۂ حرم شیخ سید اسماعیل مکی امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی فقہی تحقیق دیکھ کر اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرماتے ہیں: "والله أقول والحق أقول أنه لو رآها أبو حنيفة النعمان لا قرت عينه ولجعل مولفها من جملة الاصحاب". (محدثین عظام حیات وخدمات: ۶۸۰-

الاجازات المتینۃ، ص:۹)

میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور بالکل سچ کہتا ہوں کہ امام اعظم ابو حنیفہ آپ کے یہ فتاوی دیکھتے تو یہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتے اور وہ ان کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے۔

اپنے تو اپنے غیر بھی امام احمد رضا خان بریلوی کی نایاب تحقیقات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے، چناں چہ مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں : ”مولانا احمد رضا خان مرحوم صاحب علم و نظر علماے مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصا حدیث وفقہ پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی۔ مولانا نے جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علما کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے، اس سے ان کی جامعیت علمی بصیرت، قرآنی استحضار، ذہانت وطباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ان کے عالمانہ محققانہ فتاوی موافق و مخالف ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں“۔ (ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ستمبر ۱۹۶۲ء)

مختصر یہ کہ اللہ رب العزت نے امام احمد رضا بریلوی کو حضور ﷺ کا ایک معجزہ بنا کر بھیجا تھا جو اپنی تمام عمر اسلام اور امت مسلمہ کی خدمت میں باغیوں اور بدمذہبوں کی سرکوبی میں ہمہ تن مصروف رہا اور علم وفن، زہد و تقوی اور فکر و دانش کا یہ آفتاب ۶۷/ سال اور کچھ ماہ کی عمر اس دار فانی میں گزار کر ۲۵/ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ مبارکہ ۲/ بج کر ۳۸ منٹ پر غروب ہوا اور اپنے پیچھے لاکھوں کو آب دیدہ چھوڑ گیا۔

محدث سورتی مختصر تعارف:

ملک ہند میں درس حدیث کی مقدس محفلیں سجانے والی محترم و کرم ہستیوں میں ایک نمایاں نام شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا بھی ہے۔ آپ کا اسم گرامی وصی احمد اور مشہور لقب شیخ المحدثین ہے۔

آپ کا نسب حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کے صاحب زادے محمد بن حنفیہ سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ حنفی علوی ہیں۔

آپ کے جد اعلی حضرت مولانا قاسم بن شیخ طاہر مدینہ منورہ کے باشندے تھے وہ سولہویں صدی کے ربع آخر میں شاہ جہاں بادشاہ کے زمانے میں اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور سورت کی بندرگاہ سے راندیر پہنچے۔ ہندوستان آکر حضرت محدث سورتی کا خاندان دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک حصے نے راندیر میں ہی سکونت اختیار کی اور دوسرے حصے کے افراد شاہی فوج میں ملازمت اختیار کر کے

عنایت خاں بن قاسم کی سرپرستی میں بنگال جاکر مقیم ہوگئے۔ (محدثین عظام حیات وخدمات ص:۶۶۰)

حضرت مولانا قاسم صاحب نے راندیر (سورت میں ہی تعلیم وارشاد کی بساط بچھائی اور تدریسی وتبلیغی خدمات انجام دینے لگے، اور اہل وعیال کی پرورش کے لیے آپ نے یہیں کپڑوں کی تجارت شروع کی، راندیر (سورت) ہی میں شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ (ایضا)

حضرت محدث سورتی کا خانوادہ مدینۃ العلم حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے نسبی تعلق رکھتا تھا، آپ کے دادا حضرت مولانا محمد قاسم اپنے دور کے بڑے متبحر عالم وفاضل اور متقی وپرہیزگار بزرگ تھے اور والد ماجد مولانا محمد طیب کا شمار بھی اپنے زمانے کے ممتاز اور یگانہ روزگار علما میں ہوتا تھا، اس طرح جد اعلی کی علمی روایت آپ کے خانوادہ میں پشتہا پشت سے چلی آرہی تھی جس کے نتیجے میں حضرت محدث سورتی کو شوق علم اور حفظ وذہانت ورثہ میں ملے تھے، منزل ہوش میں قدم رکھتے ہی آپ تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا محمد طیب سورتی سے حاصل کی، اسی درمیان ۱۸۵۷ء کے حادثات وسانحات رونما ہوئے جن میں آپ کے خانوادے پر کاری ضرب لگی اور آپ کا تعلیمی سلسلہ تین سال سے کچھ زیادہ عرصے تک موقوف رہا پھر اعلی تعلیم کے حصول کے لیے دہلی کی طرف کوچ کیا اور مدرسہ حسین بخش دہلی میں داخلہ لے کر علما وفضلا سے صرف ونحو، تفسیر وتراجم اور دیگر قرآنی علوم حاصل کیے اور ایک سال بعد مدرسہ فیض عام کانپور میں داخلہ لیا۔ پھر کانپور سے علی گڑھ جاکر مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مفتی صاحب سے خوب خوب اکتساب فیض کیا اور علم وفضل کے خزینے جمع کیے اور ۱۸۸۶ء میں اس دور کے جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ، فقہ وتفسیر اور حدیث واصول حدیث کی تکمیل کرلی۔ (ایضًا، ص:۶۶۱، تذکرہ محدث سورتی، ص: ۳۸/ ۴۰)

آپ نے تمام علوم وفنون سے فراغت کے بعد گنج مراد آباد کا سفر کیا اور وہاں قطب الاقطاب اویس دوراں حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی کی بیعت کی اسی دوران اعلی حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی سے بھی گہرے تعلقات استوار ہوے۔ (ایضا، ص:۴۴)

چوں کہ آپ کو علم حدیث سے خصوصی لگاؤ اور شغف تھا اس لیے اس میں مزید پختگی کی غرض سے اپنے استاد محترم مفتی لطف اللہ علی گڑھی اور پیرومرشد حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی کے مشورے سے اس زمانے کے مشہور محدث مولانا احمد علی سہارنپوری کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، علم وفضل میں

یگانہ استاد اور ذی فہم وذی علم رفیقان درس کی صحبت نے محدث سورتی کو اتنا نکھارا کہ آگے چل کر آپ "شیخ المحدثین" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ محدث سہارنپوری کے حلقہ درس سے آپ ایک جید اور پایے کے محدث بن کر فارغ ہوے۔ بعدہ اپنے پیر ومرشد شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے علوم باطنی، مجاہدہ وریاضت، تزکیہ نفس اور تصوف ومعرفت کی عظیم دولت حاصل کر کے پیر ومرشد سے اجازت وخلافت پائی۔
(محدثین عظام حیات وخدمات، ص:۶۶۲،۶۶۱۔ تذکرہ محدث سورتی، ص:۵۳)

جب آپ علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ وپیراستہ ہوکر مسند درس وتدریس پر جلوہ گر ہوئے تو آپ کی بابرکت ذات سے علوم کے ایسے چشمے جاری ہوئے، جن سے بے شمار تشنگان علوم وفنون سیراب ہوکر خلق خدا کے لیے ذریعہ نجات بنے۔

محدث سورتی علوم اسلامیہ پر بڑی عمیق نگاہ رکھتے تھے۔ فقہ وتفسیر اور منطق وفلسفہ کی امہات کتب کا درس دیتے تھے۔ لیکن آپ کا پسندیدہ میدان فن حدیث تھا۔ آپ فن حدیث کا خصوصی درس دیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے یہاں حدیث کے طلبہ کا ہمیشہ ہجوم لگا رہتا تھا۔ آپ نے کامل چالیس سال درس حدیث میں گزارے۔ بے شمار احادیث آپ کو مع اسناد یاد تھیں۔ حدیث دانی میں آپ کا مرتبہ کتنا بلند وبالا تھا اس کے سمجھنے کے لیے یہی کہنا کافی ہے کہ محدث سورتی کے استاذ، وقت کے مشہور ومعروف محدث مولانا احمد علی سہارن پوری علم حدیث کی تدریس میں حضرت محدث سورتی کو اپنا جانشین کہتے تھے۔ اور امام احمد رضا خان بریلوی، علامہ ہدایت اللہ خان رامپوری، مولانا عبد الوہاب فرنگی محلی، مولانا احمد حسن کان پوری اور مولانا فضل الرحمان قدست أسرارھم فن حدیث میں ان کی مہارت تامہ اور وسعت نظر کے معترف بلکہ مداح تھے۔ حتی کہ آخر الذکر چاروں بزرگ اپنے تلامذہ کو دورۂ حدیث کے لیے محدث سورتی کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ (ایضًا، ص:۶۶۳)

حضرت محدث سورتی نے دین متین کی تائید وحمایت، سنیت کی ترویج واشاعت کے لیے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود علمی وتحقیقی نوادر کو صفحہ قرطاس پر مرتسم بھی فرمایا۔ آپ نے ۲۵ سے زائد کتب حدیث وفقہ کی شرحیں لکھیں۔ علم حدیث کے اس جبل شامخ نے اپنی حیات کے گراں قدر لیل ونہار خدمت دین میں پورے اخلاص کے ساتھ بسر فرمائے اور اسلام کی پاسبانی کرتے ہوئے جمادی الآخرہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۲/اپریل ۱۹۱۶ء بدھ کے دن اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرمائی۔

آپ کا مزار مدرسہ پیلی بھیت کے سامنے مسجد کے احاطہ میں مرجع خلائق ہے۔

ہم زیر نظر مقالہ میں امام احمد رضا خان بریلوی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کے باہمی تعلقات اور ایک دوسرے کے ساتھ عقیدت و محبت کی چند جھلکیاں پیش کریں گے، آئیے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ حضرت محدث سورتی کی نظر میں امام احمد رضا خان بریلوی کا مرتبہ کیا تھا اور ان کے دل میں اعلی حضرت کی کتنی عقیدت و محبت تھی۔

امام احمد رضا خان محدث سورتی کی نظر میں:

شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے دل میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی بے پناہ عقیدت و محبت رچی بسی ہوئی تھی اور اعلی حضرت کے ساتھ آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ اس کی وضاحت کے لیے ہم چند واقعات آپ کی نظر کے حوالے کر رہے ہیں۔

اعلی حضرت کا پیلی بھیت میں ورود مسعود ہوا اور ملک العلماء حضرت ظفر الدین بہاری کے استاد گرامی حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کو میزبانی کا شرف بخشا۔ درمیان گفتگو ''العقود الدریۃ في تنقیح الفتاوی الحامدیۃ'' کا تذکرہ آیا۔ اعلی حضرت کے کتب خانے میں کتابوں کا کافی ذخیرہ ہونے کے باوجود اتفاق سے یہ کتاب موجود نہیں تھی۔ اعلی حضرت نے فرمایا: یہ کتاب میں نے نہیں دیکھی ہے۔ حضرت محدث سورتی نے فرمایا: میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اعلی حضرت کو یہ کتاب دیکھنے کا اشتیاق ہوا اور حضرت محدث سورتی سے فرمایا: واپسی کے وقت کتاب مجھے دے دیجیے گا حضرت محدث سورتی نے خوشی خوشی قبول کیا اور کتاب لاکر پیش کر دی اور کہا: بعد مطالعہ اسے ارسال فرمادیں۔

اعلی حضرت کا اسی روز پیلی بھیت سے واپسی کا عزم تھا مگر ایک عقیدت مند کی دعوت اور اس کے اصرار کی وجہ سے رات کو پیلی بھیت میں ہی رکنا پڑا۔ ''العقود الدریۃ في تنقیح الفتاوی الحامدیۃ'' دو جلدوں میں ایک ضخیم کتاب تھی۔ اعلی حضرت نے رات اور صبح کے کچھ حصہ میں دونوں جلدوں کا مطالعہ کر لیا دوسرے روز بعد ظہر جب روانگی کی تیاری ہونے لگی تو آپ نے ''العقود الدریۃ في تنقیح الفتاوی الحامدیۃ'' ملک العلما ظفر الدین بہاری کو دیتے ہوئے فرمایا: یہ کتاب محدث صاحب کو واپس کر آو! ملک العلماء کو بہت تعجب ہوا کہ کتاب ساتھ لے جانے کا ارادہ تھا۔ واپس کیوں فرما رہے ہیں؟ مگر احتراما کچھ بول نہ سکے۔ اور کتاب محدث سورتی کے پاس پہنچادی۔ محدث سورتی نے خیال کیا: شاید اعلی حضرت مجھ سے کچھ خفا ہو گئے اس لیے کتاب واپس کر دی محدث سورتی نے کتاب ملک العلماء کو دی اور ان کو اپنے ساتھ لے کر اعلی حضرت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا آپ کو کتاب

واپس کر دینے والی میری بات سے ملال ہوا کہ آپ نے کتاب واپس کر دی ؟۔

اعلی حضرت نے ارشاد فرمایا: اگر میں گزشتہ کل ہی واپس جاتا تو ساتھ لے جانے کا قصد تھا لیکن میں کل نہیں جا سکا اس لیے میں نے رات اور صبح کے وقت میں پوری کتاب کا مطالعہ کر لیا ہے۔ اب ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت محدث سورتی نے فرمایا: بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گیا؟ اعلی حضرت نے فرمایا: اللہ تعالی کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینے تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی فتاوی میں لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ عمر بھر کے لیے محفوظ ہو گیا۔ (حیات اعلی حضرت، ج:۱ص:۲۵۷،۲۵۸)

ایک مرتبہ اعلی حضرت پیلی بھیت شریف حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے گھر تشریف لے گئے۔ دوران قیام ایک روز ایک صاحب نے دعوت کر دی۔ اعلی حضرت نقاہت کی وجہ سے دعوت میں پالکی میں بیٹھ کر تشریف لے گئے۔ جب آپ کی پالکی محدث سورتی کے مکان سے روانہ ہوئی تو متوسلین و معتقدین کے ساتھ حضرت محدث سورتی بھی پاپیادہ پالکی کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ کہاروں کی رفتار چوں کہ تیز تھی اس لیے محدث سورتی نے اپنی رفتار بھی تیز کی یہاں تک کہ دوڑنا شروع کر دیا اسی پر بس نہیں کیا بلکہ نعلین بغلوں میں دبا لیں۔ اب شارع عام پر تمام لوگ حیرت و استعجاب سے پالکی اور محدث سورتی کو دیکھ رہے تھے اور دل میں سوچ رہے تھے کہ پالکی میں ایسی کون عظیم شخصیت تشریف فرما ہے جس کے پیچھے فن حدیث کے جبل شامخ، متقی زمانہ حضرت محدث سورتی نعلین بغلوں میں دبائے دوڑے چلے جا رہے ہیں؟

کہاروں نے کاندھا بدلنے کے لیے یکا یک پالکی روکی۔ محدث صاحب تیز رفتار کے ساتھ پالکی کے ہمراہ تھے اس لیے تیزی میں پالکی کی کھڑکی کے سامنے پہنچ گئے۔ اب اعلی حضرت کی نظر محدث سورتی پر پڑی کہ برہنہ پا پالکی کے ہمراہ دوڑے چلے آرہے ہیں۔ اعلی حضرت نے کہاروں کو فوراً حکم دیا کہ پالکی یہیں رکھ دو! اور پالکی سے باہر آکر محدث سورتی سے فرمایا: مولانا! یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟ محدث صاحب نے فرمایا: حضور! آپ پالکی میں تشریف رکھیں میں پاپیادہ آرہا ہوں۔ اعلی حضرت نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ محدث سورتی نے فرمایا: آپ بہت کمزور ہیں اور ابھی مکان بھی دور ہے لہذا آپ پالکی میں تشریف رکھیں۔ اعلی حضرت نے فرمایا: اچھا آپ یہیں سے واپس تشریف لے جائیے تب میں پالکی میں بیٹھوں گا، ورنہ میں بھی آپ کے ہمراہ پیدل چلوں گا۔ بالآخر محدث سورتی کو واپس ہونا پڑا اور پالکی آگے بڑھی۔ اس دعوت میں چوں کہ محدث سورتی بھی مدعو تھے اس لیے اعلی حضرت کے پہنچ جانے کے بعد صاحب خانہ رئیس صاحب نے

پالکی حضرت محدث صاحب کو لانے کے لیے روانہ کی۔(حیات اعلی حضرت، ج:۱ص:۲۲۰/ ۲۱۹)

شیخ المحدثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی کو "امیر المومنین في الحدیث" کہا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر دوران درس اور دیگر محفلوں اور جلسوں میں بڑے خلوص و احترام کے ساتھ امام احمد رضا کا ذکر جمیل کیا کرتے تھے اور اپنے پیرو مرشد مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی کا ذکر نہیں کرتے۔ محدث سورتی کے اعلی حضرت سے اس گہرے لگاؤ اور تعلق کو دیکھ کر ایک بار حضرت محدث سورتی کے شاگرد محدث اعظم ہند کچھوچھوی نے سوال کیا: حضور! آپ کو بیعت کا شرف مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے حاصل ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کا جو شوق اور لگاؤ اعلی حضرت سے ہے وہ اور کسی سے نہیں ہے۔ اعلی حضرت کی یاد، ان کا تذکرہ اور ان کے فضل و کمال کا خطبہ پڑھنا آپ کی زندگی کے لیے روح کا مقام رکھتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت محدث سورتی نے آبدیدہ ہو کر جواباً ارشاد فرمایا: سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں جو میں نے مولوی احمد علی محشی بخاری سے پائی اور نہ وہ بیعت ہے جو مجھ کو گنج مرادآباد میں نصیب ہوئی بلکہ سب سے بڑی دولت وہ ایمان ہے جو مدار نجات ہے اور وہ ایمان میں نے صرف اعلی حضرت سے پایا ہے۔ پیرو مرشد کی بیعت کے بعد میں بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خانوادہ مسلمان سمجھا جاتا تھا مگر جب میں اعلی حضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی اب میرا ایمان رسمی نہیں بلکہ بعونہ تعالی حقیقی ہے۔ جس نے مجھے حقیقی ایمان بخشا، میں اس کی یاد سے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔ اعلی حضرت کے تذکرے سے میری روح کو بالیدگی ملتی ہے اور ان کے ایک ایک کلمہ کو میں اپنے لیے مشعل ہدایت سمجھتا ہوں۔ (حیات اعلی حضرت، ج:۲ص:۵۷۰/۵۶۹- محدثین عظام حیات و خدمات ص:۶۷۷)

محدث اعظم ہند کچھوچھوی فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: کیا مولانا احمد رضا خان بریلوی علم حدیث میں آپ کے برابر ہیں؟ محدث سورتی نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا: شہزادے صاحب! آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا مطلب کیا ہے؟ سنو اعلی حضرت " امیر المومنین في الحدیث ہیں اگر میں سالہا سال اس فن میں تلمذ کروں تب بھی ان کے پاسنگ کو نہ پہنچوں گا۔ (ایضا)

ایک مرتبہ محدث سورتی نے اعلی حضرت سے عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں استفسار کیا اور احادیث دریافت کیں تو اعلی حضرت نے اس کے جواب میں بیس احادیث ذکر فرمائیں۔ (ایضا)

شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کی سسرال پیلی بھیت میں تھی اس لیے وہاں اکثر

آمد ورفت ہوتی تھی۔ اس زمانے میں پیلی بھیت میں مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی کا ایک وسیع حلقہ ارادت قائم ہوچکا تھا اور وہاں کے علماورؤسا کی خواہش تھی کہ حضرت محدث سورتی کے فیض کا دریا اسی سرزمین سے جاری ہو۔ چنانچہ حکیم خلیل الرحمان خان کی درخواست پر شیخ گنج مرادآبادی نے محدث سورتی کو پیلی بھیت جاکر درس حدیث دینے کا حکم دیا۔ اور حکیم خلیل الرحمان خان نے نواب حافظ رحمت خاں کی تعمیر کردہ مسجد میں مدرسہ حافظیہ قائم کیا جس میں حضرت محدث سورتی نے درس حدیث کا آغاز کیا۔ آپ کے مخلصانہ طریقۂ تدریس اور محد ثانہ بصیرت کا ڈنکا ملک کے گوشے گوشے میں بجنے لگا اور دور دراز سے تشنگان علم حدیث اس چشمۂ جاری کے پاس جمع ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے طلبہ کا ہجوم اس قدر بڑھا کہ مدرسہ حافظیہ تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگا۔ اس لیے مسجد کے سامنے ایک وسیع اراضی خرید کر محدث سورتی نے ۱۳۰۳ھ میں ''مدرستہ الحدیث'' تعمیر کرایا۔ اس مدرسہ کے تاسیسی جلسے میں بہت سے علما، محدثین ومشائخ کو مدعو کیا گیا اور سنگ بنیاد کے لیے اعلی حضرت کو خصوصی دعوت پیش کی گئی۔ اس جلسے میں محدث سورتی کی خواہش تھی کہ علم حدیث پر اعلی حضرت کا خطاب ہوجائے۔ آپ نے محدث سورتی کی اس خواہش کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے علمائے لاہور، علمائے کان پور، علمائے جون پور، علمائے رام پور اور علمائے بدایوں کی موجودگی میں متواتر تین گھنٹوں تک علم حدیث پر پر مغز اور مدلل خطاب فرمایا۔ جلسہ میں تشریف فرما تمام علمائے کرام نے حیرت واستعجاب کے ساتھ سنا اور خوب خوب داد وتحسین سے نوازا اور مولانا خلیل الرحمان بن مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے تقریر کے اختتام پر بے ساختہ اٹھ کر امام احمد رضا خان بریلوی کی دست بوسی کی اور کہا: اگر اس وقت والد ماجد ہوتے تو وہ علم حدیث میں آپ کے تبحر علمی کی دل کھول کر داد دیتے اور انھی کو اس کا حق بھی تھا۔ حضرت محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری نے بھی اس کی پرزور تائید کی۔ (جامع الاحادیث، ج:۱ص:۷۰۷- ۴۰۸۔ محدثین عظام حیات وخدمات، ص:۶۶۳-تذکرہ محدث سورتی ص:۶۶-۶۵)

ملک العلما ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں کہ استاد گرامی حضرت محدث سورتی کو اعلی حضرت سے اس قدر گہری عقیدت ومحبت تھی کہ تقریبا ہر مہینے پیلی بھیت سے بریلی شریف تشریف لاکر اعلی حضرت سے ملاقات کرتے تھے۔ دین ودیانت اور رشد وہدایت کے شمس وقمر کا منظر بھی قابل دید ہوتا تھا۔ جس وقت ان دونوں حضرات کی نظریں دو چار ہوتیں تو پہلے سلام پر مصافحہ اور پھر معانقہ فرماتے اس کے بعد ایک دوسرے کی دست بوسی کرتے پھر دونوں سائبان میں قالین پر تشریف رکھتے اور ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے بعد علمی گفتگو شروع ہوجاتی۔ محدث سورتی اکثر صبح کی گاڑی سے تشریف لاتے اور دن بھر

قیام کر کے شام کو واپس ہو جاتے تھے۔(حیات اعلی حضرت، ج:۱ص:۲۲۲/۲۲۱)

اب ہم یہاں سے محدث سورتی کی وہ تحریریں پیش کر رہے ہیں جن میں محدث سورتی نے اعلی حضرت کو نہایت بلند و بالا آداب و القاب سے نوازا ہے۔

شیخ المحدثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی ''التعليق المجلي لما في منية المصلي''میں ''فإذا فرغ من الأدعية يسلم عن يمينه '' کے تحت فرماتے ہیں: سلام پھیرنے کے بعد امام کو قبلہ کی طرف چہرہ کر کے بیٹھے نہیں رہنا چاہیے اور یہ حکم تمام نمازوں کا ہے خواہ بعد سلام تھوڑی دیر بیٹھنے کا ارادہ ہو جیسے وہ نمازیں جن کے بعد سنن راتبہ ہیں یا زیادہ دیر بیٹھنے کا ارادہ ہو جیسے وہ نمازیں جن کے بعد سنن راتبہ نہیں ہیں۔ اور میں اپنے شیخ، اپنے والد گرامی اور مذہب حنفی کے اجلۂ علما کی پیروی کرتے ہوئے ایسا ہی کیا کرتا تھا۔ ایک دن سہارن پور کے ایک مشہور مدرس نے میری اقتدا میں نماز ظہر ادا کی۔ جب میں بعد سلام داہنی طرف گھوما تو اس نے تعجب کیا اور کہا: آپ کیوں گھومے؟ آپ نے برا کیا کیوں کہ جن نمازوں کے بعد سنن و نوافل ہیں ان میں بعد سلام امام کے لیے قبلہ سے رخ پھیرنے کو فقہا نے مکروہ قرار دیا ہے۔ میں نے کہا: آپ جو کہ رہے ہیں مجھے اس کا علم نہیں ہے اور نہ یہ جانتا ہوں کہ جو آپ نے بیان کیا ہے وہ کس کتاب میں ہے۔ تو اس نے کہا: اس کی صراحت تو عام کتابوں میں ہے اور تھوڑی سی عقل والا بھی یہ مسئلہ جانتا ہے۔

معترض ایک دن کا مسافر تھا دوسرے دن وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے یہ مسئلہ اپنے پاس موجودہ کتابوں میں تلاش کیا لیکن معترض نے جو کہا تھا کتابوں میں اس کا کوئی نشان نہ ملا۔ پھر میں نے اس بارے میں اعلی حضرت سے استفتا کیا۔

محدث سورتی کے دل میں اعلی حضرت کی کتنی عقیدت و محبت تھی اور ان کے نزدیک اعلی حضرت کا مرتبہ کتنا بلند و بالا تھا اور اعلیٰ حضرت پر آپ کو کس قدر اعتماد تھا اس کو نمایاں کرنے کے لیے ہم وہ آداب و القاب آپ کی نظر نواز کر رہے ہیں جو محدث سورتی نے اعلی حضرت کے لیے ''التعلیق المجلی''میں زیر ذکر مسئلہ میں تحریر فرمائے ہیں۔

محدث سورتی تحریر فرماتے ہیں: تو میں نے عالم سنت مجدد رواں صدی، فقیہ وجیہ، محدث نبیہ، سیدنا احمد رضا خان بریلوی کی بارگاہ میں اس مسئلہ کا درست حکم طلب کرتے ہوئے استفتا کیا جس مسئلہ میں سہارنپوری نے مجھ سے نزاع کیا تھا۔

اس استفتا کے جواب میں اعلی حضرت عظیم البرکت تحریر فرماتے ہیں:

اس بارے میں پیارے آقا علیہ السلام سے سنت متوارثہ امام کے لیے بعد سلام قبلہ سے پھر جانا ہے جو کہ بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور یہ حکم تمام نمازوں کا ہے لہذا حق تمھارے ساتھ ہے اور تمھارے مخالف نے جو کہا وہ اس نے بڑے بڑے فقہا پر افترا کیا۔ مولیٰ محقق جو ابن امیر الحاج کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے منیہ کی شرح حلیہ میں ذخیرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: جب امام اپنی نماز سے فارغ ہو جائے تو فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ اپنی جگہ قبلہ رو ہو کر نہ بیٹھے اس بارے میں تمام نمازیں برابر ہیں۔ بہت سے فقہا نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ بعد سلام امام کے لیے قبلہ رو ہو کر بیٹھنا مکروہ ہے۔ (ملخصاً من التعليق المجلي لما في منية المصلي، ص:۳۲۹)

حضرت محدث سورتی نے "التعليق المجلى لما في منية المصلى میں و یکره تقديم العبد و الاعرابي و الفاسق" کے تحت ایک طویل بحث کی ہے۔ ہم اس کا مختصر سا حصہ آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

محدث سورتی فرماتے ہیں: فاسق کو امامت کے لیے آگے بڑھانا مکروہ ہے اور بدعتی کو امام بنانا بھی مکروہ ہے اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جس کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے خلاف ہو۔ اور اہل سنت کے نزدیک بدعتی کی اقتدا کراہت کے ساتھ جائز ہے جب کہ اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو اور اگر بدعت حد کفر تک پہنچ گئی ہو تو اس کی اقتدا اصلاً جائز نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں: بدعت کی تحقیق، اس کے لغوی اور شرعی معنی کا بیان، اس کے اقسام کی توضیح، ہمارے زمانے کے بے وقوفوں کو عارض ہونے والے وہم کا دفع اور ہمارے شہروں میں عوام اہل سنت کو گمراہ کرنے والے شکوک و شبہات کا ازالہ، نقاوۃ العلماء نقایۃ الفضلاء سیدنا علامہ نقی علی خاں بریلوی کی کتاب "اصول الرشاد لقمع مباني الفساد" میں موجود ہے۔ پھر اعلیٰ حضرت کو نہایت اعلیٰ آداب و القاب سے نوازتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: اور ان کے ہدایت یافتہ اور سراہے ہوئے بیٹے افضل الا فاضل الكرام امثل الاماثل العظام حامی السنن السنية ماحی الفتن الدّنِيّة جامع الفضائل المنيعة قامع الرذائل الشنيعة تاج المحققين الكملة سراج المدققين الا جلة راس الفقهاء و المحدثين رئيس المفسرين و المتكلمين امام الادباء و الميزانيين بقية السلف الاصفياء حجة الخلف الا ذكياء صاحب الحجة القاهرة مجدد المائة الحاضرة سيدنا العلامة أحمد رضا خان البريلوي بارك الله في فضله الصوري و المعنوي. اور حضرت موصوف دام

فیضہ وعم ارشادہ کی وہابیوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرنے کے بارے میں ایک عمدہ کتاب ہے جو "النهي الاكيد عن الصلوة وراء عدى التقليد" کے نام سے موسوم ہے۔ میں نے اس کتاب کے اکثر حصہ کا مطالعہ کیا اور اس کو بہت ہی عمدہ پایا اعلیٰ حضرت سے پہلے کسی نے ایسی عمدہ کتاب تحریر نہیں کی۔ (ملخصا من التعليق المجلى لما في منية المصلى، ص:۳۷۲/۳/۳۷۳)

حضرت محدث سورتی نے "التعليق المجلى لما في منية المصلى" میں "لو قال المصلى مثل ما قال المؤذن تفسد" کے تحت ایک طویل اور بہت ہی مفید بحث کی ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ اس بحث کا چیدہ چیدہ حصہ پیش کر رہے ہیں۔

ایک مقام پر محدث سورتی ارشاد فرماتے ہیں: جب مؤذن دوسری مرتبہ "أشهد أن محمدا رسول الله" کہے تو سننے والا "قرة عينى بك يا رسول الله" کہے۔ پھر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھ کر کہے "اللهم متعنى بالسمع و البصر" کیوں کہ کتاب الفردوس میں حضور علیہ السلام سے مروی ہے: "من قبل ظفرى ابهاميه عند سماع اشهد ان محمدا رسول الله في الاذان انا قائده و مدخله في صفوف الجنة" یعنی جو اذان میں "اشهد أن محمدا رسول الله" سننے کے وقت اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چومے گا میں اس کی قیادت فرماؤں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل فرماؤں گا۔ الجراحی نے فرمایا ہے کہ انگوٹھے چومنے کے بارے میں کوئی بھی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے۔

محدث سورتی فرماتے ہیں: جراحی کے اسی قول سے وہابیوں کو دھوکا ہوا اور شیطان نے انہیں لغزش دی حتی کہ اب وہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم و توقیر کو برا اور بدعت قرار دیتے ہیں اور أشهد أن محمدا رسول الله پر انگوٹھے چومنے سے منع کرتے ہیں۔ اور ہمارے طلبہ کو مغالطہ میں ڈالتے ہوئے کہتے ہیں: تم یہ کیسے کہتے ہو کہ انگوٹھے چومنا مستحب ہے اور اس میں ثواب ہے جب کہ ردالمحتار میں اس بات کی صراحت ہے کہ اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے۔

ان وہابیہ کے رد میں حضرت محدث سورتی فرماتے ہیں: انگوٹھے چومنے والی حدیث موضوع نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے اور باب فضائل میں حدیث ضعیف بھی مقبول ہے۔ حدیث ضعیف اپنی سند کے اعتبار سے ضعیف ہوتی ہے متن کے اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ ضعیف نہ ہو۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے بارے میں "لایصح، غیر صحیح یا "ضعیف" کہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ نفس الامر میں یہ حدیث غلط ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محدث کے نزدیک صحت و قوت کے جو شرائط ہیں وہ تمام اس

حدیث میں نہیں پائے جاتے۔ حافظ محقق علی الاطلاق ''فتح'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں: حدیث کو سند کے اعتبار سے حسن، صحت اور ضعف کے ساتھ ظنی طور پر متّصف کیا جاتا ہے۔ لیکن واقع کے اعتبار سے حدیث صحیح غلط ہوسکتی ہے اور حدیث ضعیف صحیح ہوسکتی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: حدیث کا ضعف سند کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ حدیث ضعیف کو کوئی ایسا قرینہ مل جائے جو اس کو ثابت کردے۔

براہین و دلائل کی شرح و بسط کے ساتھ اس مسئلہ کی ایسی تحقیق جو گمراہ اور گمراہ گر وہابی باطل فرقہ کے لیے باندھ ثابت ہووہ ''منير العين في حكم تقبيل الا بهامين'' میں ہے اور یہ رسالہ ''زبدة العلماء المحققين عمدة الفضلاء المدققين صاحب الحجة القاهرة مجددالمائة الحاضرة ناشر السنة قامع البدعة سيدنا العلامة و مولانا الفهامة المولوى **احمد رضا خان البريلوى** اعانه فيما انتصب له من الذب عن الملة السمحة البيضاء الحنفية وجعل سعيه مشكورا و ناصره منصورا العزيز البارى'' کا ہے۔ (ملخصا من التعليق المجلى لما في منية المصلى ،ص:۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸)

حضرت محدث سورتی ''التعليق المجلى لما في منية المصلى'' میں'' في فتاوى البقالى قطعة جلد كلب'' کے تحت فرماتے ہیں: بقالی محمد بن ابی قاسم ہیں جو کہ بقالی کے نام سے مشہور ہیں۔

محدث سورتی پھر فرماتے ہیں کہ بقالی مجھ پر مشتبہ ہوگئے کہ وہ مذکورہ بقالی ہیں یا وہ بقالی ہیں جو امام شمس الائمہ حلوانی کے معاصر ہیں تو میں نے بقالی کی تعیین اور ان کی سوانح کے بارے میں ''العالم العلامة و الفاضل الفهامة امام عصره و همام دهره رئيس حماة السنة وراس عداة البدعة السيئة ذي التصانيف الباهرة مجددا لماة الحاضرة الرحلة الحجة مولانا احمد رضا خان البريلوى الحنفى'' کی بارگاہ میں ایک تحریر لکھی۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

امام بقالی ''قاف'' کی تشدید اور ''ی'' کے اضافہ کے ساتھ ہے جیسا کہ اہل عجم کی عادت ہے تو بقالی کی ''یا'' ابن سمعانی کی تنبیہ کے مطابق ''یائے معجمہ'' ہے یعنی وہ یا ہے جو اہل عجم پڑھتے ہیں نہ کہ ''یائے نسبت'' اور مذکورہ لفظ اصل میں بقّال ہے اور وہ عمدہ تصنیفوں والے ایک ماہر بزرگ اور ایسے مشہور معتمد فتاوی کے مالک ہیں جن سے محیط اور ذخیرہ وغیرہ مشہور کتب فقہ میں حجت پیش کی جاتی ہے۔ اور کاتب چلپی نے قصر کیا

ہے یعنی مذکورہ لفظ کو بغیر تشدید کے استعمال کیا ہے اور کہا ہے "فتاوی البقالی" اس کو تاتارخانیہ میں ذکر کیا ہے اورانہوں نے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا ہے۔ ان کا نام محمد بن ابی قاسم بن باجوک زین المشائخ ابوالفضل خوارزمی عرف آدمی ہے۔(ملخصا من التعليق المجلى لما في منية المصلى، ص:۱۵۸)

علاوہ ازیں اعلی حضرت کو محدث سورتی نے جو خطوط لکھے ہیں ان سے بھی اعلی حضرت کے ساتھ ان کی عقیدت اور الفت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل میں چند خطوط سے ان آداب و القاب کو نقل کیا جاتا ہے جو آپ نے امام احمد رضا خان بریلوی کے لیے تحریر فرمائے ہیں۔

از پیلی بھیت، ۲؍ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ.

إمام الدهر و همام العصر عالم رباني و فاضل حقاني بحر العلوم مولانا سيدنا مولوی احمد رضا خان صاحب دام ظلهم وعم فيضهم، السلام عليكم ورحمة الله و بركاته .(مکتوبات علما و کلام اہل صفا، بریلی، ۱۰۷)

از پیلی بھیت، ۱۱؍ شعبان ۱۳۱۳ھ

إمام المتوكلين وهمام الفقهاء والمحدثين خير اللحقة بالمهرة السابقين بحر العلوم مولانا وبالفضل اولانا مولوی احمد رضا خان صاحب عمت فيوضاتهم اهل المشارق والمغارب.

السلام عليكم و رحمة الله و بركاته (مکتوبات علما و کلام اہل صفا، بریلی ص:۱۰۸)

از پیلی بھیت ۴؍ صفر المظفر ۱۳۱۴ھ

حامی سنت و اسلام ہادی خواص و عوام اعلم العلماء وافهم الفضلاء فقیہ بے تمثیل و محدث بے عدیل مجدد دین متین ناصر سنت قامع بدعت حضرت مولانا وہادینا مولوی احمد رضا خاں صاحب اعز الله الاسلام واهله بنصرته وأعلى كلمته بسعيه وحمايته وبارك في ارشادهم، وشكر مساعيهم. (ایضا، ص:۱۱۱)

محدث سورتی امام احمد رضا کی نظر میں:

اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی حضرت محدث سورتی سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ جس کی ایک وجہ تو محدث صاحب کا علم تھا اور دوسری وجہ مذہب حق مذہب اہل سنت و جماعت پر محدث صاحب کی استقامت تھی۔

محدث سورتی مذہب اہل سنت و جماعت پر بہت پختگی کے ساتھ عمل پیرا تھے، مذہب اہل سنت پر استقامت کے سلسلے میں ان کو اگر نقصان برداشت کرنا پڑا تو نقصان برداشت کر لیا لیکن مذہب اہل سنت سے ذرہ برابر انحراف گوارا نہیں کیا۔ اس کی وضاحت کے لیے ہم محدث سورتی کی روشن حیات کا ایک نمایاں واقعہ نظر نواز کر رہے ہیں۔

وطن عزیز ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد کچھ ایسی تحریکیں زور پکڑنے لگیں جو کھلم کھلا جادہ حق و صداقت سے دور تھیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی برملا کوشش کر رہی تھیں مگر بعض ایسی زمین دوز تحریکیں بھی تھیں جو اشاعت علم اور اتحاد ملت کے سنہرے منصوبے لے کر ابھریں اور سادہ لوح مسلمانوں کو دام ہم رنگ زمیں میں اسیر کرنے لگیں۔ انہیں تحریکوں میں ندوہ کی تعلیمی تحریک بھی ہے جس نے فرقہ وارانہ اختلاف سے اوپر اٹھ کر تمام مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی لڑی میں پرونے کا منصوبہ پیش کیا۔ ابتدا میں علمائے اہل سنت نے بھی اس تحریک کے اجلاس میں شرکت کی۔ محدث سورتی کے استاذ مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی اور مرشد برحق مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی اس تحریک کے سرپرست تھے جس کی بنا پر محدث سورتی نے بھی اس تحریک کے ابتدائی جلسوں میں شرکت فرمائی مگر ۱۳۱۱ھ کی دوسری نشست میں رافضی مولوی غلام حسین کنتوری کی تقریر نے اس تحریک کے منفی پہلوؤں اور اس کی خفیہ پالیسیوں کے نقوش نمایاں کر دیے اور علماے حق پر اس تحریک کی گمراہ کن پالیسیاں واضح ہو گئیں۔ چناں چہ اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی، تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی اور حافظ بخاری مولانا سید عبد الصمد سہسوانی، مولوی غلام حسین کنتوری کی تقریر سے برہم ہو کر اس تحریک سے الگ ہو گئے اور تحریک ندوہ کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس تحریک سے علماے حق کی علیحدگی کو دیکھ کر محدث سورتی بھی اس تحریک سے الگ ہو گئے اور حق کی حمایت میں علماے حق کے شانہ بشانہ آ گئے حالاں کہ محدث سورتی کو معاش کی سہولتیں ندوہ کی طرف سے حاصل تھیں۔ جب ارباب ندوہ نے اپنی تحریک سے محدث سورتی کی کنارہ کشی کو دیکھا تو ان کے لیے معاش کی سہولتیں بند کر دیں۔ لیکن محدث سورتی معاش کی پرواہ کیے بغیر دین حق کی حمایت و نصرت میں لگے رہے۔ جب امام احمد رضا خان بریلوی نے محدث سورتی کا یہ عظیم اقدام ملاحظہ فرمایا تو آپ نے محدث سورتی کی ستائش کی اور آپ کے علمی مرتبہ اور حمایت کی داد دیتے ہوئے دعائیہ رنگ و آہنگ میں بڑے عمدہ آداب و القاب کے ساتھ تحریر فرمایا:

الفاضل الکامل جبل الاستقامة کنز الکرامة صدیقنا و حبیبنا مولانا المولوی محمد وصی احمد الحنفی السورتی وطنا نزیل فیلی بھیت حفظه الله تعالی ناصر الدین

وقا معا للمبتدعين وثبته على الحق أحسن تثبيت فإنه سلمه الله تعالى كان تلميذ الكانفوری المذکور ناظم الندوة و تلميذ شيخه وصدرها ولكن لم يستخفه الذين لا يوقنون وما استطاعوا أن يزلوا قدمه بعد ثبوتها وقد كان معاشه حفظه الله تعالى من بيت ندوی عتا و طغى واعتدى و بغى فقطع إدراره قاصدا اضراره ولكن الفاضل حبيبنا سلمه الله تعالى لم يكن ليؤ ثر الدنيا على الدين فمن يومئذ سميته الاسد الاسد الارشدالارشد وهو أهل لهذا او لاحسن من هذا.

یعنی فاضل کامل، استقامت کا پہاڑ، بزرگی کا خزانہ، ہمارے دوست اور ہمارے حبیب مولانا مولوی محمد وصی احمد حنفی وطن کے اعتبار سے سورتی اور سکونت کے اعتبار سے پیلی بھیتی دین کے مددگار اور اہل بدعت کو اکھاڑ پھینکنے والے اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائے اور ان کو حق پر بہترین ثبات عطافرمائے۔ وہ (اللہ تعالی انہیں سلامت رکھے) مولانا محمد علی کان پوری ناظم ندوہ اور ان کے استاذ مولانا مفتی لطف اللہ صدر ندوہ کے شاگرد تھے لیکن یقین سے خالی افراد، ان کے پائے استقلال کو ثبات کے بعد متزلزل نہ کرسکے، حالاں کہ محدث سورتی (اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائے) کو معاش کی سہولتیں ایک سرکش، ظالم، نافرمان وباغی ندوی کی طرف سے حاصل تھیں جنھیں محدث سورتی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے بند کردیا لیکن ہمارے حبیب فاضل (اللہ تعالی ان کو سلامت رکھے) نے دنیا کو دین پر ترجیح نہیں دی تو اسی دن سے میں نے ان کا نام "الأسد الأسد الأرشد الأرشد" رکھ دیا اور وہ اس نام کے بلکہ اس سے بہتر کے اہل ہیں۔ (محدثین عظام حیات وخدمات، ص:۶۶۴،۶۶۵)

مذکورہ بالا تحریر میں امام احمد رضا بریلوی نے حضرت محدث سورتی کی بڑے نمایاں انداز میں ستائش کی ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ محدث سورتی کا اعلی حضرت کی نظر میں ایک عظیم مقام ومرتبہ تھا۔

حضرت محدث سورتی صاحب ورع وتقوی اور عالم باعمل تھے، حق گوئی کی شان یہ تھی کہ ہر وقت ہر حال میں حق بات دوٹوک کہہ دیتے تھے اور پس وپیش بالکل نہیں کرتے تھے اسی لیے اعلی حضرت جب بھی ان کو خط تحریر فرماتے تو آداب و القاب اس طرح لکھتے: "الأسد الأسد الأشد الارشد كنز الكرامة جبل الاستقامة" وغیرہ (حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص: ۲۲۰ -۲۲۱)

اعلی حضرت امام احمد رضا خان کی عادت کریمہ یہ تھی کہ تصنیف وتالیف، تحریر ومضامین اور جواب

استفتا وغیرہ کا کام زنانہ مکان میں کیا کرتے تھے۔ جب کوئی ملاقات کے لیے آتا تو وقت نکال کر اس سے ملاقات کر لیتے اور پھر حسب سابق زنان خانہ میں جاکر اپنے کام میں مشغول ہوجاتے اور تمام وقت اندر ہی کام میں مشغول رہتے۔ مگر اس کو اعلیٰ حضرت کی کرامت کہیے یا حضرت محدث صاحب کا جذبۂ عشق و محبت کہ اکثر ایسا ہی اتفاق ہوتا تھا کہ جس وقت حضرت محدث سورتی صاحب تشریف لاتے تو اعلیٰ حضرت کسی نہ کسی کام سے زنان خانہ سے باہر ہی تشریف رکھتے اور آتے ہی ملاقات ہوجاتی اور اگر محدث سورتی کی آمد کے وقت اعلیٰ حضرت باہر تشریف فرما نہیں ہوتے تو اطلاع ملتے ہی باہر تشریف لے آتے اور حضرت محدث سورتی سے ملاقات فرماتے۔

اعلیٰ حضرت کا طریقہ کار یہ تھا کہ ملاقات سے فراغت کے بعد زنان خانہ میں جاکر تصنیف و تالیف وغیرہ کے کام میں مشغول ہوجاتے تھے لیکن محدث سورتی کی خصوصیت یہ تھی کہ جب تک آپ کا قیام رہتا اعلیٰ حضرت بھی آپ کے ساتھ باہر ہی تشریف رکھتے اور جو کچھ تحریر فرمانا ہوتا باہر ہی تحریر فرماتے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱ص:۲۲۲/۲۲۱)

علاوہ ازیں امام احمد رضا خان بریلوی نے اپنی تحریروں میں محدث سورتی کے لیے جو آداب والقاب استعمال کیے ہیں ان سے بھی اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے دل میں محدث سورتی کی کتنی قدر و منزلت اور عزت وعظمت تھی۔ ذیل میں اعلیٰ حضرت کی تحریروں سے ان آداب والقاب کو نقل کیا جاتا ہے جو آپ نے محدث سورتی کے لیے تحریر فرمائے ہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث سورتی کے ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: سلام منی ورحمة الله وبركاته على العالم الكامل المحدث الفاضل الفاصل بين الحق و الباطل جبل الاستقامة أدامه الله بالعز والكرامة آمين. (التعليق المجلى لما في منية المصلى، ص:۱۵۸)

از : بریلی، ۲۸ جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ

بسم الله الرحمٰن الرحيم نحمده و نصلى على رسوله الكريم

بملاحظہ مولانا الاسد الاسد الاشد الاسعد الامجد الاوحد مولانا محمد وصی احمد صاحب سورتی دامت برکاتہم. (کلیات مکاتیب رضا، ص:۳۱۳)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی اور شیخ المحدثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کے دیرینہ روابط کو میں نے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اسے

قبول فرمائے، ہمیں اور آپ کو ان روشن ضمیر بزرگوں کی سیرت طیبہ پر چل کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبي الأمین الکریم.

مراجع و مصادر

آپ کے پیش نظر جو مقالہ ہے اس کو مندرجہ ذیل کتابوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے:

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۲۔ مصنف۔ ملک العلما ظفر الدین بہاری۔ مطبوعہ۔ پوربندر، گجرات۔

(۲) محدثین عظام حیات و خدمات۔ مؤلف: مولانا محمد عاصم اعظمی مطبوعہ رضا اکیڈمی

(۳) التعلیق المجلي لما في منیة المصلی. تصنیف۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی۔ مطبوعہ مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ۔

(۴) تذکرہ محدث سورتی۔ مصنف: خواجہ رضی حیدر، مطبوعہ رضا اکیڈمی

(۵) جامع الاحادیث، ج:۱۔ مؤلف: مولانا محمد حنیف خان صاحب بریلی۔ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈی صالح نگر بریلی شریف

(٦) کلیات مکاتیب رضا۔ جلد دوم۔ (۷) مکتوبات علما و کلام اہل صفا، بریلی۔

☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور حافظ بخاری

مفتی انفاس الحسن چشتی
شیخ الحدیث جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف، اوریا

اعلی حضرت!

افقہ الفقہاء، رئیس المحدثین، استاذ المتکلّمین، مجدد اسلام اعلی حضرت شاہ امام احمد رضا خان بریلوی عالم اسلام کی اس نابغہ روزگار شخصیت کا نام ہے جسے قسام ازل نے علوم وعرفان کی اس قدر نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا جس کی مثال اسلامی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔ آپ کے قلم حق رقم نے دین وسنیت، فقہ وافتا اور حمایت مذہب اہل سنت میں جو کام کیا وہ صدیوں پر محیط رہے گا۔ آپ کی علمی شخصیت اور تجدیدی کارناموں کا اعتراف نہ صرف وقت کے قد آور علما وفضلا نے کیا بلکہ آپ کی علمی عبقریت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی رہا ہے جو نظریاتی سطح پر آپ کے ہم خیال نہ تھے۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ ۱۰/ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بروز شنبہ بریلی شریف میں پیدا ہوئے، پیدائشی نام ''محمد'' رکھا گیا جب کہ تاریخی نام ''المختار'' تجویز ہوا مگر جد امجد حضرت مولانا رضا علی علیہ الرحمہ نے آپ کا نام ''احمد رضا'' رکھا اور بعد میں اسی نام کو زیادہ شہرت ملی، اعلی حضرت قدس سرہ نے خود اپنی ولادت کا سنہ ھجری اس آیت کریمہ سے استخراج کیا: ''أولئك كتب في قلوبهم الإيمان وأيدهم بروح منه.''(۱)

سنہ ولادت تو اس آیت کریمہ کے علاوہ سے بھی نکالا جا سکتا تھا مگر اس آیت سے جو روحانی اور معنوی ربط آپ کی زندگی میں ظاہر ہوا وہ اعلی حضرت قدس سرہ کے حسن انتخاب کی واضح انداز میں گواہی دے رہا ہے۔

ذہانت وفطانت، جودت طبع، علمی مزاج اور تحقیقی طبیعت کے آثار بچپن ہی سے ظاہر ہونے لگے تھے۔ چار سال کی چھوٹی سی عمر میں آپ نے قرآن پاک کا ناظرہ مکمل فرما لیا، چھ سال کی عمر میں ایک بڑے مجمع سے میلاد النبی کے موضوع پر شاندار خطاب فرمایا جس نے سامعین کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیا اس کے بعد علوم

عقلیہ ونقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور والد محترم حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ سے درس لینا شروع کیا ۱۲۸۶ھ میں جب آپ کی عمر تیرہ سال دس ماہ کی ہوئی آپ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ التحصیل ہو گئے اور اسی سال ۱۴ر شعبان المعظم کو مسئلہ رضاعت پر ایک فتوی تحریر فرمایا جسے والد محترم نے ملاحظہ فرما کر اسی روز سے منصب افتا آپ کی علمی شخصیت کے سپرد کر دیا اس وقت سے لے کر ۱۳۴۰ھ تک یعنی ۵۴ سال آپ مسلسل مذہب ومسلک اہل سنت کی ترویج واشاعت اور اسلام وسنیت کی نصرت وحمایت میں مصروف رہے اعلی حضرت قدس سرہ کی علمی حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے محض آٹھ سال کی چھوٹی سی عمر میں فن نحو کی مشہور کتاب "ہدایۃ النحو" کی عربی زبان میں شرح تحریر فرما دی تھی۔"(۲)

اعلی حضرت قدس سرہ کے دور میں ہندوستان کی سرزمین پر نت نئے فتنوں کا ظہور پوری قوت کے ساتھ ہو رہا تھا دہریہ، نیچریہ، وہابیہ، دیوبندی، صلح کلی، ندوی، رافضی، تفضیلی، قادیانی، آریہ اور ان کے علاوہ نہ جانے کتنے چھوٹے بڑے فرقے تھے جو اس وقت ظہور میں آ کر مسلمانان ہند کے ایمان وعقیدہ پر شب خون مارنے میں لگے ہوئے تھے، اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ان تمام فتنوں کے خلاف باقاعدہ مہم کا آغاز کیا اور اپنی علمی قوت استدلال سے باطل فرقوں کے نظریات وافکار کی ایسی تردید فرمائی کہ ان باطل جماعتوں کو پیچھے ہٹنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔

اعلی حضرت قدس سرہ العزیز تفسیر، فقہ، حدیث، عقائد، کلام سلوک، تصوف، اذکار، سیر، جفر و تکسیر، ادب، نحو، لغت، زیجات، جبر ومقابلہ، ریاضی، توقیت، نجوم اور منطق وفلسفہ وغیرہ تقریبا پچاس علوم میں مہارت رکھتے تھے ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے "المجمل المعدد لتالیف المجدد" کے نام سے انہیں پچاس علوم وفنون میں آپ کی تصانیف کی ایک جدول اور فہرست بھی تیار کی ہے جس میں ساڑھے تین سو کتابوں کا تذکرہ ہے۔(۳)

مگر ایک صدی کے قریب گزرنے کے بعد جوں جوں اعلی حضرت قدس سرہ کی شخصیت پر تحقیق اور ریسرچ کے قدم آگے بڑھ رہے ہیں عالم اسلام ان کے مزید علمی پہلوؤں سے روشناس ہو رہا ہے اور تحقیقی بنیادوں پر یہ ماننے پر مجبور ہے کہ اعلی حضرت قدس سرہ ان پچاس علوم کے علاوہ دیگر علوم پر بھی مہارت رکھتے تھے۔

اعلی حضرت قدس سرہ کتنے علوم کے ماہر تھے اس سے قطع نظر یہ بات مسلم ہے کہ آپ کا میدان خاص فقہ وافتا اور محبوب مشغلہ فرق باطلہ کی تردید رہا ہے، فقہی جزئیات پر آپ کی وسعت نظر کی مثال ملنا

دشوار ہے بڑے بڑے مسائل پلک جھپکتے یوں حل فرما دیتے گویا یہ مسئلہ کئی بار ان کی نظروں سے گزر چکا ہو فقہائے عصر کی نظریں جہاں بدقت تمام پہنچ پاتی ہیں۔ وہاں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی نظر بڑی آسانی سے پہنچ جاتی تھی اس کے ثبوت کے لیے یہ روایت ملاحظہ کریں۔

''مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر جو مکہ مکرمہ میں مفتی حنفیہ تھے ان سے ''کرنسی نوٹ'' کے ذریعہ بیع وشرا اور دیگر احکام کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''علم علما کی گردنوں میں امانت ہے مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتا نہیں ملتا کہ کچھ حکم دوں'' مگر جب اسی موضوع پر اعلی حضرت قدس سرہ سے استفتا کیا گیا تو آپ نے بلا تردد ایک تاریخی رسالہ ''كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم'' تصنیف فرمایا اور فتح القدیر کی عبارت ''اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپیہ کو بیچے تو جائز ہے مکروہ نہیں'' سے استدلال فرمایا جب مکہ مکرمہ کے ایک عالم نے آپ کا رسالہ اور یہ جزئیہ ملاحظہ فرمایا تو پھڑک اٹھے اور ان کے منہ سے یہ تاریخی جملہ نکلا:

''أين جمال بن عبد الله من هذا النص الصريح.''

جمال بن عبد اللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے۔ (۴)

جب کہ اعلی حضرت قدس سرہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ بغایت استعجال تحریر کیا گیا یہیں سے آپ کی فقہی بصیرت اور علمی استحضار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہزار اختلاف اور مسلکی ناچاقی کے باوجود مخالفین نے بھی آپ کے فقہی تبحر ومہارت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے مولانا ملک غلام علی جو مولانا ابو الاعلی مودودی کے نائب کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں لکھتے ہیں۔

''حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں ان کی بعض تصانیف اور فتاوے کے مطالعے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی ہے وہ بہت کم علما میں پائی جاتی ہے۔ (۵)

مولانا سید سلیمان ندوی جو وہابی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، لکھتے ہیں: ''جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاد مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں ہے۔ (٦)

غیروں کی زبان سے اعتراف حقیقت میں نکلا ہوا ایک کلمہ اپنوں کے بہت سے کلمات سے زیادہ

اہمیت اور وزن رکھتا ہے اور اسے ہی کہتے ہیں: ''الفضل ما شهدت به الأعداء''۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا پڑھنے والے نے یہی سمجھا کہ ان کا اختصاص اسی فن پر ہوگا آپ کے خوان علم وعرفان کے خوشہ چیں ملک العلماعلامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''وہ تو علم کے دریا نہیں سمندر ہیں جس فن کا ذکر آتا ایسی گفتگو فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ عمر بھر اسی کو سیکھا اور اسی کی کتب بینی فرمائی ہے۔(۷)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی علمی دھمک نہ صرف ہندوستان بلکہ اس کے باہر عرب ممالک میں بھی پوری قوت کے ساتھ محسوس کی گئی اور عرب وعجم کے علمانے آپ کی شخصیت کو ہاتھوں ہاتھ لیا، جہاں گئے علم وعرفان کے ایسے گوہر لٹائے کہ بڑے بڑے علما بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

حافظ بخاری:

سند المحدثین، اعلم العلماء، حافظ کلام باری، حافظ صحیح البخاری سید شاہ عبد الصمد قدس سرہ العزیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے ہم عصر اور ایک منفرد المثال شخصیت کے مالک تھے، آپ کا شمار ہندوستان کے ان چیدہ علما میں ہوتا ہے جن کی محد ثانہ بصیرت اور علوم اسلامیہ میں مہارت ولیاقت کا ایک زمانہ معترف رہا، آپ نے اپنے تبحر علمی اور قوتِ قلمی ولسانی سے ان تمام فتنوں کے خلاف جہاد کیا جن کا شور تیرھویں صدی میں سنائی دے رہا تھا۔ پوری زندگی باطل قوتوں اور بدمذھبوں کے ردوابطال میں گزاری۔

رئیس الفقہا والمحدثین حافظ بخاری قدس سرہ کی پیدائش ۱۴؍ شعبان المعظم ۱۲۶۹ھ بروز جمعہ سہسوان ضلع بدایوں شریف میں ہوئی۔ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ فرمالیا اور اسلامی علوم کی تکمیل کے لیے حضرت سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی اور تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور وہاں رہ کر چودہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کرلی۔(۸)

بچپن ہی سے طبیعت میں ردو مناظرہ کی استعداد موجود تھی اور زمانہ طالب علمی ہی سے آپ نے تحریراً وتقریراً فرق باطلہ کا ابطال شروع کردیا تھا۔ جس وقت آپ مدرسہ قادریہ بدایوں میں زیر تعلیم تھے مولوی امیر حسن سہسوانی دیوبندی نے شش مثل کا فتنہ کھڑا کیا یعنی یہ دعوی کیا کہ سرکار دوعالم ﷺ کے چھ مثل دیگر طبقات ارض میں موجود ہیں اور اس مسئلہ پر ایک کتاب ''افادات ترابیہ'' نام کی لکھی جب حافظ بخاری

قدس سرہ کو اس کتاب کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کے رد میں افادات صمدیہ نام کی ایک معرکۃ الآرا کتاب تصنیف فرمائی اور اسی پر اکتفانہ کر کے خود امیر حسن سے مناظرہ کے لیے استاذ گرامی حضرت تاج الفحول علیہ الرحمہ کو اطلاع دیے بغیر بنفس نفیس سہسوان تشریف لے گئے اور عید کے موقع پر کھل کر امیر حسن سہسوانی کے خلاف تقریر فرمائی اور بعد میں مناظرہ میں شکست دی۔ (۹)

زمانۂ طالب علمی سے تردید فرق باطلہ کا جو سلسلہ شروع ہوا آخری عمر تک وہ پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہا اور آپ کی کوششوں سے خلق کثیر کے عقیدہ وایمان کی حفاظت ہوئی۔

آپ اپنے وقت کے عظیم محدث تھے حدیث پاک کی مشہور کتاب ''صحیح البخاری'' کے مع سند و متن حافظ تھے۔ ملفوظ مصابیح القلوب کے مولف نے لکھا ہے کہ رمضان میں قرآن کریم کے دَور کے ساتھ ساتھ آپ بخاری شریف کا بھی دور فرمایا کرتے تھے۔ (۱۰)

اس کے علاوہ آپ دلائل الخیرات اور حصن حصین کے بھی حافظ تھے۔ علم حدیث آپ کا خاص میدان تھا مگر تمام علوم مروجہ پر آپ کی نظر اس قدر گہری اور مستحکم تھی کہ بڑے بڑے علما و فقہا آپ کی جناب میں زانوے تلمذ تہ کرنا باعث فخر سمجھا کرتے تھے۔ آپ کی علمی اور فنی گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ علامہ عبد الحق خیر آبادی کے خاص شاگرد مولانا نواب چھٹن صاحب جو فلسفہ و منطق میں اپنے استاد کے امین اور ایک زبردست عالم تھے علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب ''الروض المجود فی وحدۃ الوجود'' لے کر آپ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا کہ میں یہ کتاب سمجھنا چاہتا ہوں حافظ بخاری قدس سرہ نے نہ کتاب کی طرف دیکھا اور نہ پل بھر کے لیے مطالعہ کیا بلکہ یوں ہی ارشاد فرمایا کہ پڑھیے! نواب صاحب نے بسم اللہ کی ''ب'' سے شروع کیا وہ پڑھتے جاتے اور حضور حافظ بخاری قدس سرہ عبارت کی تفہیم میں علوم کے گوہر لٹاتے جاتے چھ گھنٹہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور تمت کی ''ت'' پر ختم ہوا۔ درس ختم ہوتے ہی مولانا موصوف قدموں میں گر پڑے اور عرض کیا کہ حضور میں نے یہ کتاب سبقا سبقا اپنے استاد علامہ عبد الحق خیر آبادی سے پڑھی ہے مگر واللہ حضرت نے وہی تقریر فرمائی جو میرے استاد کیا کرتے تھے۔'' (۱۱)

شیعیت اور رافضیت کی تردید میں لکھی گئی کتاب ''شیعی متعہ کی حقیقت'' آپ کی وسعت مطالعہ اور علمی استعداد کا عظیم شاہکار ہے اس کتاب کو عراق کے مجتہدین شیعہ تک بھیجا گیا مگر ایک صدی گزرنے کے بعد آج تک اس کتاب کے مندرجات اور علمی مباحث کا جواب دینے کی ہمت کسی نے نہیں کی۔

آپ کی دینی اور مذہبی خدمات اور علمی و تحقیقی شخصیت کی بنیاد پر وقت کے جید علمانے آپ کو بڑے

بڑے القاب سے یاد فرمایا۔ مولانا ہدایت اللہ رام پوری اور تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی اپنے خطوط میں آپ کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں:

"اعلی حضرت ، مجمع العلوم والکمالات، منبع الحسنات والبرکات سیدی ومولائی." (۱۲)

حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی سے جب علامہ مصباح الحسن قدس سرہما صاحب زادہ حضور حافظ بخاری علیہ الرحمہ کے پڑھانے کے متعلق کہا گیا تو آپ نے فرمایا:

"میں حسب استعداد واستطاعت کے ان کی تعلیم کے لیے بسر وچشم موجود ہوں کہ وہ میرے ایسے دوست کے جگر پارہ ہیں جن کی کمال صلابت دینی وحمایت مذہبی کا میں غلام زر خرید ہوں۔ (۱۳)

اعلی حضرت اور حافظ بخاری:

اعلی حضرت قدس سرہ کی شخصیت جوہر شناسی میں کامل مہارت رکھی تھی حافظ بخاری علیہ الرحمہ کی علمی قابلیت، فنی مہارت ، محدثانہ بصیرت، فقیہانہ استعداد اور مسلک اہل سنت کے لیے آپ کی تڑپ اور خدمات اعلی حضرت پر پوشیدہ نہیں تھیں اسی لیے دونوں حضرات کے درمیان نہ صرف مضبوط روابط رہے بلکہ حافظ بخاری قدس سرہ ہمیشہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے دوش بدوش ہو کر مذہبی تحریکات میں سرگرم عمل رہے جہاں ایک طرف اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ دینی، مذہبی اور مسلکی مسائل میں آپ کی علمی شخصیت پر کامل اعتماد فرمایا کرتے تھے وہیں استاذ المحدثین حافظ بخاری رضی اللہ تعالی عنہ بھی دینی اور مذہبی امور نیز فقہیات میں آپ کی رائے اور فتاوی کو کامل اعتماد کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

صلح کلیت کے نظریے کو لے کر اٹھنے والی ندوہ کی تحریک اعلی حضرت اور حافظ بخاری کے دور کی ایک انتہائی خطرناک تحریک تھی جس کے نظریات سے مسلمانان اہل سنت وجماعت کے بھکنے کا قوی اندیشہ تھا اس وقت حضرت علامہ عبد القادر بدایونی اور اعلی حضرت جیسے علما کی قیادت میں اصلاح ندوہ کی تحریک بڑے زور وشور سے چلائی گئی اور اراکین ندوہ کو صلح کل کے خطرات اور غیر مناسب اثرات سے متنبہ کیا گیا مگر دوسری جانب سے اس اصلاح پر کان رکھنے کے بجائے اس کی اشاعت میں مزید سرگرمیاں نظر آنے لگیں یہاں تک کہ ۱۳۱۱ھ میں ندوۃ العلما کا ایک بڑا جلسہ خاص بریلی شریف میں منعقد کیا گیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کی گئی تحریک ندوہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے

بریلی شریف میں علمائے اہل سنت کی ایک عظیم مجلس کا انعقاد کیا اس مجلس میں تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی، علامہ سراج الحق بدایونی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا عبد القیوم بدایونی، مولانا عبد اللطیف پیلی بھیتی، مولانا حامد رضا خان قادری، مولانا ابراہیم صاحب بریلوی جیسے جید اور قد آور علما کے علاوہ ملک کے بڑے بڑے مشائخ و مفتیان کرام اور قائدین شریک ہوئے۔(۱۴)

اس مجلس کا مقصد تحریک ندوہ کی نظریاتی تردید اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اس کے باطل نظریات کا انکشاف تھا اس مجلس میں جو اہم تجویزیں پیش کی گئی تھیں وہ یہ ہیں:

(۱) یہ مجلس وقتاً فوقتاً تجویز کر کے شائع کرتی رہے گی کہ علمائے اہل سنت کو اس وقت کیا کرنا چاہیے اور کس قسم کے کتب و رسائل تصنیف فرمانا چاہیے جن کی اشاعت کی ضرورت ہے۔

(۲) اس مجلس کے زیر اہتمام کتب مفیدہ و اخبار حسب تجویز و منظوری مجلس طبع ہو کر قیمتاً اور بلا قیمت نفع مسلمین کے لیے شائع ہوں۔

(۳) اس مجلس کے وکلائے اہل سنت ہر شہر و دیار میں ہوں گے جو مجلس و مطبع کی تکمیل مقاصد واشاعت و خریداری کتب میں کوشش فرمائیں گے۔(۱۵)

ان تجاویز کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علمائے اہل سنت کی اس مجلس کا مقصد تھا ملکی سطح پر اشاعت مسلک اہل سنت اور تصنیف و تالیف اور تقریر و خطاب کے ذریعہ گمراہ جماعتوں کی تردید، جب اس انتہائی اہم مجلس کی صدارت کا مسئلہ سامنے آیا تو حضرت تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت و دیگر علمائے اہل سنت کی نگاہ انتخاب جس شخصیت پر پڑی وہ حافظ بخاری سید شاہ عبد الصمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی تھی۔

اسی طرح جب اہل ندوہ نے علمائے اہل سنت کو میدان مناظرہ میں آنے کا چیلنج کیا تو علمائے اہل سنت نے فوراً اس دعوت کو قبول کر لیا اور تاریخ مناظرہ کا اعلان کر دیا گیا۔ معنوی طور پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ہاتھ میں اس مجلس کی باگ دوڑ تھی اس مناظرہ میں جن پانچ علما کے نام کا اشارہ بحیثیت مناظر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی طرف سے ملا ان میں سیدی سرکار حافظ بخاری قدس سرہ کا نام سب سے پہلے مندرج تھا۔(۱۶)

ان دو واقعات سے یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی نظر میں حافظ بخاری علیہ الرحمہ کی علمی شخصیت کس قدر بلند تھی اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ مذہبی دینی اور مسلکی مسائل میں آپ کی علمی قیادت پر کس درجہ اعتماد فرمایا کرتے تھے۔

مسلکی اور دینی مسائل پر تبادلۂ خیالات:

اعلی حضرت اور حافظ بخاری کے درمیان مسلکی مسائل پر تبادلۂ خیالات اور دینی امور میں ایک دوسرے سے مشاورت کا بہت خوش گوار سلسلہ موجود تھا دونوں حضرات اپنے وقت کے سلگتے مسائل پر نہ صرف کھل کر گفتگو کرتے بلکہ مشورے بھی دیتے اور لیتے رہتے تھے ہم یہاں حضور حافظ بخاری علیہ الرحمہ کے خطوط کے چند اقتباس نقل کررہے ہیں جن سے مسلکی امور کے حوالے سے اعلی حضرت اور حافظ بخاری رضی اللہ تعالی عنہما کے درمیان جو ربط رہا ہے اس پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

(۱) حضرت معین الاسلام والمسلمین، قاطع اساس الملحدین مولانا احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ برکاتہم

فقیر بعد سلام مکلف ہے میں نے جو کچھ ناظم ندوی کی خدمت میں لکھا ہے اور انھوں نے اس کا جواب عنایت فرمایا ہے سب پھپھوند میں ہے۔ آج میں کارڈ پھپھوند کو لکھتا ہوں۔ حکیم صاحب وہاں سے روانہ کردیں گے، استفتا دستخط کرکے واپس کرتا ہوں، مجھ کو مولوی سید اشفاق حسین صاحب سے تعجب ہے کہ انھوں نے باوصف ظاہر ہونے شناعتوں اور قباحتوں ندوہ کے پھر اہتمام بریلی میں ہونے کا کیا۔

(۲) حضرت معظمی، حامی السنۃ، ماحی البدعۃ مولانا احمد رضا خان صاحب ادام اللہ برکاتہم۔

فقیر بعد سلام مسنون مکلف ہے حضرت نے میری تحریر کی نسبت چھپنے کے واسطے ارشاد فرمایا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس جلسہ تک انتظار کرلیا جائے اور دیکھا جائے کہ حضرت ناظم کچھ اصلاح کرتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں تو ضرور چھپوائی جائے گی۔ (۱۷)

ان دونوں خط کو پڑھنے سے بالکل واضح انداز میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اعلی حضرت اور حافظ بخاری رضی اللہ تعالی عنہما کے درمیان مسلکی مسائل پر باقاعدہ فکری تبادلے ہوا کرتے تھے اور یہ فکری تبادلے صرف خطوط نویسی تک محدود نہ تھے بلکہ بالمشافہہ بھی ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے اعلی حضرت قدس سرہ کو جن القاب سے یاد فرمایا ان سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ بخاری اعلی حضرت کو بے پناہ خلوص و محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے اور دونوں حضرات کے درمیان محبت کا رشتہ کافی گہرا اور خوش گوار تھا۔

ان خطوط سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تحریک ندوہ کی اصلاح کے لیے اعلی حضرت اور حافظ بخاری دونوں حضرات نہایت سرگرمی کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے معاون تھے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور حافظ بخاری علیہ الرحمہ کے درمیان جس طرح کے مخلصانہ تعلقات اور معاصرانہ علمی، تبلیغی اور تحریری روابط رہے ان حضرات کے وصال فرماجانے کے بعد ان کے جانشینوں نے ان کو برقرار رکھا۔ حضور مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب زادہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور رئیس الفقہا مفتی سید شاہ مصباح الحسن صاحب زادہ حضور حافظ بخاری قدس سرہ کے دور میں یہ تعلقات مزید آب تاب کے ساتھ ابھر کر سامنے آئے اور ان حضرات نے اپنے بزرگوں کے ذریعے لگائے گئے محبت کے شجر کی پوری عمر آبیاری کی اور دیرینہ علمی اور روحانی رشتوں کو مستحکم انداز میں قائم رکھا۔

ملفوظ مصابیح القلوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خانقاہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف پر مسلسل آنا جانا رہا ہے کبھی مزاج پرسی کے لیے اور کبھی دیگر تقریبات کے موقع پر۔

جب سید المتوکلین، امان الکاملین حضرت اکبر المشائخ سید اکبر میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مفتی رفاقت حسین کان پوری علیہ الرحمہ کی درسگاہ سے فراغت حاصل کی تو آپ کی دستار بندی کا اہتمام خانقاہ صمدیہ مصباحیہ پر ہی کیا گیا تھا اور اس موقع پر ملک کے بڑے بڑے علما کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا سیدی سرکار سید مصباح الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے ایک دعوت نامہ حضور مفتی اعظم ہند کو بھی روانہ کیا گیا اور شرکت دعوت دی گئی جسے آپ نے بسر و چشم قبول کیا اور جب حضور مفتی اعظم ہند جلسہ دستار بندی میں شرکت کے لیے خانقاہ صمدیہ تشریف لائے تو ان کا پر جوش استقبال کیا گیا مصابیح القلوب کے مؤلف لکھتے ہیں:

''جو حضرات علمائے کرام تشریف لائے تھے ان کی خدمت میں میرے حضرت قبلۂ عالم نے بذریعہ صاحب زادہ سید محمد اکبر میاں صاحب نذورات پیش کرائیں لیکن حضرت مفتی اعظم ہند بریلوی نے وہی نذر صاحب زادے صاحب کو بطور نذرانہ پیش فرمادی''۔

ایک مرتبہ حضور سید مصباح الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیعت علیل ہوئی اور اسی موقع پر اکبر المشائخ سید محمد اکبر میاں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا بدایوں شریف جانے کا ارادہ تھا حضور مصباح الحسن قدس سرہ نے آپ سے فرمایا کہ بریلی شریف میں ٹھہر کر حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے میرا سلام پیش کر کے پھر بدایوں روانہ ہوجانا خیر آپ بدایوں شریف کے لیے روانہ ہوئے اور بریلی شریف پہنچ حضور مفتی اعظم ہند کے کاشانہ پر حاضر ہوئے اور آپ کا سلام پیش کر کے آپ کی علالت کے متعلق بھی بتادیا یہ سنتے ہی حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ ابھی تو عرس رضوی کی تقریبات چل رہی ہیں ان شاء اللہ عرس ختم ہوتے ہی میں مولانا برہان الحق صاحب جبل پوری جو ماہر و حاذق حکیم و نباض ہیں ان کو لے کر خواجہ مصباح الحسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی عیادت کے لیے

حاضر ہوتا ہوں اور پھر ہوا بھی یہی عرس رضوی کے اختتام پر حضور مفتی اعظم ہند حضرت سید خواجہ مصباح الحسن رضی اللہ تعالی عنہ کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے اور عیادت فرمائی۔

یہی وہ محبت کا رشتہ تھا جس نے دونوں خانقاہوں کو مضبوطی سے باندھے رکھا اور متحد ہو کر ملک میں دین وسنیت کی خدمات زور وشور سے انجام دیتے رہے دونوں حضرات نے اپنے بزرگوں کے دیرینہ تعلقات کو توڑنے یا کمزور کرنے کے بجائے ہمیشہ اسے برقرار رکھنے کی کوشش کی۔

مراجع و مصادر

(۱) سوانح اعلی حضرت، ص:۸۸، رضا اکیڈمی

(۲) سوانح اعلی حضرت، ص:۹۵، رضا اکیڈمی

(۳) حیات اعلی حضرت، ج:۲، ص:۸، ۷۔

(۴) حیات اعلی حضرت، ج:۲، ص:۴۳۷۔

(۵) ارمغان حرم، مطبوعہ لکھنؤ، ص:۱۴، بحوالہ فتاوی رضویہ، مطبوعہ پوربندر، گجرات۔

(۶) ماہنامہ "ندوہ" اگست، ۱۹۱۳ء، ص:۱۷، بحوالہ سابق۔

(۷) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۲۸۳۔

(۸) ملفوظ مصابیح القلوب، ص:۲۱۔

(۹) ملفوظ مصابیح القلوب، ص:۲۹۔

(۱۰) ملفوظ مصابیح القلوب، ص:۵۷۔

(۱۱) ملفوظ مصابیح القلوب، ص:۱۷۔

(۱۲) ملفوظ مصابیح القلوب، ص:۴۷۔

(۱۳) ملفوظ مصابیح القلوب، ص:۸۴۔

(۱۴) "دستور العمل مجلس علمائے اہل سنت وجماعت" ص:۳، مطبوعہ مطبع اہل سنت وجماعت، (نسخہ مملوکہ راقم السطور) ۱۷ر صفر ۱۳۱۴ھ

(۱۵) بحوالہ سابق۔

(۱۶) دربار حق وہدایت، ص:۱۷۷۔

(۱۷) خطوط حضور حافظ بخاری مملوکہ کتب خانہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف

(۱۸) ملفوظ مصابیح القلوب، ص:۲۸۴۔

امام احمد رضا اور صدر الشریعہ

مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خلفا میں صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ اعلی حضرت کے سب سے چہیتے اور معتمد علیہ خلیفہ ہیں۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ (صدر الشریعہ) اعلی حضرت کے احب الخلفا ہیں۔

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا علمی فیضان سب سے زیادہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے توسط سے عام و تام ہوا، آج ہندو پاک میں اہل سنت کا کوئی ایسا ادارہ نہیں جہاں صدر الشریعہ کا علمی فیضان نہ پہنچا ہو۔

حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

صدر المدرسین، شیخ المحدثین، استاذ المتکلّمین، صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی قدس سرہ العزیز مصنف بہار شریعت، شارح طحاوی کی ذات گرامی کی حیثیت ہماری جماعت میں وہی ہے جو کائنات میں آفتاب عالم تاب کی ہے، پوری دنیا میں رنگ و روغن، نور و نکہت، توانائی و حرارت کے سرچشمہ کی ذات ہے جو یومیہ کروڑوں من رنگ، گرمی، روشنی اپنے خزانۂ عامرہ سے دنیا کو بخش کر عالم رنگ و بو کی بہاروں، رعنائیوں، توانائیوں کو باقی رکھے ہوئے ہے اور صبح قیامت تک باقی رکھے رہے گا۔ ہمارے علمی مراکز، دینی اداروں، اونچی سے اونچی خانقاہوں میں جھانک کر دیکھو گے تو کہہ اٹھو گے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

بلاواسطہ فیض یافتگان تو اب صرف دو ایک رہ گئے، لیکن بواسطہ فیض یافتگان کی اگر کوئی فہرست بنائی جائے تو میرا اپنا اندازہ ہے کہ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ دینی خدمات کے جتنے بھی مناصب ہیں ان پر فائزین کو شمار کیجیے تو باستثنا دو چار کے سبھی حضرت صدر الشریعہ کے تلامذہ کے سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔ دار الافتا کا جائزہ لیجیے تو تمام دار الافتا کے مسند نشین اسی مخزن علم و حکمت کے وارث ہیں۔ مدرسین کا سروے کیجیے تو آپ کو ہر دار العلوم، ہر مدرسے میں اسی استاذ الکل فی الکل کے تلامذہ نظر آئیں گے۔ مصنفین کا جائزہ لیجیے تو

سب کے سب اسی خرمن کے خوشہ چیں ملیں گے۔ مقررین وخطبا پر نظر ڈالیے تو وہ سب اسی منبع فیض و برکت کی بارگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ مشائخ سلاسل میں جو صاحبان علم وفضل ہیں انھیں کھنگالیے تو ان سب کو علم وفضل کی دولت اسی داتا کی بارگاہ سے ملی ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر، ص:۳۶)

ولادت: حضرت صدر الشریعہ مشرقی یوپی کے مشہور ومعروف قصبہ گھوسی کے محلہ کریم الدین پور ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع مئو) میں ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔

سلسلۂ نسب: علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین بن مولانا خدابخش بن مولانا خیر الدین- قُدِّست اسرارھم- آپ کے والد ماجد اور جد امجد کو فن طب اور علم وفضل میں کمال حاصل تھا۔

شکل وشباہت: چہرہ وجیہ اور بارونق، رنگ گندمی، پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی بڑی، بھویں گھنی، داڑھی بہت گھنی، جسم بھرا ہوا لحیم شحیم مگر سڈول، قد میانہ۔ (تذکرۂ صدر الشریعہ ص:۳۶)

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم اپنے دادا مولانا میاں جی خدابخش صاحب سے گھر پر حاصل کی پھر محلہ قصبہ خاص میں مدرسہ ناصر العلوم میں جاکر مولوی الٰہی بخش صاحب کوپاگنجی سے کچھ تعلیم حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کوئی شخص نہ تعلیم کا نگراں تھا نہ متکفل، پھر بچپن کا زمانہ کئی سال تک بے انتظامی کے ساتھ گزرا، مگر تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر ۲؍شوال ۱۳۱۴ھ کو مدرسہ حنفیہ جون پور کا سفر کیا، اس وقت اعظم گڑھ ضلع میں ریل گاڑی کا وجود نہ تھا سواری کے لیے بڑی دشواری تھی، گھوسی سے اعظم گڑھ تک پیدل، پھر وہاں سے جون پور اونٹ گاڑی پر پہنچے اور مدرسہ حنفیہ میں اپنے چچازاد بھائی مولانا محمد صدیق علیہ الرحمہ کے پاس قیام کیا، علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد صدیق اور مولانا سید ہادی حسن علیہما الرحمہ سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد تحریک آزادی کے عظیم مجاہد حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید استاذ الاساتذہ علامہ ہدایت اللہ خاں رام پوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء) سے اکتساب فیض شروع کردیا، دن میں استاذ الاساتذہ سے اسباق پڑھتے اور رات میں ان کی خدمت کے لیے حاضر ہوجاتے۔ لیکن یہ خدمت بڑی بابرکت ہوا کرتی، حضرت صدر الشریعہ اور ان کے رفقاے درس استاذ الاساتذہ کے پیر دباتے رہتے اور اسباق کے متعلق پوچھ تاچھ جاری رکھتے تھوڑی دیر میں تمام اسباق کا اعادہ ہوجاتا، اگر کوئی غلطی ہوتی تو حضرت استاذ الاساتذہ کی رہ نمائی سے دور ہوجاتی، اس نمایاں طریقۂ تعلیم سے حضرت صدر الشریعہ کا جوہر علم نکھرتا گیا، قطبی پڑھتے وقت ہی اس سے نیچے کی کتابیں شرح تہذیب وغیرہ دوسرے طلبہ کو بآسانی پڑھاتے تھے۔ اس پڑھنے ہی کے زمانے میں تعلیم وتدریس کا ذاتی تجربہ اور افہام وتفہیم کا خوب ملکہ پیدا

ہو گیا تھا۔ (تذکرۂ صدر الشریعہ، ص:۳۸، ۳۹)

اس کے بعد شیخ المحدثین علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر درس حدیث لیا اور سند فراغت حاصل کی۔

علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

جون پور میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کے بعد حضرت استاذ الاساتذہ نے آپ کو پیلی بھیت حافظ الحدیث علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور تعارفی خط ان الفاظ میں تحریر فرمایا کہ ”میں اپنا ایک مخصوص عزیز طالب علم آپ کے پاس بھیجتا ہوں، اس کی تعلیم وغیرہ میں آپ پوری توجہ فرمائیں“۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ ورع و تقوی میں بایزید وقت، علوم و فنون میں علامۃ العصر، خصوصًا فن حدیث و رجال میں امام زماں اور اپنے دور کے حافظ الحدیث تھے، بخاری شریف کے تمام نسخے زبانی یاد تھے، صحاح ستہ کی اکثر کتب پر آپ کے بے نظیر شروح و حواشی مطبوعہ و غیر مطبوعہ اب بھی موجود ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ جب پیلی بھیت پہنچ کر اسباق میں شریک ہوئے تو محدث سورتی علیہ الرحمہ آپ کی استعداد علمی و تعلیمی شغف کو دیکھ کر گرویدہ ہو گئے، بعض مرتبہ فرماتے تھے کہ ”مجھ کو ساری عمر میں ایک ہی طالب علم ملا ہے جو محنتی بھی ہے اور سمجھ دار بھی اور علم سے شوق اور دل چسپی رکھتا ہے۔ دن رات درس کا سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ چودہ مہینے پیلی بھیت میں قیام رہا لیکن ایک دن بھی چھٹی نہیں ملی، جمعہ کے دن بھی سبق ہوتا، بلکہ سفر میں بھی اسباق جاری رہتے تھے، پیلی بھیت میں صحاح ستہ، مؤطا امام محمد، کتاب الآثار، شرح معانی الآثار، مسند امام اعظم وغیرہ کتب حدیث اور بعض دوسری کتابیں بالاستیعاب قراءۃً و سماعًا پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے اور وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی اور تین ماہ مکان پر قیام فرمایا۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۴۳)

قوت حافظہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہن ثاقب سے نوازا تھا، ذہنی توانائی اور قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ بطور تحدیث نعمت خود فرماتے ہیں:

کسی کتاب کا یاد کرنے کی نیت سے تین دفعہ دیکھ لینا کافی ہوتا تھا۔ (مقدمہ فتاوی امجدیہ اول، ص:۵۱، ۵۲)

علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: (صدر الشریعہ) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ”کافیہ“ حفظ کرنے کا خیال پیدا ہوا تو پوری کتاب ایک ہی دن میں یاد ہو گئی۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۴۲)

مسند تدریس پر جلوہ گری: علامہ اعظمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: قاضی عبد الوحید صاحب

مرحوم رئیس پٹنہ کے زیر اہتمام مدرسہ اہل سنت پٹنہ صوبہ بہار کی ایک ممتاز درس گاہ تھی یہاں پہلے مولانا عبدالعزیز صاحب منطقی امیٹھوی جو حضرت علامہ خیر آبادی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید تھے مدرس اول رہ چکے تھے۔ اس کے بعد خود حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ یہاں برسوں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ قاضی صاحب موصوف کی طلب پر حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے مدرسہ اہل سنت کی صدارت کے لیے حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا انتخاب فرمایا، ظاہر ہے کہ اتنی بڑی جگہ جہاں پہلے ایسی ایسی مقتدر ہستیاں اپنے علم و فضل کا جوہر دکھا چکی ہوں ایک بالکل نئے فارغ التحصیل شخص کا تقرر کتنا اہم کام تھا، مگر استاد کا حکم واجب التعمیل تھا، چار و ناچار اس عہدہ کو قبول کرنا ہی پڑا، مکان سے روانہ ہو کر سب سے پہلے جون پور بغرض تحصیل اجازت، حضرت استاذ الاساتذہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور اپنی دعائیں شامل حال کیں۔

پٹنہ پہنچ کر قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم کے مہمان ہوئے، پہلی بار جب درس گاہ میں تشریف لے گئے تو قاضی صاحب مرحوم جو خود بھی ایک متبحر عالم تھے علما و سامعین کے ایک جم غفیر کے ساتھ تعلیم گاہ میں امتحاناً آن موجود ہوئے اور سب سے پہلی کتاب جو درس کے لیے پیش کی گئی ہدایہ جلد ثالث تھی طلبہ بھی نہایت ذکی فہیم اور ٹھوس استعداد کے مالک تھے، ظاہر ہے کہ نئی جگہ، مغلق کتاب، پھر متبحر علما و سامعین کی موجودگی، اس شخص کے لیے جو آج پہلے دن ذمہ دارانہ حیثیت سے مسند تدریس پر بیٹھا ہو، کس قدر پریشان کن مقام تھا، لیکن حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کا انتخاب کوئی معنی رکھتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ قدرت نے حضرت صدرالشریعہ کو اسی منصب کے لیے پیدا ہی فرمایا تھا جس پر وہ آج بیٹھائے گئے تھے، پہلے ہی سبق میں تفہیم مطالب و کشف مغلقات سے حقائق و معارف کے ایسے دریا بہادیے کہ تشنگانِ علوم سیراب ہو گئے اور علما و سامعین دنگ رہ گئے، چناں چہ قاضی صاحب مرحوم نے آپ کی علمی وجاہت و انتظامی صلاحیت پر اعتماد و اطمینان فرما کر مدرسہ کے تعلیمی امور کے سیاہ و سفید کا آپ کو مالک بنا دیا۔ (صدرالشریعہ نمبر، ص:۴۷)

اس کے علاوہ آپ نے درج ذیل درس گاہوں میں مسند تدریس کو زینت بخشی:

(۱) دارالعلوم اہل سنت منظر اسلام بریلی شریف بحیثیت صدالمدرسین ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۴۳ھ تیرہ سال

(۲) جامعہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف بحیثیت صدرالمدرسین ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۵۱ھ آٹھ سال

(۳) ۱۳۵۱ھ میں دوبارہ بحیثیت شیخ الحدیث و صدرالمدرسین منظر اسلام بریلی شریف تشریف لے آئے اور ۱۳۵۶ھ تک چھ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔

(۴) دار العلوم اہل سنت مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ، بعہدۂ صدر المدرسین و شیخ الحدیث ۱۳۵۶ھ تا ۱۳۶۲ھ سات سال۔

(۵) مدرسہ مظہر العلوم بنارس بعہدۂ صدر المدرسین ۱۳۶۳ھ تا ۱۳۶۴ھ، ایک سال۔

(۶) دار العلوم اہل سنت مظہر اسلام بریلی شریف بعہدۂ شیخ الحدیث ۱۳۶۴ھ کچھ عرصہ (تذکرۂ صدر الشریعہ، ص:۲۴)

تدریسی لگن: آپ کو تدریس سے حد درجہ شغف تھا، مدرسہ کے وقت کے علاوہ بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے۔ اور کسی بھی صورت میں یہ گوارا نہ تھا کہ درس کا ناغہ ہو۔

شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

تدریسی لگن کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کے وقت سے پہلے ہی صبح سویرے مدرسہ تشریف لاتے اور مدرسہ کا وقت ختم ہو جانے کے بعد جب دیگر مدرسین اپنے اپنے گھر چلے جاتے تو خاص خاص اسباق اس وقت بھی پڑھاتے تھے، دار العلوم معینیہ اجمیر شریف میں گرمی کے موسم میں ایک وقت تعلیم ہوتی تھی مگر حضرت صدر الشریعہ بعد ظہر بھی اپنے مکان پر درس کا سلسلہ جاری رکھتے، ظہر سے عصر تک یہ سلسلہ چلتا عصر کے بعد درگاہ معلی میں نماز عصر پڑھا کر اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک گوشے میں بیٹھ جاتے اور نماز مغرب تک علمی مذاکرہ اور بحث و تمحیص جاری رہتی۔ قیام اجمیر شریف کے آخری زمانے میں آپ کا جسم بھاری ہو گیا، اطبا کے مشورے کی وجہ سے عصر بعد دولت باغ اور اناساگر کی طرف ٹہلنے چلے جاتے مگر اس سیر و تفریح میں بھی اکثر محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب کوئی علمی کتاب لیے آپ کے ہمراہ ہوتے، اس سیر و تفریح کے ساتھ ساتھ کتاب کا درس بھی جاری رہتا۔ جمعہ کے دن تعطیل رہتی تھی لیکن اس دن بھی صبح سے لے کر دس، گیارہ بجے تک حضرت صدر الشریعہ کی سرپرستی میں تقریر و مناظرہ کی مجلسیں منعقد ہوتیں۔ (تذکرہ صدر الشریعہ، ص:۳۹، ۴۰)

امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

درس کا ناغہ کسی حالت میں گوارا نہ تھا حتی کہ بحالت بخار شدید بھی تشریف لے آتے، طلبہ کا شدت بخار کو دیکھ کر بے حد اصرار ہوتا کہ درس ناغہ کر دیا جائے، مگر ان کی درخواست قبول نہ ہوتی اور یہ فرماتے کہ مولوی صاحب (یعنی آپ کے استاد مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جون پوری قدس سرہ النوری) فرماتے تھے کہ ناغہ سے برکت جاتی رہتی ہے لہذا پڑھ لو۔ اگرچہ مقدار قلیل، تدریس کی جانب ایسی توجہ اور اس

میں اتنی کاوش کا تحمل اُس زمانے میں مفقود النظیر تھا۔ شکرا للہ تعالی سعیہ العظیم و امجدنا سبحانہ بظلہ الکریم.(صدر الشریعہ نمبر، ص:۲۲)

انداز تدریس: حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ میدان تدریس کے بے نظیر شہ سوار تھے کتاب کے مضامین کی تقریر ایسی شستہ اور آسان زبان میں فرماتے کہ ہر طالب علم کے دل میں اترتی چلی جاتی۔ ان کی تدریس کے تعلق سے حضرت شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی تدریس کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ طلبہ کے ذہن میں مضامین کو نقش کالحجر فرمادیتے تھے صرف پڑھاتے ہی نہیں تھے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ گھول کر پلاتے تھے۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۴۳)

شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ کے بولوں میں:

ہر مقام پر ایک مختصر سی جامع و مانع وافی و شافی تقریر فرماتے کہ شکوک و شبہات کے بادل خود چھٹ جاتے اور علم و یقین کا سورج مشرق قلب و دماغ پر جلوہ گر ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے حلقۂ درس میں ملک کے مختلف صوبوں اور بیرون ملک کے طلبہ شامل رہتے، ہندی، پاکستانی، بنگالی، پنجابی، سندھی، مدراسی، بلخی، بخاری، سمرقندی، افغانی، ترکی، افریقی اور ایرانی حاضر ہوتے۔ (تذکرۂ صدر الشریعہ، ص:۳۹)

حضرت علامہ سید ظہیر احمد زیدی علی گڑھی علیہ الرحمہ آپ کے طریقۂ تعلیم کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

بوقت درس کوئی کتاب حضرت کے سامنے نہ ہوتی تھی بجز کتب تفسیر و احادیث کے کہ ادباً و احتساباً وہ سامنے رہتی تھیں، حضرت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ ''وہ ایک لائق استاذ نہیں جو تعلیم دینے میں کتاب سامنے رکھنے کا محتاج ہو۔'' (صدر الشریعہ نمبر، ص:۸۴)

حضرت علامہ مفتی محبوب رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

دوسرے مدرسین سے حضرت کا طریقۂ تدریس مختلف پایا، دوسرے اساتذہ کے اسباق میں طلبا قراءت کے لیے آپس میں جھگڑتے تھے مگر حضرت کے سبق میں ایک دوسرے کے کہنیاں مارتے تھے کہ تم قراءت کرو، حضرت ایک مرتبہ ہوں فرماتے یہ اشارہ ہوتا قراءت شروع کرنے کا مگر طلبا آپس میں کہنیاں مارنا شروع کردیتے، حضرت دوبارہ ''ہوں'' فرماتے مگر کسی کی ہمت نہ پڑتی شروع کرنے کی، پھر جب تیسری مرتبہ ''ہوں'' فرماتے تو کوئی نہ کوئی گھبرا کر قراءت شروع کردیتا۔ . . اگر عبارت پڑھنے میں کوئی غلطی ہو جاتی تو پڑھنے والے کی شامت آجاتی حضرت بہت ناراض ہوتے ترجمہ لفظی پسند فرماتے تھے اگر ترجمہ میں کوئی

لفظ اپنی طرف سے طالب علم بڑھا دیتا تو فوراً پوچھتے کہ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے، ترجمہ کے بعد دریافت فرماتے کہ کیا سمجھے؟ بیان کرو! چناں چہ اگر مطلب صحیح بیان کر دیا جاتا تو خود تقریر فرمانے لگتے اور اگر مطلب صحیح بیان نہ ہوا تو ناراض ہوتے اور فرماتے کہ میرے پاس بغیر مطالعہ کیے مت آیا کرو، صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک، اور امور عامہ جیسی مشکل کتابوں کی تقریر حفظ سے فرماتے جاتے، تقریر کے بعد پھر کتاب پر نظر ڈالتے اور فرماتے کہ اب حافظہ کمزور ہو گیا ہے اس لیے دیکھ لیتا ہوں کہ کوئی جملہ رہ تو نہیں گیا، جوانی میں کتاب دیکھے بغیر پڑھاتا تھا۔ . . سبق کی تقریر دو بار فرماتے تھے، بخاری شریف کے گویا حافظ تھے، اور جن احادیث پر شروح احادیث میں قیل و قال ہے ان کے متعلق ایسی تقریر فرماتے کہ طالب علم کو اعتراض کی گنجائش نہ رہ پاتی۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۳۰)

درس نظامی میں مہارت: ایک باصلاحیت اور لائق و فائق مدرس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں افہام و تفہیم کا بھرپور ملکہ، تدریس کے تمام فنون پر گہری نظر اور اس کے نشیب و فراز سے خوب اچھی آگاہی ہو، طلبہ کی نفسیات اور مزاج سے آشنا ہو۔

جب ہم صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ آپ کی ذات میں یہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی تدریسی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے وقت کی عظیم شخصیتوں نے آپ کی جلالت علمی اور تدریسی قابلیت کا اعتراف کیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا ارشاد گرامی ہے:

امجد علی کو درس نظامی کے تمام فنون میں کافی دسترس حاصل ہے اور فقہ میں تو ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ (تعارف صدر الشریعہ مشمولہ بہار شریعت، حصہ اول، مجلس برکات)

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ کے سالانہ جلسے میں امتحان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

مولانا امجد علی صاحب پورے ملک کے ان چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں جنھیں میں منتخب جانتا ہوں۔ (ایضاً)

مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی جو اس زمانے میں اسی مدرسہ کے نائب مدرس تھے انھوں نے اپنے

تاثرات کا اظہار اس طرح کیا:

مولانا محمد امجد علی اعظمی، سات سال سے صدر مدرس تھے۔ بریلی، اجمیر اور دوسرے مدرسوں کے صدر مدرس رہ چکے تھے، کہنہ مشقی کی بنا پر درسیات میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ (ایضا)

حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں خلف اکبر امام احمد رضا علیہما الرحمہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

مولانا امجد علی صاحب جوابات دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک دریائے ذخار ہے جو موجیں مار رہا ہے۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۱۱۰، بحوالہ ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف، مارچ ۱۹۶۶ء)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ آپ کی علمی صلاحیت اور درسی مہارت کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہوئے:

اس وقت سنی حنفی کوئی ایسا مدرس نہیں ہے جو معقول و منقول صحیح استعداد کے ساتھ پڑھا سکتا ہو۔ میرے علم میں مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ علیہ الرحمہ (علامہ ہدایت اللہ خاں رام پوری) کے صرف آپ ہی یادگار ہیں۔ (صدر الشریعہ حیات و خدمات، ص ۲۵ بحوالہ مکتوب قلمی ۱۹۳۲)

حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز قدس سرہ لکھتے ہیں:

تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ پورا درس نظامی مستحضر تھا جو کتاب سامنے آتی بے دریغ پڑھاتے، کما حقہ پڑھاتے، ایسی جامع تقریر فرماتے کہ تمام اعتراضات و شبہات رفع ہوجاتے اور مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہوجاتا۔ علاوہ درسیات کے جو بھی کتاب سامنے لائی گئی کما حقہ پڑھایا۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۱۲)

امام احمد رضا سے ربط و تعلق:

پہلی ملاقات: جس زمانے میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ مدرسہ اہل سنت پٹنہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے اسی زمانے میں اس مدرسے کے مہتمم قاضی عبد الوحید علیہ الرحمہ (جو بڑے دین دار اور دین پرور رئیس تھے، حافظ قرآن اور عالم دین تھے، حمایت حق اور خدمت دین ان کا شعار تھا) بیمار پڑ گئے اعلیٰ حضرت اور حضرت محدث سورتی علیہما الرحمہ ان کی عیادت کے لیے پٹنہ پہنچے ان دونوں بزرگوں کی موجودگی میں قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے وفات پائی، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور محدث سورتی علیہ الرحمہ نے قبر میں اتارا اور ایک مشہور بزرگ کے آستانے کے قریب مدفون ہوئے، اسی موقع پر حضرت صدر الشریعہ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی قدم بوسی کا شرف ملا اور اعلیٰ حضرت کی پہلی ہی نظر کیمیا اثر اپنا کام کر گئی اور بے اختیار صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا دل آپ کی طرف مائل ہوگیا اور اپنے استاذ

محترم حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے مشورے سے سلسلہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

کاشانۂ رضا پر حاضری: جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بغرض تفریح لکھنؤ تشریف لے گئے وہاں سے پیلی بھیت، پھر بریلی شریف حاضر ہوئے۔ بریلی جاتے وقت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ایک خط تحریر فرمایا، جس کا مضمون یہ تھا کہ جس طرح ممکن ہو آپ اس شخص کو خدمت دین و علم کی طرف متوجہ کیجیے جب آستانہ اقدس پر حاضری ہوئی تو اعلیٰ حضرت نہایت الطاف کریمانہ سے پیش آئے اور ارشاد فرمایا: آپ یہاں قیام کیجیے اور جب تک میں نہ کہوں واپس نہ جائیں اور دل بستگی کے لیے کچھ معمولی سے کام تحریر وغیرہ کے لیے سپرد فرمادیے، تقریبًا دو ماہ بریلی میں قیام رہا اور اعلیٰ حضرت کی صحبت میں علمی استفادہ اور دینی مذاکرہ کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ماہ رمضان المبارک قریب آگیا وطن کی اجازت طلب کی تو اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جائیے لیکن جب کبھی بلاؤں گا تو فورًا چلے آئیے گا، وطن پہنچ کر مطب اور معالجہ کا سلسلہ جاری کر دیا جو بہت کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا، اسی زمانے میں امام احمد رضا قدس سرہ کو اپنے مدرسہ منظر اسلام کے لیے ایک قابل اور ذی استعداد مدرس کی ضرورت پڑی تو حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے آپ کا نام پیش کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے صدر الشریعہ کو خط لکھا کہ آپ فورًا چلے آئیے۔ چناں چہ آپ دوبارہ بارگاہ رضوی میں حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا:
مولانا! کیا کرتے ہیں ؟ آپ عرض کرتے ہیں: مطب کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا: مطب بھی اچھا کام ہے:

العلم علمان : علم الادیان و علم الابدان، مگر مطب کرنے میں یہ خرابی ہے کہ صبح صبح قارورہ دیکھنا پڑتا ہے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد مجھے قارورہ دیکھنے سے انتہائی نفرت ہوگئی اور یہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا کشف تھا . . . میں امراض کی تشخیص میں قارورہ سے ہی مدد لیتا تھا اور یہ تصرف تھا کہ قارورہ سے نفرت ہوگئی۔ اس ارشاد کے بعد اعلیٰ حضرت نے تیس روپے ماہانہ پر آپ کو اپنے مدرسے کا مدرس مقرر کیا، آپ کی قابلیت اور حسن انتظام کو اعلیٰ حضرت نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور مدرسہ کا سارا انتظام آپ کے حوالے کر دیا اور مطبع اہل سنت کا ناظم بنا دیا۔
بریلی شریف میں آپ کے سر کتنی ذمہ داریاں تھیں اس کے متعلق علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں :

بریلی شریف میں قیام کے دوران حضرت صدر الشریعہ کی مصروفیات حیرت انگیز حد تک بڑھی ہوئی تھیں، تدریس، پریس کی نگرانی، پروف ریڈنگ، پریس مینوں کو ہدایات، پارسلوں کی ترسیل اور فتویٰ نویسی وغیرہ امور تن تنہا انجام دیتے، فیض رضا نے دین کا کام کرنے کی وہ اسپرٹ پیدا کر دی تھی کہ تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ بعض حضرات کہا کرتے تھے کہ ”مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں“۔ (تعارف صدر الشریعہ، بہار شریعت۔ حصہ اول، مجلس برکات)

اعلیٰ حضرت کی نوازشیں : اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے کیسا قلبی لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس جلیل القدر خلیفہ کے بارے میں فرمایا :

میرا امجد مجد کا پکا

اس سے بہت کچھ واسطے یہ ہیں

اس شعر میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے لیے پیار اور محبت کا اظہار بھی ہے اور ان کی خوبیوں کا بیان بھی۔

قاضی شرع فی الہند: امام اہل سنت کو اپنے اس چہیتے خلیفہ کے علم وفضل پر حد درجہ اعتماد تھا کہ انھوں نے صدر الشریعہ کو پورے غیر منقسم ہندوستان کا قاضی مقرر کیا۔

علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :

شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ میں نواب سلطان احمد صاحب اور ان کے بھائی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے عرض کیا: حضور! ہندوستان کو انگریزوں کی حکومت سے نجات ملے گی اور ملک کو آزادی حاصل ہوگی، لہذا حصول آزادی کے بعد جمہوری تقاضوں کی بنیاد پر قاضی شرع و مفتی شرع کا تقرر کیسے ہوگا؟ ارشاد فرمایا: ہاں ملک انگریزوں کے تسلط سے ضرور آزاد ہو جائے گا، قاضی شرع و مفتی شرع کے تقرر کے مسئلہ پر میں غور کروں گا۔

اس مختصر گفتگو کے بعد دوسرے یا تیسرے دن اعلیٰ حضرت نے بیٹھک میں صبح سے خاص طور پر بہ نفس نفیس کچھ انتظام کرائے۔ بیٹھک کے تخت کو مخصوص تین نشستوں کے ساتھ مزین کرایا گیا اور خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا تخت کے سامنے، خلاف معمول ایک علاحدہ کرسی پر تشریف فرما ہوئے، روزانہ کے حاضرین دربار جمع ہو گئے تو ارشاد فرمایا :

”ملک انگریزوں کے تسلط سے ضرور آزاد ہو گا، جمہوری بنیادوں پر اس ملک کی حکومت کا قیام عمل

میں آئے گا، مگر ملک میں قاضی شرع اور مفتی شرع کے تقرر کے لیے اسلامی شرعی قانون کی بنیاد پر سخت دشواری ہوگی، چوں کہ ملک کے بنیادی قوانین میں ایسا کوئی لائحہ عمل نہ ہوگا جس کی بنا پر قاضی شرع و مفتی شرع کا تقرر صحیح طور پر ہو سکے۔ لہذا آج ہی اس کی ابتدا کرنے جا رہا ہوں تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے، اور آزادی کے بعد کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

اس کے بعد ارشاد فرمایا: آج میں پورے ملک ہندوستان کے لیے مولانا امجد علی اعظمی کو قاضی شرع مقرر کرتا ہوں، پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر مخصوص نشست پر بٹھایا اور دعا کی اور برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری و مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا علیہما الرحمہ کو دار القضا کے لیے مفتی اور معاون قاضی مقرر کیا۔

قاضی کا منصب اور اس کے شرائط بہت ہیں صدر الشریعہ کو اس منصب پر مقرر فرمانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مجدد اسلام فقیہ زمانہ امام احمد رضا قدس سرہ کو صدر الشریعہ کے تفقہ، استخراج احکام اور فیصلۂ مقدمات سے متعلق مکمل اعتماد تھا۔ (تعارف صدر الشریعہ مشمولہ بہار شریعت، حصہ اول، مجلس برکات)

حضرت صدر الشریعہ نے دوسرے ہی دن قاضی شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک معاملے کا فیصلہ فرمایا۔

وکیل بالبیعۃ: خلفاے اعلیٰ حضرت میں صرف صدر الشریعہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اعلیٰ حضرت نے انھیں اپنی بیعت لینے کے لیے وکیل بنایا، یہ صدر الشریعہ کی باطنی جامعیت اور روحانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے:

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا بیان ہے:

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود مجھ سے ایسے مجمع میں جس میں حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بہت سے لوگ موجود تھے یہ بیان فرمایا کہ ابتدا میں مدرسہ فرقانیہ میں پڑھتا تھا اور میرے استاذ سب دیوبندی تھے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ والد صاحب مرحوم کی کتابیں دھوپ دکھانے کے لیے آنگن میں پھیلائی ہوئی تھیں، میں ان کتابوں کو دیکھنے لگا اس میں سے "تمہید ایمان" اٹھائی اور اسے پڑھنا شروع کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ دیوبندی علما کی شان رسالت میں توہین آمیز عبارتیں پڑھنے سے مجھے شدید نفرت ہوگئی اور مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ سے غایت درجہ محبت پیدا ہوگئی اور ان کی عظمت میں دل بیٹھ گئی میں غائبانہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا شیدا ہوگیا، پھر دوسرے دن سے دیوبندی مولویوں سے ان کفریہ عبارتوں پر سوال و جواب شروع کر دیا، کچھ دن تو انھوں نے بہت صبر و تحمل سے کام لیا اور بطور خود مجھے سمجھانے

کی کوششیں کیں، لیکن میں ان کی افہام و تفہیم سے مطمئن نہ سکا جس کے نتیجے میں پورے مدرسہ میں مبغوض ہوگیا، دل چاہتا تھا کہ اڑ کر بریلی شریف چلا جاؤں مگر مجبوریاں ایسی تھیں کہ میں نہیں جا سکتا تھا۔

اسی اثنا معلوم ہوا کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی سے گفت و شنید کرنے کے لیے بریلی شریف کے کچھ علما تشریف لائے ہوئے ہیں۔ حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ مسند الانام حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب خلف اکبر اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلما حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب -قدست اسرارہم- تشریف لائے ہیں، میں نے ان سب حضرات سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات میں کوئی اعلی حضرت کا وکیل بالبیعۃ ہو تو میں اس کے ہاتھ پر اعلیٰ حضرت سے بیعت کرنا چاہتا ہوں، اس پر حجۃ الاسلام نے فرمایا کہ یہ شرف صرف ہم میں سے حضرت مولانا امجد علی صاحب کو حاصل ہے، آپ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیے۔ میں نے بلا تاخیر حضرت صدر الشریعہ کے ہاتھ پر اعلی حضرت کی بیعت کر لی۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۶۰)

صدر الشریعہ کا لقب: حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اللہ تعالی نے جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ عطا فرمائی تھی۔ لیکن انھیں تفسیر، حدیث اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا، فقہی جزئیات ہمیشہ نوک زبان پر رہتی تھیں اسی بنا پر امام اہل سنت امام احمد رضا نے قدس سرہ نے آپ کو ”صدر الشریعہ“ کا لقب عطا فرمایا۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص: ۲۸۱ بحوالہ تذکرۂ علماے اہل سنت از مولانا محمود احمد قادری)

صدر الشریعہ پسند آ گئے:

شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا بہاء المصطفی قادری لکھتے ہیں:

مولانا نور الحسن و مولانا ظہور الحق (غالباً یہی نام ہیں) یہ دونوں حضرات علم معقولات میں اپنے کو منفرد سمجھتے تھے، اعلی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ ہمارا اور صدر الشریعہ کا امتحان لے لیں جو کامیاب ہو اس کو منظر اسلام کا صدر المدرسین بنا دیں۔ صدر الشریعہ اس وقت منظر اسلام کے صدر المدرسین تھے، اس پر اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر ارشاد فرمایا: میں نے سب کا امتحان لے لیا ہے مگر میرے دل کو مولوی امجد علی بھا گئے ہیں اس کا کیا کروں۔ (صدر الشریعہ حیات و خدمات، ص:۱۱۰)

آخری جملہ ”مگر میرے دل کو مولوی امجد علی بھا گئے ہیں“ سے صدر الشریعہ کے لیے امام احمد رضا کی محبت و شفقت اور قدر و منزلت کا جو اظہار ہوتا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت صدر الشریعہ کا امام احمد رضا اور خاندان رضا سے اتنا گہرا تعلق تھا کہ آپ خاندان کے ایک فرد کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا بہاء المصطفیٰ قادری لکھتے ہیں:

حضور صدر الشریعہ خاندان رضا کے ایک فرد شمار کیے جاتے ہر اہم کام میں آپ کا عمل دخل ہوتا حضرت علامہ حسنین رضا قبلہ ابن استاذ زمن مولانا حسن بریلوی نے مجھ سے بار بار فرمایا کہ اگر کوئی ہم سے پوچھتا آپ حضرات کتنے بھائی ہیں ہم کہتے چار، چوتھے صدر الشریعہ ہیں۔ (ایضا، ص:۱۰۹)

صدر الشریعہ کو امام احمد رضا قدس سرہ کی بارگاہ میں تقرب خاص کا مقام حاصل تھا وہ امام وقت کی دولت عرفان سے مالامال تھے، خلوت و جلوت میں حاضری اور اکتساب فیوض و برکات میں پیش پیش رہے۔ اعلی حضرت کے اخیر ایام تک آپ لبہائے امام کی عطر بیزیوں سے اپنی مشام جاں معطر کرتے رہے۔ مولانا حسنین رضا خاں مرتب وصایا لکھتے ہیں:

"مولانا امجد علی صاحب نے کچھ وصایا شریف قلم بند کیے تھے جو حضور اقدس نے القا فرمائے تھے۔ (امام احمد رضا کے ایمان افروز وصایا)

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے وصایا میں اپنی نماز جنازہ کے تعلق سے اس طرح فرمایا:

"غسل وغیرہ سب مطابق سنت ہو، حامد رضا خاں وہ دعائیں کہ فتاوی میں لکھی ہیں خوب ازبر کرلیں تو وہ نماز پڑھائیں ورنہ مولوی امجد علی"

امام احمد رضا کا یہ فرمان بڑی اہمیت کا حامل ہے اور صدر الشریعہ کی یادداشت اور بزرگی کی سند بھی۔

حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا علیہ الرحمہ چوں کہ ولی تھے اس لیے ان کو مقدم فرمایا وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ فتاوی میں مذکور دعائیں انھیں خوب ازبر ہوں اور ان کے بعد اعلی حضرت کی نگاہ انتخاب اپنی نماز جنازہ کے لیے جس پر پڑی وہ بھی بلا شرط وہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات ہے۔

بعد وصال نظر کرم: امام احمد رضا قدس سرہ کے وصال کے بعد صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اب میرے فتاوی کی قطعی اصلاح کون کرے گا چناں چہ اسی فکر میں آپ کو نیند آگئی مگر نصیبہ بیدار تھا خواب میں امام احمد رضا قدس سرہ تشریف لاتے ہیں اور اپنے اس محب صادق پر کیسی نوازش فرماتے ہیں اسے خود صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زبان میں ملاحظہ کریں:

اعلی حضرت کی وفات کے چند روز بعد خواب میں دیکھا تقریباً دس بجے دن کا وقت ہوگا، زنانے مکان سے کچھ کاغذات ہاتھ میں لیے ہوئے برآمد ہوئے اور جس پلنگ پر باہر تشریف فرما ہوا کرتے تھے اس کے

قریب حسب دستور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں، ایک کرسی پر میں بھی بیٹھا ہوا تھا، اپنے پلنگ کے پاس تشریف لاکر وہ تمام کاغذات میرے حوالے کیے، اس وقت میری زبان سے نکلا کہ آپ کا انتقال ہو چکا ہے، آپ کیسے تشریف لائے ؟ فرمایا: ہم اسی طرح آیا کریں گے۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں نے یہ تصور کیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح میرے زمانۂ حیات میں تم یہ سب کام انجام دیا کرتے تھے اب بھی یہ چیزیں تمھارے سپرد کی جاتی ہیں۔ لوگوں کی تحریر کا جواب دینا تمھارے ہی متعلق کیا جاتا ہے۔ چناں چہ اس کے بعد بلا تکلف اس خدمت افتا وغیرہ کو انجام دیتا رہا اور سمجھ لیا کہ جس طرح اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات میں اس کام کو تفویض فرمایا تھا اب بھی اسی کام کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں اور جو کچھ دشواریاں ہوں گی اس میں وہ خود مددگار ہوں گے۔ چناں چہ کبھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے اس معاملہ میں دشواری پیش نہ آئی۔ فللہ الحمد. (حیات صدر الشریعہ، ص:۴۶)

امام احمد رضا قدس سرہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو جہاں اپنی اولاد کی طرح چاہتے اور ان کے علم و فضل کے معترف تھے وہیں صدر الشریعہ کو بھی امام اہل سنت سے ایسی والہانہ عقیدت و محبت تھی کہ آپ امام احمد رضا قدس سرہ کی طرز و فکر اپنانے میں منفرد نظر آتے ہیں۔ امام احمد رضا کے وصال کے بعد ان کے مشن اور مسلک کو فروغ دینے کے لیے صدر الشریعہ نے اپنا فرض پورا کر دکھایا۔

شہزادگان امام احمد رضا کا صدر الشریعہ سے لگاو: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے دونوں شہزادے حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا قادری اور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا نوری علیہما الرحمہ بھی حضرت صدر الشریعہ سے خصوصی لگاو رکھتے تھے اور ان کا بڑا اکرام کرتے تھے، حضرت مولانا بہاء المصطفیٰ قادری رقم طراز ہیں:

صدر الشریعہ جب بریلی شریف کسی موقع پر تشریف لاتے دونوں تاجداران اہل سنت بگھی لے کر اسٹیشن استقبال کے لیے تشریف لے جاتے، بصد اصرار بگھی پر بیچ میں بیٹھاتے اور خود تاجداران اہل سنت بغل میں دونوں جانب تشریف رکھتے، بریلی کے بزرگ فرمایا کرتے ہمارے لیے دونوں شہزادگان کو ایک ساتھ دیکھنا اسی وقت ممکن ہوتا جب صدر الشریعہ بریلی شریف تشریف لاتے۔ (صدر الشریعہ حیات و خدمات، ص:۱۰۹، ۱۱۰)

شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ کا بیان ہے:

ایک مرتبہ حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کی خدمت میں مجھے حضوری کا شرف حاصل ہوا، اس مجلس

میں ایک صاحب نے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا تذکرہ فرمایا، اتنے میں مفتی اعظم صاحب قبلہ چشم پر آب ہوگئے اور فرمانے لگے: ”صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنا کوئی گھر نہیں بنایا، بریلی ہی کو اپنا گھر سمجھا وہ صاحب اثر بھی تھے اور کثیر التعداد طلبہ کے استاذ بھی، وہ چاہتے تو بآسانی کوئی ذاتی دار العلوم ایسا کھول لیتے جس پر وہ یکہ وتنہا قابض رہتے، مگر ان کے خلوص نے ایسا نہیں کرنے دیا“ (تذکرۂ صدر الشریعہ، ص: ۵۳)

شہزادگان کا احترام: صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بھی اپنے پیر زادوں کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے جب بھی بریلی شریف جانا ہوتا تو شہزادوں کے شایان شان تحفہ لے جاتے۔ ایک مرتبہ جے پور سے قیمتی اور خوب صورت جوتا لاکر حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کیا، حجۃ الاسلام بار بار الٹ پلٹ کر دیکھتے کسی نے دریافت کیا حضرت اتنا عمدہ، خوب صورت جوتا کہاں سے آیا، فرمایا: میرے بھائی صدر الشریعہ جے پور سے لائے ہیں۔ (صدر الشریعہ حیات وخدمات، ص: ۱۱۰)

حضور مفتی اعظم ہند کی خدمت میں خود نذر پیش کرتے اور اپنے مریدوں سے بھی مالی نذر پیش کرواتے۔

مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دار العلوم مظہر اسلام کی مالی حالت بہت کمزور تھی چندہ کی فراہمی کا کوئی معقول انتظام نہ تھا چند احباب کی امداد وسعی تھی جو دار العلوم کے مصارف کے لحاظ سے بالکل ناکافی تھی، مدرسین کی تنخواہوں، درسی کتابوں کی فراہمی اور دیگر مصارف کی کمی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنی جیب خاص سے پوری فرماتے، جب سلسلہ دراز ہوگیا اور آپ کی جیب بھی خالی ہوگئی تو اپنی ذمہ داری پر مخصوص احباب سے دار العلوم کے لیے قرض حسن لے لے کر صرف فرماتے رہے حتی کہ دار العلوم کئی ہزار کا مقروض ہوگیا اور آپ نے اپنی چند دکانیں رہن میں لکھوادیں۔ کسی طرح اس کی خبر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو ہوگئی۔ عرس رضوی کا زمانہ قریب آیا تو تاریخ عرس سے چند روز پہلے ہی بریلی شریف پہنچ گئے پھر اس کے بعد ہی آپ کے چند میمن مریدین کا ایک قافلہ دھوراجی سے بریلی شریف پہنچا، جس کے میر کارواں مولانا سید عبد الحق علیہ الرحمہ تھے۔ حضرت شیخ العلما کا بیان ہے کہ تنہائی میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ یہاں کس لیے آئے ہیں، (پھر انھوں نے اپنی صدری کی جیب کی طرف ”جو نوٹوں کی گڈیوں کے سبب تجوری بنی ہوئی تھی“ اشارہ کرکے فرمایا کہ) کیا آپ جانتے ہیں کہ اس جیب میں کتنے ہزار روپے کی رقم ہے؟ (پھر خود ہی جواب دیا کہ) میں حضرت صدر الشریعہ کے ارشاد کے بموجب آپ کے ان مریدین کو لے کر آیا ہوں میری اس جیب میں اتنے ہزار روپے ہیں۔ ہماری حاضری کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دار العلوم مظہر اسلام اتنے ہزار روپے کا مقروض ہوگیا ہے، اس سلسلے میں حضرت

مفتی اعظم صاحب قبلہ نے اپنی دکان (یا مکانات) مرہون فرمادیے ہیں اس قرضہ کو ادا کر کے ان دکانوں (یا مکانات) کو ہم لوگ رہا کرائیں گے"۔

پھر عرس رضوی کی تاریخ آئی بڑے شان دار طریقے پر عرس کی تقریبات ادا کی گئیں۔ صدر الشریعہ کے ان میمن مریدین نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عرس سے فراغت کے بعد دھوراجی کی واپسی کا وقت قریب آیا تو بعد نماز مغرب یا بعد نماز عشا حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حضرت مفتی اعظم کو ساتھ لیا پھر اپنے مریدوں کو حکم دیا وہ بھی پیچھے پیچھے ہو لیے مولانا سید عبد الحق بھی ہمراہ ہو گئے۔ آپ سب کو لے کر اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ شیخ العلماء کا بیان ہے کہ میں بھی خادمانہ حیثیت سے ساتھ ہو لیا۔ فاتحہ خوانی سے فارغ ہونے کے بعد صدر الشریعہ نے اپنے مریدین کی طرف نظر اٹھائی پھر حضرت مفتی اعظم قبلہ زید مجد ہم کی طرف رخ پھیرا۔ اس نظری اشارے کے بعد ہی ان سبھوں نے یکے بعد دیگرے سو سو روپے کے نوٹ آپ کے دست اقدس میں دینے شروع کیے پہلے ایک سے آپ نے لیا اور فرمایا کہ مفتی اعظم صاحب! لیجیے یہ سو روپے فلاں سیٹھ آپ کی خدمت میں نذر پیش کر رہے ہیں۔ اس طرح فرداً فرداً ہر ایک سے آپ نے لیا اور حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان نذر پیش کرنے والے حضرات کی تعداد کل پانچ یا چھ تھی ان میں سے صرف ایک صاحب نے پچاس روپے دیے، باقی میں سے ہر ایک نے سو سو روپے دیے۔ اس طرح آپ نے ساڑھے چار سو یا ساڑھے پانچ سو کا نذرانہ اپنے مریدین سے دلوایا۔ اس وقت تمام زائرین اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے مواجہہ میں کھڑے تھے سب حاضرین پر ایک کیف طاری تھا، خاص کر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے چہرہ انور پر مسرت کی لہر دوڑ رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اعلی حضرت قدس سرہ کو نذرانہ پیش کر رہا ہوں۔

ہزار روپیوں کی تھیلی دار العلوم مظہر اسلام کو دلوانے کے بعد بھی آپ کی سیری نہ ہوئی۔ حتی کہ ایک بڑی رقم اپنے پیر زادے کی خدمت میں پیش کرائی کہ عرس شریف میں انھیں سہولت ہو۔ (ملخصًا، تذکرہ صدر الشریعہ)

تفقہ فی الدین: صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی بارگاہ میں اٹھارہ سال کا زمانہ گزارا اور تفقہ فی الدین میں کمال حاصل کیا۔ اعلی حضرت قدس سرہ فتاوی کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخّاذ ہے، طرز سے

واقفیت ہو چلی ہے۔ (الملفوظ حصہ اول)

صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

آپ کو فقہ کے جمیع ابواب کے تمام جزئیات ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ مستحضر تھے۔

اللہ تعالی نے حضرت صدر الشریعہ کو علم فقہ اور علوم شرعیہ میں اپنے تمام معاصرین پر ممتاز فرمایا، جس پر آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف بہار شریعت اور فتاوی امجدیہ شاہد عدل ہیں۔

حضرت علامہ سید ظہیر احمد زیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

آپ کی نگاہ فقہی جزئیات پر حاوی تھی، کتب فقہیہ پر آپ کا مطالعہ نہایت درجہ وسیع تھا، نہ صرف فقہ بلکہ احادیث مبارکہ پر بھی آپ نظر وسیع تھی اور قرآن کریم آیات احکام و دیگر آیات اور ان کے مفاہیم و مستنبطات پر بھی آپ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے، بہار شریعت کے سترہ حصے مرتب فرمائے اور ان میں فقہ کے ۳۸۱ عنوانات کے تحت آپ نے نوہزار نو سو ترانوے یعنی تقریباً دس ہزار مسائل و جزئیات بیان فرمائے، فتاوی امجدیہ کے مسائل اس کے علاوہ ہیں۔ یہ دس ہزار مسائل و جزئیات آپ نے ۴۵ معتبر و مستند اور معتمد علیہا کتب فقہیہ کے حوالوں سے بیان فرمائے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کے مطالعہ میں مجتہدین فی الشرع، مجتہدین فی المذہب، مجتہدین فی المسائل اور اصحاب التخریج و اصحاب الترجیح وغیرہ جملہ علمائے فقہ کی تصانیف رہیں، اس کے علاوہ اہل فتوی مفتیان کرام کی جملہ کتب فتاویٰ بھی آپ کے پیش نظر رہیں۔ یقیناً آپ نہایت عظیم المرتبت فقیہ تھے، اور ضعیف و مردود اور صحیح و قوی و اقویٰ اقوال کا علم رکھتے تھے، نیز راجح و مرجوح، مفتی بہ و غیر مفتیٰ بہ اقوال و مسائل پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا۔ (صدر الشریعہ حیات و خدمات ص:۷۱)

علم حدیث میں مہارت: علم حدیث میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے تبحر و جامعیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بہار شریعت میں ہی آپ نے فقہی ابواب و عناوین سے متعلق دو ہزار دو سو تیس احادیث کریمہ تحریر فرمائی ہیں ان کے علاوہ طحاوی شریف کی شرح میں آپ نے کثیر احادیث کا استخراج فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے بشمول صحاح ستہ بیالیس کتب احادیث کا حوالہ دیا ہے جن میں سے ہر مجموعۂ حدیث معتبر و مستند ہے۔ (ایضا، ص:۷۲)

خطابت: حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا اصل کام تدریس تھا اس سے فطری مناسبت اور قلبی لگاؤ تھا اپنے

تلامذہ میں تدریس ہی کا جذبہ پیدا فرماتے تھے، مگر اس کے باوجود وقت ضرورت وعظ فرمایا کرتے تھے جو سادے، سلیس، عام فہم الفاظ میں علمی حقائق و معارف پر مشتمل ہوتا تھا اور اپنے اندر ایسی جامعیت رکھتا تھا کہ علمائے کرام جھوم جھوم اٹھتے تھے، کبھی کبھی حضرت صدر الشریعہ کے وعظ کے کسی پیراگراف پر ماہر خطیب گھنٹوں وعظ کہتا تھا۔

مناظرہ: حضرت صدر الشریعہ جہاں ایک عظیم محقق، فقیہ، مفتی، مدرس اور مصنف تھے وہیں زبردست مناظر بھی تھے۔ اعلی حضرت قدس سرہ کے عہد مبارک میں رنگون کے احباب نے لکھا کہ یہاں کے چند پونجی پتی دیوبندیوں نے مولوی اشرف علی تھانوی کو یہاں بلایا ہے، ان کے وعظ ہو رہے ہیں، ان کی ولایت کا ڈنکا پیٹا جا رہا ہے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیر گھیر کر، گلا دبا دبا کر تھانوی سے مرید کرایا جا رہا ہے کسی مناظر کو بھیج دیجیے جو اس فتنے کا سد باب کر دے تو اعلی حضرت کی نگاہ انتخاب تھانوی جیسے گرگ باراں دیدہ، گرم و سرد چشیدہ کے مقابلے کے لیے ”اپنے امجد مجد کے پکے“ پر پڑی، حکم ہوا، حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ رنگوں روانہ ہو گئے۔ اہل سنت نے جوش مسرت میں اعلان کر دیا کہ صدر الشریعہ فلاں وقت تشریف لا رہے ہیں، اس خبر کے سنتے ہی تھانوی صاحب پہلے جہاز سے رنگون سے کلکتہ بھاگ گئے، جب صدر الشریعہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ کل تھانوی صاحب یہاں سے رفوچکر ہو چکے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ پہلے واپس ہونے والے جہاز سے کلکتہ آئے کہ کلکتہ میں تھانوی صاحب مل جائیں تو وہیں ان سے دو دو بات ہو جائے، لیکن شان رسالت میں گستاخ ضمیر نے تھانوی صاحب کو کلکتہ رکنے نہیں دیا وہ کلکتہ پہنچتے ہی پہلی گاڑی سے اپنے استھان تھانہ بھون پہنچے۔ حضرت صدر الشریعہ جب کلکتہ واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ تھانوی صاحب یہاں سے جا چکے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

حضرت صدر الشریعہ کی مناظرانہ مہارت صرف رد وہابیہ ہی میں نہیں تھی بلکہ ہر خارج از اسلام گروہ کے رد کی پوری مہارت رکھتے تھے۔ اعلی حضرت قدس سرہ کا اخیر دور تھا کہ آریوں نے بہت سر اٹھایا تھا، مسلمانوں کی بدقسمتی سے امرتسر میں ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری سے آریوں سے چار دن تک مناظرہ رہا، اس مناظرہ میں دیوبندیوں کے چوٹی کے مولوی اپنے برادر کلاں کے پشت پناہ تھے لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس مناظرے میں دیوبندی اور غیر مقلد سخت ناکام رہے جس کی وجہ سے آریوں کی ہمت بڑھ گئی تھی۔ ان کا ایک پنڈت رام چندر بریلی شریف آیا، یہ اپنے آپ کو پندرہ پارے کا حافظ بتاتا تھا بہت چرب

زبان بے حیا تھا، اس کے مقابلے پر حضرت صدر الشریعہ کی مسلسل تقریریں بریلی شریف میں ہوتی رہیں۔ بالآخر ایک وقت وہ آیا کہ حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الافاضل، حضرت مولانا رحم الٰہی وغیرہ نے جاکر اس کے جلسے میں اس کو لاجواب اور مبہوت کیا اور وہ منہ کی کھاکر بریلی سے بھاگا، جس کا تذکرہ الملفوظ حصہ اول میں ہے۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۴۶، ۴۷)

روحانیت: حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ شریعت و طریقت دونوں کے جامع تھے۔ حضرت شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

آپ شریعت و طریقت دونوں علموں کے جید عالم اور عامل تھے، اتباع سنت میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، معاملات کی صفائی لوگوں کے خطا و قصور کو معاف کر دینا آپ کا طریقہ کار تھا۔ ظاہر و باطن، قول و فعل، خلوت و جلوت میں آپ یکساں تھے، آپ کے مواعظ و نصائح حکیمانہ تھے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر موئثر طور پر فرماتے، اکل حلال و صدق مقال آپ کا شیوہ تھا، سادگی و تواضع کے ساتھ صاحب رعب و جلال بھی تھے، کسی جری و بے باک کو بھی آپ کے روبرو بے باکی کے ساتھ کلام کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ حسن اخلاق، صبر و شکر، توکل قناعت خودداری و استغنا آپ کے امتیازات و خصوصیات میں سے تھے، آپ زہد و اتقا کے بلند مدارج پر فائز تھے۔ بلاشبہہ آپ ولی کامل تھے۔ (تذکرہ صدر الشریعہ ص:۴۳)

نماز باجماعت: حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پابندی کے ساتھ مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا فرماتے، بلکہ اگر کسی وجہ سے موؤذن وقت مقررہ پر نہ پہنچتا تو خود اذان دیتے۔

شارح بخاری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

قدیم دولت خانہ سے مسجد بالکل قریب تھی وہاں تو کوئی دقت نہیں تھی لیکن جب نئے دولت خانہ قادری منزل میں رہنے لگے تھے تو آس پاس میں دو مسجدیں تھیں، ایک بازار کی مسجد، دوسری بڑے بھائی کے مکان کے پاس جو "نوا کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دونوں مسجدیں فاصلے پر تھیں اس وقت بینائی بھی کمزور ہو چکی تھی بازار والی مسجد نسبتاً قریب تھی مگر راستے میں بے تکی نالیاں تھیں اس لیے نوا کی مسجد نماز پڑھنے آتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی نماز کے لیے جا رہے تھے راستے میں ایک کنواں پڑتا ہے ابھی کچھ اندھیرا تھا اور راستہ بھی برابر نہ تھا، اونچا نیچا تھا، اندازے سے کنویں پر چڑھ گئے قریب تھا کہ کنویں کے غار میں قدم رکھ دیتے، اتنے میں ایک عورت آگئی اور زور سے چلائی۔ ارے مولوی صاحب کنواں ہے۔ رک جاؤ۔ ورنہ گر پڑیو۔ یہ سن کر حضرت نے قدم روک لیا اور پھر کنویں سے اتر کر مسجد گئے، اس کے باوجود

مسجد کی حاضری نہیں چھوڑی۔

سفر میں بھی کوشش یہی فرماتے کہ مسجد میں جاکر باجماعت نماز پڑھیں، مبارک پور کبھی امتحان اور سالانہ جلسے میں تشریف لاتے تو گولہ بازار کی مسجد میں جاکر باجماعت نماز پڑھتے (صدر الشریعہ نمبر، ص:۵۴،۵۵)

نماز سے شغف: سفر ہو یا حضر کبھی نماز قضا نہ کرتے شدید سے شدید بیماری میں بھی نماز ادا فرماتے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا بیان ہے:

اجمیر شریف میں ایک بار شدت بخار کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی اور اتنی دیر تک رہی کہ نماز ظہر کا وقت جاتا رہا۔ جب ہوش آیا تو سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کیا وقت ہے؟ ظہر کا وقت ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کی کہ اتنے بج گئے ہیں، اب ظہر کا وقت نہیں، یہ سنتے ہی اتنی اذیت پہنچی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ میں نے عرض کیا: کیا حضور کو کہیں تکلیف ہے؟ فرمایا: تکلیف ہے۔ ظہر کی نماز قضا ہوگئی۔ میں نے عرض کی: حضور بے ہوش تھے۔ بے ہوشی کے عالم میں نماز قضا ہونے پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ فرمایا: وقت مقررہ پر ایک حاضری سے تو محروم رہا۔ (صدر الشریعہ حیات و خدمات)

ایسا کیوں نہ ہوتا کہ حضرت صدر الشریعہ عشق و عرفان کی اس بلند منزل پر فائز تھے جہاں صرف رضائے الٰہی پر نظر ہوتی ہے۔ اور اس منزل پر یہ حال ہوتا ہے۔ لو كان الجنة بدون جماله فياو يلاه و لو كان النار بجماله فياشو قاه. اگر جنت میں اس کا دیدار نصیب نہ ہو تو صد افسوس، اور اگر جہنم میں اس کا دیدار نصیب ہو تو خوش نصیبی ہے۔

روزے کی پابندی: اگر آپ ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتے جس میں شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے جب بھی روزہ ہرگز قضا نہ کرتے، حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

ایک بار رمضان المبارک میں گھوسی میں جاڑے بخار کی وبا پھیل گئی وہ بھی بہت شدید، اس موذی مرض میں جاڑے کے بعد شدید بخار چڑھتا ہے اور اس میں پیاس اتنی شدید لگتی ہے کہ ناقابل برداشت ہوتی ہے، میں خود اس میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس میں مبتلا ہو گئے اور تقریباً ایک ہفتہ تک گرفتار رہے، ظہر بعد جاڑا آتا پھر بخار چڑھتا، اس حال میں بھی ایک روزہ نہیں چھوڑا۔
(صدر الشریعہ نمبر، ص: ۵٦)

ادائگی زکات کی پابندی:

زکات پابندی سے ہر سال حساب لگا کر ادا کرتے، شارح بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

میرے والد ماجد مرحوم ابتدائے نوعمری میں بہت بڑے تاجر تھے اور حساب کے ماہر، ان کو بلا کر پورا حساب لگواتے، زیوروں کا نقد اور مطبوعہ بہار شریعت کا، پھر انھی سے کپڑے کا تھان منگا کر عورتوں کے لائق الگ، مردوں اور بچوں کے لائق الگ اور سب کے مناسب قطع کرا کے تقسیم فرماتے۔ (ایضا)

اتباع سنت: حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی پوری حیات، اتباع سنت مصطفی ﷺ کی آئینہ دار تھی، روز مرہ کی زندگی میں نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا خصوصی لحاظ رکھتے۔ خود بھی متبع سنت تھے اور قوم کو بھی اتباع سنت کا درس دیا، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے: میں دس سال حضرت کی کفش برداری میں رہا، پوری مدت میں آپ کو متبع سنت پایا۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۱۳۰)

تقوی و پرہیزگاری: حضرت صدر الشریعہ کی پوری زندگی، تقوی شعاری سے عبارت ہے۔ فرائض و واجبات و سنن کے ساتھ ساتھ اسلامی آداب کا بھی حد درجہ خیال رکھتے تھے۔ مولانا محمد ارشاد احمد ساحل سہسرامی، علامہ مفتی مجیب الاسلام ادروی علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

میں ایک سفر میں آپ کے ساتھ تھا، اس وقت آپ بہت سخت بیمار تھے۔ بخار کی شدت سے پورا وجود لرز رہا تھا۔ ایسی حالت میں آپ کو استنجا کی ضرورت در پیش ہوئی۔ آپ کے قریب اس وقت کوئی نہیں تھا۔ آپ خود ہی بمشکل کسی طرح اٹھ کر تشریف لے گئے مگر جب بیت الخلا کے قریب پہنچے تو خیال آیا کہ سر پر ٹوپی نہیں ہے۔ بخار کی شدت کی وجہ سے لوٹنا دشوار تھا۔ وہیں سے مجھے آواز دی مجیب! مجیب! میں نے کہا جی حضور! میں دوڑتا ہوا آیا، آپ نے فرمایا: ذرا ٹوپی لانا، میں نے جلدی سے ٹوپی لا کر دی، تب آپ استنجا خانہ گئے۔

میں دم بخود تھا کہ یا اللہ! بخار کی شدت سے اٹھا نہیں جا رہا ہے۔ دماغ جل رہا ہے، مگر اس کے باوجود انھیں ٹوپی کا خیال آیا تو کیسے؟ ہمیں تو فرائض و واجبات تک کا مستحب وقت میں ہوش نہیں رہتا، تاخیر سے ادا کرتے ہیں، مگر آپ نے شرعی ادب کو بھی اس ناگفتہ بہ حالت میں ملحوظ رکھا۔ مگر میں نے پھر سوچا کہ یہی وہ اللہ کے نیک بندے ہیں جن کے دم قدم سے امت کا بھرم قائم ہے۔ انھیں اوروں پر قیاس کرنا درست نہیں۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۱۶۲، ۱۶۳)

صبر و رضا: آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا حکیم شمس الہدی صاحب کا انتقال ہو گیا، اس وقت آپ نماز تراویح ادا کر رہے تھے، اطلاع دی گئی، تشریف لائے۔ ”إنا للہ و إنا إلیہ راجعون“ پڑھا اور فرمایا: ابھی آٹھ رکعت تراویح باقی ہیں اور نماز میں مصروف ہو گئے۔ صبر و تحمل کا یہ عالم کہ گھر کے گیارہ افراد آپ کی زندگی میں انتقال کر گئے، مگر صبر و شکیب کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، آپ کے کمال

صبر کا اعتراف حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے اپنے ایک تعزیتی خط میں اس طرح کیا ہے: صبر و اجر دنیا آپ سے سیکھتی ہے، بحمدہ تعالی اس کی تلقین کی حاجت نہیں (صدر الشریعہ - حیات و خدمات، ص:۹۷)

حب رسول: صدر الشریعہ نے اٹھارہ سال امام عشق و محبت امام احمد رضا کی صحبت بافیض میں گزارے اور یہ صحبت بابرکت وہ رنگ لائی کہ آپ کی پوری زندگی عشق و محبت رسول ﷺ کی جلوہ گاہ نظر آنے لگی، آپ کے سینے میں محبت رسول کا ایک سمندر موجزن تھا جو وفور حلم میں خاموش رہتا مگر جب کبھی شہنشاہ کون و مکاں کا ذکر ہوتا، نعت مقدس پڑھی جاتی تو ضبط کا پیمانہ لبریز ہو جاتا اور آنکھوں سے اشکوں کا دھارا ابل پڑتا۔

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کا بیان ہے:

میں نے بارہا دیکھا ہے کہ جب نعت شروع ہوتی تو آنکھیں بند کر لیتے تھے، مؤدب بیٹھ جاتے، دونوں ہاتھ باندھ لیتے، انتہائی وقار و تمکنت کے ساتھ اس طرح پر سکون ہو جاتے کہ معلوم ہوتا کوئی پتھر کا مجسمہ ہے، نہ واہ واہ کرتے نہ سبحان اللہ۔ پورے انہماک و توجہ سے سنتے، پھر کچھ ہی دیر بعد آنکھوں سے سیل اشک اس طرح جاری ہو جاتے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے۔ نعت پڑھنے والا نعت پڑھ کر خاموش ہو جاتا اس کے بعد بھی کچھ دیر تک یہی خود فراموشی طاری رہتی۔ ریش مبارک تر ہو جاتی، لباس تر ہو جاتا، لیکن آنسو نہ تھمتا۔

لاکھ برس گئی گھٹا سوز دروں نہ کم ہوا
آگ سی ہے لگی ہوئی دیدۂ اشک بار میں

(صدر الشریعہ نمبر، ص:۶۲)

۱۳۳۷ھ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جب حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ رات میں جب بعد نماز عشا مسجد نبوی شریف خالی کرالی جاتی ہے، صرف خدام رہ جاتے ہیں، آپ کو شریف مکہ کی خصوصی سند کی بنا پر رات میں مسجد نبوی کے اندر رہنے کی اجازت تھی، اور زمانۂ قیام میں ہر رات مسجد نبوی کے اندر حاضر رہتے، خدام نے آپ کو اس کی بھی اجازت دی کہ روضۂ مبارکہ کے اندر جاسکیں، مگر آپ فرماتے ہیں کہ میری ہمت نہ ہو سکی میں کہاں، کہاں وہ مبارک خطہ، یہی کرم بہت تھا کہ دربار میں رات کی تنہائیوں میں مسلسل باریاب فرماتے رہے۔ حج سے واپس ہوئے تو محبوب داور کے عشق میں ایسے گرفتار ہوئے کہ ساری دنیا بھول بیٹھے، پھر زیارت مدینہ کا شوق جاگا، بالآخر ۱۳۶۷ھ میں بیماری کے باوجود دیدار محبوب کے شوق میں مدینے کے لیے چل پڑے۔

اس موقع پر مولانا سبحان اللہ امجدی علیہ الرحمہ نے حضرت ملا جامی علیہ الرحمہ کی ایک نظم پڑھی۔

جب مولانا نے نظم کے اس شعر ؎

مرضت شوقا و مت هجرا
فكيف أشكو إليك شكوى

کو پڑھا تو آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے بار بار اس شعر کی تکرار کراتے رہے اور تڑپتے رہے۔ حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ہم نے کسی سوختہ جگر عاشق کو تڑپتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا، مگر اس رات محبوب خدا کے ایک دیوانے کو تڑپتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا، حافظ ملت اور میں خود دم بخود، بہت دیر تک یہی کیفیت رہی۔ حافظ ملت نے جب دیکھا کہ حضرت صدر الشریعہ کا حال غیر ہوتا جارہا ہے تو مولانا سبحان اللہ کو حکم دیا کہ دوسری نظم شروع کرو، انھوں نے اسی پر عمل کیا، آج اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کون سی نظم تھی، بہرحال اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ دیر کے بعد حضرت کو افاقہ ہوگیا۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:٦٦)

مولانا فیضان المصطفی قادری مصباحی لکھتے ہیں:

مفتی مجیب الاسلام صاحب ادروی مدظلہ نے راقم الحروف سے فرمایا کہ ”میں گھوسی سے لے کر بریلی شریف تک ساتھ گیا، جب آستانۂ اعلیٰ حضرت سے رخصت ہوئے تو دروازے پر ہی غشی طاری ہوگئی، بخار شدید تھا، ہم نے رکشا کیا اور اپنا سہارا دے کر بریلی شریف اسٹیشن کی طرف چل پڑے، راستے میں کئی بار غشی طاری ہوئی۔ میں نے کہا: حضرت ڈاکٹر کو دکھا کر دوا لے لیں، فرمایا: مولوی مجیب! اب دوا کی کیا ضرورت۔ پورا سفر سچے عاشق کی ایسی داستان ہے جس کے سامنے ساری داستانیں ہیچ ہیں۔ بالآخر دربار رسالت سے اس عاشق کو ایسا شرف قبولیت ملا کہ ہمیشہ کے لیے بارگاہ میں بلا لیا گیا“ (صدر الشریعہ حیات و خدمات، ص:۲۰)

تصانیف: حضرت صدر الشریعہ کو اللہ رب العزت نے جہاں بہت سی خوبیاں اور کمالات عطا کیے تھے وہیں تصنیف کی اعلیٰ صلاحیت سے بھی نوازا تھا۔ چند اہم اور نفع بخش تصنیفات کا قدرے تعارف پیش ہے:

(ا) بہار شریعت: یہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے جسے بجا طور پر فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے، آپ نے اس کے کل سترہ حصے لکھے، بیس حصے لکھنے کا ارادہ تھا، مگر حالات نے اس کا موقع نہ دیا، چار سال کے عرصے میں یکے بعد دیگرے گیارہ عزیز داغ مفارقت دے گئے جس کا اثر دل و دماغ پر اس قدر پڑا کہ بینائی کمزور ہوگئی اور تصنیف و تالیف کا کام رک گیا۔ بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے حرف بہ حرف سنے اور جا بہ جا اصلاح فرمائی اور انھیں اپنی تقریظ سے

مزین کیا، کتب فقہ میں بہار شریعت کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ ہر باب میں پہلے آیات مبارکہ، پھر احادیث مقدسہ، اس کے بعد مسائل فقہیہ بیان کیے گئے ہیں۔

(۲)فتاوی امجدیہ: یہ حضرت صدر الشریعہ کا دوسرا عظیم فقہی شاہ کار ہے۔ اس کی چار جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ فتاوی کی زبان بہار شریعت کی طرح نہایت صاف، شستہ اور عام فہم ہے۔ دقیق علمی مباحث پر محققانہ کلام بھی، عام اسلوب یہ ہے کہ پہلے استفسارات کے جواب مرقوم ہیں، پھر دلائل و براہین، بعض مقامات پر تنقیح و توضیح کے لیے اختلاف ائمہ کا بیان اور قولِ مفتیٰ بہ کی منقول و معقول حیثیتوں کو اجاگر کیا ہے۔

(۳)حاشیہ شرح معانی الآثار: شرح معانی الآثار امام اجل علامہ ابو جعفر طحاوی حنفی قدس سرہ کی فن حدیث میں مشہور کتاب ہے، اور فقہ حنفی و مسلک احناف پر اعتراض کرنے والوں کے لیے یہ مسکت اور مدلل جواب ہے، اس کتاب کی عظمت کا اعتراف ان کے ہم عصر علما نے بھی کیا ہے۔ صدر الشریعہ نے دادوں میں قیام کے دوران عربی زبان میں اس پر حاشیہ لکھنا شروع کیا اور سات ماہ کی مختصر مدت میں نصف اول پر مبسوط حاشیہ تحریر فرمایا۔ یہ حاشیہ ''کشف الاستار'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

تبلیغ: درس و تدریس ہو یا خطابت، فتوی نویسی ہو یا تصنیف و تالیف یہ سب کام تبلیغ دین ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مگر صدر الشریعہ نے خاص طور پر معروف معنی میں بھی تبلیغ فرمائی۔ شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اجمیر مقدس کے قرب و جوار میں راجپوت قوم کے اندر پھیلی مشرکانہ عادتیں آپ اور آپ کے طلبہ کی وجہ سے ختم ہوئیں، راجہ پرتھوی راج کی اولاد اگرچہ مسلمان ہو چکی تھی لیکن وہ فرائض و واجبات سے بالکل ناواقف تھے اور ان میں مشرکانہ رسمیں پائی جاتی تھیں، مگر آپ اور آپ کے تلامذہ کے وقتاً فوقتاً تبلیغی جلسوں کا اچھا اثر پڑا، اور ان میں مشرکانہ رسوم سے توبہ کرنے اور ایمان کے راستے پر چلنے کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ اس کے علاوہ اردگرد کے بڑے شہروں اور قصبوں میں بھی خود آپ اور آپ کے تلامذہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے، مذہب اہل سنت کی اشاعت اور وہابیوں، مرزائیوں، قادیانیوں کا رد کیا کرتے تھے۔ نصیر آباد، بیاور، لاڈنوں، جے پور، جودھ پور، پالی، مارواڑ، چتوڑ وغیرہ کے علاقوں میں تبلیغ ہوا کرتی تھی۔
(تذکرۂ صدر الشریعہ، ص:۴۱، ۴۲)

معمولات: شارح بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

مدت العمر آپ کا یہ معمول تھا کہ سفر، حضر کہیں بھی ہوں کتنی ہی مصروفیت ہو نماز فجر کے بعد ایک پارہ کی تلاوت فرماتے اور پھر ایک حزب دلائل خیرات شریف پڑھتے، اس میں کبھی ناغہ نہ ہوتا، اور ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ بلاناغہ سو بار درود رضویہ پڑھتے، حتیٰ کہ سفر میں بھی نماز ظہر کے بعد درود رضویہ نہ چھوڑتے، چلتی ہوئی ٹرین میں کھڑے ہو کر پڑھتے۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص:۶۱)

حضرت علامہ سید ظہیر احمد زیدی علیہ الرحمہ قیام دادوں کے دوران کے معمولات کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

علی الصباح نماز فجر کے لیے مسجد تشریف لے آتے پانچوں اوقات کی نماز آپ نہایت درجہ پابندی کے ساتھ صحیح و مسنون اوقات میں ادا فرماتے، جماعت آپ ہی کی اقتدا میں ہوتی، نماز فجر سے فراغت کے بعد آپ طلوع آفتاب کے بعد وقت نماز اشراق تک تلاوت قرآن کریم فرماتے، پھر نماز اشراق ادا کرنے کے بعد زنان خانہ تشریف لے جاتے اور ناشتہ و چاے سے فارغ ہو کر مدرسہ تشریف لے آتے، مدرسہ کے پورے اوقات میں ہر گھنٹہ میں آپ درس دیتے تھے کوئی گھنٹہ آپ اپنا خالی نہ رکھتے، مدرسہ سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جاتے۔ دوپہر کا کھانا نوش فرماتے، قیلولہ فرماتے اور نماز ظہر کے لیے مسجد تشریف لے آتے، بعد نماز ظہر آپ اپنے دار المطالعہ میں تشریف فرما ہوتے اور وہاں ''بہار شریعت'' کی تصنیف کا سلسلہ جاری رہتا، نماز عصر کے بعد دار الاقامہ کے وسیع و عریض کھلے صحن میں تشریف فرما ہوتے وہاں کبھی طلبا اپنے علمی مسائل حل کر لیتے تھے اور کبھی بستی سے کچھ عقیدت مند حاضر ہوتے اور ان سے ''إدخال السرور علی أخیه المسلم'' کے مطابق ان میں فرحت و انبساط پیدا کرنے والی گفتگو فرماتے، نماز مغرب ادا فرما کر صلاۃ الاوابین ادا فرماتے، پھر گھر تشریف لے جاتے اور ماحضر تناول فرما کر مسجد تشریف لے آتے، نماز عشا سے فراغت کے بعد آپ پھر اپنے دار المطالعہ میں تشریف فرما ہوتے اور وہاں سے بالعموم بارہ بجے شب سے قبل نہ اٹھتے تھے، جب آپ مکان تشریف لے جاتے طلبہ پر نظر رکھتے کہ کون مطالعہ کر رہا ہے اور کون خواب استراحت میں ہے اسی کے مطابق طلبہ کی ہمت افزائی یا زجر و توبیخ ہوتی تھی۔ (صدر الشریعہ حیات و خدمات، ص:۴۷،۴۷)

کنز الایمان اور صدر الشریعہ: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا فقید المثال ترجمہ قرآن مجید ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' (۱۳۳۰ھ) آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے شروع ہو کر پایہ تکمیل کو پہنچا واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے:

حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی

قدس سرہ سے ترجمۂ قرآن کی گزارش کی اور قوم کو اس کی جس قدر ضرورت ہے اسے ظاہر کرتے ہوئے اس کے لیے اصرار کیا، اعلیٰ حضرت نے وعدہ تو کر لیا لیکن کثرت مشاغل کے باعث تاخیر ہوتی گئی تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ترجمہ کے لیے مستقل وقت نکالنا مشکل ہے اس لیے آپ رات کو سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں تو املا کرادوں، چناں چہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اور عرض کیا: حضرت ترجمہ شروع ہو جائے، چناں چہ اسی وقت ترجمہ شروع کرادیا۔ ترجمہ کا طریقہ ابتداءً یہ تھا کہ ایک آیت کا ترجمہ ہوتا اس کے بعد اس کی تفاسیر سے مطابقت ہوتی اور لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ بغیر کسی کتاب کے مطالعہ و تیاری کے ایسا برجستہ اور مناسب ترجمہ تمام تفاسیر کے مطابق یا اکثر کے مطابق کیسے ہو جاتا ہے۔ یقیناً یہ اللہ کا بڑا فضل و احسان ہے اعلیٰ حضرت پر۔ اس کام میں جب دیر لگنے لگی تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ایسا نہیں بلکہ ایک رکوع کا پورا ترجمہ کرتا ہوں اس کو بعد میں آپ لوگ تفاسیر سے ملا لیا کریں، چناں چہ حضرت صدر الشریعہ اس کام میں لگ گئے، پہلے ترجمہ لکھتے پھر تفاسیر سے ملاتے، جس کی وجہ سے اکثر بارہ بجے، کبھی کبھی دو بجے رات گئے اپنی رہائش گاہ پر واپس ہوتے۔ غرض اس طرح حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے قرآن پاک کا ترجمہ مکمل کرالیا۔ (ماہ نامہ فیض الرسول، مارچ ۱۹۶۶)

اجازت و خلافت: آپ کے علم و فضل اور زہد و تقوی کی بنا پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بغیر کسی تحریک و طلب کے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زبان میں اس کی تفصیل ہدیۂ قارئین ہے:

۱۸؍ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو بموقع عرس سراپا قدس حضرت سیدنا آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز بغیر کسی تحریک و طلب کے اعلیٰ حضرت نے جملہ سلاسل قادریہ قدیمہ و جدیدہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کی اجازت تامہ و عامہ عطا فرمائی اور اپنا خلیفۂ مطلق کیا اور اپنا عمامہ سر اقدس سے اتار کر میرے سر پر باندھا اور اپنی زبان پاک سے یہ الفاظ ادا فرمائے کہ ''جملہ وظائف و اذکار و اعمال اور اپنی تمام مرویاتِ حدیث و فقہ و جملہ علوم کی اور اپنی تمام تصنیف کی بلا استثنا میں اجازت تامہ و عامہ دیتا ہوں''۔ (حیات صدر الشریعہ، ص:۴۹)

تلامذہ: حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے زمانۂ طالب علمی ہی سے پڑھانا شروع کیا اور اخیر حیات تک پڑھاتے رہے۔ ایسے ایسے نابغۂ روزگار افراد تیار کیے جن پر علم و فضل کو بھی ناز ہے، چند مشہور تلامذہ کے اسما پیش ہیں:

(۱) جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور۔ ۱۳۱۲ھ ــــــ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

(۲) محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد خاں صاحب علیہ الرحمہ سابق صدر المدرسین جامعہ رضویہ، لائل پور۔ ۱۳۲۲/۱۹۰۴ء ــــــ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

(۳) شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ پیلی بھیت

۱۳۲۰ھ ــــ ۱۳۸۰ھ

(۴) سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفی مارہروی علیہ الرحمہ سابق صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی

۱۳۲۲ھ ــــــ ۱۳۹۴ھ

(۵) شیخ العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف۔

۱۹۰۲ء ــــــ ۱۳۹۷/۱۹۷۷

(۶) مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی علیہ الرحمہ صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت کلکتہ۔

۱۳۲۲ھ ــــــ ۱۴۰۱ھ

(۷) صدر العلماء امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ، مصنف بشیر القاری شرح بخاری وبشیر الناجیہ شرح کافیہ وغیرہما۔ ۱۳۱۸ھ ــــــ ۱۳۹۸ھ

(۸) خیر الاذکیاء حضرت علامہ غلام یزدانی اعظمی علیہ الرحمہ صدر المدرسین مظہر اسلام بریلی شریف۔

م ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء

(۹) شمس العلماء حضرت علامہ قاضی شمس الدین جعفری جون پوری صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء ــــــ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء

(۱۰) امین شریعت حضرت علامہ رفاقت حسین علیہ الرحمہ شیخ الحدیث مدرسہ احسن المدارس قدیم کان پور

۱۳۱۷ھ ــــــ ۱۴۰۳ھ

(۱۱) جامع معقول و منقول حضرت علامہ محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری علیہ الرحمہ شیخ الحدیث مدرسہ حمیدیہ رضویہ بنارس ۔ م ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

(۱۲) شہزادہ صدر الشریعہ حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ۔ کراچی ۔

۱۳۳۴ھ/۱۹۱۸ء ــــــ ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء

(۱۳) صاحب تصانیف کثیرہ حضرت مفتی محمد خلیل مارہروی علیہ الرحمہ پاکستان۔

(۱۴) عمدۃ المتکلمین حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ۔

۱۳۳۳ھ ـــــ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

(۱۵) حضرت علامہ معین الدین اعظمی علیہ الرحمہ شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی۔

۱۳۳۹ھ ـــــ ۱۴۱۵ھ

(۱۶) حضرت علامہ مولانا محمد الیاس صاحب قبلہ علیہ الرحمہ سیالکوٹ

(۱۷) حضرت علامہ صدیق اللہ صاحب علیہ الرحمہ بنارس

(۱۸) حضرت علامہ محمد محسن صاحب فقیہ شافعی علیہ الرحمہ ممبئی

(۱۹) حضرت علامہ مولانا اسد الحق اندوری علیہ الرحمہ

(۲۰) حضرت علامہ وقار الدین علیہ الرحمہ دار العلوم امجدیہ کراچی۔

۱۳۳۳ھ ـــــ ۱۴۱۳ھ

(۲۱) حضرت علامہ سید ظہیر الدین زیدی علی گڑھی علیہ الرحمہ۔

(۲۲) حضرت علامہ اعجاز ولی خاں صاحب رضوی علیہ الرحمہ جامعہ داتا گنج بخش لاہور۔

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء ـــــ ۱۴۱۳ھ/۱۹۷۳ء

(۲۳) رئیس الاتقیاء حضرت علامہ مبین الدین محدث امروہوی علیہ الرحمہ۔

۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء ـــــ م۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء

(۲۴) حضرت علامہ محبوب رضا خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کراچی

(۲۵) حضرت علامہ افضل الدین علیہ الرحمہ، درگ، ایم پی

(۲۶) حضرت علامہ تقدس علی علیہ الرحمہ شیخ الحدیث جامعہ ارشادیہ پیر گوٹھ، سندھ

۱۳۲۵ھ ـــــ ۱۴۰۸ء

(۲۷) حضرت علامہ مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی ادروی علیہ الرحمہ سابق مدرس و مفتی مظہر اسلام بریلی شریف۔ م۱۴۳۰ھ

(۲۸) حضرت علامہ مختار الحق خطیب اعظم، علیہ الرحمہ دار السلام لائل پور

(۲۹) حضرت علامہ ولی النبی علیہ الرحمہ بیکی تورڈ، مردان

(۳۰) حضرت علامہ سید مظہر ربانی علیہ الرحمہ باندہ

(۳۱) حضرت مفتی ظفر علی نعمانی علیہ الرحمہ پاکستان

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت تدریس و خدمت علم دین کا یہ صلہ ہے کہ ان کا گھر دولت علم سے مالا مال ہے اور ایک زمانے کو نہال کرنے میں لگا ہوا ہے، آپ کے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں میں ہر ایک عالم و فاضل ہے اور اپنی الگ پہچان رکھتا ہے یہاں تک کہ ان کے گھر میں کئی خواتین بھی عالمہ فاضلہ گزری ہیں۔

وصال: دوسری بار سفر حج و زیارت کی نیت سے شہزادۂ اعلی حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ہمراہ جانے کے لیے بمبئی تشریف لے گئے، ۲/ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ / ۶/ ستمبر ۱۹۴۸ء دوشنبہ مبارکہ کی رات کو ۱۲/ بج کر ۲۶ منٹ پر اپنے رفیق اعلی سے جا ملے۔

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی سفینے میں

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۱۳۶۷ھ مادۂ تاریخ وصال ہے۔

۹/ ستمبر جمعرات کو ۳/ بجے دن میں جنازہ مبارکہ گھوسی پہنچا۔ بعد نماز عصر نماز جنازہ ہوئی۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور پھر اس گنجینۂ علم و حکمت کو قبر میں اتارا گیا۔

بیّن کرامت: حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

نماز مغرب کے بعد سے بارش شروع ہوگئی وہ بھی موسلا دھار لگاتار ایک دم تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی، رات بھر بارش ہوتی رہی۔ صبح جاکر دیکھا گیا کہ کثرت بارش سے پانی مزار اقدس کے چاروں طرف پھیل گیا ہے۔ قبر پر چٹائی ڈال دی گئی اور قبر انور کے اردگرد مینڈھ باندھ دی گی، لیکن بارش پھر بھی نہیں تھمی، تین دن تک کچھ نہ کچھ بارش ہوتی رہی۔

ہم سب لوگوں کا ارادہ یہ ہوا کہ چہلم سے پہلے پہلے مزار اقدس کو پختہ بنوا دیا جائے۔ پندرہ دن کے بعد خدا خدا کر کے جب پانی مزار اقدس کے اردگرد سے ختم ہوا تو کام شروع ہوا، چبوترے کی تعمیر کے لیے نیو کھودی گئی، اس کے بعد مزار اقدس پر جو چٹائیاں ڈال دی گئی تھیں وہ ہٹائی گئیں تو ایسی جاں فزا خوشبو کا بھبھوکا اٹھا کہ پوری فضا معطر ہوگئی۔ کام کرنے والے مزدور ہندو تھے، وہ کام چھوڑ کر حیرت زدہ کھڑے تھے، پھر اس کی شہرت ہوئی تو ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی سب حاضر ہوئے اور سب نے اس خوشبو کو سونگھا، سب حیرت زدہ رہ گئے حتی کہ ایک دیوبندی مولوی جس کا نام اختر علی تھا اس نے علانیہ یہ کہا کہ صدر

صاحب نے مرنے کے بعد اپنی کرامت دکھادی۔ یہ خوشبو مسلسل کئی دن تک اٹھتی رہی، جب ڈاٹ لگاکر مزار شریف کا تعویذ بند کر دیا گیا تو یہ خوشبو کا اٹھنا بند ہوا۔

مگر پھر بھی بہت سے خواص نے بعد میں بھی اس خوشبو کو محسوس کیا، حضرت کے وصال کے وقت حضرت کے بڑے صاحب زادے علامہ عبدالمصطفی ازہری صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ پاکستان دارالعلوم امجدیہ جھنگ ضلع جہلم میں تھے۔ قریب قریب سال بھر کے بعد جب وہ گھر واپس آئے تو حافظ ملت قدس سرہ ان سے ملنے کے لیے گھوسی تشریف لے گئے۔ آٹھ بجے رات کو پہنچے تھے۔ ازہری صاحب سے ملاقات کے بعد، بعد نماز عشا مزار اقدس پہ حاضر ہوئے ساتھ میں قاری محمد یحییٰ صاحب بھی تھے ان دونوں حضرات نے بھی یہ خوشبو مزار اقدس پر محسوس کی، اس پر حافظ ملت نے فرمایا کہ ”یہ حدیث پاک کی خدمت کا صلہ ہے“ قریب قریب چالیس سال تک حضرت صدرالشریعہ نے مسلسل دورۂ حدیث پڑھایا ہے یہ اس کی برکت ہے۔ (صدرالشریعہ نمبر، ص:۱۷)

آپ کے مزار اقدس کی خاک درد کے واسطے اکسیر شفا ثابت ہوئی۔ حضرت مولانا محمد ارشاد احمد ساحل سہسرامی لکھتے ہیں:

استاذی المعظم حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی نے یہ روایت گزشتہ عرس امجدی ۱۴۱۵ھ کے اجلاس میں بیان فرمائی جس میں راقم موجود تھا:

گھوسی کے مولانا فخرالدین کے والد محترم نظام الدین صاحب کے گردے میں پتھری ہوگئی تھی، انھوں نے ہر طرح کا علاج کیا، لیکن کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا، بالآخر صدرالشریعہ قدس سرہ کے قبر انور کی مٹی استعمال کی جس سے ان کے گردے کی پتھری کا مرض تین دن میں دور ہوگیا۔ (صدرالشریعہ نمبر، ص:۱۹۶)

شاعر مشرق علامہ شفیق جون پوری نے چہلم کے موقع پر بطور ہدیۂ عقیدت یہ قطعہ پیش کیا:

سلامی جا بجا ارض و سما دیں
مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خدام اے صدر شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں

——*

امام احمد رضا اور صدر الافاضل

ترتیب و پیشکش: **مولانا عبد السلام نظامی ثقافی**
استاذ مرکز السنیہ جامعہ ایوب، پپراکنک، کشی نگر یوپی

تعارف:

آپ کا اسم مبارک سید محمد نعیم الدین صاحب ہے، آپ کو تمام اہل سنت "صدر الافاضل" "استاذ العلماء" کے لقب سے یاد کرتے تھے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید معین صاحب نزہت ابن حضرت مولانا امین الدین صاحب راسخ مرادآبادی قدست اسرارہم ہیں۔

آپ کے آباو اجداد مشہد شریف کے رہنے والے تھے، اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد مبارک میں مشہد سے آئے اور بڑے جلیل القدر عہدوں پر فائز رہے، حضرت عالم گیر نے آپ کے اجداد کرام کا بڑا اعزاز و احترام کیا، بڑی جاگیریں عطا فرمائیں، نسلاً بعد نسل کچھ حصہ آپ کے ورثہ میں بھی آیا، یہ خاندان ہمیشہ علم و فضل کا آفتاب اور علوم و فنون کا ماہتاب رہا ہے، جو عزت و شرف، قدر و منزلت اور علم و فضل میں عروج آپ کو حاصل ہوا، اس کی نظیر میدان علم کے شہسواروں میں شاذ و نادر ہے۔

آپ کی ولادت با سعادت ۱۳۰۰ھ میں ہوئی، آپ کی ولادت کا مادۂ تاریخی "غلام مصطفیٰ" (۱۳۰۰ھ) ہے۔ آپ کا وصال ۱۸ر ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۸ء ہے، آپ کے وصال کا مادہ "غلام رسول (۱۳۶۷ھ) ہے۔

آپ ذہانت و فطانت میں اتنے بلند تھے کہ آپ نے آٹھ سال کی عمر شریف میں قرآن کریم حفظ کر کے فارسی میں کافی دسترس حاصل کرلی تھی، قبل بلوغ تک ہر سال رمضان مبارک میں نوعمروں کی جماعت کے اندر نفلوں میں پابندی سے ختم قران کریم پڑھا کرتے تھے۔ حفظ قرآن کریم کے بعد آپ قدوۃ الفضلاء راس العلماء حضرت مولانا سید شاہ گل صاحب کابلی مہتمم مدرسہ امدادیہ کی خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہوئے، ۱۹ر سال کی عمر شریف میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم حاصل کر کے فارغ ہوئے اور اپنے ہم

جماعت طالب علموں میں فائق ثابت ہوئے۔

زمانہ تحصیل علم میں بے شمار علمی مباحث میں، فکر کی جودت و ذہانت نے ہم عصروں کے دلوں پر سکہ جما دیا تھا، بارہا علمی مذاکروں میں ہم چشموں پر فائق و غالب رہے، آپ کی چودہ سال کی عمر شریف تھی کہ ہم جماعت طلبہ میں فارسی میں مقابلہ ہوا، دفتر ابوالفضل کو سامنے رکھ کر طے ہوا کہ ہر ایک اس کے مکتوب کے مقابل میں اپنی انشا کے جوہر دکھائے، چناں چہ سب لکھ لائے، جب پڑھا گیا تو بیک زبان اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا مکتوب دفتر ابوالفضل سے ہم دوش ہے، اسی طرح دیگر علمی مذاکروں میں آپ ہمیشہ غالب رہے۔

مدرسہ امدادیہ کی دیوار کے نیچے "مدرسہ دیوبند ثانی جس کو مدرسہ شاہی مسجد" کہا جاتا تھا او دیوبند کے ساتھ مولانا قاسم نانوتوی نے اس کو قائم کیا تھا، کبھی کبھی (صدر الافاضل) تشریف لے جاتے اور اسباق کی سماعت فرماتے ہوئے، ایسے اعتراضات لاتے کہ اساتذہ مدرسہ شاہی مسجد حیران ہوکر تحسین و آفرین کرتے، بعض موقع پر اساتذۂ مدرسہ شاہی مسجد محسوس کیا کرتے تھے کہ اس نوعمر کے آنے سے ہمارا نظام اسباق خراب ہوتا ہے اور اس کی علمی ذہانت سے لاجواب ہونا ہمارے وقار علمی کو ٹھیس لگاتا ہے، اسی طرح مرادآباد کے صدر مقام کمیٹی چوک میں ایک چبوترہ تھا، جس پر شام کے وقت کبھی پادری، کبھی آریہ، کبھی سناتن دھرم، کبھی غیر مقلد اور کبھی دیوبندی عالم وغیرہ سے کوئی کھڑا ہوجاتا اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا، آپ اپنی نوعمری میں ان سے خوب خوب مقابلہ کرتے اور ان کے باطل نظریات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے، وہ زمانہ گرم گرم بحث و مناظرہ کا تھا، ہندو آریہ اور دیوبندیوں کے جدید نظریات وافکار کی ابتدائی نشرو اشاعت کا دور دورہ تھا اور ان کے مناظر و مجادل عامۃ الناس کو گم راہ کرنے میں سرگرم عمل تھے، مرادآباد کی فضا میں اہانت رسول ﷺ کی گرما گرمی تھی، چوں کہ دیوبند و مرادآباد کنفس واحدہ تھے، لہذا مرادآباد کو بھی ان کے نظریات کی آماجگاہ ہونا ضروری تھا، کہیں شیطان و ملک الموت کے علم کو علمِ رسول پر فوقیت نص قطعی سے ثابت کرنے سے غوغا تھا، غرض یہ کہ وہ وقت اس جدید مکتب فکر کی ترویج و اشاعت کے عروج کا تھا اور ان کو اپنے نظریات کی تبلیغ و اشاعت کی جرأت کا یوں موقع مل گیا تھا۔

تصنیفات:

حضرت قدس سرہ کی تمام زندگی ملک میں فتنہ و فساد سے مقابلہ کرنے میں گزری، کثیر تصنیفیں بھی فرمائیں جن میں اہم اور مشہور یہ ہیں: خزائن العرفان، الکلمۃ العلیاء لاعلاء علم المصطفیٰ، اطیب البیان رد تقویۃ

الایمان، اسواط العذاب علی قامع القباب، التحقیقات لدفع التلبیسات، آداب الاخبار، فرائد النور علی جرائد القبور،، سوانح کربلا، مسائل ایصال ثواب، سیرت صحابہ وغیرہ ہیں، حضرت قدس سرہ کی سب سے آخری تصنیف جو وصال سے چند ماہ قبل مکمل ہوئی، ”رسالہ قنوت نازلہ“ ہے۔

تبلیغی ذوق وشوق:

دین متین کی تبلیغ کا اتنا وافر جذبہ رکھتے تھے کہ فی زمانہ تبلیغ کے لیے جتنے ذرائع درکار ہیں، آپ نے بتمامہا اختیار فرمائے، علمی تبلیغی کثیر کتابیں تصنیف فرمائیں، ”السواد الاعظم“ رسالہ جاری فرمایا، ملک میں اہل سنت کا کوئی بڑا جلسہ نہ ہوتا، جس میں حضرت کی شمولیت ضروری نہ سمجھی جاتی ہو، آپ کی تقریر دل پذیر سے مستفیض ہونے کے لیے دور دور سے شائقین جلسہ گاہ میں پہنچتے تھے، کامل مبلغین کی بڑی جماعت تیار کی، دار العلوم قائم فرمایا، دشمنان دین سے کثیر مناظرے کیے، بالخصوص کفار اور آریہ دھرم کے پنڈتوں سے مناظرے کرنے میں خصوصی امتیازی شان رکھتے تھے، تبلیغ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو آپ نے اختیار نہ فرمایا ہو، آپ کے خلوص کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے پروردہ اور فیض یافتہ فلک سنت پر چاند اور سورج کی طرح جگمگا رہے ہیں، اور نور مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ضیا باری سے اہل سنت کے دلوں اور ایمانوں کو منور فرما رہے ہیں، پاک وہند کا کوئی گوشہ نہیں، جہاں حضرت کے تلامذہ تبلیغ دینِ متین میں مصروف نہ ہوں، حضرت مولانا ابو الحسنات قادری نور اللہ مرقدہ اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ مجھے بھی حضرت ممدوح سے شرف تلمذ حاصل ہے، میرا قیام حضرت استاذ العلماء کی خدمت میں تھا، میں حضرت کے فضائل اور فواضل میں اگر اخلاقیات پر عرض کروں تو ایک دفتر بن جائے، مختصراً اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ حضرت ممدوح مجسمہ اخلاق نبوی تھے، دوست اور دشمن ہر ایک ممدوح کی طرف نظر احترام ڈالتا تھا، قوت بیانیہ میں قدرت نے وہ بلند مقام ودیعت فرمایا تھا کہ میں نے بڑے بڑے انگریزی خواں طبقے کے سرکشوں کو گردن جھکاتے دیکھا، قوتِ دلائل میں وہ دستگاہ حاصل تھی کہ معترض کے اعتراض کو سن کر ہم متحیر ہوتے تھے کہ اس کا جواب کیا ہوگا، مگر ممدوح کے بے ساختہ الفاظ میں وہ براہین ہوتے تھے، کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ اعتراض حضرت کے علم میں تھا، اور اس کے جواب میں پوری تیاری فرمائی تھی۔

حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی صاحب کہتے ہیں کہ میں رانا دھولپور میں بلایا گیا، وہاں جلسے کا

ارادہ ہوا تو میری نظر سب سے پہلے حضرت کی ذات اقدس کی طرف گئی، عریضہ دعوت پیش کیا، بلا تامل تشریف آوری کا وعدہ فرمایا، جلسہ ہوا، حضرت کی پہلی تقریر نے رانا دھول پور کے آزاد طبقہ کو مسخر کیا اور بد اعتقاد جماعت کے افراد کو اتنا مسحور فرمایا کہ دوسری تقریر میں ہماری نظروں نے دیکھا کہ ایک کافی اجتماع ایک طرف سے آیا اور جلسہ گاہ میں بیٹھ گیا، منتظمین جلسہ کو شبہہ ہوا کہ یہ جماعت فساد کے لیے آئی ہے، ادھر سے بھی کچھ تیاریاں کرلی گئیں، مبحث تقلید کا تھا اور اسی پر تقریر تھی، مگر اس طرح اس کو دل چسپ بنایا کہ سامعین میں سے موافق و مخالف سب پیکرِ حیرت بنے ہوئے تھے، جب تقریر ختم ہوگئی تو حضرت نے اعلان فرمایا کہ مجھے جو کچھ مُبدیِ فیض سے دلائل کا افاضہ ہوا، وہ میں نے آپ کو پیش کر دیا، اب جس کسی کو اس میں کوئی شبہہ ہو، وہ بلا خوف ابھی مجھ سے صاف کر لے، کیوں کہ صبح مجھ کو واپس جانا ہے تو وہ جماعت بے تابانہ طور پر کھڑی ہوئی اور آگے بڑھی اور عرض پیرا ہوئی کہ حضور شبہات تو ہمیں نہیں البتہ ایک عرض ہے وہ یہ کہ جب تک ہم مخالف تھے تو آپ کی تشریف آوری اپنے لیے بار سمجھ رہے تھے، اب آپ کا یہ اعلان کہ ہم صبح جا رہے ہیں، ہم پر گراں ہے، ہم سے پہلے توبہ لیجیے اور کل کی دعوت قبول فرمائیے اور ہمارے محلہ میں اسی موضوع پر کل تقریر کیجیے، حضرت نے جواب دیا "الکریم اذا وعد وفا" میرے آقا و مولیٰ کا ارشاد ہے اس بنا پر مجھے حسب وعدہ میرٹھ پہنچنا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی وہاں سے دھول پور واپس آنے کا وعدہ کرتا ہوں، اس وقت مجھے مجبور نہ کریں بجائے کل کے چار دن بعد کا اعلان کر دیں، ان شاء اللہ میں ضرور آؤں گا، اس مجمع نے بطیب خاطر منظور کیا اور حضرت نے انھیں توبہ کرائی اور صبح کی گاڑی سے میرٹھ روانہ ہونے کو اسٹیشن تشریف لائے تو ازدحام کا یہ عالم تھا کہ پلیٹ فارم کے ٹکٹ ختم ہو چکے تھے، اور ہزار ہا لوگ پلیٹ فارم پر حاضر تھے اور سب اس طرح رو رہے تھے جیسے کوئی شکستہ دل فراقِ محبوب میں اشک بار ہوتا ہے، حضرت نے چند الفاظ فرما کر سب کو تسکین دلائی اور اپنے وعدہ کو چار روز بعد پورا کرنے کا یقین دلایا، چوتھے دن تار آیا کہ ہم چھ بجے شام پہنچ رہے ہیں، اس دن اہل دھول پور کی مسرت اور خوشی کا یہ حال تھا کہ یہاں بچے اور بچیاں ہر محلے اور کوچے میں انواع و اقسام کے گیت مدح ممدوح میں گا رہے تھے غرض ایسی شان کا جلوس زمین دھول پور میں اس سے پہلے چشم فلک نے نہیں دیکھا ہوگا اور خیال تو یہ ہے کہ آئندہ بھی نہ دیکھ سکے، پھر تقریر ہوئی، میرا خیال اگر غلطی نہیں کرتا تو میں کہوں گا کہ "یہ تقریر اپنی جامعیت میں اپنی مثال آپ ہی تھی"۔

فن حدیث:

فن حدیث کی تعلیم میں تو آپ مشہور خاص و عام تھے، ملک کے تمام فضلا معترف تھے کہ جس طرح حدیث کی تعلیم آپ دیتے ہیں ان کے کانوں نے کبھی اس کی سماعت نہیں کی، ”ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ “ اس جامعیت سے مختصر الفاظ بیان فرماتے تھے کہ مفہوم ذہن کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا۔

فنون عقلیہ:

فنون عقلیہ کی کتابوں کی پُر مغز مدلل تقاریر زبانی کیا کرتے تھے، درس کے وقت اپنے سامنے فنون عقلیہ کی کتاب نہ رکھتے تھے، طلبہ عبارت پڑھ چکتے تو آپ جس کتاب پر تقریر فرماتے تو گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید حضرت اس کتاب کے مصنف ہیں جو کتاب کی گہرائیوں اور عبارت کے رموز اور اس کے اشارات وما لہ وما علیہ کی وضاحت فرمارہے ہیں، ایسا جامع، کامل اور قابل استاذ مدرس دیکھنے میں نہیں آیا۔

علم التوقیت:

علم التوقیت اور علم ہیئت میں آپ کو خداداد مہارت تامہ حاصل تھی، آپ نے متعدّد کرۂ فلکی تیار کرائے جس میں سبعہ ثوابت اور سیار گان کو کرہ میں چاندی کے نقطوں سے واضح فرمایا، جب آپ علم ہیئت کی تعلیم دیتے تھے، تو وہ کرہ سامنے رکھ کر طلبہ کو آسمان کی سیر کرادیتے تھے، یہ آسمانی کرے آپ کی یادگاریں ہیں جن سے آپ کی عظیم شخصیت کا پتا چل سکتا ہے اس فن کے کثیر استادوں کا فیصلہ یہ ہے کہ اتنا جامع اور کامل کرہ آج تک دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا، آپ نے ایسے کرے متعدّد بنائے چھوٹے اور بڑے بھی، اب سے تقریبًا چالیس سال پہلے ایک کرے کی تیاری پر دو ڈھائی سو روپے خرچ آتے تھے جو اہل فن فوراً ہی سر آنکھوں پر لگا کر حاصل کر لیتے تھے۔

علم التوقیت کے سلسلہ میں آپ سے جس نے مکمل اکتساب فیض کیا۔ وہ مولانا الحاج محمد ظہور صاحب نعیمی مرادآبادی ہیں، جن کو علم التوقیت میں اتنا ملکہ حاصل ہو گیا ہے کہ آج پاک ہند میں حاجی صاحب موصوف کا ثانی نہیں ہے، حاجی صاحب موصوف نے ”عرض البلد“ کے درجوں سے لوکل ٹائم کے تقریبًا تمام دنیا کے نقشے تیار کر لیے ہیں۔

اخلاق کریمانہ:

حضرت خلقِ عظیم کے مظہر تھے، مصاحبین پروانہ وار نثار ہونے کا جذبہ رکھتے تھے، تلامذہ والہانہ محبت وعقیدت رکھتے تھے، یہ بات کسی استاد کے شاگردوں میں دیکھنے کو نہیں آئی، آپ کے کریمانہ اخلاق کے یگانے گرویدہ اور بے گانے معترف تھے۔

آپ کی خدمت میں دیگر مقامات سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بکثرت علمائے کرام آتے اور تعلیم وتدریس، تبلیغ وافتا کے طور طریق سیکھتے اور علمی وروحانی فیض حاصل کرتے تھے، آپ ان کو مختلف تبلیغی خدمات پر مامور فرما کر بھیجتے رہتے تھے، آپ کی ذات والا صفات بہت زیادہ فیض رساں تھی۔

سخاوت:

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے پاس سے کسی سائل کو خالی واپس جاتے کبھی نہیں دیکھا گیا آپ سائلوں کو بدن کے کپڑے تک دے دیتے تھے، بے شمار غربا، بیوائیں اور یتامی آپ کی داد ودہش سے پلتے اور جیتے تھے، جس غریب ونادار کو سہارا دیا وہ ضرور کسی مرتبہ کو پہنچا۔

دارالافتا:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بعد ملک میں دارالافتا ایک جامع شان کا تھا، اطراف واکناف ملک سے روانہ بے شمار استفتا اور استفسارات آتے رہتے تھے، جس کے شافی جوابات دیے جاتے۔

علم طب:

آپ نے طب کی تعلیم حضرت مولانا فیض احمد صاحب امروہوی سے حاصل کی تھی، آپ کو جو وقت تبلیغ دین سے بچتا تھا، وہ طب کے ذریعہ خدمت خلق میں گزرتا تھا، جس طرح آپ کو علوم منقولہ میں تفوق تھا، اسی طرح قدرت نے میدان طب میں بھی کمال مہارت وحذاقت عطا فرمائی تھی۔

تعلقات وروابط

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے پہلی ملاقات:

خلفیۂ صدر الافاضل حضرت مفتی محمد عمر نعیمی ☐ لکھتے ہیں: جودھ پور کے ایک وہابی ادریس نامی نے

”نظام الملک“ میں ایک مضمون، اعلیٰ حضرت کے خلاف شائع کیا، جس میں سب وشتم وافترا اور اعلیٰ حضرت کی شان میں سخت گستاخیاں کی تھیں، صدر الافاضل کو یہ مضمون پڑھ کر بخار آگیا اور سخت تکلیف ہوئی، اگرچہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات نہ تھی، مگر اعلیٰ حضرت کی تصانیف پڑھ کر عقیدت و محبت بہت زیادہ ہوگئی تھی، رات ہی اس مضمون کا رد تحریر فرمایا اور صبح ”نظام الملک“ کے دفتر میں جاکر اسے مضمون شائع کرنے پر آمادہ کیا، اڈیٹر نے مضمون چھاپنے سے انکار کیا، صدر الافاضل نے فرمایا: میرا مضمون تم چھاپوگے تو سنی خریدیں گے، پھر اس کا جواب جودھ پوری لکھے گا تو وہابی تمھارا اخبار خریدیں گے، اس کے بعد میرا جواب الجواب شائع کرنا، تمھارے اخبار کی اشاعت بہت بڑھ جائے گی، یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے صدر الافاضل کا مضمون شائع کیا، جب یہ مضمون شائع ہوا تو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں خط پہنچے کہ آپ کا مضمون جو نظام الملک میں شائع ہوا ہے، وہ ہمیں بھیجیے، اعلیٰ حضرت کو تعجب ہوا کہ میں نے تو کوئی مضمون نظام الملک میں نہیں بھیجا، اہل سنت کی تائید میں کس کا مضمون شائع ہوا ہے، حاجی محمد شاذلی [1] مرادآباد سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، انھیں اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا کہ نظام الملک کے ایک مہینے کے پرچے لے کر بریلی حاضر ہوں، حاجی صاحب یہ پرچے لے کر بریلی حاضر ہوئے، اعلیٰ حضرت نے اس کے مضامین پڑھ کر بہت پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور دریافت کیا کہ یہ مضمون کن صاحب کا ہے، حاجی صاحب نے بتایا کہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب ایک نوجوان فاضل ہیں، ۱۹؍سال کی عمر میں بڑی عمدہ استعداد رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا انھیں ساتھ لے کر آئیں، حاجی صاحب مرادآباد آئے اور صدر الافاضل کو اپنے ساتھ لے گئے، اعلیٰ حضرت بڑی محبت کے ساتھ ملے، اس کے بعد کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا تھا کہ بریلی حاضری نہ ہوتی ہو۔

اعلیٰ حضرت کو صدر الافاضل علیہ الرحمہ پر وہ اعتماد تھا کہ جہاں سے مناظرے کی دعوت آتی، اعلیٰ حضرت اکثر وبیش تر وہاں صدر الافاضل ہی کو بھیجتے۔

نجیب آباد ضلع بجنور میں اشرف علی صاحب کے مقابلہ کے لیے اور ضلع بھاگل پور میں محمد علی مونگیری و دیگر وہابیہ کے مقابل، بریلی میں آریوں کے مقابل حضرت صدر الافاضل کو منتخب فرمایا۔

---

(۱) حاجی صاحب کو ان کے پیر کی دعا سے ایسی قوت حافظہ حاصل تھی کہ وہابیہ اور اہل سنت کی کتابیں حفظ تھیں، بے پڑھے لکھے آدمی تھے مگر مناظروں میں حاضر ہوتے، مناظر کو بتاتے رہتے کہ فلاں مضمون، فلاں کتاب کے صفحہ پر ہے، وہ صفحات نکالتے تو مضمون موجود ہوتا، اسی طرح تمام کتب مناظرہ انھیں ازبر تھیں، بڑے مقدس بزرگ تھے۔

مولانا غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمہ ملاقات کا پس منظر یوں بیان کرتے ہیں: سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد ملک میں علماے اہل سنت یا تو چن چن کر شہید کر دیے گئے یا جلا وطن کر دیے گئے اور جو بچے تھے وہ کنج خمولی میں خاموش بیٹھے تھے، اور بد مذہبوں کی من مانی کارروائی پر کوئی حرف گیر نہ تھا، چناں چہ اس وقت اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ قلمی و لسانی جہاد شروع فرما چکے تھے، حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے بھی بعد فراغت تعلیم بیس سال کی عمر میں اس فتنے کے سدِ باب کا ارادہ فرمایا اور یہ خیال فرمایا کہ علم غیب رسول ﷺ پر ایک ایسی جامع کتاب ہونی چاہیے، جس سے معترضین کے تمام اوہام و شکوک اور باطل نظریات کا شافی و وافی مہذب پیرایہ میں جواب ہو، چناں چہ پہلے ادبی میدان میں اپنا مقام حاصل کرنے اور صحافتی طریقہ سے تبلیغ دین کے لیے مضامین کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے یہ مضامین کلکتہ کے ”الہلال“ اور ”البلاغ“ میں شائع ہوتے رہے اور ادھر ایک مستقل کتاب کی طرح ڈالی، اس وقت چوں کہ آپ کے پاس ایسا جامع کتب خانہ نہ تھا کہ جس میں ہر قسم کی کتابیں موجود ہوتیں، لامحالہ آپ نے رام پور اسٹیٹ کے کتب خانہ کی طرف رجوع کیا، مسلسل جا جا کر رام پور کے کتب خانہ سے حوالہ جات دیکھ کر آتے اور مراد آباد میں کتاب لکھتے، جب آپ کی عمر شریف بیس سال کی ہوئی تو وہ کتاب بھی مکمل ہوگئی، جو علم غیب رسول ﷺ پر سب سے پہلی اور جامع کتاب ہے جس کا نام ”الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ“ ہے، جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مراد آباد میں ایک بزرگ ان پڑھ تھے مگر تبلیغ میں گنجینہ معلومات تھے، ان کا نام حاجی ملا محمد اشرف صاحب شاذلی تھا (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) حاجی صاحب موصوف حضرت قدس سرہ سے غایت محبت و شفقت فرماتے تھے، جب حاجی صاحب نے اس کتاب کو سنا تو بے حد خوش ہوئے اور انعام کے طریقے پر اپنے ہاتھ سے بنا کر ایک پاندان اور دو اگال دان خورد وکلاں عطا فرمائے، جو آج تک آستانۂ اقدس میں موجود ہیں، صنعت گری کا کمال یہ ہے کہ ساٹھ برس سے زیادہ ہوگئے برابر استعمال میں ہیں، لیکن ان کی قلعی بھی خراب نہیں ہوئی ہے۔

حاجی (شاذلی) صاحب موصوف اس کتاب کو لے کر اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خان قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اعلیٰ حضرت کو اس وقت ”بڑے مولانا صاحب“ کے لقب سے اہل سنت یاد کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت وہ پہلی ہستی ہیں، جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے کافی عرصہ بعد مردانہ وار میدان میں آکر ضلالت و بدعت کا مقابلہ کیا، حاجی صاحب نے اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں کتاب پیش کی، اعلیٰ حضرت نے اس کو ملاحظہ کر کے فرمایا: ماشاء اللہ بڑی عمدہ نفیس کتاب ہے، یہ

نو عمر اور اتنے احسن دلائل کے ساتھ اتنی بلند کتاب مصنف کے ہونہار ہونے پر دال ہے۔ پھر تو یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ نہ اعلیٰ حضرت کو ان کے بغیر چین تھا اور نہ حضرت قدس سرہ کو اعلیٰ حضرت کے بغیر سکون تھا، مجھ سے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا معمول تھا کہ اعلیٰ حضرت کے آستانہ کے سفر کے لیے کبھی میرا بستر کھلا ہی نہیں، میں لازمی ہر پیر اور جمعرات کو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں جاتا تھا۔

اعلیٰ حضرت کا مکمل اعتماد اور اس کے چند مظاہر

یہ رشتہ محبت و مودت اتنا بڑھا کہ اعلیٰ حضرت، قدس سرہ ان پر مکمل اعتماد فرمانے لگے، کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ صدر الافاضل نے عرض کیا ہو اور اعلیٰ حضرت نے رد فرمایا ہو، چناں چہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک خاص مسئلہ میں درمیانی لوگوں کی شرارت کی بنا پر دو سنی عالموں میں رنجش پیدا ہو گئی، نتیجہ مقدمہ بازی تک پہنچا، اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے حضرت کو مکمل اختیارات تفویض کر کے اس کی پیروی کی اجازت دی --- اسی طرح جب حضرت مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی قدس سرہ سے خلافت کمیٹی کے بام عروج کے وقت چند کلمات غیر محتاط خلافِ اسلام نکل گئے، حتیٰ کہ یہ بھی کہہ گئے کہ

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستے کردی

اس پر اعلیٰ حضرت نے خط و کتابت کا سلسلہ شروع فرمایا اور نہایت متین اور سنجیدہ لب و لہجہ میں افہام و تفہیم چاہی، مگر حضرت مولانا مرحوم اعلیٰ حضرت کی خط و کتابت سے بے پرواہ ہو گئے، پھر اعلیٰ حضرت نے "الطاری الداری لهفوات عبد الباری" دو جلدوں میں تالیف فرمائی، جب حضرت فرنگی محلی قدس سرہ کے مطالعہ میں وہ دونوں جلدیں آئیں تو تبحر علمی کے ساتھ خشیت الٰہی نے مساعدت کی اور مفاہمت کی طرف میلان ظاہر کیا، چناں چہ اس مفاہمت کے لیے اعلیٰ حضرت نے اپنے بڑے صاحب زادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب قدس سرہما کو حضرت استاذ العلماء صدر الافاضل مرادآبادی قدس سرہ کی معیت میں روانہ فرمایا، وہاں پہنچنے کے بعد اس وفد میں گفتگو کے لیے حضرت صدر الافاضل کو منتخب کیا گیا، گفتگو ایسے خوش گوار ماحول میں ہوئی کہ مولانا فرنگی محلی جھکتے چلے گئے حتیٰ کہ اعتراف حق کے ساتھ اظہار حق کے لیے کاغذ اٹھایا اور اپنا توبہ نامہ غلطی ہائے ماضیہ پر لکھنا شروع کیا کہ اتنے میں حضرت مولانا صاحب کے ایک متمول عقیدت مند جو

وہاں کے بوچڑوں میں سے تھے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے اور عرض کرنے لگے کہ حضور اس میں ہماری ذلت ہے، مقابلہ کے لیے چیک بک سامنے ہے، لاکھ دو لاکھ جتنا چاہیں خرچ فرمائیں، مگر توبہ نامہ نہ لکھیں، اللہ غریق رحمت فرمائے حضرت مولانا فرنگی محلی کو کہ انھوں نے نہایت بے نیازانہ طور پر اسے جواب دیا کہ ''کمرے سے باہر چلے جاو، کیا تم میرا ایمان چیک بک کے ذریعہ خریدنا چاہتے ہو؟ مجھے اپنے ایمان کی پڑی ہے تجھے اپنی دولت کا غرور ہے۔ میں ایسے ہی لوگوں کو شیاطین الانس سمجھتا ہوں، میری یہ توبہ اپنے خاتمہ کو درست کرنے کے لیے، نہ کہ کسی شخصیت سے مرعوب ہوکر'' حضرت صدر الافاضل نے بروقت نہایت متانت سے فرمایا: ''حضرت یہ تحریر صرف شہادت ملائکہ تک ہے، یا ہم تینوں اس کے شاہد ہیں، یہ پریس میں نہیں جائے گی، اس کی اشاعت ہر گز نہ ہوگی،'' تو حضرت مولانا فرنگی محلی صاحب نے فوراً جواد دیا کہ ''جب میں اپنے رب کے حضور خوف و خشیت سے تائب ہورہا ہوں، تو اشاعت کا مجھے خطرہ نہیں، مجھے دنیا کی ذلت کے مقابلہ میں اخروی ذلت سے خطرہ ہے،'' غرضے کہ وہ تحریر لے کر اصحاب ثلثہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحریر پیش کی تو یہ حق پرستی و حق نوشتی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی دیکھی گئی کہ اسی وقت حکم فرمادیا ''الطاری الداری'' کو نذر آتش کردو، اس زمانہ کے اعتبار سے وہ کئی ہزار کے صرفہ سے چھپی ہوئی تھی، اس کی جلدوں میں سے ایک جلد حضرت مولانا ابوالحسنات مرحوم و مغفور اور ایک حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب مدظلہ العالی ناظم انجمن حزب الاحناف کے یہاں محفوظ ہے اور اسی طرح بعض خاص متوسلین و معتقدین کے پاس محفوظ ہیں، جن کا آج تک دہرانا یا کسی کو بتانا پسند نہیں کیا جاتا۔

(ماخوذ از حیات صدر الافاضل، تالیف: مفتی سید غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ)

امام احمد رضا اور ملک العلماء

مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی ذات گرامی آسمان علم و فضل کا وہ مہر درخشاں ہے جس کی علمی ضیا باریوں سے ایک جہان روشن و تابناک ہے، اور کتنے خوش نصیب اس مہر درخشاں سے اکتساب ضیا کر کے افق علم و فضل کے ماہ تاباں بن گئے کہ آج بھی شہرستان علم و فن میں ان کا اجالا پھیلا ہوا ہے، انھیں خوش نصیبوں میں ایک نام ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ آپ امام احمد رضا کے بڑے چہیتے خلیفہ اور خاص شاگرد تھے۔ ملک العلماء، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اور ان کے ذکر جمیل سے شاد کام رہتے، خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا سید غیاث الدین حسن سہسرامی جب کبھی "ظفر منزل" پٹنہ تشریف لاتے تو دونوں حضرات پوری پوری رات امام احمد رضا کے محاسن و مناقب بیان کرنے میں گزار دیتے۔

ملک العلماء کے صاحب زادے پروفیسر مختار الدین آرزو لکھتے ہیں:

رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل و مناقب میں پوری رات گزر جاتی تھی، درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر کھل جاتے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے عاشق جو ٹھہرے۔ (ماہ نامہ جہان رضا لاہور جون، ۱۹۹۹ء، ص: ۶۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ، ملک العلماء سے کس قدر شفقت و محبت فرماتے اور آپ پر کس قدر اعتماد کرتے تھے اسے امام احمد رضا کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: "الاستمداد علیٰ أجیال الارتداد" میں اعلیٰ حضرت جہاں اپنے ۱۴؍ خلفا کا ذکر کرتے ہیں ان میں اپنے خلف اکبر حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا قادری اور خلیفۂ اجل علامہ عبد السلام جبل پوری علیہما الرحمہ کے بعد تیسرے نمبر پر ملک العلماء کا یوں

تذکرہ کرتے ہیں:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اس شعر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ملک العلماء کو" میرے ظفر" کہہ کر یاد کیا ہے، اس سے اپنائیت اور محبت کا جو اظہار ہوتا ہے وہ اہل نظر پر پوشیدہ نہیں۔

ملک العلماء کا امام احمد رضا کی بارگاہ میں کیا مقام تھا اس کا اندازہ اس مکتوب سے لگایا جا سکتا ہے جو اعلیٰ حضرت نے ان کے بارے میں خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور کو اپنی رحلت سے بارہ سال قبل ۵ر شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ میں تحریر کیا ہے۔

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب تک کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس ہیں اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

(۱) سنی خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔

(۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔

(۳) مفتی ہیں۔

(۴) مصنف ہیں۔

(۵) واعظ ہیں۔

(۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔

(۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انھیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے" (حیات ملک العلماء، ص:۸ مشمولہ صحیح البہاری)

امام احمد رضا کے اس جملے "فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انھیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے" میں جو اپنائیت، شفقت اور قدر و منزلت پائی جاتی ہے وہ اہل نظر خود محسوس کر سکتے ہیں۔

امام احمد رضا کو ملک العلما سے جو تعلق خاطر تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انھوں نے ملک

العلماء کو سب سے زیادہ خطوط لکھے۔

ملک العلمانے "حیات اعلیٰ حضرت" کے حصہ اول (مطبوعہ قادری کتاب گھر بریلی شریف) میں امام احمد رضا کے ۷۵؍ خطوط درج فرمائے ہیں، ان میں ۱۲؍ خطوط مولانا عرفان علی بیسل پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام ہیں، ایک خط خلیفہ تاج الدین علیہ الرحمہ، ایک منشی محمد لعل خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام، ۴۳؍ خطوط خود ملک العلما کے نام ہیں۔ خلیفہ تاج الدین اور منشی محمد لعل خان علیہما الرحمہ کے خطوط میں بھی ملک العلماء کا تذکرہ ہے اور انھی سے ان خطوط کا تعلق ہے۔ اس لیے ملک العلماء نے انھیں بھی اپنے نام کے خطوط میں درج کیا ہے۔

امام احمد رضا نے اپنے مکتوب میں ملک العلما کو حبیبی وولدی وقرۃ عینی مولانا ظفر الدین صاحب، قادری جعلہ اللہ کاسمہ ـــــ ولدی وزینی وقرۃ عینی، برادر دینی ویقینی ـــــ ولدی الأعز، اعزک اللہ، میرے بجان عزیز ـــــ جان پدر، بلکہ از جان بہتر ظفر الدین ـــــ ولدی الأعز مولانا ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین ـــــ ولدی الأعز حامی السنۃ ماحی الفتنۃ ـــــ ولدی الأعز المکین مولانا المکرم ذی العلم المتین ـــــ مولانا المکرم ذی المجد والکرم ـــــ ولدی الأعز مولانا المکرم اکرمکم وجعلک کاسمک ظفر الدین وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے۔

ان القاب سے اپنائیت، چاہت اور محبت کے ساتھ عزت اور قدر و منزلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

انعام واکرام:

ملک العلماء نے پہلا فتوی لکھ کر جب اعلی حضرت کی بارگاہ میں بغرض اصلاح پیش کیا تو وہ بالکل صحیح نکلا اس کو دیکھتے ہی اعلی حضرت خوشی سے جھوم اٹھے اور انعام بھی دیا۔ اس کیفیت کو ملک العلماء کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

میں نے سب سے پہلے فتوی ۱۳۲۲ھ میں لکھا اور اعلی حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا تو حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا، اعلی حضرت قدس سرہ العزیز اس فتوی کو لیے ہوئے میرے پاس خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا سب سے پہلے فتوی میں نے لکھا تو میرے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا، آج آپ نے جو فتوی لکھا یہ پہلا فتوی ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے اس لیے اس اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں، غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ بول نہ سکا اس لیے کہ فتوی پیش کرتے وقت میں خیال کر رہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط مگر خدا کے

فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ کے ساتھ کہ میرے والد ماجد صاحب نے مجھے اول فتوی پر انعام دیا تھا، اس لیے میں بھی اول فتوی صحیح پر انعام دیتا ہوں۔ (حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۱۰۹، امام احمد رضا، اکیڈمی)

اعلی حضرت امام احمد رضا ہمیشہ چھوٹوں پر شفقت فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے، اپنے مریدوں اور شاگردوں پر نظر التفات رکھتے، ملک العلماء پر تو اعلی حضرت کی خاص توجہ رہی، آپ خود لکھتے ہیں:

طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی ماہ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہنا ہوا اور اس تعطیل میں اپنے گھر نہ آیا تو عید الفطر کے دن جس طرح آپ تمام عزیزوں کو عیدی تقسیم فرماتے مجھے اور دوسرے خاص طلبہ مثلا سید عبد الرشید صاحب کو پاموی عظیم آبادی، مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف، مولوی محمد ابراہیم صاحب اوگانوی، مولانا مولوی محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری، مولوی اسماعیل صاحب بہاری سب کو علی قدر مراتب عیدی عطا فرماتے۔

حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب کو برابر بیٹیاں ہی پیدا ہوئیں، اسی لیے سب لوگوں کی دلی تمنا تھی کہ کوئی بیٹا ہوتا کہ اس کے ذریعہ اعلی حضرت کا نسب وحسب وفضل وکمالات کا سلسلہ جاری رہتا۔ خداوند عالم کی شان ۱۳۲۵ھ میں محمد ابراہیم رضا خاں سلمہ کی ولادت ہوئی۔ نہ صرف والدین اور اعلی حضرت بلکہ تمام خاندان بلکہ جملہ متوسلین کو از حد خوشی ہوئی اس خوشی میں من جملہ اور باتوں کے اعلی حضرت نے جملہ طلبائے مدرسہ اہل سنت وجماعت ''منظر اسلام'' کی ان کی خواہش کے مطابق دعوت فرمائی، بنگالی طلبہ سے دریافت فرمایا آپ لوگ کیا کھانا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ''مچھلی بھات'' چناں چہ روہو مچھلی بہت وافر طریقہ پر منگائی گئی اور ان لوگوں کی حسب خواہش دعوت ہوئی۔ بہاری طلبہ سے دریافت فرمایا: آپ لوگوں کی کیا خواہش ہے؟ ان لوگوں نے کہا: بریانی، زردہ، کباب، فیرنی، میٹھا ٹکڑا وغیرہ۔ ان کے لیے پر تکلف کھانا تیار کیا گیا۔ پنجابی اور ولایتی طلبہ کی خواہش ہوئی دنبے کا خوب چربی دار گوشت اور تنور کی پکی گرم گرم روٹیاں، ان لوگوں کے لیے وافر طور پر اس کا انتظام ہوا۔ اس وقت خاص، عزیزوں اور مریدوں کے لیے جوڑا بھی تیار کیا گیا تھا۔ نہایت ہی مسرت سے لکھتا ہوں کہ میں انھیں خاص لوگوں میں ہوں جن کے لیے جوڑا بھی تیار کرایا گیا تھا۔ کرتا، پائجامہ، جوتا، ٹوپی تو اسی زمانے میں پہن لیا تھا، مگر انگرکھا بہت قیمتی کپڑے کا تھا، گاہے گاہے اس کو پہنا کرتا تھا، وہ بہت دنوں تک رہا یہاں تک کہ چھوٹا ہو گیا تو اس کو تبرکا رکھ دیا۔ جب مدرسہ ''خانقاہ سہسرام'' میں مدرس ہوا اور مخلص قدیم مولوی سید

غیاث الدین صاحب چشتی ابو العلائی، رجھتی، بہاری کو حسب طلب محترم حامی دین متین جناب حاجی محمد لعل خاں صاحب کلکتہ بھیجنے لگا اس وقت وہ انگرکھا مولوی موصوف کی نذر کر دیا جو ان کے جسم پر ٹھیک آگیا۔ (ایضا، ص:۱۱۱، ۱۱۲)

ملک العلماء کو اعلی حضرت کی ان شفقتوں اور عنایتوں کا شدت کے ساتھ احساس رہا، چناں چہ حیات اعلی حضرت میں لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں اور پھر اس عزت کو ہمیشہ برقرار رکھا میرے پاس اعلی حضرت کے چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے آتے تھے، اس میں برابر ولدی الأعز مولانا محمد ظفر الدین جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین سے شروع فرماتے، فتاوی شریف جلد اول میں میرا نام انھیں لفظوں سے تحریر فرمایا ہے: جزاہ اللہ تعالی خیر الجزاء۔ (ایضًا، ص: ۱۰۹)

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ معاشی فکر نے ملک العلماء کے چین و سکون کو غارت کر دیا، دل گرفتہ ہو کر اپنے مرکز عقیدت امام احمد رضا کی بارگاہ میں عریضہ ارسال کیا اور طالب دعا ہوئے امام احمد رضا نے مفصل تسلی نامہ تحریر فرمایا اور مالی امداد بھی کی۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو رقم طراز ہیں:

ایک بار یہ عزیز شاگرد و مسترشد جب بعض خاندانی علائق اور دنیوی مصائب میں گرفتار تھے اپنے استاد اور پیر و مرشد سے اپنی پریشانیوں کا اظہار کرتے ہیں تو وہ ان الفاظ میں تسلی دیتے ہیں:

”۔۔۔ آپ کا خط دربارۂ پریشانی دنیا آیا تھا ۔۔۔ اس خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات واحادیث دربارۂ ذم دنیا و منع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں، مگر وہ سب بفضلہ تعالی آپ کے پیش نظر ہیں، فلاں کو دستِ غیب ہے، فلاں کو حیدرآباد میں رسوخ ہے، یہ تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالی علم نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے، ان کے پاس علم نہیں، یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد ہے ؟کس پر نعمت حق بیش تر ہے ؟ بشرط ایمان وعدہ علو وغلبہ باعتبار دین ہے، نہ یہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق رہے۔ دنیا سجن مومن ہے، سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محض فضل نہیں۔ دنیا فاحشہ ہے، اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے، دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔“ (مکاتیب ملک العلماء قلمی)

شفیق استاد و مرشد اسی پر بس نہیں کرتا وہ کچھ رقم بھی اخراجات کے لیے بھیجتے ہوئے لکھتا ہے:

”مولی عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجیے“ (دس دس روپے کے یہ نوٹ فاضل بریلوی کے وصال کے بیسوں سال بعد میں نے والد مرحوم کے قلم دان میں ایک لفاف میں حفاظت سے رکھے ہوئے دیکھے

تھے۔ انھوں نے اپنے استاد کی محبت و شفقت کی یادگار سمجھ کر بطور تبرک محفوظ رکھ چھوڑا تھا۔) وہ کریم اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے اور آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نصر موزر پہنچائے۔ آمین آمین بجاہ الکریم المعین علیہ وعلی آلہ واصحابہ الصلاۃ والتسلیم۔ (حیات ملک العلما، ص:۸، مشمولہ صحیح البھاری)

امام احمد رضا کی پہلی سوانح حیات:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے وصال فرمانے کے بعد سترہ سال تک کسی نے آپ کی سوانح حیات مرتب کرنے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، ہر طرف سناٹا چھایا رہا۔ ملک العلماء اپنے استاذ اور پیر و مرشد سے والہانہ عقیدت اور غیر معمولی محبت کی بنا پر اس سناٹے کو توڑنے کے لیے خود ہی کمربستہ ہوئے اور بڑی عرق ریزی وجاں فشانی سے ”حیات اعلیٰ حضرت“ مرتب کرنے میں مصروف ہوگئے اور بارہ سال کے اندر ایک مفصل و مستند سوانح چار جلدوں میں مکمل فرمائی اور دنیاے سنیت پر بہت بڑا احسان فرمایا۔

ملک العلماء تحریر فرماتے ہیں:

افسوس صد ہزار افسوس کہ اس آفتاب عالم تاب کو غروب ہوئے آج ۱۹۳۸ء میں سترہ سال ہوگئے مگر سوا اس مختصر منظوم ”ذکر رضا“ (۱۹۲۱ء) حامی دین وملت مولانا مولوی محمود جان صاحب جام جودھ پوری کے کوئی مفصل سوانح عمری آپ کی شائع نہ ہوئی، پھر بھی ہم رضویوں کو جناب حاجی مولوی سید ایوب علی صاحب رضوی بریلوی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی اور برادران طریقت کو توجہ دلائی۔ ان کی تحریک سے بعض احباب نے کچھ حالات ان کے پاس لکھ بھیجے اور زیادہ حصہ خود سید صاحب موصوف نے لکھا، جب ان کو میرے ”حیات اعلیٰ حضرت“ (۱۹۳۸ء) لکھنے کی خبر ہوئی تو جو کچھ مواد ان کے پاس تھا سب مجھے عنایت فرمادیا۔ خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر کہ عرصہ بارہ سال میں یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوئی اور باعتبار ختم ”مظہر المناقب“ ۱۳۶۹ھ تاریخی نام تجویز ہوا، مولا تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور سب سنیوں کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج:۱، ص ۴۲ تا ۴۴، امام احمد رضا اکیڈمی)

اب یہاں قارئین کی خدمت میں ملک العلماء کا سوانحی خاکہ پیش ہے، اس میں بھی امام احمد رضا سے آپ کی عقیدت و محبت اور بارگاہ امام میں آپ کی قدر و منزلت کے جلوے نظر آئیں گے۔

ولادت: حضرت ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری قادری برکاتی ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت صوبہ بہار کے ایک گاؤں رسول پور میجرا ضلع پٹنہ (موجودہ ضلع نالندہ) میں پیدا ہوئے۔

نام وکنیت: گاؤں کے بعض معززین نے عبد الحلیم نام تجویز کیا، والد ماجد نے (جو بچوں کے نام رکھنے کا ذوق اور فن تاریخ گوئی میں اچھی لیاقت رکھتے تھے باعتبار سنہ فصلی جو نواح عظیم آباد پٹنہ میں زیادہ ترائج تھا) تاریخی نام غلام حیدر اور مختار احمد تجویز کیے، پھر'' ظفیر الدین'' نام رکھا گیا، اور یہی نام ۱۳۲۲ھ تک مشہور رہا اس کے بعد جب آپ بریلی شریف حاضر ہوئے تو امام احمد رضا نے ''محمد ظفر الدین'' نام پسند فرمایا اور یہی نام اس وقت سے مشہور ہے ابتدا میں آپ ابو البرکات کنیت رکھتے تھے مگر ڈاکٹر مختار الدین آرزو کی ولادت کے بعد ابو محمد لکھنے لگے۔ (جہان ملک العلماء، ص:۱۱٦)

شجرۂ نسب: آپ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:

ملک محمد ظفر الدین قادری بن ملک منشی محمد عبد الرزاق بن ملک کرامت علی بن ملک احمد علی بن ملک غلام قادر بن ملک سعادت یار بن ملک حمید بن ملک رضا بن ملک محمد علی بن ملک فتح اللہ بن ملک غلام نبی بن ملک محمد معصوم بن ملک محمد سعید الدین عرف ملک لدن بن ملک احمد اللہ بن ملک تاتار بن ملک بہاء الدین بن ملک محمد اسمٰعیل بن ملک الٰہ داد بن ملک غلام محی الدین عرف ملک لدن بن ملک خطاب الملک بن ملک علماء الملک بن ملک داؤد پسر اکبر بن حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بیّو شہید بن حضرت سید ابو بکر بن سید ابو القاسم عبد اللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابو منصور عبد السلام بن سید عبد الوہاب بن غوث الثقلین، غیث الکونین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرار ہم ونفعنا اللہ برکاتہم۔ (حاشیہ حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۱)

ملک العلماء علیہ الرحمہ کے اجداد میں سب سے پہلے بر صغیر میں آنے والے بزرگ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی علیہما الرحمہ ہیں سید ابراہیم کے والد ماجد غزنوی تھے اور سید ابراہیم بھی غزنی ہی سے تشریف لائے تھے۔ اس خاندان میں '' ملک'' کا لقب آپ ہی سے رائج ہوا، بادشاہ وقت نے آپ کو''ملک بیا'' کا خطاب دیا ورنہ ان سے پہلے خاندان کے افراد خود کو سید لکھا کرتے تھے۔

ملک العلماء کے صاحب زادے ڈاکٹر مختار الدین آرزو لکھتے ہیں:

مولانا ظفر الدین کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم ابو بکر غزنوی ملقب بمدار الملک ومخاطب بملک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے (کہا جاتا ہے کہ سید ابراہیم کو''ملک بیا'' جو عوام میں ملک بیو ہو گیا ہے) کا خطاب بادشاہ وقت کا دیا ہوا ہے اس خانوادے کے لوگ اسی زمانے سے اپنے کو سید کے بجائے ملک کہلانا پسند کرتے ہیں، سید

ابوبکر غزنی کے رہنے والے تھے وہ غزنی کے تین فرسنگ کے فاصلے پر بمقام بت نگر مدفون ہیں، سید ابراہیم ،غزنی سے سلطان فیروز کے عہد میں (۷۵۲ھ۔۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آکر شاہی فوج میں ملازم ہوگئے، وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے، اور بالآخر ۱۳ر ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ رہتاس (شاہ آباد، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے قصبہ بہار شریف (جہاں حضرت شیخ شرف الدین یحیی منیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۸۲ھ آسودہ ہیں) کی ایک پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے، جس پر عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ یہ جگہ اب بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (جہان ملک العلماء، ص:۱۵۳)

چند سطر بعد لکھتے ہیں:

مولانا (ملک العلماء) کا خاندان عرصے سے نالندہ اور راج گیر کے قریب رسول پور میجرا میں آباد ہو گیا تھا۔ ان کے والد ملک عبد الرزاق، دادا ملک کرامت حسین، پردادا ملک احمد علی اور چھڑ دادا ملک غلام قادر سب وہیں کے قبرستان میں آسودہ ہیں۔ ملک عبد الرزاق کی اولادِ نرینہ میں صرف محمد ظفر الدین تھے جو بعد کو ملک العلماء فاضلِ بہار مولانا ظفر الدین قادری رضوی کے نام سے مشہور ہوئے۔

مولانا کے والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی اپنے گاؤں میں پابندیِ صوم و صلاۃ اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہنے کے سبب بہت قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ حضرت شاہ چاند بیتھوی کے مریدین و مستفیدین میں تھے۔ وہ فارسی کے دبیر تھے، ان کا عربی خط بہت اچھا تھا، ان کی اور ان بزرگوں کی تحریریں خاندان میں اب بھی محفوظ ہیں۔ ملک صاحب نے کبھی ملازمت نہیں کی، وہ اپنی باقی ماندہ مختصر سی جاگیر (جو شاہی عہد میں ان کے بزرگوں کو ملی تھی) پر قانع رہے اور کاشت کی زمینوں پر گزر اوقات کرتے رہے۔ قرائن ہیں کہ ان کی وفات ۱۳۱۲ھ کے کچھ بعد ہوئی ہوگی۔

مولانا کی والدہ ماجدہ شیخ مبارک حسین (جو موضع بین ضلع پٹنہ کے زمیں داروں میں تھے) کی چھوٹی صاحب زادی تھیں جو حضرت شیخ چاند صاحب سے طریقۂ قادریہ میں شرفِ بیعت رکھتی تھیں، وہ ہر سال گیارہویں شریف کا بڑا اہتمام کرتی تھیں۔ ۱۱ر ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ کو داعیِ اجل کو لبیک کہہ کر عازمِ جنت الفردوس ہوئیں۔ (جہانِ ملک العلماء، ص:۱۵۴)

حلیہ و لباس: آپ کے حلیہ و لباس کے تعلق سے آپ کے تلمیذ و مرید خاص حضرت علامہ مفتی عزیز حسن بھاگل پوری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

رنگ گورا، کشیدہ قامت، گداز بدن، آنکھیں بڑی بڑی، پیشانی بہت فراخ دونوں بھنویں علاحدہ،

داڑھی گھنی چار انگشت، مونچھیں بقدر لب، بچی کے بال نہیں ترشواتے، بھر سینہ بال، تمام بدن میں بھی بال، سر کے بال چھوٹے چھوٹے رکھتے۔ لباس متوسط درجے کا استعمال کرتے نہ بہت ہی معمولی نہ بہت ہی قیمتی۔ عام طور پر مارکین کا شرعی پائجامہ اور جاپانی نین سُکھ کا ۱۸ر گرہ لمبا سیدھے پٹ کا کرتا زیب تن کرتے۔ اور کبھی نین کلاٹ کا پاجامہ کبھی ململ یا اڈھی کا کرتا پہنتے۔ ٹوپی کے لیے عموماً لکھنؤ کا پلہ استعمال کرتے، ترکی ٹوپی باوجود جائز سمجھنے کے کبھی نہیں پہنی، نہ سوا ایک شیروانی کے کبھی شیروانی پہنی۔ جوتا برابر سلیم شاہی پھول کا استعمال کرتے تھے، عمامہ اکثر بنارسی استعمال کرتے، عبا سیاہ رنگ کا ہوتا، عبا اور پائتابہ صرف جاڑوں میں پہنتے۔ آپ کا روز مرّہ گھر کا لباس کرتا، پائجامہ، ٹوپی ہوتا۔ جب باہر جاتے تو اچکن بھی زیب تن کرتے، عیدین، وعظ و مناظرہ کے مجمع میں عمامہ اور عبا بھی پہن لیتے۔

(جہان ملک العلما، باب سوم، ص:۱۱۷، ۱۱۸)

تعلیم: جب ملک العلماء چار سال چار مہینے چار دن کے ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے حضرت شاہ چاند بیتھوی علیہ الرحمہ کے مقدس ہاتھوں بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کرائی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد نے دی، قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کی کتابیں گھر پر ہی حافظ مخدوم اشرف مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف نے پڑھائیں۔ ۱۳۱۲ھ میں اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ تشریف لے گئے اور مدرسہ حنفیہ غوثیہ میں داخلہ لیا، وہاں کئی سال رہ کر تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ تک کا درس لیا، یہاں کے اساتذہ میں مولانا شیخ محی الدین اشرف، مولانا شیخ بدر الدین اشرف کے علاوہ مولانا مہدی حسن میجروی، حافظ محمد اسماعیل بہاری، مولوی شیخ فخر الدین حیدر، مولانا محمد مجاہد، منشی اکرام الحق اور مولانا معین اظہر رئیس بین خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ اس ادارے میں عربی کی کتابیں زیادہ تر مولوی ابو نعیم محمد ابراہیم ساکن مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ (مئو اب خود ضلع ہے) سے پڑھیں (جو مئو کے معزز عالم باعمل تھے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کے شاگرد جامع العلوم کان پور کے فارغ التحصیل بہت سخت حنفی اور پکے سنی تھے) یہ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے مدرس اول بھی تھے، اور فاضل اوقات میں مطب بھی کرتے تھے۔ فنِ طب میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس کا علاج انھوں نے خاص توجہ سے کیا ہو اور اللہ رب العزت نے اسے شفا نہ بخشی ہو۔ (حیات ملک العلماء، ص:۱۱، مشمولہ صحیح البہاری)

۲۵ر جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ میں قاضی عبد الرحیم فردوسی علیہ الرحمہ کے قائم کردہ مدرسہ حنفیہ بخشی محلہ، پٹنہ میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ (م ۱۳۳۴ھ) سے مسند امام

اعظم، مشکاۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ جب محدث سورتی قدس سرہ اپنی علالت کے سبب وہاں سے سبک دوش ہو کر پیلی بھیت واپس آئے تو آپ اپنے رفیق درس حکیم ابو الحسن کے ساتھ کان پور چلے گئے۔ وہاں امداد العلوم بانس منڈی میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید اور مولانا احمد حسن کان پوری کے شاگرد مولانا قاضی عبد الرزاق (م ۱۹۴۶ء) سے خصوصی درس لیا۔ احسن المدارس میں حضرت مولانا احمد حسن کان پوری (م ۱۳۲۲ھ) سے منطق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا شاہ عبید اللہ پنجابی کان پوری (م ۱۳۴۳ھ) کے پاس ہدایہ آخرین مکمل کی۔ پھر محدث سورتی علیہ الرحمہ کی کوشش و کشش انھیں پیلی بھیت لے گئی جہاں محدث صاحب کے مدرسہ دار الحدیث میں حدیث کی منتہی کتابیں پڑھیں۔

یہاں سے ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی پہنچے اور مصباح التہذیب نامی مدرسے میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے، جو مدرسہ دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور سنی بن کر تعلیم دے رہے تھے، دورانِ درس مولوی غلام یٰسین کی دیوبندیت آشکارا ہوئی تو امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، پہلی ہی ملاقات میں ان سے مل کر بہت متاثر ہوئے، اور ان سے تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف کی منتہی کتابیں اور بعض نادر علوم کا درس لینا چاہا، لیکن اعلیٰ حضرت ہر وقت مطالعہ، افتا اور تالیف و تصنیف میں مشغول رہتے تھے، ان کے یہاں نہ تو باقاعدہ درس و تدریس کا کوئی سلسلہ تھا اور نہ اس وقت کوئی مدرسہ قائم تھا، ملک العلماء اعلیٰ حضرت کے منجھلے بھائی، استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی (م ۱۳۲۶ھ)، خلفِ اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں (م ۱۳۶۲ھ)، مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی علیہم الرحمہ اور دوسرے اصحاب سے ملے اور ان لوگوں کے مشورے اور کوششوں سے ایک مدرسہ قائم کرنے کی راہ ہموار ہوئی۔ ملک العلماء کا بیان ہے کہ مدرسہ کے قیام میں حضرت مولانا حسن رضا خاں اور مولانا سید محمد امیر اللہ کی مساعی کو بہت دخل ہے، اور یہ مدرسہ انھیں کی کوششوں سے قائم ہوا۔

چناں چہ یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ /۱۹/ مارچ ۱۹۰۵ء بروز دوشنبہ محلہ سوداگران، بریلی میں مدرسہ اہلِ سنت و جماعت کا قیام عمل میں آیا، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے اس کا تاریخی نام "منظرِ اسلام" (۱۳۲۲ھ) رکھا۔ استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں پہلے ناظم قرار پائے اور اولین طلبہ ملک العلماء اور مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی ہوئے۔ صرف انھیں دو طالب علموں سے مدرسہ کا افتتاح ہوا اور امام احمد رضا نے بخاری شریف شروع کرائی۔ اب ملک العلماء نے بہار خطوط لکھ کر مدرسہ کے قیام کی اطلاع دی اور دوستوں کو بھی بریلی بلا لیا۔ جب مدرسے میں کچھ جید علما اور مستند مدرسین کی خدمات حاصل کر لی گئیں

تو انھوں نے مولانا حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رام پوری، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی سے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دوسری درسی کتب کی تکمیل فرمائی۔

۱۳۲۲ھ سے ۱۳۲۵ھ تک کے تعلیمی سفر میں جو کتابیں آپ نے پڑھیں ان کی تفصیل آپ نے اپنے قلم سے یہ تحریر فرمائی ہے:

۱۳۲۲ھ: عروض المفتاح، مقامات حریری، میر زاہد رسالہ، ملا جلال، بخاری شریف، نسائی شریف، جبر و مقابلہ، مساحت، اقلیدس

۱۳۲۳ھ: دیوان متنبی، مطول، حمد اللہ، قاضی مبارک، تفسیر مدارک، تاریخ یمینی، تصریح، شرح چغمینی، سبع شداد، مسلم الثبوت۔

۱۳۲۴ھ: سبعہ معلقہ، مقامات بدیع الزماں ہمدانی، صدرا، شمس بازغہ، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی مع خیالی، صحیح مسلم۔

۱۳۲۵ھ: التوضیح والتلویح، بیضاوی شریف، شرح مواقف، امور عامہ، عبد العلی میر زاہد، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف، درِ مختار۔ (حیاتِ ملک العلما، مشمولہ صحیح البہاری، ص:۱۳۰)

ملک العلماء نے اعلیٰ حضرت سے صحیح بخاری، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی تمام کر کے علمِ ہیئت، ریاضی، توقیت، جفر و تکسیر وغیرہ فنون حاصل کیے۔ تصوف کی کتابوں میں ان سے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس بھی لیا۔ بخاری شریف کے اسباق میں طلبہ کے علاوہ علما کی جماعت بھی شریک ہوتی تھی۔ (ایضا)

ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ کی کسی تاریخ میں علما کے ایک بڑے مجمع میں ملک العلماء کو ان کے رفقائے درس کے ساتھ دستارِ فضیلت سے نوازا گیا۔ اعلیٰ حضرت کی درخواست پر شیخ العالم حضرت عبد الحق رودولوی قدس سرہ کی درگاہ کے سجادہ نشیں مخدوم شاہ التفات احمد علیہ الرحمہ نے ملک العلماء کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی اور تدریس و افتا کی سند عطا فرمائی۔ اعلیٰ حضرت نے اسی سال آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت و خلافت سے نوازا اور "ملک العلما" اور "فاضلِ بہار" کے معزز خطاب سے سرفراز کیا۔

تدریس: ملک العلماء نے اپنے تدریسی سفر کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف سے کیا جہاں ان کی تعلیم مکمل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک اسی ادارے میں تدریسی ذمہ داریاں نبھائیں اور اعلیٰ حضرت کی سرپرستی میں فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیں، اس زمانے میں جو فتاویٰ انھوں نے لکھے ان میں سے کچھ کی

نقلیں ”نافع البشر فی فتاویٰ ظفر“ میں موجود ہیں۔ ان چار سالوں میں طلبہ کی اچھی خاصی تعداد نے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ ۱۳۲۹ھ میں شملہ کے معززین بالخصوص جناب منشی عزیز الدین رضوی بریلوی شملوی کے بہت اصرار پر اعلیٰ حضرت نے خطیب و مفتی کی حیثیت سے شملہ بھیجا، ایک سال کے قریب آپ کا قیام شملہ میں رہا۔ ۱۳۳۰ھ میں بحکمِ اعلیٰ حضرت، مولانا عبد الوہاب الہ آبادی کے قائم کردہ مدرسہ حنفیہ آرہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور کئی سال تک اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیا، اس کے بعد ڈسٹرکٹ سیشن جج سید نور الہدیٰ بن سید شمس الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں بحیثیت مدرس اول آپ کا تقرر ہوا، آپ نے یہاں چار سال تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں سید شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام کی درخواست پر بحیثیت صدر المدرسین مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام تشریف لے گئے اور وہاں پانچ چھ سال تک اقامت پذیر رہے۔ یہیں آپ کے صاحب زادے پروفیسر مختار الدین احمد اور صاحب زادی ربیع خاتون کی ولادت ہوئی۔ یہاں کے رفقائے ادارہ میں مولانا سید ابو الحسن خوشدل سہسرامی (م ۱۹۳۵ء)، مولانا نجم الدین سہسرامی، مولانا رحم الٰہی مظفر نگری (م ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید غیاث الدین چشتی ابو العلائی نظامی، مولانا سید محمد موسیٰ رضا کاکوروی (م ۱۹۵۲ء)، مولانا فرخند علی مدرس خانقاہ کبیریہ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ (جہانِ ملک العلماء، ص:۱۵۸)

۱۳۳۸ھ/۱۹۲۱ء میں جب مدرسہ شمس الہدیٰ حکومت بہار کے زیرِ نگرانی کیا گیا اور حکومت کے اپنے اصول کے مطابق اس کے انتظامات کی تجدید ہوئی اور نئی تقرریاں عمل میں آئیں تو ملک العلماء سینیئر مدرس ہو کر آ گئے اور آزادیِ ہند کے ایک سال بعد ۱۹۴۸ء میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۳۰/ ۳۲/ سال تک آپ نے اس ادارے میں درس و تدریس کا کام انجام دیا اور ۱۹۵۰ء میں سبک دوشی حاصل کی۔

حکومت بہار کی ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ملک العلماء کو جہاں ذہنی سکون اور اطمینانِ قلب ملا وہیں فرصت کے حسین لمحات بھی ملے۔ اب آپ دینی و علمی مشاغل میں مصروف ہو گئے، درس و تدریس کا سلسلہ بھی کسی حد تک جاری رہا۔ سید شاہ احسن الہدیٰ بن، مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ سجادہ نشیں خانقاہ شاکریہ پنڈ شریف ایک عرصے تک ظفر منزل میں رہ کر آپ سے علومِ شرعیہ کا درس لیتے رہے۔ سید شاہ فرید الحق عمادی اور سید شاہ عاشق حسین فاضل شمسی ملک العلماء کے آخری زمانے کے ان شاگردوں میں سے ہیں جو ظفر منزل آکر ان سے درس لیا کرتے تھے۔

کٹیہار ضلع پورنیہ، بہار میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی تھی، پھر بھی وہاں کوئی قابلِ ذکر دینی مدرسہ

نہ تھا۔ ملک العلماء نے شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق (م ۱۲۰۳ھ) کی فرمائش پر ۲۱؍ شوال ۱۳۷۱ھ کو وہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح کیا اور منصبِ صدارت کو زینت بخشی اور تدریس کے لیے اچھے اساتذہ کا انتخاب کیا۔

کبر سنی اور دوسری انتظامی ذمہ داریوں کے باوجود ملک العلماء روزانہ چھ گھنٹے پڑھاتے تھے، تفسیر مدارک، بیضاوی شریف، بخاری شریف، مسلم شریف، ہدایہ اخیرین اور مناظرہ رشیدیہ جیسی اہم کتابوں کی تدریس اپنے ذمے رکھی تھی۔ درس و تدریس اور مدرسے کی نظامت سے جو وقت بچتا اسے فتویٰ نویسی، تصنیف و تالیف اور تبلیغ میں صرف کرتے۔

جامعہ لطیفیہ کے قیام سے شمالی بہار کے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا، اس علاقے میں دین و مذہب کو کافی فروغ ملا اور قابلِ قدر علماے کرام پیدا ہوئے جنھوں نے دور دراز علاقوں میں پھیل کر دین و سنیت کی خدمات انجام دیں۔ ملک العلماء اپنے وصال سے دو سال پہلے ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں ظفر منزل پٹنہ تشریف لائے اور یہاں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

تلامذہ: ملک العلماء کی زندگی کے ۵۵؍ سال تدریس میں گزرے، بریلی، آرہ، سہسرام، پٹنہ اور کٹیہار کے مدارس میں ہزاروں طالبانِ علوم نبویہ کو اپنے علمی چشمے سے سیراب کیا۔ چند ممتاز تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں:

☆ سید شاہ احسن الہدیٰ سجادہ نشین خانقاہ شاکریہ پنڈ شریف، ضلع مونگیر، بہار ☆ سید شاہ فرید الحق عمادی سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، پٹنہ ☆ سید شاہ عاشق حسین شمسی، سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں، شاہ گنج، پٹنہ ☆ عمدۃ المحققین علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور ☆ شمس العلما مفتی محمد نظام الدین بلیاوی ثم الہ آبادی ☆ حضرت علامہ محمد عزیز الدین ابراہیم پور، بھاگل پور ☆ مولانا غیاث الدین، مہتمم و مدرس اول مدرسہ حنفیہ موضع ہفنیہ، پورنیہ ☆ مولانا حافظ عبد الرحیم بنارسی ☆ مولانا حکیم محمد حسین بنارسی، مدرس مصباح العلوم، الہ آباد ☆ مولانا سید عزیز حسین، ساکن موضع لکھن پور، ڈاک خانہ اثر گنج، مدرس اول مدرسہ اسلامیہ بھاگل پور ☆ مولانا محمد ابراہیم احمد آبادی، مدرس اول مدرسہ دانا پور، ضلع پٹنہ ☆ مولانا سید محمد ایوب، مدرس اورنگ آباد ☆ مولانا مصلح الدین مدرس اول مدرسہ وارث العلوم، چھپرا ☆ مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی ☆ مولانا محمد محمود رفاقتی، مظفر پور ☆ خواجۂ علم و فن خواجہ مظفر حسین رضوی، پورنیہ ☆ مولانا شہاب اشرفی ☆ مولانا عبد الرشید رشیدی، چمنی بازار، پورنیہ ☆ مولانا شفیق احمد سہسرامی۔

تصانیف: ملک العلماء نے زمانۂ طالب علمی (۱۳۲۳ھ) میں ہی لکھنا شروع کیا اور اخیر دم تک یہ سلسلہ جار رکھا، متعدّد فنون اور موضوعات جیسے: حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تاریخ، سیرت، سوانح، فضائل، مناقب، اخلاق، نصائح، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت، تکسیر، عقائد، مناظرہ، اذکار وغیرہ پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ پروفیسر مختار الدین صاحب نے "حیات ملک العلماء" میں ستّر (۷۰) کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں، لیکن زیادہ تر افادۂ عام کے لیے اردو میں لکھی گئی ہیں۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی جہانِ ملک العلماء کے باب دہم (تعارف و تصانیف) میں رقم طراز ہیں:

"امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی فرماتے ہیں:

ملک العلماء کی تصانیف کی مطبوعہ فہرست میری نظر سے گزری ہے، جس میں ایک سو کتابوں کے نام درج تھے وہ فہرست کسی کتاب کے اخیر میں درج تھی۔ "مختار نامہ" مطبوعہ علی گڑھ کے مطالعہ سے پتا چلا کہ ڈیڑھ سو کتب و رسائل کے مصنف تھے حضور ملک العلماء۔" (جہانِ ملک العلماء، باب دہم، ص:۴۷۲)

ملک العلماء کی تصانیف میں سب سے مشہور کتاب "جامع الرضوی المعروف بصحیح البهاري" ہے۔ آپ کے صاحب زادے پروفیسر مختار الدین صاحب اس کتاب کا مختصر تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ملک العلماء فاضلِ بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا جو موید مسلک اہلِ سنت و احناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ و مصدر۔ انھوں نے وہ تمام روایات جمع کیں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو جس کی سند و استشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو . . . مختصر لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں صحیح البہاری کی مطبوعہ جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔"

(حیات ملک العلماء، مشمولہ صحیح البہاری، ص:۲۸،۲۹)

یہ کتاب احادیث کا ایسا مجموعہ ہے کہ جس کی مثال علمی دنیا میں پیش کرنی مشکل ہے، اس کو مطالعہ کرنے کے بعد کوئی بھی شخص فن حدیث میں ملک العلما کی مہارت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خطبے میں حدیث کے انواع، اقسام کتب اور اصطلاحات کو حمد و صلاۃ کی صورت میں نہایت عمدہ طریقے پر استعمال فرما کر نہ صرف فن حدیث بلکہ ادب عربی میں بھی اپنی خداداد صلاحیت کا اظہار فرمایا ہے۔ کتاب کے آغاز میں

۲۵ر صفحات پر پھیلا ہوا مقدمہ اصول حدیث کا شان دار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ایک قاری ضرور مچل اٹھتا ہے۔ یہ مقدمہ اصول حدیث کے ۳۲ فوائد پر مشتمل اور فن حدیث کو مختلف جہات سے محیط ہے۔ جن کے مطالعے سے نہ صرف فن حدیث میں بصیرت حاصل ہوتی ہے بلکہ مسلک اہل سنت سے متعلق دوسرے باطل فرقوں کی تمام تشکیکات اور اغلوطات کے جواب بھی فراہم ہو جاتے ہیں۔

دوسری تصانیف سے متعارف ہونے کے لیے "حیاتِ ملک العلماء" کا مطالعہ کریں۔

فتویٰ نویسی: ملک العلماء کو دورانِ طالب علمی ہی فقہ میں اس قدر استعداد حاصل ہو چکی تھی کہ اس دور سے فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا تھا۔ فراغت کے بعد بھی دیگر علمی مصروفیات کے باوجود یہ سلسلہ منقطع نہ ہوا۔

آپ کے فرزند ڈاکٹر مختار الدین صاحب رقم طراز ہیں:

"والد ماجد علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز اپنے طالب علمی ہی کے زمانے سے کر دیا تھا۔ ان کا سالِ فراغ ۱۳۲۵ھ ہے اور انھوں نے پہلا فتویٰ ۸ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا، جب وہ فاضلِ بریلی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر درس حدیث لینے اور فتویٰ نویسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی مصروفیات میں گوناگوں اضافہ ہو گیا لیکن فتویٰ نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا اگرچہ وقفے کے ساتھ ہی سہی، لیکن قیام بریلی کے ابتدائی سالوں کے علاوہ دنوں کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہ رکھی جا سکیں، اس میں ملک العلماء کی نقل مکانی کا دخل رہا۔ وہ بریلی اور پٹنہ دو جگہ ہی زیادہ رہے ورنہ اور سالوں میں قریب قریب سیمابی کیفیت رہی، بعد کے زمانے کے صرف وہی فتاویٰ محفوظ رہ سکے جو کتاب اور رسالے کی صورت اختیار کر گئے، چناں چہ زیرِ نظر مجموعے میں بھی شامل کئی رسائل بعد کے زمانوں کی یادگار ہیں۔" (مقدمہ فتاویٰ ملک العلماء، ص:۵)

ملک العلماء نے پہلا فتویٰ لکھ کر جب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے پیش کیا تو وہ بالکل صحیح نکلا، اعلیٰ حضرت بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں اور انعام سے بھی نوازا۔

ہر ممکن وسائل و ذرائع سے ملک العلماء کے جتنے فتاویٰ و رسائل دستیاب ہو سکے، مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی نے انھیں کتابی شکل دے دی ہے۔ یہ "فتاویٰ ملک العلماء" ۵۱۲ر صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

فتویٰ نویسی میں ملک العلماء کو جو مہارت حاصل تھی اس کے ثبوت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ امام احمد رضا قدس سرہ کی سرپرستی میں منظرِ اسلام میں تقریباً چار سال تک تدریسی خدمت کے ساتھ فتویٰ نویسی کا کام بھی انجام دیتے رہے۔

فقہی بصیرت: آپ کی فقہی بصیرت کا اندازہ آپ کے گراں قدر فتاویٰ سے ہوتا ہے، محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی ’’فتاویٰ ملک العلماء‘‘ کی تقدیم میں ایک مفتی کو جن اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے، انھیں تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

’’ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درس گاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی بین دلیل ہیں کہ حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے ایک ذمہ دار مفتی تھے، اور آپ کے فتاویٰ ہمارے لیے سند و حجت ہیں۔‘‘ (مقدمہ فتاویٰ ملک العلماء، ص:۸)

ملک العلماء نے اپنے فتاویٰ میں اپنی تحقیقات نہایت جامعیت اور وضاحت کے ساتھ پیش کی ہیں۔ طرزِ استدلال محدثانہ اور فقیہانہ ہے۔ مسائل کی تفہیم بالعموم بنیادی مصادر کی روشنی میں کرتے ہیں، مسائل کو سمجھنے اور صورت مسئلہ کی توضیح و تنقیح کر کے اس کے جزئیات اور متنوع پہلوؤں کی بھی وضاحت کرتے ہیں تاکہ اصل مسئلہ اور اس کے لواحق کو سمجھنے میں آسانی ہو، آپ کے فتاویٰ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان میں بکثرت مراجع و مصادر کا استعمال پایا جاتا ہے، ان کے مراجع میں بنیادی اصول (قرآن و سنت) کے علاوہ فقہ و فتاویٰ کی بیش تر متداول کتابیں شامل ہیں۔

مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی تحریر کرتے ہیں:

’’احقر نے جب حضرت ملک العلماء کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں، ان میں تقریباً تیس کتابیں فنِ تفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔‘‘ (جہانِ ملک العلماء، ص:۵۲۸)

علمِ ہیئت و توقیت میں مہارت: علمِ توقیت میں ملک العلماء انفرادی شان کے مالک تھے، اس کی تصدیق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے اس قول سے ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

’’مولانا ظفر الدین قادری‘‘ علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں، امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامۂ بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے۔ فقیر نے بتوفیقِ قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جن میں سے بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقاتِ طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لیے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔‘‘

(حیات ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری، ص:۸)

ملک العلماء نے اس فن کو بھی امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی، ہندو پاک کے دائمی اوقاتِ صلاۃ تخریج کیے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے زبانی افادات اور اپنی توضیحات یکجا کر کے کئی رسائل مرتب کیے (۱) الجواھر والیواقیت فی علم التوقیت (۲) بدر الإسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (۳) مؤذن الأوقات، (٤) توضیح الافلاك المعروف به سلم السماء، (۵) مشرقی اور سمت قبلہ (مشرقی کا غلط مسلک) اس فن میں آپ کی قیمتی تصانیف ہیں۔

(۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء) کے عرسِ حافظِ ملت کے موقعے پر حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی نے اپنی تقریر کے دوران بیان کیا کہ

"عنایت اللہ مشرقی جو ریاضی کے بہت بڑے ماہر تھے، بلکہ شاید بر صغیر میں ان سے بڑا ریاضی داں پیدا نہیں ہوا، سوائے اعلیٰ حضرت کے۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی نے کہا تھا کہ میں پوری دنیا کے نظام الاوقات اور طلوع و غروب کے اوقات کو دو دن کے اندر ترتیب دے سکتا ہوں۔ اس کے جواب میں مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے کہا تھا کہ میں دو گھنٹے کے اندر ترتیب دے دوں گا - تقی الدین عثمانی نے کہا ہے کہ میں مولانا احمد رضا کے مدرسہ کے ایک طالب علم ظفر الدین بہاری کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ وہ علم توقیت کے اتنے بڑے ماہر تھے کہ عنایت اللہ مشرقی ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے برابر نہیں۔

علمِ تکسیر میں مہارت: ملک العلماء نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے جس طرح دیگر علوم و فنون سیکھے، اسی طرح علمِ تکسیر میں بھی کمال حاصل کیا۔ آپ کے معاصر علما میں معدودے ہی ایسے تھے جو نقش مثلث یا مربع مشہور قاعدے سے بھر لینا جانتے تھے اور پوری چال سے نقوش بھرنا تو شاید چار یا پانچ سو میں سے دو ایک ہی کا حصہ رہا ہوگا۔ لیکن آپ کو اس میں کتنی مہارت تھی اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک صاحب آپ سے ملے۔ جن کا خیال تھا کہ دنیا میں میں ہی ایک تکسیر کا جاننے والا ہوں۔ دورانِ گفتگو انھوں نے ملک العلماء سے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب کو بھی فنِ تکسیر کا علم ہے۔ ملک العلماء نے فرمایا: یہ مخلصوں کا محض حسنِ ظن ہے، کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی ہے۔ ہاں! اس فن سے ایک گونہ دل چسپی ضرور ہے۔ اس کے بعد آپ نے شاہ صاحب سے فرمایا: جناب مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ تو انھوں نے بہت فخریہ کہا: سولہ طریقے سے۔ اس پر آپ نے کہا: بس! تو انھوں

نے کہا: اور آپ؟ ملک العلماء فرماتے ہیں: میں نے کہا: گیارہ سو باون طریقے سے۔ بولے: سچ؟ میں نے کہا کہ جھوٹ کہنا ہوتا تو کیا لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا، گیارہ سو باون کی کیا خصوصیت تھی۔ انھوں نے کہا میرے سامنے بھر سکتے ہیں؟ میں نے کہا: ضرور، بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔ پوچھا کن سے سیکھا۔ میں نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کا نام لیا۔ پوچھا اعلیٰ حضرت کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں؟ میں نے کہا: تیئیس سو طریقوں سے۔ (ملخصًا حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۵۹، ۲۶۰، امام احمد رضا اکیڈمی)

اس فن میں (۱) اطیب الاکسیر فی علم التکسیر (۲) الاکسیر فی علم التکسیر جیسی آپ کی قیمتی کتابیں ہیں۔

مناظرہ: ملک العلماء جہاں ایک بلند پایہ محقق، مفتی اور مصنف تھے وہیں عظیم مناظر بھی تھے۔ آپ نے دیوبندیوں، غیر مقلدوں، آریوں، اور پادریوں سے کئی ایک کامیاب مناظرے کیے اور اس کے لیے دور دراز کا سفر کیا۔

ڈاکٹر مختار الدین آرزو لکھتے ہیں:

مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لیے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لیے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کیے جاتے تھے۔ ایک مناظرہ کے لیے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔

(حیات ملک العلماء، ص:۱۶ مشمولہ صحیح البہاری)

رنگون (برما)، رام پور، بریلی، کلکتہ، میوات، راندیر کے مناظروں کا تذکرہ تحریری صورت میں ملتا ہے۔ کلکتہ کے مناظرے کی روداد ''گنجینۂ مناظرہ'' (۱۳۳۴ھ) کے نام شائع ہو چکی ہے، رام پور کے مناظرے کی تفصیل ''کشف الستور عن مناظرہ رام پور'' (۱۳۳۴ھ) میں موجود ہے، ''ظفر الدین الجید'' میں اشرف علی تھانوی کا گھیراو ہے، اور ''ظفر الدین الطیب'' میں غیر مقلدیت کے فتنے کا سدباب کیا گیا ہے۔ یہاں صرف ایک مناظرے کی روداد ملک العلماء کی زبان میں قارئین کی نذر ہے:

۱۳۲۶ھ کو میوات کے علاقے میں وہابیوں اور دیوبندیوں نے بہت اودھم مچا رکھا تھا اور بے چارے سیدھے سادے میواتیوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسانا چاہتے تھے کہ جناب مولانا صوفی رکن الدین صاحب الوری نے مولانا مولوی احمد حسین خاں رام پوری مقیم درگاہ معلی اجمیر شریف اندون حجرہ نواب رام پور کو کسی عالم مناظر کو لینے کے لیے بریلی شریف بھیجا، مولوی صاحب بریلی حاضر ہوئے اور اعلی حضرت سے وہاں کے

حالات عرض کیے۔ اس وقت اعلی حضرت نے مجھے یاد فرمایا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھر کا میں وہابیوں نے اودھم مچا رکھا ہے، ان سے مناظرہ کرنا ہے آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جائیے اور وہابیہ کو شکست دیجیے۔ میں نے عرض کیا تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں حضور کی دعا کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شامل حال رہی تو ان شاء اللہ تعالی وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔

اس وقت اعلی حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبہ لا کر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا۔ اعلی حضرت کی دعا اور اس جبہ مبارکہ کی یہ برکت ہوئی کہ وہابیہ کی طرف سے متعدّد صاحبان مناظرہ کے لیے آئے تھے، ان میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جو بقول خود مکہ معظمہ میں تین چار سال قیام بھی کر چکے تھے اور اسی بنا پر بڑے زور سے دعوی کیا تھا کہ تقریریں سب عربی میں ہوں۔ ادھر سے کہا گیا کہ مولانا یہ مجلسِ مناظرہ ہے، دونوں طرف کے عوام بکثرت شریک جلسہ ہوئے ہیں، عربی میں فریقین کی تقریر ہونے سے یہ کیا سمجھیں گے، لیکن وہ نہیں مانے اور اسی پر اصرار کیا۔ ابھی دو تین فریقین کی تقریریں ہوئی تھیں کہ مولوی صاحب موصوف تقریر کرتے کرتے بول اٹھے "والناس می فھمند"۔ مولوی احمد حسین خان صاحب رام پوری نے فوراً ٹوکا: مولانا یہ تو صحیح عربی نہیں ہوئی فصیح عربی "والناس می سمجھند" ہے، کیا ایسی ہی عربی مکہ معظمہ سے سیکھ کر آئے ہیں، اس پر زبردست قہقہہ پڑا اور مولوی صاحب کھسیانے سے ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے بقیہ تقریر اردو میں کی پھر فریقین کی تقریریں عربی کی جگہ اردو ہی میں ہونے لگیں۔

جب ابتدائی مباحث طے ہو گئے اور علمی سوالات کی نوبت آئی تو پہلے ہی سوال کے جواب میں سب وہابیوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے، تقاضے پر تقاضے ہوتے مگر ان کا سکوت نہ ٹوٹا، تین گھنٹے تک سب کے سب خاموش محض رہے، آخر ثالث و حکم صاحب نے کہا: مولانا کچھ تو بولیے، تاکہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقع ملے، اس پر بھی وہ لوگ خاموش محض رہے۔ آخر مجبوراً ان لوگوں نے ہی اعلان کیا: آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں۔ جب علمی باتوں کی نوبت آئی مولانا ظفر الدین صاحب نے جو سوالات کیے۔ ان کے جواب میں ان تمام علما نے سکوت محض سے کام لیا اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹے صرف کر دیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں، ورنہ کسی اور دن کے لیے اٹھا رکھتے۔ ان لوگوں کا مذہب باطل اور مولوی شاہ رکن الدین صاحب و مولوی شاہ ارشاد علی صاحب و مولانا مولوی ظفر الدین صاحب مولوی

احمد حسین خاں صاحب وغیرہ علما کا مذہب حق ہے۔ آپ لوگ آتے وقت دو دروازے سے الگ الگ داخل ہوئے تھے، اب آپ سب لوگ متفق ہو کر اس دروازے سے مولوی ظفر الدین کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جائیے۔ چناں چہ ان چند مولویوں کے سوا بقیہ سب لوگ علماے اہل سنت کے ساتھ ساتھ آئے فالحمد للہ علی ذلک!

جب بخیر و خوبی کامیابی کے ساتھ ہم لوگ بریلی شریف واپس ہوئے اور اعلیٰ حضرت کو اس مناظرے کی روداد سنائی۔ اور ان لوگوں کی خواہش کا اظہار کیا کہ میوات والے چاہتے ہیں کہ مناظرے کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کر دیے جائیں۔ وہ لوگ اس کی طباعت کے مصارف برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسے پسند فرمایا اور اس رسالہ کا تاریخی نام ''یکے نجدیہ کا چپ مناظرہ'' رکھا۔ اور جناب مولانا حسن رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تاریخی نام ''شکست سفاہت'' رکھا۔ چناں چہ یہ رسالہ اسی زمانے میں چھپوا کر تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۲۳، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

خطابت: تقریر و خطابت کا فائدہ عام ہونے کی وجہ سے ملک العلماء نے اس طرف بھی توجہ فرمائی۔ ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے سالانہ جلسہ میں آپ نے پہلی مرتبہ ایک پر زور تقریر فرمائی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور کم از کم مہینے میں ایک یا دو دفعہ ضرور کسی مسجد یا کسی جلسے میں تقریر کر لیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد دوسرے شہروں میں جانے لگے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے تقریباً تمام مشہور شہروں کا سفر کیا۔ آپ کی تقریر بڑی واضح مفید اور مدلل ہوا کرتی تھی۔ اہل علم اور تعلیم یافتہ حضرات میں بڑی مقبول ہوتی۔ آپ کے شاگرد و مرید خاص مفتی عزیز حسین علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت استاذنا العلام ہر چند وعظ میں مثنوی شریف اور اشعار نہیں پڑھتے تھے مگر مضمون اس درجہ واضح اور نفیس، مفید و کار آمد مدلل بیان فرماتے ہیں کہ اہل علم اور تعلیم یافتہ طبقے میں آپ کا وعظ نہایت ہی مقبول ہے۔ آپ تقریروں میں سیرت نبوی علی صاحبہ افضل الصلاۃ والسلام و فرائض و احکام شرع اور بزرگان دین کے حالات بیان فرماتے ہیں۔ مسائل مختلف فیہا کا تذکرہ نہیں فرماتے اور اگر کبھی موقع آ جاتا تو اس انداز سے بیان فرماتے ہیں کہ عوام یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ ہے اس سے پریشان خاطر نہ ہوں۔ واعظان زمانہ کی طرح کوئی تقریر کبھی یاد نہیں کی کہ اسی کو ہر جگہ سنا دیا کرتے ہوں بلکہ ہر تقریر میں نئے مضامین، نئے الفاظ، نئی تراکیب، نئی بندش ہوتی ہے۔ (جہان ملک العلماء، ص:۱۳۴)

حاضر جوابی: ملک العلماء کی حاضر جوابی کے تعلق سے مفتی فیض الرحمٰن اشرفی تحریر فرماتے ہیں:

آپ (ملک العلماء) فرماتے تھے جب کوئی مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہتا ہے تو اس کے سوال کرنے سے پہلے میرے ذہن میں اس کا جواب آجاتا ہے۔ (جہان ملک العلماء، ص:۴۳۵)

ایک دن دو دیوبندی مولوی آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ نے کچھ سنا ہے؟ پوچھا کیا؟ کہنے لگے: مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے سود کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ آپ نے برجستہ جواب دیا: جی ہاں! اس پر مولوی اشرف علی تھانوی کا بھی دستخط ہے۔ وہ دونوں بہت بوکھلائے اور کہنے لگے، کہاں دستخط ہے؟ دکھلائیے۔ آپ نے فرمایا: اعلیٰ حضرت نے جہاں جائز لکھا ہے اس کے نیچے الجواب صحیح کر کے ان کا دستخط ہے۔ آپ وہ فتویٰ دکھائیے میں ان کا دستخط دکھاؤں گا۔ وہ دونوں سٹپٹا کر خاموش ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک مناظرہ میں غیر مقلد مولوی نے کہا: امام ابو حنیفہ کو اماا اعظم کہنا جائز نہیں، یہ شرک ہے، اس لیے کہ اعظم کے معنی ہیں سب سے بڑا، اور سب سے بڑا اللہ ہے۔ آپ نے پوچھا کہ پہلے یہ بتائیے کہ آپ گے بھائی ہیں؟ اس نے کہا چار بھائی۔ آپ نے دریافت کیا: آپ سب سے بڑے ہیں یا چھوٹے؟ اس نے کہا: میں سب سے بڑا ہوں۔ آپ نے فرمایا: آپ مشرک ہو گئے۔ پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا سب بڑا اللہ ہے، ابھی آپ نے کہا کہ غیر اللہ کو سب سے بڑا کہنا شرک ہے، آپ اپنے فتوی سے مشرک ہو گئے۔ لوگوں نے تالی بجادی اور مناظرہ اسی پر ختم ہو گیا (ایضًا)

مشاغل و معمولات:

ملک العلماء صبح سویرے اٹھ کر وضو کر کے گیارہ مرتبہ سورۂ مزمل کی تلاوت کرتے، ہر ایک کے اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود قادریہ، پھر تین مرتبہ سورۂ یٰسٓ شریف پڑھ کر سنت فجر پڑھا کرتے اس کے بعد مسجد جا کر نماز فجر با جماعت ادا کر کے الوظیفۃ الکریمہ کی ہدایت کے مطابق وظیفۂ خاندانی پڑھتے، اس کے بعد قرآن شریف، دعاے سیفی، حزب البحر وغیرہ معمولات خاندانی بجالاتے، پھر ناشتہ سے فراغت کے بعد تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس کے بعد مدرسہ کا وقت ہو جاتا اور آپ درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے۔ مدرسہ کا وقت ختم ہو جانے کے بعد خطوط کے جوابات اور فتوی نویسی کے کام انجام دیتے، دوپہر کے وقت کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کرتے۔ کسی زمانے میں مستقل سونے کی عادی نہ تھے، بس لیٹے ہوئے کتاب دیکھتے اور دیکھتے دیکھتے سو جاتے۔ جب آنکھ کھلتی پھر کتاب میں مشغول ہو جاتے۔ ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد مدرسہ کے وقت میں درس دیتے۔ بعد نماز عصر حسب معمول چائے نوش فرماتے۔ غروب

آفتاب تک لوگوں کی ملاقات کا سلسلہ لگا رہتا۔ کوئی مسئلہ پوچھتا تو کوئی دوسرے علم و فن کی بات کرتا اور آپ ہر ایک کو تسلی بخش جواب دیتے۔ مغرب کی نماز با جماعت ادا کر کے صلاۃ الاوابین پڑھتے، اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتے، عشا کی نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد اوراد خاندانی میں مصروف رہتے۔ اس کے بعد کھانا تناول فرماتے۔ کھانا بالکل سادہ ہوتا، روٹی کے ساتھ دال ضرور ہوتی ان کے علاوہ کبھی سبزی، کبھی گوشت ہوتا۔ ۱۰ ر اور ۱۱ ر کے درمیان سونے کا تہیہ کرتے اور اس وقت جو دعائیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں پڑھ کر ذکر خفی کرتے ہوئے سو جاتے۔ اگر آنکھ ایسے وقت کھلتی کہ تہجد پڑھنے کے بعد جاگتے رہیں اور فجر کی نماز با جماعت پڑھ سکیں تو تہجد پڑھ لیتے اور صبح تک ذکر میں مشغول رہتے اور اگر یہ محسوس ہوتا کہ تہجد پڑھیں گے تو فجر کی نماز با جماعت نہ مل سکے گی تو اس وقت سو جاتے اور نور کے تڑکے اٹھ کر اپنے اعمال و اشغال میں مشغول ہو جاتے۔

عائلی زندگی: ملک العلماء ۱۳۲۵ھ میں مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف سے فراغت کے بعد اسی ادارے میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ دو سال کے بعد ۱۳۲۷ھ کے اواخر میں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ آپ کی اہلیہ رابعہ خاتون منشی محمد واعظ الحق استھانوی پٹنہ کی بڑی صاحب زادی تھیں۔ ان کے بطن سے دو بیٹے اور چھ بیٹیاں تولد ہوئیں۔ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی حیات میں جتنی اولادیں ہوئیں سبھی کے نام انہوں نے تجویز فرمائے۔ یہ ملک العلماء کی اعلیٰ حضرت سے غایت درجہ عقیدت ہے۔

ملک العلماء خود رقم طراز ہیں:

۱۳۲۹ھ میں میں شملہ جامع مسجد میں خطیب تھا کہ مکان سے خط آیا اور اس میں بڑی لڑکی کی پیدائش کی خوش خبری تھی میں نے اس خط کو اور اس کے ساتھ ایک عریضہ لکھ کر بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر کیا، جس میں تاریخی نام کے لیے عرض کیا تھا۔ بہ واپسی ڈاک جواب آیا، جس میں مبارک باد تھی اور بچی کے لیے دعاے خیر و تاریخی نام ''زرینہ خاتون'' (۱۳۲۹ھ) تحریر فرمایا تھا۔ اسی طرح رجب ۱۳۳۳ھ میں دوسری لڑکی پیدا ہوئی تو میں نے پٹنہ سے عریضہ حاضر کیا اور تاریخی نام کی درخواست کی تو'' ولیہ خاتون'' (۱۳۳۳ھ) زبر و بینات سے تاریخی نام تجویز فرمایا۔ پھر عزیزی مختار الدین سلمہ کے بعد (۱۳۳۹ھ) کو سہسرام میں لڑکی پیدا ہوئی میں نے اس کی ولادت کی خبر دی اور تاریخی نام کے لیے عرض کیا حضور نے ربیع خاتون (۱۳۳۹ھ) تاریخی نام تجویز فرمایا۔ (حیات اعلی حضرت، ۱/ص:۲۴، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

پہلی بچی زرینہ خاتون کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا جو عالم شیر خوارگی میں انتقال کر گیا۔ قیام سہسرام کے دوران ۱۳۳۶ھ میں صاحب زادہ مختار الدین احمد کی ولادت ہوئی تو اعلی حضرت نے مبارک باد کا تار

دیا، مکتوب تحریر فرمایا، اور ملک العلماء کی گزارش پر تاریخی نام مختار الدین (۱۳۳۶ھ) تجویز فرمایا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد تین صاحب زادیاں پیدا ہوئیں: (۱) صفیہ خاتون (۱۳۴۲ھ) (۲) شمیمہ خاتون (۱۳۴۵ھ) (۳) نعیمہ خاتون (۱۳۴۸ھ)

ایک صاحب زادی ولیہ خاتون پانچ سال کی عمر میں ۲۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۵/ اگست ۱۹۲۰ء میں انتقال کرگئیں۔ ملک العلماء نے مرحومہ کو ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ بارش میں عریاں پریشان ہیں۔ اعلی حضرت سے اس خواب کی تعبیر چاہی تو اعلی حضرت نے تسلی دی اور فرمایا کہ خواب مبارک ہے:

بچی مرحومہ کو جس طرح خواب میں دیکھا جاتا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ بہت مبارک ہے۔ نہانا رحمت و برکت ہے اور برہنگی دلیل حاضریِ بارگاہ ہے کہ دربار عزت میں حاضری یوں ہی ہوگی **قال اللہ تعالیٰ:** «لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ »[الکھف:۴۸] و قال ﷺ: «انکم تحشرون حفاۃ عراۃ» اور دیکھنے والے کو تصحیح اعمال کی تنبیہ و انذار ہے۔ قال ﷺ: «أنا النذير العريان». حضرت سرمد کا شعر ہے:

پوشاندہ لباس ہر کرا عیبے دید بے عیباں را لباس عریانی داد

والسلام

(حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۲۹۹، قادری کتاب گھر، بریلی)

آپ کی اہلیہ محترمہ رابعہ خاتون کا وصال ۷۵/ سال کی عمر میں ۸/ رجب ۱۳۸۸ھ/۱۲/ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں آپ کے وصال کے چھ سال بعد ہوا اور درگاہ شاہ ارزاں میں آپ کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ رحمھا اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ.

خوراک: آپ کھانے کے شوقین نہیں تھے جو کچھ پک گیا بے عذر خوشی سے کھالیا، کبھی کسی کھانے کی فرمائش نہیں کرتے، ہاں بچوں کی خاطر یا کوئی مہمان آگیا تو اس کی خواہش کے مطابق کھانا پکوانے کی کوشش کرتے، کسی کھانے کی برائی نہیں کرتے، اگر کھانا بہت مزے دار ہوتا تو تعریف کرتے ورنہ خاموش رہ جاتے۔ گیہوں کی روٹی اور بکرے کا قورمہ بہت پسند کرتے اور فرماتے کہ یہ اعلی حضرت کی غذا تھی۔ آپ اکثر فرماتے تھے مجھے پر تکلف کھانوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ دو تین، غایت درجہ چار پانچ قسم کی چیزیں دسترخوان پر اچھی معلوم ہوتی ہیں اور بہت زیادہ چیزوں سے وحشت ہوتی ہے، ایسے کھانے کم مصرف میں آتے ہیں زیادہ ضائع ہوتے ہیں۔

بیعت و خلافت: بریلی شریف آنے سے پہلے ہی آپ کے دل میں اعلی حضرت کی عزت بیٹھ چکی

تھی، مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھنے کے زمانے میں برابر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے فیوض و برکات حاصل کرتے اور ایک طرح اپنے آپ کو مرید و حلقہ بگوش سمجھتے مگر روز بروز جذبۂ شوق تیز ہوتا گیا اور یہ تمنا ہوئی کہ باقاعدہ بیعت کا شرف حاصل کروں۔ لہذا یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ کو آپ اعلیٰ حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور رسالہ مبارکہ ''کشف القلوب''، مصنفہ تاجدار مارہرہ مطہرہ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ اور رسالہ ''عوارف المعارف'' اور رسالہ ''قشیریہ'' و رسالہ ''التعرف لمعرفۃ التصوف'' مصنفہ حضرت ابراہیم کلاباذی بخاری، اعلیٰ حضرت سے پڑھنا شروع کیا اور حسب تعلیم، وظائف و اعمال قادریہ برکاتیہ میں مشغول ہوئے۔

جب ان چیزوں کو بقدر ضرورت حاصل کر لیا تو اعلیٰ حضرت نے ۱۳۲۵ء میں خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک کے موقع پر دستار خلافت سے مشرف فرمایا اور بیعت وارشاد کی اجازت دی۔

وفات: ۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/۱۸/ نومبر ۱۹۶۲ء شب دوشنبہ ذکر جہر اللہ اللہ کرتے اپنی جان جان آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ جن سے آپ کو فردوسی، شطاری، سہروردی اور کچھ مزید سلسلوں میں خلافت و اجازت حاصل تھی حسن اتفاق سے تشریف لے آئے اور انھی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ گیارہوی صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں (م ۱۰۲۸ھ) کی درگاہ سے متّصل محلہ شاہ گنج کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ ''فاضل بہار'' (۱۳۸۲ھ) مادۂ تاریخ وصال ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مرقد پر رحمت و غفران کی بارش برسائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

——*

امام احمد رضا اور مبلغِ اسلام

از: مولانا کمال احمد علیمی
استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی

امام احمد رضا کے خلفا میں جس مقدس ذات نے عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا، وہ مبلغِ اسلام **علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی** علیہ الرحمہ کی ہستی ہے۔ ہندوستان میں مبلغِ اسلام، سفیرِ اسلام، سفیرِ پاکستان، سیاحِ عالم جب کہ افریقہ یورپ اور عرب ممالک میں الطبیب الھندی کے القاب سے مشہور تھے۔ آپ بیک وقت عالم، فاضل، صوفیِ کامل، مقرر و خطیب، مصنف و ادیب، حکیم و طبیب تھے۔ آپ کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ بے مثل مناظر اور بلند پایہ دانش ور و مفکر تھے۔ (۱)

آپ ۳/ اپریل ۱۸۹۲ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ درسِ نظامی کی سند جامعہ قومیہ میرٹھ سے حاصل کی۔ ۱۹۱۷ء میں ڈویژنل کالج میرٹھ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ بچپن ہی سے روحانیت سے دلچسپی تھی اور کچھ گھر کے پاکیزہ ماحول کا تقاضا تھا۔ (۲) چناں چہ آپ کالج کی چھٹیوں میں اپنی روحانی تسکین کا سامان کرنے کے لیے اس دور کے ممتاز عالمِ دین امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی بارگاہِ ناز میں حاضری دیتے تھے۔ (۳)

اعلیٰ حضرت سے آپ کو حد درجہ عقیدت تھی۔ چناں چہ آپ ہر وقت، ہر جگہ، ہر سوسائٹی اور ہر ماحول میں اعلیٰ حضرت کی یاد سے سرشار رہتے اور ہمیشہ آپ کے ذکرِ جمیل سے دل و دماغ معطر رکھتے۔ اعلیٰ حضرت ہی کے ایما پر مبلغِ اسلام نے اپنا تبلیغی سفر شروع فرمایا جیسا کہ مولانا محمد امین نورانی رقم طراز ہیں:

"مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ اپنے مرشد گرامی (شیخ اجازت) کے حکم کو سن کر بیرونِ ملک تشریف لے گئے اور حیاتِ مستعار کے آخری لمحوں تک تبلیغِ اسلام کرتے رہے۔" (۴)

مبلغِ اسلام نے تقریباً پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا۔ بڑے بڑے عقلا اور فلاسفہ سے ملاقات کی لیکن آپ کسی سے اتنا متاثر نہیں ہوئے جتنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ دنیا کے کسی گوشے میں ہوتے جب بھی کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا فوراً استفتا کی شکل میں اپنے شیخ کی بارگاہ میں روانہ فرماتے۔ چناں چہ تصویر سے متعلق آپ نے ایک استفتا روانہ فرمایا تھا

جس کا جواب امام احمد رضا نے ایک رسالے کی شکل میں دیا تھا۔ وہ استفتا اور فتویٰ، فتاویٰ رضویہ ج نہم (قدیم) میں موجود ہے۔

ان دونوں بزرگوں کی یہ محبت یک طرفہ نہیں تھی، بلکہ جس طرح مبلغِ اسلام کو اعلیٰ حضرت سے غایت درجے کی عقیدت تھی اسی طرح امام احمد رضا بھی آپ پر کافی شفقت فرماتے تھے۔ امام احمد رضا کے نزدیک مبلغِ اسلام کا جو وقار تھا اور جس نگاہِ لطف و کرم اور نظرِ شفقت سے آپ کو دیکھتے تھے اس کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ مبلغِ اسلام کے نام کو اپنے اسمِ گرامی کے ساتھ ضم فرما کر دلی تعلق اور لگاؤ کا اظہار فرماتے ہوئے آپ کو علیم الرضا کے پیارے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ (۵) مصنف حیاتِ علیمِ رضا فرماتے ہیں:

"آپ کا شمار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے خاص خلفا میں سے تھا۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو "علیم الرضا" کے لقب سے بھی مشرف فرمایا۔"(۶)

اسی طرح اعلیٰ حضرت کو اپنے اس خلیفہ کے علم و دانائی پر ناز اور آپ کے علمی رسوخ پر مکمل اعتماد تھا۔ آپ سے اعلیٰ حضرت کس قدر محبت کرتے اور آپ پر کس قدر اعتماد کرتے تھے وہ اعلیٰ حضرت کے اس شعر سے واضح ہوتا ہے جو آپ نے الاستمداد میں تحریر فرمایا:

عبدِ علیم کے علم کو سن کر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں (۷)

مذکورہ بالا شعر آپ کے علم و فضل کی سند اور آپ کی بلندیِ فکر و نظر کی واضح دلیل ہے؛ کیوں کہ یہ امر سب پر عیاں ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نہ تو بے جا کسی سے تعریف سننے کے عادی تھے اور نہ ہی کسی کی بلا وجہ تعریف کرتے۔ چناں چہ آپ کے ممدوحین کی فہرست دیکھ لیجیے آپ کے جتنے بھی ممدوحین ہیں، سب اپنے اپنے وقت کے جید عالمِ دین اور بحرِ اسرار و معرفت کے ماہر شناور تھے۔ آپ نے جن مقدس ذواتِ طیبہ کی تعریف میں منقبتیں کہی ہیں، ان میں علامہ فضلِ رسول بدایونی، علامہ عبد القادر بدایونی، سید شاہ آلِ رسول احمدی اور سید ابوالحسین احمد نوری کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں کا ہر فرد لائقِ صد ستائش اور ہزار تعریف کا اہل ہے۔ ایسے میں اعلیٰ حضرت کا اپنے اس چہیتے خلیفہ کے علم کی اتنی تعریف ایک طرف آپ کے راسخ فی العلم ہونے کی اعلیٰ سند ہے تو دوسری طرف امام احمد رضا کی اصاغر نوازی کا منہ بولتا ثبوت بھی۔

مبلغِ اسلام کی عادتِ کریمہ تھی کہ دور دراز کے سفر سے جب بھی واپس آتے سب سے پہلے اپنے مرشدِ برحق کی بارگاہ میں حاضری دیتے۔ چناں چہ ۱۹۱۹ء میں جب آپ سفر حرمینِ طیبین سے واپس آئے تو

اپنے پیر و مرشد کی شان میں ایک قصیدہ تحریر فرمایا جس کا ایک ایک لفظ آپ کی اپنے مرشد سے عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔ اس واقعے کو ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی زبانی سنیے:

"انہی (جناب سید ایوب علی صاحب) کا بیان ہے کہ علامہ شیریں زبان واعظ خوش بیان مولانا مولوی حاجی قاری شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی قادری رضوی میرٹھی حرمینِ طیبین سے واپسی پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مندرجہ ذیل منقبت نہایت ہی خوش آوازی سے پڑھ کر سنائی:

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو

غریقِ بحرِالفت، مستِ جامِ بادۂ وحدت
محبِ خاص، منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہلِ طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو

یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ وکعبہ
جو قبلہ اہلِ قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

مزین جس سے ہے تاجِ فضیلت تاج والوں کا
وہ لعلِ پُرضیا تم ہو وہ دُرِّ بے بہا تم ہو

عرب میں جاکے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو

ہیں سیّارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں
وہ قطبِ وقت اے سرخیلِ جمعِ اولیا تم ہو

عیاں ہے شانِ صدیقی تمھاری شانِ تقویٰ سے
کہوں اتقیٰ نہ کیوں کر جب کہ خیرالاتقیا تم ہو

جلال وہیبتِ فاروقِ اعظم آپ سے ظاہر

عدو اللہ پر اک حربۂ تیغِ خدا تم ہو
اشدّاء علیٰ الکفّار کے ہو سر بسر مظہر
مخالف جس سے تھرائیں وہی شیرِ وغا تم ہو
تمھی نے جمع فرمائے نکات و رمزِ قرآنی
یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمان کا تم ہو
خلوصِ مرتضیٰ، خلقِ حسن، عزمِ حسینی میں
عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو
تمھی پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں
امامِ اہلِ سنت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو
بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے
بھکاری کی بھرو جھولی گدا کا آسرا تم ہو
وفی اموالہم حقٌّ ہر اک سائل کا حق ٹھہرا
نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے باسخا تم ہو
علیمِ خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانے کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

جب مولانا اشعار پڑھ چکے تو حضور نے ارشاد فرمایا: مولانا! میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں، (اپنے عمامہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے جو بہت قیمتی تھا، فرمایا) اگر اس عمامہ کو پیش کروں تو آپ اس دیارِ پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ آپ کے قدموں کے لائق بھی نہیں، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے، وہ حاضر کیے دیتا ہوں اور کاشانۂ اقدس سے سرخ کاشانی مخمل کا جبہ مبارکہ لاکر عطا فرمادیا جو ڈیڑھ سو روپے سے کسی طرح کم قیمت کا نہ ہوگا۔ مولانا ممدوح نے سروقد کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ پھیلا کر لے لیا، آنکھوں سے لگایا، لبوں سے چوما، سر پر رکھا، سینے سے دیر تک لگائے رہے۔(۸)

مذکورہ بالا واقعے سے چند امور معلوم ہوئے:

(ا) مبلغِ اسلام کو اعلیٰ حضرت سے نہایت عقیدت تھی کہ مدینہ طیبہ کی حاضری کے بعد آپ نے اعلیٰ

حضرت کی بارگاہ میں حاضری دی جس سے معلوم ہوا کہ کعبۂ ایمان کے بعد آپ کو سب سے زیادہ محبت وعقیدت اپنے شیخ ہی سے تھی۔

(۲) مذکورہ منقبت میں اعلیٰ حضرت کے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ مبنی بر حقیقت ہیں۔ اس میں نہ تو مبالغہ آرائی ہے اور نہ ہی زمین وآسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اعلیٰ حضرت کے سامنے آپ کی بے جا تعریف کرتا اور آپ اس پر خاموش رہتے۔ ایسی متواضع اور منکسر المزاج ذات کا ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مبلغِ اسلام نے منقبت میں حقیقت بیانی سے کام لیا تھا۔

(۳) مبلغِ اسلام کوئی بے علم وہنر نہیں تھے کہ اندھی تقلید میں اپنے شیخ کی تعریف میں بے جا مبالغہ آرائی کرتے، اس لیے مبلغِ اسلام کا اس والہانہ انداز میں آپ کی مدح سرائی کرنا، اگر ایک طرف آپ کے حسنِ عقیدت کی روشن دلیل ہے تو دوسری طرف امام احمد رضا کے امامِ اہلِ سنت ہونے کا واضح ثبوت بھی۔

(۴) امام احمد رضا جو دوسخا کے بحرِ ناپید اکنار تھے جب سخاوت پر آجاتے تھے تو اپنا سب سے قیمتی سرمایہ بھی لٹا دیتے تھے اور کیوں نہ ہو:

وفی اموالہم حقٌ ہر اک سائل کا حق ٹھہرا
نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے باسخا تم ہو

(۵) اعلیٰ حضرت کا یہ فرمانا کہ ’’ آپ اس دیارِ پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ آپ کے قدموں کے لائق بھی نہیں۔ ‘‘ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے مبلغِ اسلام کو جو اپنا قیمتی جبہ عطا کیا تھا اپنی تعریف وتوصیف سن کر نہیں بلکہ صرف اور صرف اس ناتے کہ آقاے کریم علیہ السلام کی مقدس گلیوں کی آبلہ پائی کر کے آنے والے مسافر کے دل کو زیادہ سے زیادہ خوش کیا جا سکے۔ اس سے آپ کے عشقِ رسول کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے سر کے عمامہ کو زائرِ طیبہ کے قدموں کی دھول کے برابر بھی نہیں شمار کرتے ہیں۔ چناں چہ مولانا محمد امین نورانی تحریر فرماتے ہیں:

’’مذکورہ بالا الفاظ سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے کتنی عقیدت تھی اور دوسری طرف مولانا عبد العلیم سے جو شفقت ومحبت تھی وہ بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے جبہ مرحمت فرمانے کے بعد آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔‘‘ (۹)

حوالہ جات

(۱)عہدِ رواں کی ایک عبقری شخصیت: محمد امین نورانی، ص ۱۴، مطبوعہ بزمِ انوار القرآن کراچی۔
(۲) یادوں کے نقوش: ص ۱۷، مطبوعہ: مکتبہ اہلِ سنت لاہور۔
(۳)مبلغِ اسلام حیات وخدمات: ص ۱۵، مطبوعہ نورانی مشن نوجوانانِ اہلِ سنت جمد اشاہی۔
(۴)عہدِ رواں کی ایک عبقری شخصیت: ص ۱۶۔
(۵)مبلغِ اسلام: حیات وخدمات: ص ۱۸۔
(۶) حیاتِ علیمِ رضا: ص ۱۲۔
(۷) عہدِ رواں کی ایک عبقری شخصیت: ص ۱۶۔
(۸)حیات اعلیٰ حضرت: ص ۱۷۶، ۱۷۸، مطبوعہ مرکز برکاتِ رضا پور بندر گجرات۔
(۹) عہدِ رواں کی ایک عبقری شخصیت: ص ۱۶

امام احمد رضا اور مبلغِ اسلام

(شرعی سوالات وجوابات کے تناظر میں)

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی

بانی رکن المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور

مبلغِ اسلام سفیرِ رضا حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی رضوی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفیٰ: ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء) جماعتِ اہلِ سنت کی ایک قدآور شخصیت کا نام ہے جنھوں نے تبلیغِ اسلام کے تعلق سے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، ان کی مثال ان کے عہد سے لے کر آج تک دیکھنے سننے میں نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی جس سے جو کام چاہے لے لے۔ دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں چن لیا تھا۔ جس بے لوثی سے آپ نے تبلیغ ودعوت کا کام کیا ہے وہ آج کے دور میں ہمارے لیے درسِ عبرت ہے۔ آج جب کہ وسائل کی فراوانی ہے ہم ان کے نقشِ قدم پر چل کر دعوتِ اسلام کا کام کریں تو بڑے اچھے نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ صوفیہ عظام نے قریہ قریہ، جنگل جنگل دشوار گزار اسفار اختیار کر کے اسلام کو فروغ دیا۔ دنیا میں آج اسلام کی جو روشنی پھیلی ہوئی ہے وہ صدقہ ہے انہی اولیا و صوفیہ کی مساعی کا۔ علما کی صف میں صوفیہ کا کردار نبھانے والی ایک ذات ہے مبلغِ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کی جنھوں نے بیرونِ ملک کی خاک چھان کر دیہات اور جنگلوں میں جاکر اسلام کا تعارف کرایا اور دنیا کے بہت سے خطوں میں اسلام کی حقانیت کا جھنڈا لہرایا۔ افسوس! تاریخ کے صفحات پر آپ کا نام جس نمایاں طریقے سے دیا جانا چاہیے تھا، نہیں دیا گیا۔ ضرورت ہے کہ ان خطوں کا دورہ کیا جائے جہاں حضرت مبلغِ اسلام کے قدم پڑے ہیں اور جہاں آپ نے اسلام کا چراغ جلایا ہے اور دینِ حق کی روشنی بکھیری ہے، اور وہاں کے لوگوں سے جس قدر معلومات فراہم ہوسکیں انھیں راوی کے ناموں کے ساتھ قیدِ تحریر میں لایا جائے تو ان کی مساعیِ جمیلہ کا ایک اچھا خاصا نقشہ سامنے آسکتا ہے۔ ان کا اندازِ تبلیغ کیا تھا، ان کے اندر تبلیغِ دین کی کیا تڑپ تھی، اس راہ میں کیا کیا قربانیاں آپ نے پیش کیں؟ یہ ساری باتیں پردۂ خفا سے منصہ شہود

پر آسکتی ہیں۔ انھوں نے دنیا کے مختلف علاقوں میں اسلامی سینٹر اور مساجد کی بنیادیں ڈالی ہیں، بہت سے مدارس بھی قائم کیے ہیں ان سب کو متحد کرنے اور ایک لڑی میں پرونے کی ضرورت ہے تا کہ ان اداروں کے موجودہ نظام پر نظر ڈال کر انھیں فروغ دیا جاسکے اور ان کی ضرورتیں بھی پوری کی جاسکیں۔ یہ کام ہندوستان سے بھی ہوسکتا ہے اور پاکستان سے بھی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ورلڈ اسلامک مشن اس ذمے داری کو سنبھال لے تو کام بہت بہتر طریقے سے انجام پا سکتا ہے۔ نئے کام کی داغ بیل ڈالنے سے زیادہ اہم اور مفید یہ ہے کہ ہمارے جو مراکز ہمارے اسلاف خصوصاً حضرت مبلغِ اسلام نے قائم کیے ہیں انھیں زندہ اور فعال بنایا جائے۔ خدا کرے میری یہ تجویز کسی دردمند کے دل میں اتر جائے اور اس سلسلے کی ہماری بھولی بسری یادیں یک جا ہو جائیں اور صرف یادیں یک جا نہ رہیں بلکہ مرجھائے پودوں میں پانی بھی پڑ جائے اور وہ سب ہرے بھرے ہو جائیں اور ان اداروں کے قیام کا مقصد بھی پورا ہو۔

ہر آدمی کے لیے جیسے تعلیمی میدان میں رہنمائی کے لیے اساتذہ کا انتخاب ضروری ہوتا ہے کہ بغیر اس کے کاروانِ علم کو آگے بڑھایا ہی نہیں جاسکتا، یوں ہی روحانی دنیا میں ترقی کرنے کے لیے روحانی پیشواؤں سے نسبتِ بیعت ضروری ہوتی ہے۔ پھر بیعت کے بعد اجازت و خلافت کا نمبر آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب یہ مرید دوسرے طالبینِ سلوک و طریقت کو بھی مرید کر کے سلسلے کے روحانی فیضان سے سرشار کر سکتا ہے۔ حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ علم و فضل کے ساتھ روحانی دنیا میں بھی بلند مقام کے حامل تھے۔ ساتھ ہی آپ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قادری برکاتی قدس سرہ سے بھی روحانی نسبت حاصل کی اور ان سے اجازت و خلافت کا تمغہ پایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنے عہد کے مجدد تھے، علم و فضل کے کوہِ گراں تھے اور روحانیت کے بھی تاجدار تھے۔ بڑے بڑے علما و صوفیہ آپ کی بارگاہ میں اکتسابِ فیض کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ بھی جب عقیدت کیشوں میں شامل ہو چکے تھے تو اکثر معاملات میں استصوابِ رائے فرماتے اور اعلیٰ حضرت کے فیصلوں پر عمل کرتے چنانچہ کئی معاملات میں متعدد بار اعلیٰ حضرت سے رجوع کیا اور جواب پا کر اس پر عمل پیرا رہے اور دوسروں کو بھی دعوتِ عمل دی۔

ایک بار آپ نے ممبئی سے ایک مسجد کے متولیان کی طرف سے سوال بھیجا جس میں گورنمنٹ کی طرف سے زائد رقم ملنے اور اس کے لیے مسجد کے فنڈ میں شامل کرنے کا معاملہ پیش کیا تھا۔ یہ سوال ۱۵ صفر ۳۷ھ کا ہے یعنی اعلیٰ حضرت کے وصال سے تین سال دس روز قبل کا ہے، اس کا جواب اعلیٰ

حضرت نے ارقام فرمایا، وہ یہ ہے:

بینک کی زائد رقم کا شرعی حکم

الجواب: سود حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :وَحَرَّمَ الرِّبٰوا(اور حرام کیا سود، سورۂ بقرہ:۲ / ۲۷۵)مسجد اسے قبول نہیں کر سکتی۔ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :ان اللہ طیب لایقبل الا الطیب (اللہ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے)مسجد کے دفتر میں اسے سود کے نام سے جمع کرنا اسے نجاست سے آلودہ کرنا ہے ،قیمت (نوٹ کی) اگر گھٹ گئی کوئی مال مسجد (گورنمنٹ نے) نہ لیا، جس کے تاوان میں یہ رقم (زائد)لی جائے ،ملازم کورٹ کو اس کا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ کسی طرح اس روپے کا مستحق نہیں رہا۔ سود سمجھ کر لینے کا جواب تو یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں اگر اسے سود نہ سمجھیں، نہ سود کہیں ،نہ سود کے نام سے دفترِ مسجد میں جمع کریں بلکہ یہ جانیں کہ گورنمنٹ اپنی خوشی سے بغیر ہمارے غدر (بدعہدی) کے (کہ شرعاً حرام ہے)ایک مال زائد ہمیں مسجد کے لیے دیتی ہے تو اس کے لینے اور مسجد میں صرف کرنے اور دفتر مسجد میں بنام (رقم زائد از گورنمنٹ) لکھنے میں کوئی حرج نہیں ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی (اعمال کا مدار تو نیت ہی پر ہے اور آدمی کے لیے وہی ہے جو نیت کی۔)واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رضویہ: ج۷، ص۱۲۵۔۱۲۶، رضا اکیڈمی)

اس فتوے سے یہ مسئلہ بھی بالکل واضح ہو گیا کہ کافر گورنمنٹ کی طرف سے جو زائد رقم مسلمان کو ملے وہ سود ہی نہیں اس لیے اس کو لینا جائز ہے حتی کہ اس کو سود کہنا بھی جائز نہیں ۔ جب نہ وہ سود، نہ اسے سود کہنا جائز تو لینے میں کیا حرج ؟نام بدلنے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل جاتی۔ گورنمنٹ کا اسے سود کہنا اپنا فعل ہے ہمیں اسے سود سمجھنا جائز نہیں ۔اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ بینکوں میں جو رقم جمع کی جاتی ہے، اس پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ جائز ہے۔ اس کو اپنے مصرف میں لگا سکتے ہیں۔

اور ایک اہم استفتا اور اس کا جواب فتاوی رضویہ جلد نہم (۹) جو پہلے دہم کے نمبر سے شائع ہوئی تھی، میں ہے، اسے بھی ملاحظہ کیا جائے:

پاسپورٹ کے لیے فوٹو کا حکم:

از:ڈربن، ناٹال، جنوبی افریقہ مسئولہ مولوی عبدالعلیم صاحب قادری برکاتی رضوی میرٹھی، ۲۱صفر ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام . حکومت کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان سے باہر جانا چاہے یا باہر سے ہندوستان آنا چاہے تو اس کو گورنمنٹ سے ایک اجازت نامہ جس کو بزبان

انگریزی ''پاسپورٹ'' کہتے ہیں، لینا ضروری ہو گا ورنہ داخلہ خارجہ کی اجازت نہ دی جائے گی۔ یہ اجازت نامہ نہیں مل سکتا تاوقتیکہ ایک تصویر کم ازکم نصف حصہ اعلیٰ بدن کی، اجازت لینے والا داخل کرے۔ اس تصویر کی تین نقلیں ہوں گی جو تینوں بھیجی جائیں گی، دو گورنمنٹ میں محفوظ رہیں گی اور ایک اجازت نامے کے ساتھ واپس مل جائے گی جس کا اجازت گیرندہ (اجازت لینے والے) کو اپنے ساتھ رکھنا ضروری ہے۔ بعض اشخاص مسلمین اپنے اہل وعیال سے دور، بعض تجارتی کاروبار میں مبتلا کہ نقل وحرکت کے بغیر چارہ نہیں، بعض علما کو اعلاے کلمۃ الحق (کلمۂ حق بلند کرنے) کے لیے باہر جانے یا جاکر واپس آنے کی ضرورت، ایسی اشد شدید ضروریات میں کہ جہاں بعض شکلوں میں سخت ترین دینی نقصانات بھی ہیں۔ اجازت لینے کی غرض سے نصف حصۂ اعلیٰ بدن (جسم کے نصف حصہ بالا) کی تصویر کھینچوانا بذریعہ فوٹو گراف جائز ہے یا نہیں اور اس اجازت نامے کو اپنے پاس رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

الجواب: شک نہیں کہ ذی روح کی تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام ہے، اگرچہ نصف اعلیٰ بلکہ صرف چہرے کی ہو کہ تصویر چہرے ہی کا نام ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی (الصورۃ الرأس) (یعنی تصویر تو سر ہی کی ہے) اگرچہ ان کے پاس رکھنے میں اختلاف ہے اور صحیح ومعتمد یہ کہ ان کا بھی رکھنا حرام ہے جیسا پوری تصویر کا، مگر جب کہ اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھنے سے اعضا کی تفصیل نظر نہ آئے یا ذلت وخواری کی جگہ مثلاً فرش پا انداز (پیر پڑنے والے فرش) میں ہو یا چہرہ بگاڑ دیں، کاٹ دیں یا محو کر دیں کہ ان صورتوں میں پوری تصویر بھی رکھنی جائز ہے یا ضرورت ومجبوری ہو جیسے سکے کی تصویریں۔ اس کی کامل تحقیق ہمارے رسالہ عطایا القدیر فی حکم التصویر (۱۳۳۱ھ) میں ہے اور ان صورتوں میں اگرچہ رکھنا جائز ہے، کھینچنا ان کا بھی حرام ہے لاطلاق نصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی احادیث متواترہ ثم اطلاق الائمۃ فی کتب متکاثرہ (اس لیے کہ حضور سے اس سلسلے میں مطلق بکثرت نصوص وارد ہیں پھر ائمہ نے بھی کثیر کتب میں اسے مطلق ہی رکھا ہے۔)

اور جس کا کھینچنا حرام ہے کھنچوانا بھی حرام ہے، شرعِ مطہر کا قاعدہ ہے: مَاحَرُمَ اَخْذُہٗ حَرُمَ اِعْطَاءُہٗ. (جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام)

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.

(اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔ کنز: مائدہ:۵/۲)

وقال تعالیٰ: كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ.
(جو بری بات کرتے آپس میں ایک دوسرے کو نہ روکتے، ضرور بہت ہی برے کام کرتے تھے۔ کنز: مائدہ:۷۹/۵)

مگر مواضعِ ضرورت (ضرورت کے مواقع) مستثنیٰ رہتے ہیں: الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں) اور حرجِ بین (جو حرج بالکل واضح ہو) وضرورت ومشقتِ شدیدہ کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔ کنز: الحج:۷۸/۲۲)

لاضرر ولا ضرار (نہ نقصان اٹھانا نہ نقصان پہنچانا (مسند امام احمد:۳۱۳/۱)

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، کنز۔ بقرہ:۱۸۵/۲)

ہاں مجرد تحصیلِ منفعت کے لیے کوئی ممنوع مباح نہیں ہو سکتا مثلاً جائز نوکری تیس روپے ماہوار کی ملتی ہو اور ناجائز ڈیڑھ سو روپے مہینے کی تو اس ایک سو بیس روپے ماہانہ نفع کے لیے ناجائز کا اختیار حرام ہے۔ فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے:

رجل أجر نفسه من النصارى لضرب الناقوس كل يوم بخمسة دراهم و يعطى فی عمل آخر كل يوم درهم عليه ان يطلب الرزق من موضع آخر. (ایک آدمی نے اپنے کو نصاریٰ کی طرف سے ناقوس بجانے کے لیے یومیہ پانچ درہم کی اجرت پر اجیر کیا لیکن دوسرے کام میں اس کو روزانہ ایک درہم اُجرت پر کام ملتا ہے تو اس کو چاہیے کہ دوسری جگہ سے رزق حاصل کرے۔)

اس سوال کے ورود (آنے) پر ہم نے ایک رسالہ جلی النص فی اماکن الرخص (۱۳۳۷ھ) تحقیقاتِ جلیلہ پر مشتمل لکھا، ان تمام مباحث کی تنقیح وتشریح اس میں ہے۔ تصویر کھینچوانے میں معصیت بوجہِ اعانتِ معصیت ہے، پھر اگر بخوشی ہو تو بلاشبہہ خود کھینچنے ہی کی مثل ہے۔ یوں ہی اگر اسے کھینچوانا مقصود نہیں بلکہ دوسرا مقصد مباح مثلاً کوئی جائز سفر مگر قانوناً تصویر دینی ہوگی تو اگر وہ مقصد، ضرورت وحاجت صحیحہ موجب حرام وضرر ومشقتِ شدیدہ تک نہ پہنچا جب بھی ناجائز، کہ منفعت کے لیے ناجائز، جائز نہیں ہو سکتا اور اگر یہ حالت ہے تو ایسی صورت میں فعل کی نسبت فاعل پر مقتصر (محدود) رہتی ہے اور یہ اس نیت سے بری اور اپنے اوپر سے دفع حرج وضرر کا قاصد (چاہنے والا) ہونے کے سبب

لَاتَزِرُوَازِرَۃٌ وِّزْرَاُخْرٰی (اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ الانعام:۶/۱۶۴)

اور إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ مانوى (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کے لیے اس کی نیت کا حکم ہے۔ بخاری:۱/۲) کا فائدہ پاتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

ماذكرانه لايتوصل الى الحج الابارشاء هم فتكون الطاعة سبب المعصية فيه نظر بل الاثم في مثله على الآخذلاالمعطى على ماعرف من تقسيم الرشوة فى كتاب القضاء .(فتح القدیر: کتاب الحج، ۲/۳۲۹)

(جو کچھ یہ ذکر کیا گیا کہ حج کی ادائیگی کا سوائے رشوت دینے کے اور کوئی ذریعہ نہیں تو پھر اس صورت میں طاعت، گناہ کا سبب ہو جائے گی، یہ قابلِ غور ہے بلکہ اس قسم کے مسائل میں گناہ لینے والے پر ہے نہ کہ دینے والے پر۔ الخ)

اہل وعیال کے پاس جانے یا انھیں لانے کی ضرورت بے شک ضرورت ہے، رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ہرگز یہ حکم نہ دے گی کہ تصویر (نہ) لیں تم یہیں رہو اور انھیں سمندر پار پڑا رہنے دو کہ نہ تم ان کی موت وحیات میں شریک ہو سکو، نہ وہ تمھاری۔

تجارت اگر پہلے سے وہاں تھی اور اب اسے قطع کر کے مال وہاں سے لانے کے لیے ایک بار جانا ہے، اگر نہ جائے تو مال جائے، تو یہ بھی صورتِ اجازت ہے کہ شرع میں مال شقیقِ نفس (جان کا بھائی) ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَاتُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا. (ان کے مال نہ دو جو تمھارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمھاری بسر اوقات کیا ہے۔ کنز، النساء:۴/۵)

اور اگر تجارت قائم رکھنے کو جانا ہے مگر ایک ہی بار کہ پھر توطّن (بسنے) کا ارادہ ہے، یا بار بار مگر تصویر اول ہی بار لی جائے گی تو یہ بھی جواز میں ہے کہ ایک بار جانے سے چارہ نہیں اور اگر ہر بار تصویر دینی ہوگی تو دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ذریعۂ رزق وہی تجارت ہے اور وہ تجارت وہیں چلتی ہے، اگر یہاں مال اٹھا لائے بے کار جائے یا نقصان شدید اٹھائے تو یہ پھر حرج وضرر کی صورت میں آگیا۔ والحرج مدفوع (حرج شرعاً دفع کیا جاتا ہے) اور اگر اس کے قطع میں معتدبہ ضرر نہیں یا وہ تجارت یہاں بھی چلے گی اگرچہ نفع کم ملے گا تو صرف بغرضِ قطع (ختم کرنے کے لیے) ایک بار جانے کی اجازت ہے دوبارہ کی نہیں کہ منفعت

کے لیے ناروا، روا کرنا، ناروا ہے۔ اعلاے کلمۃ اللہ کی تین صورتیں ہیں اگر کچھ کافروں نے وہاں سے اسے لکھا کہ ہم تمھارے ہی ہاتھ پر مسلمان ہوں گے آکر ہمیں مسلمان کرلو۔ تو لازم ہے کہ جائے کہ اس کے لیے فرض نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہوتا ہے۔

حدیقۂ ندیہ بحث آفات الید میں ہے:

لو قال ذمی للمسلم اعرض علی الاسلام یقطع وان کان فی الفرض کذا فی خزانة الفتاوی. (اگر کوئی ذمی کافر، مسلمان سے کہے کہ مجھ پر اسلام پیش کر، تو نماز توڑ دے اگرچہ فرض میں ہو۔ ایسا ہی خزانۃ الفتاوی میں ہے)

یا وہاں کچھ کفار اسلام کی طرف مائل ہیں کوئی ہدایت کرنے والا ہو تو ظنِ غالب ہے مسلمان ہو جائیں گے۔ اس صورت میں بھی اجازت ہوگی۔ فان الظن الغالب ملتحق بالیقین (اس لیے کہ ظنِ غالب یقین سے ملحق ہو جاتا ہے)

بلکہ اس صورت میں بھی وجوب چاہیے کہ ایسی حالت میں تاخیر جائز نہیں، کیا معلوم کہ دیر میں شیطان راہ مار دے اور یہ مستعدی جاتی رہے، اور یہاں یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ کچھ میں ہی تو متعیّن نہیں کہ ہر ایک یہی خیال کرے گا تو کوئی نہ جائے گا اور اگر یہ بھی نہیں، عام کفار کی سی حالت ہے تو بحمد اللہ تعالیٰ دعوتِ اسلام ایک ایک ذرۂ زمین کو پہنچ چکی ولہٰذا اب قتالِ کفار میں تقدیمِ دعوت صرف مستحب ہے۔ ہدایہ میں ہے:

یستحب ان یدعو من بلغته الدعوة مبالغة فی الانذار و لایجب ذالك (جس کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہے اس کو دعوت دینا مستحب ہے ڈرانے میں مبالغے کے طور پر اور یہ واجب نہیں)

اب یہ صرف منفعت کے درجے میں آگیا اس کے لیے اجازت نہ چاہیے، ہاں اگر معلوم ہو کہ وہاں ہنوز دعوتِ اسلام پہنچی ہی نہیں تو تبلیغ واجب ہے۔ یہ صورتِ دوم کی مثل ہو کر اجازت میں رہے گا۔ ظاہر ہے کہ صورتِ سوال وہ نئی تازی، حال کی صورت ہے کہ کتب میں ہونا درکنار اس سے پہلے کبھی سننے ہی میں نہیں آئی۔ فقیر نے جو کچھ ذکر کیا تفقہاً ہے اور مولیٰ تعالیٰ سے امیدِ صواب و ثواب ہے۔ فان اصبت فمن ربی وله الحمد وان اخطأت فمنّی ومن الشیطان والله ورسوله عنه بریئان جل وعلا وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم. والله تعالیٰ اعلم

(فتاوی رضویہ :۹/ حصہ دوم، ص۱۹۶ تا ۱۹۸، رضا اکیڈمی ممبئی)

یہ پورا تفصیلی فتوی اس لیے بھی نقل کر دیا گیا کہ عصرِ حاضر کے تناظر میں اس کی بڑی اہمیت ہے

اور فتوے کا آخری حصہ جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ جیسے محتاط و متقی مفتی کے قلم حقیقت رقم سے نکلا ہے وہ خاص طور سے آج کے ان متشدد افراد کے لیے درسِ عبرت ہے جو اپنی ہر تحقیق کو حرف آخر سے کم نہیں سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سیدی اس سلسلے میں بھی ہمارے پیشوا اور رہنما ہیں۔ اللہ ہمیں نفس و شیطان کے شر سے بچائے۔ آمین۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت قدس سرہ کا ایک مختصر فتویٰ نیچریوں کے بارے میں ہے جو الدلائل القاھرہ علی الکفرۃ النیاشرۃ کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں اٹھہتر (۷۸) علمائے کرام و مفتیانِ عظام کی تصدیقات بھی ہیں۔ سائل جناب حاجی محمد قاسم گونڈلوی کاٹھیاواڑ (گجرات) ہیں آپ ہی نے اس فتوے کو تصدیق کے لیے علمائے کرام کے پاس بھیجا۔ ان تصدیقات میں ایک تصدیق حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی بھی ہے جو قابلِ توجہ ہے اور اس فتوے پر حضرت مبلغِ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ نے بھی تصدیق کی ہے اور دو صفحات میں اپنے تاثرات کو بھی تحریر فرمایا ہے، اس کی تلخیص پیشِ قارئین ہے تاکہ موجودہ تجدد پسند اس سے سبق لیں:

مبسملا و حامدا و محمدا (جل و علا) و مصلیا و مسلما محمدا. سلم اللہ علیہ و صلی اما بعد! "کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسلمانانِ کاٹھیاواڑ کی ایک تعلیمی انجمن ہے۔ مسلمانوں میں علوم کی روشنی پھیلانا اور ان کو جہالت کے قعرِ مذلت سے نکالنا ایک ایسا ضروری و اہم امر ہے جس کے متعلق قرآنِ عظیم میں یوں وارد ہوتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (ال عمران: ۳/۱۰۴)

اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ کنز الایمان)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: ۵۸/۱۱)

(اللہ تمھارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا، درجے بلند فرمائے گا۔ کنز)

طلبِ علم کے متعلق فرمانِ حضورِ عالمِ ماکان و مایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتا ہے: طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة. (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔)

نیز اطلبو العلم و لو کان بالصین (علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو) لیکن سب سے اہم سوال یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد کون سا علم ہے کیوں کہ مدینۃ العلوم حضرت سیدنا مولی علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

العلوم خمسة :الفقه للادیان و الطب للابدان و الهند سة للبنیان و النحو للسان و النجم للزمان .کذا فی مدینة العلوم. (علم پانچ ہیں، فقہ مذاہب کے لیے، طب بدنوں کے لیے، اور ہندسہ تعمیر کے لیے، نحو زبان کی درستی کے لیے اور نجوم زمانوں کی دریافت کے لیے)

و قال الامام الشافعی رحمة الله تعالی علیه :العلم علمان علم الطب للابد ان و علم الفقه للادیان. (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علم دو ہیں، طب ابدان کے لیے اور علمِ فقہ ادیان کے لیے)

سوال مذکور الصدر کا جواب آیاتِ کلامِ عظیم و احادیثِ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مضامین کو ترتیب دینے سے بادنیٰ توجہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہاں اس علم سے مراد علمِ دین ہی ہے چنانچہ اس پر مفسرین و محدثین کا اجماع ہے۔ اور اگر بعض مؤولینِ معانیِ آیات و احادیث کہتے ہیں کہ علمِ ابدان بھی اس میں داخل ہے تو یہ امر یقینی ہے کہ علوم دینی کی بہر نوع علومِ ابدان پر اولیت ان مؤولین (تاویل کرنے والوں) کے نزدیک بھی مسلم ہوگی اس لیے معاملات تعلیم و تعلم پر غور کرنے والے کے لیے منکم (تم میں سے) ہونا ہی نہیں بلکہ بفحوائے فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۱۶/۴۳)۔ تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔ کنز) (ضروری ہے)

اہلِ ذکر ہونا اور شانِ ارفع کا مورد (مصداق) بننے کے لیے اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا (ایمان والے) کا ہونا نیز طلبِ علم کی فرضیت کا حکم پانے والوں کے لیے مسلم و مسلمہ کا ہونا لابدی (ضروری) پس جہاں مسائلِ تعلم و تعلیم پر غور کرنے کے لیے امتِ مرحومہ کے وہ افراد جمع ہوں جو یَدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور اہل الذکر کے مصداق کہلائے جا سکیں اور تعلیمی مشورے میں یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ کی آیت کو ملحوظ رکھ کر تحفظِ ایمان و اسلام اور اشاعتِ علومِ دین کے فرض اہم و اولین کو محسوس کرتے ہوئے تو ضمناً ضرورتِ زمانہ کے لیے تجارت و زراعت و صنعت و حرفت نیز ایسی السنہ و کتب کے تعلم و تعلیم کے متعلق بھی مشورہ کریں جن کے حصول سے دین میں نقصان آنے کا احتمالِ ضعیف بھی نہ ہو تو ان کی انجمن محمود اور اس انجمن کی شرکت مسعود کہی جائے گی، البتہ اگر ارکانِ انجمن معریٰ

عن الدین والایمان (دین وایمان سے خالی) ہوں اور مبحث مشورہ تعلیم وتعلمِ علوم مخرب دین وایمان۔ تو وہ انجمن یقینا مردود اور اس کی شرکت سے اہلِ ایمان کے لیے بہر نوع گریز واجب۔ جیسا کہ اکابر علما کے فتاوی سے بوضاحت ثابت ہوچکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اکمل واتم

فقیر محمد علیم رضا القادری غفرلہ

(الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرۃ)

اس تصدیق میں جو تصدیق بھی ہے اور نظریہ تعلیم کی تعلیم بھی، حضرت مبلغِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے علوم سے دنیاوی مراد لینے والوں یا ترجیح دینے والوں کی خوب خبر لی ہے۔ دستخط میں ایک خوبی یہ ظاہر کی ہے کہ اپنے نام کو "محمد علیم رضا" سے موسوم فرمایا ہے جس سے آپ کی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے گہری عقیدت و محبت کا بھی پتہ چلتا ہے اور اعلیٰ حضرت سے آپ کی بھرپور عقیدت کا اظہار تو اس قصیدے سے ہی ہوتا ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے، پوری منقبت اس نمبر میں کہیں ملاحظہ کرلیں گے۔

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو
علیمِ خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانے کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

اسی منقبت کے بعد اعلیٰ حضرت نے حضرت مبلغِ اسلام کو اپنا جبّہ شریف پیش کیا اور چوں کہ آپ سرکار پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی حاضری سے واپس آئے تھے، فرمایا حضور کی بارگاہ سے واپس آرہے ہیں، آپ کو کیا پیش کروں یہ عمامہ تو آپ کے سر کیا قدموں کے بھی لائق نہیں۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی قدس سرہ نے جب بہار شریعت لکھی تو اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی تقریظ ثبت فرمائی اور خصوصاً آبِ قلیان (حقے کا پانی) سے وضو جائز ہونے کا بھی قول کیا جس پر بد عقیدہ لوگوں نے شور و غوغا کیا تو حضرت صدر الشریعہ نے اس مسئلے کو مفصل و مدلل علاحدہ سے بیان کیا جس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور دیگر علمائے اہلِ سنت سے بھی تصدیقات لیں۔ ذیل میں اسے بھی نقل کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت صدر الشریعہ کو حضرت علامہ پر کتنا اعتماد تھا اور حضرت مبلغِ اسلام کو بھی حضرت صدر الشریعہ کی تحقیق پر کامل بھروسہ تھا۔

مبسملا و حامدا و محمدا (جل و علا) و مصلیا و مسلما محمدا (سلم اللہ علیہ و صلی)

حضرت مولانا امجد علی صاحب دامت برکاتہم نے مسائلِ طہارت میں بہار شریعت جیسی جامع کتاب تالیف فرماکر مسلمانانِ ہند پر ایسا احسانِ عظیم فرمایا ہے، جس کے شکریے سے عہدہ برآ ہونا دشوار، دعا ہے کہ رب العزت جل مجدہ مولانا موصوف کو اجرِ جزیل مرحمت فرمائے۔

آبِ قلیان کی طہارت وطہوریت کا ثبوت بدلائلِ ساطعہ اس فتوے میں دیا گیا۔ کتابِ مذکور میں صرف اس قدر مسطور ہے کہ " اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں "، نہ یہ کہ خواہ مخواہ اسی سے وضو کیا جائے، درصورتیکہ اس سے بہتر پانی موجود ہو، اس پر جرح کرنا صرف انھیں اصحاب کا کام معلوم ہوتا ہے جن کا مقصود بغض وفتنہ انگیزی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اکمل واتم

فقیر محمد عبدالعلیم الصدیقی قادری عفی عنہ

(ضمیمہ بہار شریعت حصہ دوم: ص ۱۲۔ قادری بک ڈپو بریلی)

☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا کے اکابر ومعاصر

مولانا زبیر احمد قادری

خادم مرکز السنیہ جامعہ ایوب پیپر اکنک، کشی نگر

امام احمد رضا خان محدث بریلوی ۱۰/ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ کو بریلی میں پیدا ہوئے، پونے چودہ سال کی عمر قلیل میں پہلا فتوی جاری کرکے والد محترم کی کی طرف سے مسند افتا پر بٹھادیئے گئے۔ آپ نے اسی عرصہ میں تمام مروجہ علوم پر عبور حاصل کرلیا۔

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء کو حضرت سید شاہ آل رسول احمد مارہروی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اجازت وخلافت پائی۔ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں حج وزیارت کی سعادت حاصل کی۔ جہاں علماے حرمین نے سند واجازت سے نوازا۔

دوسری بار ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں حج وزیارت گنبد خضرا سے مشرف ہوئے۔ اسی موقع پر علماے حرمین کے سوال پر الدولۃ المکیہ اور کفل الفقیہ الفاہم وغیرہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کی علمی جلالت، منصب افتا اور حزم واتقاد یکھ کر علماے حرمین نے آپ کو اپنا امام اور پیشوا تسلیم کیا اور اس صدی کا مجدد مانا۔ آپ نے ۱۹۱۱ء میں کنز الایمان کے نام سے قرآن مجید کا عظیم الشان اردو ترجمہ کیا۔ اور ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں وصال فرمایا۔

۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۱ء تک ۶۵ سالہ حیات میں (اس میں طالب علمی کے تقریبا چودہ سال شامل ہیں) تقریبا ۵۶ علوم وفنون پر سیکڑوں سے زائد کتب ورسائل تصنیف فرمائے۔ عشق وایمان سے بھرپور ترجمہ قرآن دیا۔ کئی ہزار صفحات پر مشتمل فقہی مسائل کا خزانہ ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' کی شکل میں عطا کیا۔ اگر ہم ان کی علمی خدمات کو ان کی زندگی کے سالوں سے جوڑیں تو تقریبا ہر ۵ گھنٹے میں امام اہل سنت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی ہمیں ایک کتاب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی جامع الصفات شخصیت کا چند جملوں میں احاطہ کرنا ناممکن ہے، اپنے دور کی بلند علمی قد آور ذات کا تعارف چند سطروں میں نہیں ہوسکتا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عقل ونظر کی اس پر آشوب ذہنی کشمکش میں مبتلا نوجوانوں کو عشق رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کا درس دینے والی ذات کا تعارف کرایا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے ابتدائی طور پر امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کے بارے میں آپ کے معاصر (جن میں موافق اور مخالف دونوں فریق شامل ہیں) کی صرف چند آرا پیش کر رہا ہوں تاکہ عناد و حسد کا جذبہ دور ہو اور حقیقت کی نگاہ سے آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے لئے ذہن تیار ہو۔ اس عجالہ نافعہ میں سب سے پہلے مرکز علم و عرفاں علمائے حرمین شریفین کی چند عبارتیں درج ہیں۔ پھر آپ کے معاصرین میں سے آپ کے ہم مشرب و ہم مسلک بزرگوں کی عقیدت کے پھول ہیں۔

اکابر علمائے حرمین شریفین :

(۱) رئیس الخطباء شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد علیہ الرحمۃ خطیب مسجد حرام، مکہ معظمہ فرماتے ہیں۔

وہ (امام احمد رضا) حقائق کا خزانہ ہے، اور محفوظ خزانوں کا انتخاب معرفت کا آفتاب، جو دوپہر کو چمکتا ہے، علوم کی ظاہری اور باطنی مشکلات کھولنے والا جو شخص اس کے علم و فضل سے واقف ہو جائے اس کو کہنا چاہیے کہ اگلے، پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ (حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین، مطبوعہ لاہور ص ۱۲۸، ۱۲۷)

(۲) قدوۃ العلماء سید محمد اسمٰعیل بن خلیل علیہ الرحمۃ محافظ کتب حرم، مکہ معظمہ فرماتے ہیں۔

میں اللہ کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا، جو فاضل کامل ہے، مناقب و مفاخر والا اس مثل کا مظہر کہ اگلے، پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے، یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ مولانا امام احمد رضا خاں احسان والا پروردگار انھیں سلامت رکھے تاکہ وہ مخالفین کی بے ثبات حجتوں کا آیات قرآنیہ اور قطعی احادیث سے رد فرماتے رہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ علمائے مکہ اس کے لیے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں۔ اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بے شک حق و صحیح ہے" (حسام الحرمین ص ۱۴۲، ۱۴۱)

(۳) شیخ کبیر مولانا محمد کریم اللہ مہاجر مدنی، تلمیذ علامۂ اجل حضرت مولانا شیخ محمد عبدالحق مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

"میں سالہا سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں ہندوستان سے ہزاروں صاحب علم آتے ہیں۔ ان میں علما، صلحا اور اتقیا سب ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس مبارک شہر کی گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی بھی ان کو مڑ کر نہیں دیکھتا۔ لیکن احمد رضا فاضل بریلوی کی عجیب شان دیکھتا ہوں۔ یہاں کے علما اور بزرگ سب ہی ان کی طرف جوق در جوق چلے آرہے ہیں۔ اور ان کی تعظیم میں بصد تعجیل کوشاں ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔" (الاجازات المتینہ، مطبوعہ لاہور ص ۲۵۴)

(۴) عالم نبیل، فاضل جلیل، مولانا شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علیہ الرحمۃ (مصنف جواہر البحار، حجۃ

اللہ علی العلمین ، شواہد الحق ، سعادت الدارین وغیرہ) امام اہل سنت کی تصنیف الدولۃ المکیۃ پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میں نے اس کو شروع سے آخر تک پڑھا، اور تمام دینی کتابوں میں بہت زیادہ نفع بخش اور مفید پایا، اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں۔ جو ایک امام کبیر ، علامۂ اجل کی طرف سے ہی ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اللہ راضی رہے اس رسالے کے مصنف سے اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے۔

(الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ، مطبوعہ کراچی ص ۷۷۴)

(۵) شیخ حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے سب سے نامور خلیفہ مولانا محمد عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی (جن پر حاجی صاحب کو سب سے زیادہ اعتماد تھا کیونکہ وہ علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے اور ان کے انوار مکہ مکرمہ میں بھی ظاہر تھے) امام احمد رضا کی تصنیف المعتمد المستند پر تقریظ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

حمد و صلات کے بعد اس شرف والے رسالے پر مطلع ہوا اور وہ خوش نما تحریر جو اس میں درج ہے دیکھی تو میں نے اس کو ایسا پایا کہ اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور وہی ہے جسے کان جی لگا کر سنیں کہ اس کی خوبی اور اس کا فیض ظاہر ہے اس کے مؤلف علامہ عالم جلیل ، دریائے ذخار ، پرگو ، بسیار فضل ، کثیر الاحسان ، دلیر ، دریائے بلند ہمت ، ذہین ، دانشمند ، بحر پیدا نا کنار ، شرف و عزت و عظمت والے ، صاحب ذکا ، ستھرے ، نہایت کرم والے ہمارے مولی، کثیر الفہم حاجی احمد رضا خان نے کہ وہ جہاں ہوں اللہ ان کا ہو اور ہر جگہ ان کے ساتھ لطف و کرم فرمائے۔ اس تفصیل و تحقیق و ربط و ضبط و تدقیق میں راہ صواب پائی ، انصاف کیا اور عدل کیا ، اور راہنمائی و ہدایت کی، تو واجب ہے کہ شبہہ کے وقت اس کی تحقیق کی طرف رجوع کیا جائے۔

(حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۴۸)

(۶) سید حسین بن علامہ عبدالقادر طرابلسی علیہ الرحمۃ، مدرس مسجد نبوی، مدینہ منورہ فرماتے ہیں۔

حمد و نعت کے بعد جب اللہ تعالی نے اپنے اس چھوٹے بندے پر یہ احسان فرمایا کہ میں ان کے آستانہ سے شرفیاب ہوا جو علامہ ماہر کامل اور فہامہ مشہور ہیں حامی ملت محمدیہ طاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ میرے استاد اور پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خاں۔ (الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ، ص ۸۲)

(۷) عمدۃ العلماء حضرت عبداللہ نابلسی علیہ الرحمۃ، مسجد نبوی کے خطیب و امام فرماتے ہیں۔

وہ نادر روزگار اس وقت اور اس زمانے کا نور، عالم باعمل بلند ہمت فاضل، مسائل اور مشکل احکام کی تنقیح کرنے والا اور دلائل و براہین سے ان کو مستحکم کرنے والا، معزز مشائخ اور فضلا کا سردار ، بلا تامل وہ زمانے کا یکتا، قاضی القضاۃ شیخ احمد رضا خاں" (الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ، ص ۹۶،۹۵)

(۸) زبدۃ الفضلاء حضرت شیخ موسی علی شامی ازہری درویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔
اماموں کے امام، اس امت کے دین کے مجدد، یقین کے نور اور قلوب کے انوار کی تائید سے آراستہ ہیں، شیخ احمد رضا خاں اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہاں میں قبول و رحمت عطا فرمائے۔
(الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، ص ۴۶۲)

(۹) مفتی شافعیہ سید احمد بن سید اسمعیل حسینی، برزنجی علیہ الرحمۃ مدینہ منورہ کے مدرس فرماتے ہیں۔
اے علامہ کامل، شہیر و مشہور، صاحب تحقیق و تنقیح، صاحب تدقیق و تزئین، عالم اہلسنت و جماعت شیخ احمد رضا خاں بریلوی (اللہ تعالیٰ آپ کی نیک تمناؤں کو پورا کرے اور آپ کی بلندیوں کو باقی و دائم رکھے) میں نے آپ کی کتاب موسومہ المعتمد المستند کے خلاصے کا مطالعہ کیا اس کو قوت و نقد کی انتہائی بلندیوں پر پایا۔
(الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، ص ۲۳۰)

(۱۰) مفتی مالکیہ، زینت العابدین شیخ عابد حسین علیہ الرحمۃ، مکہ معظمہ فرماتے ہیں۔
علمائے مشاہیر کا سردار، معزز فاضلوں کا مایۂ افتخار، دین اسلام کی سعادت، نہایت محمود سیرت، ہر کام میں پسندیدہ، صاحب عدل، عالم باعمل، صاحب احساں حضرت مولانا امام احمد رضا خاں تو انھوں نے اس بات میں (یعنی گستاخان رسول کا رد فرما کر) فرض کفایہ ادا کر دیا۔ (یعنی جو فرض فرداً فرداً سب پر عائد ہوتا تھا، آپ نے وہ ادا کر کے سب کو سبکدوش فرما دیا)۔ (حسام الحرمین، ص ۱۵۴)

معاصر اکابر اہل سنت

بعض ہندی علما کی دشنام طرازیوں خدا و رسول کی جناب میں توہین آمیز عبارتوں اور حق واضح ہو جانے کے باوجود ان پر اصرار نے راسخ الاعتقاد علمائے اسلام کو حکم شرعی صادر کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے المعتمد المستند میں ان حضرات کو شرعی فیصلے سے مطلع کیا۔ خوف خدا و خطرہ روز جزا یاد دلانے کے لئے دعوت توبہ دی۔ مگر یہ حضرات حق کی طرف رجوع نہ لائے۔

۱۳۲۳ھ ذی الحجہ کی اکیس تاریخ کو آپ نے المعتمد المستند کا خلاصہ علمائے حرمین کی خدمت میں تصدیقات کے لیے پیش کیا۔ علمائے اعلام نے نہ صرف اس فتوی کی تصدیق فرمائی بلکہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی جلالت شان کو تسلیم کیا۔ بڑی دھوم دھام سے اس فتوی مبارکہ پر تقریظیں لکھیں۔ ان تقاریظ میں آپ کو مرجع الخلائق، مرکز دائرہ تحقیق، بحر العلوم، امام زمانہ، یگانہ روزگار، حامی سنت اور چودھویں صدی کا مجدد وغیرہ بے شمار القاب سے یاد فرمایا۔

علمائے حرمین نے ایسا اعزاز و اکرام کیا کہ اس مقدس سرزمین پر شاید ہی ہندوستان کے کسی بزرگ کو نصیب

ہوا ہو۔ حتیٰ کہ انھوں نے آپ سے علوم کی سندیں اور طریقت میں اجازتیں لیں۔ جب امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے انبیاے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے اور اپنی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے والے ،شیطان کی وسعت علم کو نص سے ماننے والے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسعت علم کا انکار کرنے والے ،سچے خدا کو جھوٹ بولنے پر قادر ماننے والے، حضور ﷺ کے بعد نئے انبیا کی بعثت کو جائز ماننے والے ،شفیع معظم ﷺ کے علوم غیبیہ کو بچوں ،پاگلوں اور جانوروں کے علم سے مماثل قرار دینے والے کے متعلق از روے شرع گرفت فرمائی تو امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ اور علماے حرمین کی تصدیقات کے مجموعہ کو رد کیا گیا۔ کبھی راہ فرار لی۔ اور کبھی جہلا کو ورغلانے اور اندھے مقلدوں میں بھرم رکھنے کے لئے جعل سازی کی گئ۔ کبھی کہا گیا کہ اردو عبارت کو توڑ مروڑ کر علماے عرب کے سامنے پیش کیا گیا اور غلط طریقے سے فتویٰ لیا گیا۔

ان الزامات واتہامات کے پردہ میں دین کو برباد کرنے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ وفساد بپا کرنے کا مکروہ پیشہ اختیار کیا گیا۔ بجاے اس کے کہ ان عبارات کو بدل کر اسلامی عبارات بنا دیا جاتا ، الٹا امام احمد رضا محدث بریلوی کو کوسنا شروع کر دیا۔

دور از کار تاویلات سے ان کو اسلامی عبارات منوانے پر اصرار کیا گیا۔ اتمام حجت کی خاطر وہی عبارات علماے ہند کے سامنے پیش کر کے حکم شرعی دریافت کرنے کے لیے مولانا حشمت علی خان قادری نے ایک سوالات نامہ ترتیب دیا اور متحدہ ہندوستان کے نام وَر علماے کرام اور مشائخ عظام سے تصدیقات حاصل کیں۔ تمام علماے کرام نے حسام الحرمین مصنفہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو صواب اور درست بتایا۔ اس ضمن میں علماے کرام نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، عظیم المرتبت کے کمال علمی کا جس طرح اعتراف کیا وہ نہایت دلچسپ ہے۔

ذیل میں چند عبارتیں الصوارم الہندیہ مصنفہ مولانا حشمت علی خان کی پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) امیر ملت سید جماعت علی محدث علی پوری فرماتے ہیں۔

حسام الحرمین کے فتاوی حق ہیں اور اہل اسلام کو ان کو ماننا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جو شخص ان کو تسلیم نہیں کرتا وہ راہ راست سے دور ہے۔ (الصورام الہندیہ ص۹۶، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء)

(۲) صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی فرماتے ہیں۔

حسام الحرمین ہندوستان کے فخر وعزت ، حضرت عظیم البرکت ،خاتم الفقہاء ،شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا الحاج المولوی الشاہ امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز کا محققانہ فتوی ہے۔ جس میں بے دینان ہند کے کفر کا حکم فرمایا ہے۔ حرمین طیبین کے نامدار افاضل نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔

(۳) اشرف المشائخ سید ابو احمد علی حسین اشرفی زیب سجادہ آستانہ کچھوچہ شریف کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

مولانا امام احمد رضا خاں صاحب عالم اہل سنت کے فتوؤں پر عمل کرنا واجب ہے۔

دوسرے موقع پر فرمایا: مولانا بریلوی اور اس فقیر کا مسلک ایک ہے۔ ان کے فتوے پر میں اور میرے مریدین عمل کرتے ہیں۔

(۴) فخر العلماء پیر محمد شفیع میاں صاحب گجرات (کاٹھیاواڑ) فرماتے ہیں۔

اللہ تعالی اس کے مولف حضور پر نور، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، اعلی حضرت، مولانا، مولوی، حافظ و قاری، مفتی، حاجی، شاہ عبد المصطفی محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ پر اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار رحمتیں فرمائے۔ جنھوں نے یہ مبارک فتاوی شائع فرماکر مسلمان ہند پر وہ احسان عظیم فرمایا ہے کہ ہندوستان کا کوئی سنی مسلمان آپ کے بارِ کرم سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ (الصوارم الہندیہ ص ۱۷۴)

(۵) زینت العلماء مولانا عبد الباقی محمد برہان الحق صاحب مفتی اعظم جبل پور فرماتے ہیں۔

فتاوی حسام الحرمین بے شبہہ حق و صواب، مطابق سنت و کتاب ہے اس کا ماننا اس کے ارشادات جلیلہ کو عین مطلوب شرع مطہر اور اصول و مقاصد مذہب حق سے جاننا اس کے مطابق عقیدہ رکھنا عمل کرنا مسلمانوں پر فرض اور ان کے کامل الایمان، صحیح الاعتقاد سچے پکے سنی ہونے کی دلیل ہے۔ (الصوارم الہندیہ ص ۹۵)

(۶) مفتی ملت مولانا محمد مظہر اللہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں۔

اس عاجز کا کہاں یہ زہرہ (ہمت) کہ حضرات علمائے حرمین شریفین کے مخالف لب کشائی کر سکے۔ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا حق و واجب العمل ہے۔ (الصوارم الہندیہ ص ۱۰۹)

(۷) ضیغم اسلام مولانا محمد عبد الحفیظ صاحب مفتی اعظم آگرہ فرماتے ہیں۔

کتاب مستطاب حسام الحرمین مصنفہ اعلی حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ رضی اللہ عنہ حق اور بلا ریب حق اور عین حق ہے اس کتاب کی جلالت اس کے صفحات پر ضیا سے ظاہر اس کی رفعت مکان اس کے اوراق پُر فضا سے باہِر۔ (الصوارم الہندیہ ص ۱۱۹)

(۸) سید الفقہاء حضرت ابو البرکات سید احمد صاحب قادری، قائد مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور فرماتے ہیں۔

سیدی مولائی اعلی حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہ العزیز اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین اور شیخ طریقت تھے۔ اگرچہ وہ جملہ علوم معقول و منقول میں امامت کے درجہ پر فائز تھے مگر فقہ ان کا خاص موضوع تھا۔ اور اس فن میں ہند و پاک میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں۔ اعلی حضرت نے اس

شان کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا کہ آج پاک و ہند میں مذہب اہلسنت اپنی اصلی حالت میں جو نظر آرہا ہے ، محض ان کے تجدیدی کارناموں کا ثمرہ ہے۔ (مقالات یوم رضا حصہ دوم ص ۵۷)

(۹) شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری علیہ الرحمۃ کو خواب میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت ہوئی۔ میاں صاحب نے دریافت فرمایا کہ حضور اس وقت دنیا میں آپ کا نائب کون ہے؟

غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: بریلی میں ''احمد رضا'' بیداری کے بعد حضرت میاں بریلی جلوہ آرا ہوئے اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ (اعلیٰ حضرت بریلوی از نسیم بستوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۳۵)

(۱۰) خاتم المحدثین حضرت سید محمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اللہ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک ﷺ کا سچا نائب، علم کا جبل شامخ، عمل صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر ذخار، منقولات میں دریا ناپیدا کنار، اہل سنت کا امام، واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب وعجم مجدد، تصدیق حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم وکرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، مسلم الثبوت وزیر المجتہدین اعلیٰ حضرت علی الاطلاق امام اہل سنت فی الآفاق، مجدد مأۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، اعلم العلماء عند العلماء وقطب الارشاد علی لسان الاولیاء، مولانا وفی جمیع الکمالات اولانا، فانی فی اللہ، الباقی باللہ، عاشق رسول اللہ ﷺ مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ۔ (اعلیٰ حضرت بریلوی از نسیم بستوی)

اس مختصر مقالے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا مقام ومرتبہ آپ کے معاصرین میں کتنا بلند تھا؟ بس اتنی ہی بات کہہ کر میں خاموش ہو رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں امام اہل سنت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کے مزار مقدس پر رحمت ونور کی بارش برسائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

امام احمد رضا کے خلفا

مولانا غلام سید علی علیمی علیگ

پرنسپل نور جہاں عبد المصطفیٰ انٹر کالج، بیدی پور۔ بستی

راہ سلوک وطریقت کے شیخ اعظم سید اسماعیل خلیل مکی آفندی:

"اللہ نے چاہا تو آپ کا چرچا عام ہوگا، ہموار وناہموار زمین کے باشندے اور دور ونزدیک والے سب آپ کے فضل وکمال سے آگاہی پائیں گے۔"(۱)

اور یقینا اللہ رب العزت نے چاہا، دل سے نکلی ہوئی دعا بابِ اجابت سے ٹکرا گئی، آج دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں جہاں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام لیوا نہ ہوں، برِّ صغیر ہند ہی نہیں دنیا کی مشہور ترین دانش گاہوں میں آپ کی حیات وخدمات پر تحقیقی مقالے لکھے جا رہے ہیں، دنیا حیران ہے، چشم فلک ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی ہے، آخر! دنیا کی دوسری چیزوں کی طرح شہرت کی بھی ایک انتہا ہے، بڑے سے بڑے بااثر اور کج کلاہوں کو تاریخ نے اس طرح دفن کر دیا کہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں، لیکن اس دنیا سے روپوش ہوئے پوری ایک صدی بیت گئی، پھر بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شہرت بڑھتی ہی جا رہی ہے، حالانکہ آپ کے دشمن بھی بہت تھے، اور بعد میں اور زیادہ بڑھے، اپنے بھی شخصیت بد نما کرنے کی طاقت بھر زور لگاتے رہے، پھر بھی آپ کے جاں نثاروں کی تعداد بڑھتی ہی رہی، پوری دنیا آپ کی طرف متوجہ ہے، پوری ایک صدی بیت گئی، پھر بھی!

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

اللہ کی رحمت سے کچھ عجیب نہیں کہ ایک جہان کو ایک ذات میں جمع کر دے۔

اس صدی میں اس مفہوم کے صحیح مصداق امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ ہی تھے جو مجدد اعظم بھی تھے، مصنف اعظم بھی تھے، محدث اعظم بھی تھے اور راہ سلوک کے شیخ اعظم بھی۔

متحدہ ہندوستان ہی نہیں، ایشیا وافریقہ کے اکثر ممالک میں آپ کے خلفا اور مریدین ومتوسلین پھیلے

ہوئے تھے، پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی علیہ الرحمہ کے بقول: ”ظاہر ہے کہ ان خلفا نے مجموعی طور پر حضرت فاضل بریلوی کے پیغام کو کہاں کہاں پہنچایا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں آپ کے معتقد اور جاں نثار موجود نہ ہوں۔“ (۲)

آگے لکھتے ہیں: ”آپ کے خلفا میں حضرت مولانا محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ (مزارِ مبارک مدینہ منورہ) اور حضرت علامہ مفتی ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ (مزار مبارک مدینہ منورہ) کے مریدین و معتقدین تو تقریباً تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، خصوصاً ان ممالک میں بکثرت ہیں، ترکی، شام، مصر، عراق، یمن، لیبیا، الجزائر، سوڈان، افریقہ اور انگلستان۔“(۳)

وہ سلاسل جن میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو اجازت و خلافت حاصل تھی:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ عام طور پر لوگوں کو طریقۂ عالیہ قادریہ جدیدہ میں بیعت کرتے اور اسی میں اجازت و خلافت سے بھی نوازتے لیکن انھیں اپنے پیر و مرشد شاہ آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے مندرجہ ذیل تیرہ طریقوں کی اجازت و خلافت حاصل تھی:

(۱) سلسلۂ عالیہ قادریہ جدیدہ سلسلۃ الذہب
(۲) سلسلۂ عالیہ قادریہ آبائیہ قدیمہ
(۳) سلسلۂ قادریہ رزاقیہ اسمٰعیلیہ
(۴) سلسلۂ عالیہ قادریہ رزاقیہ انواریہ
(۵) سلسلۂ عالیہ قادریہ منوریہ معمریہ
(۶) سلسلۂ عالیہ چشتیہ قدیمہ
(۷) سلسلۂ عالیہ چشتیہ جدیدہ
(۸) سلسلۂ عالیہ سہروردیہ قدیمہ
(۹) سلسلۂ عالیہ سہروردیہ جدیدہ
(۱۰) سلسلۂ عالیہ نقش بندیہ صدیقیہ
(۱۱) سلسلۂ عالیہ نقش بندیہ علویہ
(۱۲) سلسلۂ عالیہ بدیعیہ مداریہ
(۱۳) سلسلۂ عالیہ علویہ منامیہ اقرب الطرق (۴)

اعلیٰ حضرت کی اپنے خلفا کے لیے ہدایات:

اعلیٰ حضرت نے ماہ نامہ ”الرضا“ میں ”ضروری اطلاع“ کے نام سے اشتہار شائع کرایا تھا، جس میں خلفا کے لیے دی جانے والی ہدایات کا ذکر یوں ہے:

”یہاں بحمدہٖ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا نہ احباب علماے شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار

اشاعت دین وحمایت سنت میں جلبِ منفعت مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ اُن کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ہاں !اگر بلا طلب اہلِ محبت سے کچھ نذر پائیں رَد نہ فرمائیں کہ اس کا قبول سنت ہے۔"(۵)

خلفا کی تعداد:

تعداد خلفا کا تعین کرنا نہایت مشکل کام ہے، کیوں کہ بزرگانِ دین کا طریقہ رہا ہے کہ انھوں نے بہت سے افراد کو خلافت دینے کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی خلافت سے سرفراز فرمادیا ہے، بلکہ بعض واقعات اس طرح کے ملتے ہیں کہ اولاد کے پیدا ہونے کے پہلے ہی خلافت سے سرفراز فرمادیا گیا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ بڑے ہوکر اس خلافت وشرافت کے اہل بن جائیں، اسی طرح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی اپنے بعض خلفا کی اولاد کو بھی خلافت سے سرفراز فرمایا جو ابھی اس دنیا میں آئے ہی نہیں تھے یا ابھی کمسن ہی تھے، مثلاً اجازات المتینہ میں سید محمد عمر بن سید ابو بکر رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت وخلافت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کے دو بیٹوں کو خلافت عطا فرمادی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"میں ہونے والے دونوں بیٹوں کو بھی اپنی مرویات کی اجازت دیتا ہوں یہ اجازت دینا علماءِ محدثین کے نزدیک مقبول ومروّج ہے، تاکہ وہ سند عالی والوں میں شمار ہو"۔(۶)

اسی طرح سید محمد عبد الحیٔ رحمۃ اللہ علیہ بن سید عبد الکبیر الکتانی الحسنی ادریسی الفاسی محدثِ بلاد مغرب (م ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء) کے خلافت نامے میں ان کی قیامت تک آنے والی تمام اولاد کو بھی خلافت عطا کی، لکھتے ہیں:

"ان جلیل الشان سید صاحب موصوف کی طرح اپنی تمام مرویات ومصنفات کی ان کے بچوں اور پوتوں کو بھی اجازت ہے اور آخر زمانہ تک پیدا ہونے والی ان کی اولاد در اولاد کو بھی (جو علم دین حاصل کریں) ہر ایک کے لئے وہی شرط ہے جو اہل علم کے ہاں معروف ہے۔۔" (۷)

خلفا کی تعداد متعیّن کرنے میں دوسری پریشانی یہ ہے کہ سستی شہرت کے متلاشی ہر دور میں رہے ہیں، کوئی سید بن کر لوگوں کی عقیدت مندی کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے، تو کوئی کسی بڑے بزرگ کا خلیفہ بن کر، آج کل تو یہ بیماری بہت بڑھ گئی ہے، اسی طرح اعلیٰ حضرت کے دور میں بھی کچھ نذر ونیاز کے بھوکے نام نہاد خطبا ومقررین نے خود کو اعلیٰ حضرت کا خلیفہ بتانا شروع کردیا تھا، تو اعلیٰ حضرت نے 'ضروری اطلاع' کے زیرِ عنوان ایک اشتہار شائع کیا تھا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس اشتہار میں تحریر فرمایا ہے:

"برادرانِ اہل سنت کو اطلاع !فقیر کے پاس شکایتیں گزریں بعض صاحب باوصف بے علمی، دنیا طلبی

کے لیے وعظ گوئی کرتے ہوئے، اکناف ہند میں دورہ فرماتے ہیں اور یہاں سے اپنا علاقہ انتساب بتاتے ہیں جس کے سبب فقیر سے محبت رکھنے والے حضرات دھوکا کھاتے ہیں اس شکایت کے رفع کو یہ سطور مسطور"۔(۸)

اس اشتہار میں امام احمد رضا نے غیر منقسم ہندوستان کے ۵۰؍ خلفا کی لسٹ تحریر کی ہے، جو ماہ نامہ "الرضا" بریلی شریف، شمارہ ۴۔۵ ماہ ربیع الآخرہ، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کے ص نمبر ۹ سے لے کر ۱۲ تک میں شائع ہوئی تھی، اعلیٰ حضرت نے اس اشتہار کے بعد بھی لوگوں کو خلافت و اجازت سے نوازا ہوگا، اور کچھ لوگوں نے یوں ہی خود کو خلیفہ اعلیٰ حضرت کے لاحقے کے ساتھ مشہور کیا ہوگا۔ اس لئے حتمی تعداد کا دعوی نہیں کیا جاسکتا، ہاں کچھ بنیادی ماٰخذ ہیں جن پر اعتماد کرکے ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بہر کیف! خلفا کے بارے میں بنیادی اور مستند ماٰخذ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد: امام اہل سنت علیہ الرحمہ کا نظم کردہ ایک طویل قصیدہ ہے، جس کے اخیر میں "ذکر احباب و دعائے احباب" کے عنوان کے تحت اعلیٰ حضرت نے ۱۴؍ خلفا کا ذکر کیا ہے، اور ان سب خلفا کا تعلق برِّ صغیر سے ہے۔

۲۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ذریعہ جاری کردہ اشتہار، جس میں غیر منقسم ہندوستان کے ۵۰؍ خلفا کی فہرست دی گئی ہے۔

۳۔ الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ: حجۃ الاسلام، علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ کا مرتب کردہ رسالہ ہے، اس رسالہ میں ان اجازت ناموں اور خلافت ناموں کی نقل ہے جن کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے علمائے حرمین شریفین کو دیا ہے۔

۴۔ الملفوظ: مرتبہ، مفتی اعظم علامہ مصطفی رضا خاں علیہ الرحمہ، جس میں امام اہل سنت کے فرصت کے لمحات میں سجنے والی علمی و روحانی مجلسوں کے ارشادات و فرمودات کو جمع کیا گیا ہے، جگہ جگہ اس میں بھی خلفا کا ذکر ملتا ہے۔

۵۔ اجازت ناموں کی نقلیں جو خلفا کے وارثوں کے پاس محفوظ ہوں۔

ان تمام ذرائع و ماٰخذ پر اعتماد کرتے ہوئے خلفائے اعلیٰ حضرت پر مندرجہ ذیل کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں:

۱۔ خلفائے امام احمد رضا: حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کے مقالات کے مجموعہ ہے

جو مختلف موقعوں پر لکھے گئے، صوفی محمد عبد الستار طاہر مسعودی کی ترتیب کے ساتھ یہ کتاب مکتبہ شمس و قمر، جامعہ حنفیہ غوثیہ بھاٹی چوک لاہور سے شائع ہوئی، اس کتاب میں کل ۱۶ر خلفاے اعلیٰ حضرت کا تذکرہ ہے۔

۲۔ خلفاے محدث بریلوی: پروفیسر مسعود صاحب علیہ الرحمہ کے مقالات کا مجموعہ ہے، اس کو بھی صوفی محمد عبد الستار طاہر مسعودی نے ترتیب دیا، جسے پہلی بار رضا اکیڈمی لاہور نے ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔ اس میں کل ۱۱ر خلفا کے حالات درج ہیں۔

۳۔ تذکرۂ خلفاے اعلیٰ حضرت: محمد صادق قصوری اور پروفیسر مجید اللہ قادری کی ترتیب کردہ کتاب ہے، جس میں عرب وافریقہ سے تعلق رکھنے والے ۲۸، اور برِّ صغیر ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ۵۲ر خلفاے اعلیٰ حضرت کا تذکرہ موجود ہے۔ یعنی کل ملا کر ۸۰ر خلفا کا تذکرہ ہے۔

۴۔ تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت: مولانا محمد شاہد القادری کی تالیف کردہ اس کتاب میں برِّ صغیر کے ۹۲ر خلفاے اعلیٰ حضرت کا ذکر موجود ہے، اس کتاب میں خلفاے عرب و افریقہ کا کوئی ذکر نہیں، لہذا ان ۹۲ر خلفا کے ساتھ عرب وافریقہ کے ۲۸ر خلفا کو شامل کیا جائے تو تعداد خلفاے اعلیٰ حضرت ۱۲۰ بنتی ہے۔

۵۔ اعلیٰ حضرت کے خلفا اور تلامذہ: یہ اس موضوع پر سب سے نئی کتاب ہے، حضرت مفتی محمد سلیم بریلوی استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف نے اسے ترتیب دیا ہے، کتاب ۲۵ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۸ء کو صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر مفسر اعظم ہند اکیڈمی، جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کی سافٹ کاپی میرے پیش نظر ہے، مولف موصوف نے اس کتاب میں بر صغیر سے تعلق رکھنے والے ۹۷ر خلفا، عرب وافریقہ سے تعلق رکھنے والے ۳۱ر خلفا یعنی کل ۱۲۸ر خلفا کا تذکرہ کیا ہے۔

مذکورہ بالا کتابوں میں آخر الذکر تین کتابیں (تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت، تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت کے خلفا اور تلامذہ) تفصیلی ہیں، ان میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع کا احاطہ کیا جائے، پروفیسر مجید اللہ قادری نے تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت میں تحقیق کے پیش نظر کچھ خلفا کے تذکروں سے پہلو تہی کی، کچھ کے حالات میسر نہ ہو پانے کی وجہ سے، جیسا کہ انھوں نے اپنی تالیف کے ابتدائی صفحات میں ذکر کیا ہے:

''اس تذکرہ میں اگرچہ ۸۰ خلفا کا ذکر کیا جا رہا ہے، جن کے حالات وافکار وخدمات کا سراغ لگایا جا سکا مگر ۲۵۔ ۳۰ سے زیادہ نام علم میں نہیں آئے ہیں کہ ان کو اعلیٰ حضرت سے خلافت حاصل رہی مگر یا تو ان

کے حالات قطعی میسر نہ ہو سکے اور اگر حالات میسر ہوئے بھی تو ان کی خلافت پر شواہد زیادہ حاصل نہ ہو سکے جس کی وجہ سے کئی اہم اور معروف شخصیات کو ان کے خلفا میں شمار نہیں کیا جا سکا، مثلاً مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ، مولانا حشمت علی خان، مولانا حسن رضا خان، مولانا محمد رضا خان، مولانا حکیم محمد عزیز غوث بریلوی، مولانا ایوب علی، مولانا عبد الباری لکھنوی، مولانا عرفان علی بیسل پوری، مولانا سلطان احمد خان وغیرہم۔"[۹]

تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت کے مولف نے شیر بیشہ اہل سنت علامہ حشمت علی خان، علامہ حسن رضا خاں، علامہ محمد رضا خان، مولانا حکیم محمد عزیز غوث بریلوی علیھم الرحمہ کا شمار خلفائے اعلیٰ حضرت میں کرنے ساتھ مزید تحقیق وجستجو کے بعد اس پر اضافہ کیا، ان میں کچھ ایسے خلفا کا ذکر کیا جن کی خلافت پر اہل علم کے پاس قوی ترین شواہد موجود ہیں لیکن اس میں کچھ ایسے بزرگوں کا بھی شمار کیا گیا ہے، جن کی خلافت محتاط اہل علم کے نزدیک غیر یقینی یا مشکوک رہی ہے، مفتی سلیم بریلوی لکھتے ہیں:

"۔۔۔مثال کے طور پر شیر بیشۂ اہل سنت، حضرت علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کے خلیفہ اعلیٰ حضرت ہونے کی سوائے ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب اور حضرت محمد حنیف خاں صاحب رضوی بریلوی کے اور کسی نے تصریح نہیں کی بلکہ اکثر محققین انھیں اعلیٰ حضرت کا خلیفہ تسلیم ہی نہیں کرتے۔ البتہ علامہ محمد حنیف خاں صاحب رضوی کے حوالے سے ابھی دو دن پہلے ایک صاحب نے بتایا کہ جب اُن سے علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کے خلیفہ اعلیٰ حضرت ہونے کی تصدیق کے سلسلے میں معلوم کیا تو آپ نے ان کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے کا انکار کیا، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب کی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے مولانا شاہد القادری صاحب نے خلفائے اعلیٰ حضرت کی اپنی فہرست میں ان کا ذکر کیا ہے، اس وجہ سے ہم نے اسے برقرار رکھا، ورنہ ذاتی طور پر تو راقم بھی ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب سے اس سلسلے میں اتفاق نہیں رکھتا۔

اسی طرح علامہ تقدس علی خاں علیہ الرحمہ کہ جنھوں نے اپنی کسی تحریر میں نہ تو اپنے آپ کو خلیفہ اعلیٰ حضرت کے طور پر متعارف کرایا اور نہ ہی کسی تقریر یا کسی مجلسی گفتگو میں کسی کے سامنے اس بات کی صراحت کی جب کہ ان کے شب وروز کے مصاحبین خاص کر "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی" کے ارباب حل وعقد اور ذمہ داران تھے جن سے حضرت کے بہت گہرے مراسم تھے اور ان کے ساتھ حضرت کی نشست وبرخاست رہتی تھی وہ آج بھی موجود ہیں، نیز ان میں سے کسی نے بھی حضرت علامہ تقدس علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے کی تصریح نہ کی ورنہ ادارۂ تحقیقات امام

احمد رضا سے شائع ہونے والی کتاب "تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت میں ان کا ذکر بطور خلیفہ ضرور ہوتا، خود پروفیسر مسعود صاحب سے ان کے گہرے مراسم تھے، مگر پھر بھی انھوں نے "خلیفہ اعلیٰ حضرت" کی تصریح کے ساتھ ان کا تذکرہ نہیں کیا، اس طرح اور کئی نام اس فہرست میں ہیں۔"[۱۰]

بہر کیف! تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت میں شیر بیشۂ اہل سنت کے تعلق سے شائع شدہ مقالہ بھی ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ہی کا ہے اور مفتی تقدس علی خان قادری علیہ الرحمہ کا ذکر خلفاے اعلیٰ حضرت کے ذیل میں سب سے پہلے جناب عبد الستار طاہر مسعودی نے کیا ہے، ان کی ترتیب کردہ "خلفاے اعلیٰ حضرت "(مجموعہ مقالات پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ) اور "خلفاے امام احمد رضا" (مجموعہ مقالات علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ) دونوں کتابوں میں مفتی تقدس علی علیہ الرحمہ کا تذکرہ موجود ہے، لیکن میں نے "خلفاے امام احمد رضا" میں تذکرہ دیکھا تو اس کے ایک بھی حرف سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا ہے کہ شرف قادری علیہ الرحمہ نے انھیں خلیفۂ اعلیٰ حضرت لکھا ہے، اور خلفاے اعلیٰ حضرت (مجموعہ مقالات پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ) کے تعلق سے ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں:

"۔۔اس کے بعد محمد عبد الستار مسعودی نے پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کی تحریروں میں سے امام احمد رضا کے خلفا کا تذکرہ جمع کر کے "خلفاے اعلیٰ حضرت" کے نام سے رضا اکیڈمی لاہور ۱۹۹۸ء میں یہ تذکرہ شائع کیا، اس میں چند خلفا کا ذکر جو احقر کی کتاب میں بھی موجود ہیں۔۔۔۔۔۔۔البتہ مولانا مفتی تقدس علی قادری کا اس میں اضافہ ہے کہ وہ بھی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ہیں، مگر ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں کوئی حوالہ نہیں دیا ہے، اس لئے احقر نے حضرت کو خلفا میں شامل نہیں کیا تھا۔"[۱۱]

یعنی خلفا کی فہرست میں مفتی تقدس علی خان قادری علیہ الرحمہ کو شامل کرنے والے محمد عبد الستار مسعودی ہیں، ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ حضرت مولانا محمد شاہد القادری نے خلفا کی فہرست سازی میں اس بات کا زیادہ خیال رکھا کہ ایسی کوئی ایک شخصیت بھی نہ چھوٹے جس کو کسی ایک نے بھی اعلیٰ حضرت کا خلیفہ کہا ہو۔

"اعلیٰ حضرت کے خلفا اور تلامذہ" میں مفتی محمد سلیم بریلوی نے مولانا شاہد القادری کی فہرست پر تنقیدی نگاہ ڈال کر، کچھ قرائن کی بنیاد پر خود بھی کچھ شخصیات کا اضافہ کیا ہے، چنانچہ برِّ صغیر کے خلفاے اعلیٰ حضرت میں ۵؍ شخصیات اور تین شخصیات کا خلفاے عرب و افریقہ میں اضافہ کر لینے سے خلفاے اعلیٰ حضرت کی تعداد ۱۲۸؍ تک پہنچ جاتی ہے۔

مگر مفتی صاحب قبلہ نے بھی جن ناموں کا اضافہ کیا ہے، ان میں سے اکثر کی خلافت کے بارے میں کوئی مضبوط دلیل نہیں دی ہے، اکثر کو قرینہ و قیاس کی بنا پر فہرست میں شامل کیا ہے، چنانچہ عرب و افریقہ کے خلفاے اعلیٰ حضرت میں جن کا اضافہ کیا گیا ہے، ان میں حضرت سید حسین مدنی بن شیخ عبد القادر مدنی کی خلافت کے علاوہ کسی کے بارے کوئی تصریح پیش نہیں کی ہے، لکھتے ہیں:

"اس کے علاوہ سید حسین مدنی صاحب کے بھائی سید محمد ابراہیم صاحب بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں تشریف لائے تھے اگرچہ ان کی اجازت و خلافت اور شرف تلمذ حاصل کرنے کی تصریح نہیں ملتی مگر قرائن کی بنیاد پر انہیں بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو یہ فہرست ۳۰؍ تک پہنچتی ہے۔

یونہی سید محمد حسین مدنی صاحب کے تیسرے بھائی حضرت سید محمد مدنی صاحب بھی بریلی شریف تشریف لائے تھے، اگر ان کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیا جائے ان خلفاے عرب و افریقہ کی تعداد ۳۱؍ تک پہونچتی ہے۔" [۱۲]

اسی طرح اضافہ شدہ برِّ صغیر کے ۵؍ خلفاے اعلیٰ حضرت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"(ان) کے ناموں کی صراحت ہمیں بحیثیت تلمیذ و شاگرد حیات اعلیٰ حضرت اور "الملفوظ" میں ملی ہے، اگرچہ مذکورہ کتابوں میں ان کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے تصریح نہیں ہے لیکن عموماً اعلیٰ حضرت اپنے شاگردوں کو "سند علمی" کے ساتھ انھیں "سند خلافت طریقت" سے بھی نوازتے تھے، لہذا اس قرینہ کی وجہ سے ہم نے یہاں خلفا والی فہرست میں اور آگے تلامذہ والی فہرست میں ان ناموں کو بھی شامل کر لیا ہے۔" (۱۳)

ڈاکٹر مجید اللہ قادری کے بقول اس میں کوئی کلام نہیں کہ مزید نئے نام سامنے آجائیں (گے) مگر تحریر میں ان کی خاص اہمیت و ضرورت ہے، اس لئے خاص توجہ (دینا چاہئے)۔" (۱۴)، دوسری بات یہ کہ اعلیٰ حضرت خود بھی "نقلی خلفا" سے اپنی حیات ہی میں پریشان تھے، جن کو اس مرتبہ پر پایا اس کو خلافت عطا فرمائی، اور اپنی تحریر میں اس کی تصریح بھی فرما دی، یا جن کا نام رہ گیا، آپ کے جانشینوں اور خاص احباب نے اپنی تحریروں میں ان کی تصریح فرما دی ہے، لہذا اندازے اور قیاس سے اعلیٰ حضرت کی جانب خلافت کا انتساب کرنے میں احتیاط ضروری ہے، اور "واللہ اعلم" کہہ کر گزر جانا چاہیے۔

ہاں! اتنی بات ہے کہ خلفاے اعلیٰ حضرت کی تعداد کثیر ہے، معاصرین علما و صوفیہ میں سے کسی کے حصہ میں وہ شہرت و مقبولیت نہیں آئی جو امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو حاصل ہوئی، پروفیسر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”آپ کے خلفا کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ایک طرف صوبۂ مدراس میں، صوبہ بنگال اور صوبہ بہار میں آپ کے خلفا پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف صوبۂ پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان اور تیسری طرف صوبۂ سندھ (پاکستان) اور صوبہ راجستھان میں، صوبہ سی پی اور یوپی تو گویا آپ کے زیر نگیں تھے، دائرہ خلفا کی یہ ہمہ گیری شاید معاصرین صوفیہ میں کسی کو حاصل نہ ہو سکی، آپ کے خلفا پاک و ہند میں مختلف شہروں میں موجود تھے، مثلاً بنگلور، مدراس، کلکتہ، عظیم آباد، جبل پور، آرہ، محمود آباد، میرٹھ، کوٹلی لوہاران، کراچی، کھروٹہ، سیالکوٹ، لاہور، آگرہ، مکھڈ وغیرہ وغیرہ۔ پھر نہ صرف پاک و ہند بلکہ بلاد عرب، افریقہ اور انڈونیشیا وغیرہ میں بھی آپ کے خلفا موجود تھے، مثلاً مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، طرابلس۔۔ وغیرہ۔“ (۱۵)

وہ خلفا جن کی خلافت مشہور و معروف بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ذریعہ مصرح ہے:

(الف): عرب و افریقہ کے وہ علما و فضلا جنھوں نے امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ سے سند اجازت و خلافت حاصل کی، ان اجازت ناموں کو حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے ”الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ“ میں جمع کر دیا ہے، اس میں اجازت ناموں کے کل سات نسخے ہیں، یہاں پر مختصراً اجازت و خلافت حاصل کرنے والے علما کا تعارف، سند اجازت کی ترتیب سے پیش کیا جا رہا ہے:

☆ سند اجازت کا پہلا نسخہ مندرجہ ذیل دو حضرات کو ملا۔

۱۔ شیخ محمد عبد الحی بن سید عبد الکبیر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء):

بلاد مغرب (افریقہ) کے رہنے والے حسنی سید تھے، مایہ ناز محدثین میں آپ کا شمار ہوتا تھا، مختلف علوم بالخصوص علم حدیث میں ساٹھ سے زائد کتابوں کے مصنف تھے، ۲۷ / ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو اعلیٰ حضرت سے اجازت و خلافت حاصل کی، مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے اجازت و خلافت حاصل کرنے والے سب سے پہلی ذات ہے۔ (۱۶)

۲۔ عالم جلیل، حضرت مولانا شیخ حسین جمال بن عبد الرحیم:

شیخ محمد عبد الحی کے ساتھ تھے، شیخ کو جب اجازت مل گئی، تو چلتے وقت انھوں نے اجازت و خلافت کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں عرض کیا، تو وقت کی کمی وجہ سے انھیں زبانی اجازت و خلافت سے نواز کر فرمایا کہ:

”شیخ عبد الحی کے اجازت نامہ سے نقل لے کر اس پر اپنا نام تحریر کر لینا“ (۱۷)

☆ سند اجازت کا دوسرا نسخہ ۱۶؍ حضرات کو ملا:

۱۔ شیخ صالح کمال مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۲ھ):

مدرس، امام، خطیب، مفتی احناف، شیخ العلما، سانحہ کربلا پر ایک کتاب لکھی، نیز حیلہ اسقاط کے موضوع پر "القول المختصر المفید لاھل الانصاف فی بیان الدلیل لعمل اسقاط الصلاۃ والصوم المشھور عند الاحناف" لکھی جو ۱۳۲۸ھ؍ ۱۹۱۰ء کو مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی، سند اجازت و خلافت کے لیے اعلیٰ حضرت نے الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیہ نامی نسخہ تجویز فرمایا۔ (۱۸)

۲۔ شیخ سید اسمٰعیل خلیل مکی آفندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۹ھ؍ ۱۹۲۰ء):

مکتبہ حرم کے محافظ تھے، حضرت مولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی سے شرفِ تلمذ تھا، ۲۸؍ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو قیام حرم شریف کے دوران اعلیٰ حضرت سے خلافت و اجازت حاصل کی، آپ کے لیے بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیہ کا انتخاب فرمایا۔ (۱۹)

۳۔ شیخ سید مصطفی خلیل مکی آفندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۹ھ؍ ۱۹۲۰ء):

سید اسمٰعیل خلیل کے چھوٹے بھائی تھے، ۱۳۲۳ھ کے سفر حج و زیارت کے موقعہ پر امام احمد رضا خاں قدس سرہ سے اجازت و خلافت پائی۔ برادر بزرگ سید اسمٰعیل خلیل کی طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے والہانہ محبت تھی، قیام مکہ معظمہ کے دوران دونوں بھائیوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی از حد خدمت کی اور آپ کے آرام و آسائش کی خاطر ہر ممکن کوشش فرمائی۔ (۲۰)

۴۔ شیخ مامون بری مدنی رحمۃ اللہ علیہ :

جب آپ نے خلافت طلب کی اس وقت اعلیٰ حضرت قبلۂ جان ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے، اس لیے اس وقت صرف زبانی اجازت عطا کر دی گئی، پھر جب وطن واپسی ہوئی تو سند اجازت بھجوا دی۔

۵۔ شیخ سید محمد مرزوقی ابو حسین مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۵ھ؍ ۱۹۴۶ء):

امام، مدرس، آپ "ابو حنیفہ صغیر" کے لقب سے ملقب ہوئے، عہد عثمانی میں مکہ کے قاضی، محکمہ تعزیرات کے رکن اور مجلس نہر زبیدہ کے ممبر رہے، عہد ہاشمی میں وزارتِ تعلیم اور عہد سعودی میں ممتاز عہدوں پر فائز رہے، اعلیٰ حضرت نے آپ کو امین الفتویٰ و مکین التقویٰ لکھا ہے۔ (۲۱)

۶۔ شیخ اسعد بن احمد دھان مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ، (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء):

مدرس حرم شریف، آپ بڑے بڑے مناصب سلطنت پر فائز رہے، ۱۳۳۷ھ میں مکہ مکرمہ کے قاضی مقرر ہوئے، آپ کے حلقہ درس میں بڑے بڑے علما تشریف فرما ہوتے تھے۔ (۲۲)

۷۔ شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء):

مدرس، یہ شیخ اسعد دھان کے بھائی ہیں۔

۸۔ شیخ عابد بن حسین رحمۃ اللہ (۱۳۴۱ھ):

مفتی مالکیہ، مدرس، شیخ جمال مکی اور سید عباس مکی آپ کے ممتاز تلامذہ سے تھے۔

۹۔ شیخ علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ:

مسجد حرام میں مدرس اور حضرت شیخ عابد بن حسین مفتی مالکیہ کے بھائی تھے، علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل عبور رکھتے اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ (۲۳)

۱۰۔ شیخ جمال مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء):

مدرس، آپ حضرت شیخ عابد بن حسین مفتی مالکیہ مکہ اور حضرت شیخ علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہم کے بھتیجے تھے۔

۱۱۔ شیخ عبداللہ ابوالخیر مرداد مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء):

مدرس، امام، خطیب، شیخ الخطبا والائمہ، دسویں صدی ہجری تک کے اہم علمائے مکہ مکرمہ کے حالات و کرامات پر "نشر النور والزھر" جیسی اہم کتاب تصنیف فرمائی جس میں فاضل بریلوی کا ذکر خیر کیا، آپ کے استفتا کے جواب میں فاضل بریلوی نے "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" تصنیف کی، آپ حجاز مقدس میں آل سعود کے برپا کردہ انقلاب کے دوران طائف میں شہید کیے گئے۔ (۲۴)

۱۲۔ شیخ سید عبداللہ دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۰ھ):

امام، مدرس، انڈونیشیا، ملائشیا، سنگاپور اور بعض عرب ممالک میں مدارس اسلامیہ قائم کیے، انڈونیشیا میں وفات پائی۔

۱۳۔شیخ بکر رفیع رحمۃ اللہ علیہ:(مکہ مکرمہ)

۱۴۔شیخ حسن بن عبد الرحمٰن عجیمی مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ(۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء):

مدرس، مصنف۔

۱۵۔شیخ سید محمد سعید بن سید محمد مغربی:

صاحب تقویٰ، عالم با عمل، شیخ الدلائل کے لقب سے مشہور تھے، لوگ ان سے دلائل الخیرات کی اجازت لینے کے لیے حاضر بارگاہ ہوتے تھے۔

۱۶۔شیخ عمر بن حمدان محرسی تیونسی مکی مدنی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (...):

مدرس، آپ ''محدث حرمین شریفین'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔(۲۵)

☆سند اجازت کا تیسرا نسخہ ایک شخصیت کو ملا:

۱۔شیخ احمد خضراوی منصوری مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ(۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء):

مدرس، آپ نے فضائل مدینہ منورہ اور زیارت رسول ﷺ پر کتاب ''نفحات الرضا والقبول فی فضائل المدینۃ وزیارۃ الرسول'' تالیف کی۔(۲۶)

☆سند اجازت کا چوتھا نسخہ: یہ چوتھی سند ۱۵ / شخصیات کو ملی تھی، لیکن ان میں نو حضرات وہ ہیں جن کو پہلے یہ سند ملی تھی، پھر انھوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے دوسری تفصیلی سند ''الاجازۃ الرضویہ'' دینے کی استدعا کی، تو آپ نے دوسری سند سے بھی سرفراز فرمایا، وہ ۶ / حضرات جن کو صرف چوتھی سند اجازت حاصل ہوئی تھی، وہ یہ ہیں۔

۱۔شیخ سید سالم بن عیدروس بار علوی حضرمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۷ھ):

زبردست عالم، زاہد، مبلغ اور مدرس تھے، عبادت و ریاضت کثرت سے کرتے تھے، مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے۔(۲۷)

۲۔شیخ سید علوی بن حسن کاف حضرمی رحمہ اللہ:

اعلیٰ حضرت نے آپ کو ان الفاظ میں یاد فرمایا ہے: ''فرزند صلاح والے، جوان فلاح والے، حرم

شریف میں بکرمہ تعالیٰ تحصیلِ علم کا التزام کرنے والے، الکریم السید العلوی بن حسن الکاف الحضرمی"(۲۸)

۳۔شیخ ابوبکر بن سالم بار علوی حضرمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء):

مدرس، فقیہ، تصوف کے اہم پیر طریقت تھے۔

۴۔شیخ سید عبداللہ دحلان بن سید احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ :

آپ شیخ سید احمد زینی دحلان (استاذ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ) کے فرزند تھے، ۲۴/ صفر ۱۳۲۴ھ کو آپ کو خلافت حاصل ہوئی۔

۵۔شیخ سید محمد بن عثمان دحلان رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کو ۲۴/ صفر ۱۳۲۴ھ کو بوقت روانگی مدینہ منورہ اجازت و خلافت سے نوازا گیا۔

۶۔شیخ محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ :

مولانا رحمت اللہ علیہ الرحمہ کے مدرسہ صولتیہ میں مدرس تھے، ۲۴/ صفر ۱۳۲۴ھ کو امام احمد رضا سے نسبت علوم و سلاسل طریقت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

☆ اجازت نامے کا پانچواں نسخہ: اجازت نامے کا یہ نسخہ مندرجہ ذیل دو شخصیتوں کو ملا۔

۱۔شیخ عبدالقادر کردی مکی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت صالح کمال صاحب کے شاگرد تھے۔

۲۔شیخ عبداللہ فرید مکی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت شیخ عبدالقادر کُردی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے، جب آپ کے والد ماجد نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے مرویات کی اجازت طلب کی تو آپ نے نہ صرف انھیں اجازت دی بلکہ ان کے صالح جوان بیٹے عبداللہ فرید کو حدیث، فقہ، تفسیر اور تمام علوم کی اجازت دے دی۔(۲۹)

☆سند خلافت کا چھٹا نسخہ:

یہ نسخہ سید محمد عمر بن سید ابوبکر رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کو مرحمت ہوا تھا، شیخ عمر رحمۃ اللہ علیہ حج و طواف کرانے پر مامور تھے، اس لئے عمر المطوف کے نام سے مشہور تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان کے ساتھ ان کی نرینہ اولاد کو بھی سند اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔

☆سند خلافت کا ساتواں نسخہ:

یہ نسخہ شیخ الدلائل شیخ محمد سعید مغربی بن شیخ سید محمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ کو ملا، لیکن ان کے طلب کرنے پران کو بھی ''الاجازۃ الرضویہ'' سے سرفراز کیا گیا تھا۔

اس طرح ''الاجازات المتینہ''میں درج خلفا کی تعداد ۲۸، ''الملفوظ''میں شیخ سید حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت و خلافت کی صراحت ملتی ہے، جو عرب شریف سے چل کر ہندوستان آئے تھے، اور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں زانوے تلمذ طے کیا تھا، اعلیٰ حضرت نے ان کے لئے علم تکسیر میں ''اطائب الاکسیر فی علم التکسیر''تصنیف فرمایا تھا، اس طرح خلفاے عرب وافریقہ کی تعداد ۲۹؍ بنتی ہے، جن کا ذکر صراحتاً ملتا ہے۔

علاوہ ازیں شیخ سید حسین مدنی کے چھوٹے بھائی شیخ سید ابراہیم مدنی بھی بریلی شریف تشریف لائے تھے، الملفوظ میں ان کے تشریف لانے ذکر ضرور ہے لیکن ان کی خلافت کی تصریح نہیں ہے، اسی طرح سے کئی نام سامنے آتے ہیں جن کو خلیفۂ اعلیٰ حضرت کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے، لیکن بنیادی اور قابل اعتماد ماٰخذ میں ان کا ذکر نہیں ملتا، یا ہماری رسائی وہاں تک نہ ہو پائی۔

(ب) برِّ صغیر سے تعلق رکھنے والے خلفاے اعلیٰ حضرت:

(ا)۔ وہ خلفاے اعلیٰ حضرت جن کا تذکرہ اعلیٰ حضرت نے مختصر تعارف کے ساتھ علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی ادارت میں نکلنے والے ماہ نامہ ''الرضا'' بریلی شریف (۱۳۳۸ھ) میں شائع کرایا تھا۔

۱۔ صاحبزادہ جناب مولانا الحاج مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب، محلہ سوداگران، بریلی۔ عالم، فاضل، مفتی کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت و مجاز طریقت ہیں۔

۲۔ صاحبزادہ جناب مولانا مولوی محمد مصطفی رضا خاں صاحب، محلہ سوداگران، بریلی۔ عالم فاضل، مفتی کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت و مجاز طریقت ہیں۔

۳۔ جناب مولانا مولوی حکیم امجد علی صاحب، ساکن اعظم گڑھ، وارد حال محلہ سوداگران، بریلی، عالم، فقیہ، مصنف، واعظ، مناظر، حامی سنت و مجاز طریقت۔

۴۔ جناب مولانا الحاج الشاہ مولوی سید ابوالمحمود احمد اشرف صاحب۔ درگاہ شریف کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد [امبیڈکر نگر] (وارث سجادہ)، عالم، فاضل، مناظر، واعظ خوش بیان، تلمیذ اعلیٰ حضرت، حامی سنت۔

۵۔ جناب مولانا الحاج مولوی احمد مختار صاحب، صدیقی ۲۳۶، محلہ مشائخاں، میرٹھ۔ عالم، فاضل، خوش بیان و مجاز طریقت۔

۶۔ جناب مولانا مولوی سیدی محمد آصف صاحب۔ کانپور، محلہ فیل خانہ قدیم، عالم و مجاز طریقت۔

۷۔ جناب مولانا سید احمد صاحب الوری، صاحبزادہ جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب، عالم، مدرس واعظ، مناظر، مجاز طریقت۔

۸۔ جناب مولانا مولوی امام الدین صاحب۔ کوٹلی لوہاراں، مغربی ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۹۔ جناب مولانا مولوی احمد بخش صاحب۔ ڈیرہ غازی خاں۔ عالم، فاضل، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، مفتی، مجاز طریقت۔

۱۰۔ جناب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب۔ پشاور، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۱۔ جناب مولوی سید احمد حسین صاحب۔ میرٹھ، مجاز طریقت۔

۱۲۔ جناب مولانا مولوی احمد حسن خاں صاحب امروہی، حیدرآباد، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۳۔ مداح الحبیب جناب مولوی جمیل الرحمٰن خاں صاحب۔ بریلی محلہ بہاری پور۔ میلاد خواں، خوش الحان مداح سرکار دوجہاں ﷺ

۱۴۔ جناب مولانا مولوی حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب۔ مدرس اول مدرستہ الحدیث پیلی بھیت، عالم، فاضل، مدرس، مجاز طریقت۔

۱۵۔ جناب مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب۔ خطیب مسجد خیر نگر میرٹھ۔ عالم، مجاز طریقت۔

۱۶۔ جناب مولانا مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب بہاری۔ مدرس مدرسہ عربیہ مدراس۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۷۔ جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب۔ مفتی جامع آگرہ، ساکن الوَر۔ عالم، فاضل، مفتیِ کامل، مدرس، واعظ، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۱۸۔ جناب مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب۔ مدرس مدرسہ اہل سنت [جامعہ رضویہ منظر اسلام]، محلہ سوداگران، بریلی۔ عالم، فاضل، مدرس، مجاز طریقت۔

۱۹۔ جناب مولانا مولوی محمد رحیم بخش صاحب آرہ۔ اعلیٰ مدرس وبانی فیض الغربا۔ عالم، مدرس، مفتی، مناظر، واعظ، و مجاز طریقت۔

۲۰۔ جناب مولانا مولوی سرفراز احمد صاحب۔ محلہ مہکڑی کھوہ، مرزاپور۔ عالم، واعظ و مجاز طریقت۔

۲۱۔ جناب مولوی شفیع احمد خاں صاحب [بیسلپوری] مدرس مدرسہ اہل سنت (منظر اسلام) بریلی وامین الفتویٰ بدارالافتا۔ عالم، مفتی، واعظ، مناظر و مجاز طریقت۔

۲۲۔ جناب مولانا مولوی شمس الدین صاحب۔ ضلع ناگور قصبہ باسنی، علاقہ جودھپور۔ عالم، مدرس ومجاز طریقت۔

۲۳۔ جناب مولانا مولوی ظہیر الحسن صاحب۔ ساکن اعظم گڑھ، عالم، مدرس ومجاز طریقت۔

۲۴۔ جناب مولانا مولوی ظفر الدین صاحب، بہاری۔ پروفیسر مدرسہ عربیہ خانقاہ، شہسرام۔ عالم، فاضل، کامل مفتی، مصنف، مدرس، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت، ملقب از جانب اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس بہ ''ولدی الاعز''۔

۲۵۔ جناب مولانا مولوی محمد عبد السلام صاحب ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب ''عبد الاسلام''، عقب کوتوالی، جبلپور۔ عالم، فاضل، مفتی کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۶۔ جناب مولانا مولوی حکیم محمد عبد الاحد صاحب۔ خلف الرشید حضرت مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ملقب از جانب اہل سنت مدراس بہ ''سلطان الواعظین''۔ مہتمم مدرسۃ الحدیث، پیلی بھیت۔ عالم، واعظ، مناظر، مدرس، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۷۔ جناب مولانا الحاج المولوی محمد عبد العلیم الصدیقی۔ ۲۳۶، محلہ مشائخاں، میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ خوش بیان، مجاز طریقت۔

۲۸۔ جناب مولانا المولوی عبد الباقی برہان الحق صاحب، صاحبزادہ حضرت مولانا عبد الاسلام۔ عالم، فاضل، مفتی، واعظ، مصنف، مجاز طریقت، ملقب از حضرت قبلہ بہ ''نور عینی''۔

۲۹۔ جناب مولانا مولوی عبد الحکیم خان صاحب۔ ساکن شاہ جہاں پور، ضلع میرٹھ۔ عالم، مدرس، مصنف، صوفی، مجاز طریقت۔

۳۰۔ جناب مولانا مولوی عبد الحق صاحب۔ پنجابی۔ مدرس مدرسۃ الحدیث، پیلی بھیت، عالم، مدرس مفتی مجاز طریقت۔

۳۱۔ جناب مولانا مولوی ابو عبد القادر صاحب۔ کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۲۔ جناب مولانا مولوی حاجی عبد الجبار صاحب، بنگالی۔ عالم، مجاز طریقت۔

۳۳۔ جناب مولانا مولوی حافظ سید عبد الرشید صاحب مظفر پوری۔ عالم، مجاز طریقت۔

۳۴۔ جناب مولانا عبد الکریم صاحب۔ چتوڑ گڑھ علاقہ میواڑ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۵۔ جناب مولانا مولوی الحاج عبد الرحمٰن صاحب۔ جے پور، تکیہ آدم شاہ، وارد حال مدینہ طیبہ۔

عالم، مدرس، مجاز طریقت۔

۳۶۔ جناب حاجی محمد عیسیٰ خاں محمد صاحب۔ دھوراجی، کاٹھیاواڑ، حامی سنت۔

۳۷۔ جناب سیٹھ عبد الستار اسماعیل صاحب۔ گونڈل، کاٹھیاواڑ، حال مقیم رنگون، سورتی بازار، حامی سنت و فرار دہندہ تھانوی از رنگون۔ [تھانوی کو رنگون سے بھگانے والے]

۳۸۔ جناب مولانا مولوی عبد العزیز صاحب۔ مدرس مدرسہ جامع مسجد پیلی بھیت۔ عالم، مجاز طریقت۔

۳۹۔ جناب مولانا مولوی غیاث الدین صاحب، بہار۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۰۔ جناب مولانا مولوی سید فتح علی شاہ صاحب۔ کھروٹہ سیداں، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۱۔ جناب قاضی قاسم میاں صاحب۔ پوربندر، کاٹھیاواڑ، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۲۔ جناب حاجی مولوی منشی محمد لعل خاں صاحب۔ ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب "حامی سنت، ماحی بدعت" ۲۲ نمبر، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ۔ ناصر ملت، عدو بدعت، مجاز طریقت۔

۴۳۔ جناب مولانا مولوی محمد شریف صاحب۔ کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۴۔ جناب مولانا الحاج المولوی منیر الدین صاحب، بنگالی۔ عالم، مجاز طریقت۔

۴۵۔ جناب مولانا مولوی محمود جان صاحب۔ جام جودھپور، کاٹھیاواڑ، عالم، واعظ، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۶۔ جناب مولانا مولوی سید محمد عمر ظہیر الدین الہ آبادی۔ عالم، مجاز طریقت۔

۴۷۔ جناب مولانا مولوی حکیم محمد نعیم الدین صاحب۔ مہتمم مدرسۂ اہل سنت مرادآباد، چوکی حسن خاں۔ عالم، فاضل، مناظر، مصنف، واعظ، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۸۔ جناب مولانا مولوی حاجی سید نور احمد صاحب۔ چاٹ گام۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت و مجاز حضرت مفتی حنفیہ بمکہ معظمہ شیخ صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۹۔ جناب مولانا مولوی محمد یعقوب علی خاں صاحب۔ بلاسپور، ضلع رام پور۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۵۰۔ جناب حاجی، حافظ قاری محمد یقین الدین صاحب۔ ساکن محلہ ملوک پور، بریلی، امام تراویح اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس، مجاز طریقت۔ (۳۰)

(ب): ۱۔ وہ خلفا جن کا ذکر مجددِ اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے قصیدے "الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد (۱۳۳۷ھ)" میں فرمایا ہے، اس میں کل ۱۶ر خلفا کا ذکر موجود ہے، ۱۵ر خلفا کا تعارف

مذکورہ فہرست میں شامل ہے، صرف ایک شخصیت کا نام اس میں شامل نہیں اور وہ خود ماہ نامہ ''الرضا'' کے مدیر علامہ حسنین رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ ہیں، اعلیٰ حضرت ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

دے حسنین وہ تقبیح ان کو جس سے بڑے کھسیاتے یہ ہیں

مفتی اعظم ہند اس کی شرح میں علامہ حسنین رضا خان علیہ الرحمہ کا تعارف یوں پیش کرتے ہیں کہ حسنین سے مراد:

۵۱۔ ''اخی المکرم مولانا مولوی حسنین رضا خاں صاحب بریلوی قادری برکاتی نوری تلمیذ و خلیفۂ اعلیٰ حضرت مد ظلہ و خلف اوسط حضرت عم مکرم مولانا مولوی محمد حسن رضا خاں صاحب قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ۔''(۳۱)

(ج) وہ خلفاے اعلیٰ حضرت جن کا تذکرہ نہ تو پچاس خلفا کی فہرست میں ہے اور نہ الاستمداد میں لیکن دوسرے ذرائع اور شواہد کی بنا پر ان کی خلافت لوگ قبول کرتے ہیں، مولانا شاہد القادری نے ان کی تعداد ۴۰ر ذکر کی ہے:

(۱)علامہ حسین رضا خاں بریلوی (۲) مفتی محمد رضا خاں بریلوی (۳) مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی (۴)خادم اعلیٰ حضرت حاجی کفایت اللہ بریلوی (۵)مفتی عزیز غوث بریلوی (۶)علامہ عبد الحی پیلی بھیتی (۷) علامہ عزیز الحسن پھپھوندوی (۸) مفتی حشمت علی بریلوی (۹) علامہ اسماعیل محمود آبادی (۱۰) علامہ مشتاق احمد کانپوری (۱۱) علامہ ہدایت رسول لکھنوی (۱۲) علامہ خواجہ احمد حسین امروہوی (۱۳)علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی (۱۴) علامہ ضیاء الدین پیلی بھیتی (۱۵)علامہ نثار احمد کانپوری (۱۶) علامہ غلام شوق احمد فریدی سنبھلی (۱۷)علامہ نور الحسن لکھنو (۱۸) قاضی عبد الرحیم عظیم آبادی (۱۹) مفتی رحیم بخش مظفر پوری (۲۰)علامہ سید سلیمان اشرف بہاری (۲۱) علامہ سید عبد الرحمٰن بیتھوی (۲۲) قاری بشیر الدین جبلپوری (۲۳) الحاج سید عبد الرزاق کٹنی (۲۴)شاہ سید حسین علی اجمیری (۲۵) شاہ سید غلام علی اجمیری (۲۶) علامہ محمود الحسن زیدی الوری (۲۷) مولانا عمر بن ابو بکر کھتری (۲۸) علامہ حامد علی فاروقی پرتاپ گڑھی (۲۹)علامہ شہاب الدین شافعی کیرلا (۳۰) مفتی غلام جان ہزاروی (۳۱) مفتی عمر الدین ہزاروی (۳۲) علامہ عبد السلام باندوی (۳۳) صوفی قلندر علی ملتانی (۳۴) علامہ عبد الغفور شاہ پوری (۳۵) شاہ میر مومن جنیدی (۳۶) علامہ نور الحسن نگینوی (۳۷) علامہ ضیاء الدین مدنی (۳۸)علامہ تقدس علی خاں بریلوی (۳۹) پروفیسر محمد الیاس برنی (۴۰)مولانا اکبر

علی شاہ پوری۔(۳۲)

مذکورہ فہرست میں کئی نام ایسے ہیں جن کے خلیفہ اعلیٰ حضرت ماننے میں رضویات پر کام کرنے والوں کو ہمیشہ سے تامل رہا، بلکہ بعض کا خلیفہ اعلیٰ حضرت کے طور پر متعارف کرانا عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے، لہٰذا ان ناموں میں کچھ نام نکل سکتے ہیں بالکل اسی طرح کچھ نام جڑ بھی سکتے ہیں۔

مفتی محمد سلیم بریلوی نے پانچ شخصیات کو خلفا کی فہرست میں اور جوڑا ہے: (۱) مولانا عبد الغفار صاحب بخاری (۲) مولانا محمد ابراہیم صاحب اوگانوی (۳) مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب، درگاہ کلاں بہار شریف (۴) مولانا محمد نذیر الحق صاحب، رمضان پوری (۵) مولانا محمد اسماعیل صاحب بہاری۔

مفتی صاحب نے ان حضرات کی خلافت پر یہ دلیل دی ہے کہ ان کا ذکر اعلیٰ حضرت کے شاگرد کی حیثیت سے ''حیات اعلیٰ حضرت'' اور ''الملفوظ'' وغیرہ میں ملتا ہے، اور اعلیٰ حضرت کا یہ طریقہ تھا کہ سند علم کے ساتھ سند خلافت بھی عطا فرمادیا کرتے تھے۔(۳۳)

خلفاے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر یہ ایک سرسری نگاہ ہے، اگر ان کی حیات و خدمات کو حیطۂ تحریر میں لایا جائے تو ہزاروں صفحات کم پڑیں گے، درس و تدریس سے لے کر فقہ و افتا تک، سیادت و قیادت سے لے کر صحافت و سیاست تک، تقریر و خطابت سے لے کر میدان مناظرہ تک، زہد و تقویٰ سے لے کر طریقت کی اعلیٰ منزلوں تک، علومِ ظاہری سے لے کر علوم باطن تک، ردِّ بد مذہبیت سے لے کر تبلیغ دین و سنت تک ہر میدان میں خلفاے اعلیٰ حضرت علیھم الرحمہ اپنی مثال آپ ہیں، ان میں سے بعض شخصیتیں تو اتنی بھاری بھرکم ہیں جو اپنے اندر ایک انجمن تھیں، مثلاً صدر الشریعہ علامہ امجد علی علیہ الرحمہ جو حقیقی طور پر استاذ الاساتذہ ہیں، ہند و پاک کے تمام علما کسی نہ کسی طریقے سے حضرت کے شاگرد ہیں...علامہ عبد العلیم میرٹھی صدیقی جن کو بجا طور پر مبلغ اعظم کہا جاسکتا ہے، انھوں نے دنیا کے گوشے گوشے میں جاکر اسلام و سنیت کا پیغام پہنچایا... علامہ نعیم الدین مرادآبادی جن کو بجا طور پر ہر فن میں مولا کہا جاسکتا ہے، تدریس، خطابت یا سیاست، تصنیف و تالیف یا مناظرہ سب میں ماہر، اور پھر مناظرہ چاہے جس سے ہو، مد مقابل خواہ شدھی تحریک والے ہوں یا وہابی، سب کو دھول چٹا دیتے تھے۔

حوالہ جات:

(۱)۔ سید اسماعیل خلیل مکی آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مکتوب اعلیٰ حضرت کے نام، مشمولہ الاجازات المتینہ
(۲)۔ مقدمہ بر تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۲۱۔
(۳)۔ مقدمہ بر تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۲۲۔
(۴)۔ ظفر الدین بہاری، ملک العلما، حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۸۷۔۳۸۷۔
(۵)۔ ماہ نامہ "الرضا" بریلی شریف، شمارہ ۴۔۵ / ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ۔
(۶)۔ الاجازات المتینہ ص ۴۳۲، بحوالہ تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۱۱۳۔
(۷)۔ الاجازات المتینہ کا پہلا نسخۂ اجازت بحوالہ تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۱۰۹۔
(۸)۔ ماہ نامہ "الرضا" بریلی شریف، شمارہ ۴۔۵ / ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ۔
(۹)۔ تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۳۔
(۱۰)۔ اعلیٰ حضرت کے خلفا اور تلامذہ ص ۹۴۔
(۱۱)۔ تقریظ بر تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۲۶۔
(۱۲)۔ اعلیٰ حضرت کے خلفا اور تلامذہ ص ۱۰۸۔۱۰۹۔
(۱۳)۔ اعلیٰ حضرت کے خلفا اور تلامذہ۔
(۱۴)۔ تقریظ بر تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۲۸۔
(۱۵)۔ مقدمہ، تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۲۱۔
(۱۶)۔ تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت، الاجازات المتینہ ص ۹۸۔
(۱۷)۔ الاجازات المتینہ۔
(۱۸)۔ امام احمد رضا اور علماے مکہ مکرمہ ص ۲۱ و تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۱۰۰۔
(۱۹)۔ تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۳۵۔
(۲۰)۔ تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۱۱۹۔
(۲۱)۔ امام احمد رضا اور علماے مکہ مکرمہ ص ۲۵، تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۸۰۔
(۲۲)۔ تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۵۵۔

(۲۳)۔تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۶۸۔

(۲۴)۔امام احمد رضا اور علماے مکہ مکرمہ ص ۲۱۔۲۲۔

(۲۵)۔امام احمد رضا اور علماے مکہ مکرمہ ص ۲۳۔

(۲۶)۔امام احمد رضا اور علماے مکہ مکرمہ ص ۱۹۔

(۲۷)۔تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ۶۱۔

(۲۸)۔الاجازت المتینہ ۱۷۹۔

(۲۹)۔تذکرہ خلفاے اعلیٰ حضرت ص ۶۸۔

(۳۰)۔اعلیٰ حضرت خلفا اور تلامذہ ص ۸۵۔۹۰ بحوالہ ماہ نامہ "الرضا" بریلی شریف، شمارہ ۴۔۵ ماہ ربیع الآخرہ، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کے ص نمبر ۹۔۱۲۔

(۳۱)۔الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد مع شرح ملقب بلقب تاریخی کشف ضلال دیوبند ص ۶۸۔

(۳۲)۔ فہرست تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت۔

(۳۳)۔ اعلی حضرت کے خلفا اور تلامذہ۔

باب ہفتم

شعر و سخن

- تجھے حمد ہے خدایا — امام احمد رضا قادری بریلوی
- سب اسی کے دم کی بہار ہے — امام احمد رضا قادری بریلوی
- زمین و زماں تمھارے لیے — امام احمد رضا قادری بریلوی
- مثنوی رد امثالیہ، از: امام احمد رضا قادری
  ترجمہ: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
- پیر پیراں میر میراں، از: امام احمد رضا قادری
  ترجمہ: علامہ محمد احمد مصباحی

تجھے حمد ہے خدایا

امام **احمد رضا قادری بریلوی** رحمۃ اللہ علیہ

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

تجھے حمد ہے خدایا

تمھی حاکم برایا تمھی قاسم عطایا
تمھی دافع بلایا تمھی شافع خطایا

کوئی تم سا کون آیا

وہ کنواری پاک مریم وہ نَفَخْتُ فیہ کادم
ہے عجب نشانِ اَعظم مگر آمنہ کا جایا

وہی سب سے افضل آیا

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا

تجھے یک نے یک بنایا

فَاِذَافَرَغْتَ فَانْصَبْ یہ ملا ہے تم کو منصب
جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقت بخشش آیا
کرو قسمت عطایا

وَاِلَی الْاِلٰہِ فَارْغَبْ کرو عرض سب کے مطلب
کہ تمھی کو تکتے ہیں سب کرو ان پر اپنا سایا
بنو شافعِ خطایا

ارے اے خدا کے بندو !کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خُدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا

ہمیں اے رضا ترے دل کا پتا چلا بہ مشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا

کبھی خندہ زیر لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے
کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا
نہ اسی نے کچھ بتایا

کبھی خاک پر پڑا ہے سر چرخ زیرِ پا ہے
کبھی پیش در کھڑا ہے سر بندگی جھکایا

تو قدم میں عرش پایا

کبھی وہ تپک کہ آتش کبھی وہ ٹپک کہ بارش
کبھی وہ ہجوم نالِش کوئی جانے ابر چھایا

بڑی جوششوں سے آیا

کبھی وہ چہک کہ بلبل کبھی وہ مہک کہ خود گل
کبھی وہ لہک کہ بالکل چمنِ جناں کھلایا

گلِ قدس لہلہایا

کبھی زندگی کے ارماں کبھی مرگِ نَو کا خواہاں
وہ جیا کہ مرگِ قرباں وہ موا کہ زیست لایا

کہے روح ہاں جِلایا

یہ تصوراتِ باطل ترے آگے کیا ہیں مشکل
تری قدرتیں ہیں کامل انہیں راست کر خدایا

میں انہیں شفیع لایا

❋ ❋ ❋

سب اسی کے دم کی بہار ہے

امام **احمد رضا قادری بریلوی** رحمۃ اللہ علیہ

نظر اِک چمن سے دو چار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے
عجب اُس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبلِ زار ہے

نہ دلِ بشر ہی فگار ہے کہ مَلک بھی اس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہَژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے

نہیں سر کہ سجدہ کُناں نہ ہو نہ زباں کہ زمزمہ خواں نہ ہو
نہ وہ دل کہ اس پہ تپاں نہ ہو نہ وہ سینہ جس کو قرار ہے

وہ ہے بھینی بھینی وہاں مہک کہ بسا ہے عرش سے فرش تک
وہ ہے پیاری پیاری وہاں چمک کہ وہاں کی شب بھی نہار ہے

کوئی اور پھول کہاں کھلے نہ جگہ ہے جوششِ حُسن سے
نہ بہار اور پہ رخ کرے کہ جھپک پلک کی تو خار ہے

یہ سَمَن یہ سوسَن و یاسمن یہ بنفشہ سنبل و نَسترن
گل و سَرو و لالہ بھرا چمن وہی ایک جلوہ ہزار ہے

یہ صبا سنک وہ کلی چٹک یہ زباں چہک لبِ جُو چھلک
یہ مہک جھلک یہ چمک دمک سب اسی کے دم کی بہار ہے

وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے وہی اصلِ عالَم و دَہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے

وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا وہ نہ ہو تو باغ ہو سب فنا
وہ ہے جان، جان سے ہے بقا وہی بُن ہے بن سے ہی بار ہے

یہ ادب کہ بلبلِ بے نوا کبھی کُھل کے کر نہ سکے نوا
نہ صبا کو تیز روش روا نہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے

بہ ادب جھکا لو سَرِ وِلا کہ میں نام لوں گل و باغ کا
گلِ تر محمدِ مصطفیٰ چمن اُن کا پاک دِیار ہے

رُسُل و مَلک پہ دُرود ہو وہی جانے اُن کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیعِ روزِ شمار ہے

نہ حجاب چرخ و مسیح پر نہ کلیم و طور نہاں مگر
جو گیا ہے عرش سے بھی اُدھر وہ عرب کا ناقہ سوار ہے

گنہِ رؔضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے عَفُوّ تِرے عَفْو کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے

❊ ❊ ❊

بنے دو جہاں تمھارے لیے

امام **احمد رضا قادری بریلوی** رحمۃ اللہ علیہ

زمین وزماں تمھارے لیے مکین و مکاں تمھارے لیے
چنین و چناں تمھارے لیے بنے دو جہاں تمھارے لیے

دہن میں زباں تمھارے لیے بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے اٹھیں بھی وہاں تمھارے لیے

فرشتے خَدَم رسولِ حَشَم تمامِ اُمَم غُلامِ کرم
وُجود و عَدم حُدوث وقِدم جہاں میں عَیاں تمھارے لیے

کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسول و نبی
عتیق و وصی، غنی و علی؛ ثنا کی زباں تمھارے لیے

اَصالتِ کُل، اِمامتِ کُل، سِیادتِ کُل، اِمارتِ کُل
حکومتِ کُل، وِلایتِ کُل؛ خدا کے یہاں تمھارے لیے

تمھاری چمک، تمھاری دمک، تمھاری جھلک تمھاری مہک
زمین و فلک، سِماک و سمک میں سکّہ نشاں تمھارے لیے

وہ کنزِ نہاں، یہ نورِ فَشاں، وہ کُن سے عَیاں یہ بزمِ فکاں
یہ ہر تن و جاں، یہ باغِ جناں، یہ سارا سماں تمھارے لیے

ظہورِ نہاں، قیامِ جہاں، رکوعِ مِہاں، سجودِ شہاں
نیازیں یہاں، نمازیں وہاں، یہ کس لیے ہاں تمھارے لیے

یہ شمس و قمر، یہ شام وسحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکم رواں تمھارے لیے

عطائے اَرَب جلائے کَرب فُیوضِ عجب بغیرِ طلب
یہ رحمتِ رب ہے کس کے سبب برَبِّ جہاں تمھارے لیے

جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن پھبن میں دُلھن
سزائے مِحَن پہ ایسے مِنَن یہ امن و اماں تمھارے لیے

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمھارے لیے

صباہ وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لِوا کے تلے ثنا میں کھلے رضؔا کی زباں تمھارے لیے

❊ ❊ ❊

مَثنَوی رَدِّ اَمثَالِیَّۃ

از: امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ: اختر حسین فیضی مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

---

(۱)
گریۂ کن بلبلا! از رنج و غم
چاک کن اے گل! گریباں از الم

اے بلبل (نغمہ سرائی چھوڑ) رنج وغم سے گریہ و زاری کر (اور) اے پھول! (شدت) تکلیف سے گریباں چاک کر۔

(۲)
سنبلا! از سینہ بر کش آہ سرد
اے قمر! از فرط غم شو روے زرد

اے سنبل! سینے سے سرد آہ کھینچ، اے چاند! شدت غم سے زرد ہوجا (پیلا پڑجا)

(۳)
ہاں! صنوبر خیز فریاد ے بکن
طوطیا! جز نالہ ترک ہر سخن

اے صنوبر! اٹھ فریاد کر، اے طوطی! سوائے رونے کے ساری باتیں چھوڑ دے۔

(۴)
چہرہ سرخ از اشک خونیں ہر گلیست
خون شو غنچہ! زمان خندہ نیست

خون کے آنسو سے ہر پھول کا چہرہ سرخ ہے، اے غنچے! خون ہوجا ہنسنے کا موقع نہیں۔

(۵)
پارہ شو اے سینۂ مہ! ہمچو من
داغ شو اے لالۂ خونیں کفن!

اے چاند کے سینے! میری طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوجا، اے خون سے کفن والے لالہ! سراپا داغ ہوجا۔

(۶)
خرمن عیشت بسوز اے برق تیز!
اے زمیں! بر فرق خود خاکے بریز

اے تیز بجلی! اپنے عیش کا کھلیان جلا دے، اے زمین! اپنے سر پر خاک ڈال (ماتم کر)۔

(۷)
آفتابا! آتش غم بر فروز
شب رسید اے شمع روشن! خوش بسوز

اے سورج! غم کی آگ تیز کر، اے روشن چراغ! رات ہوگئی اچھی طرح جل۔

(۸)
ہمچو ابر اے بحر! در گریہ بجوش
آسمانا! جامۂ ماتم بپوش

اے سمندر! بادل کی طرح گریہ وزاری کر، اے آسمان ماتمی لباس پہن۔

(۹)
خشک شو اے قلزم! از فرطِ بُکا
جوش زن اے چشمۂ چشمِ ذُکا!

اے سمندر! روتے روتے خشک ہوجا، اے چشم آفتاب کے چشمے! جوش مار۔

(۱۰)
کن ظہور اے مہدی عالی جناب!
بر زمیں آ عیسیِ گردوں قِباب

اے بلند مقام امام مہدی ظہور فرمائیے، اے خیمۂ آسمان میں رہنے والے حضرت عیسی زمین پر تشریف لائیے۔

(۱۱)
آہ آہ! از ضعف اسلام آہ آہ
آہ آہ! اے نفس خود کام آہ آہ

آہ آہ! ضعف اسلام سے آہ آہ، آہ آہ! اے خود غرض نفس آہ آہ۔

(۱۲)
مردماں شہوات را دیں ساختند
صد ہزاراں رخنہا انداختند

لوگوں نے خواہشات کو دین بنالیا، اسلام میں ہزاروں رخنے ڈال دیے۔

(۱۳)
ہر کہ نفسش رفت راہے از ہوا
ترک دیں گفت و نمودش اقتدا

جس کا نفس، خواہش کی راہ چلا، دین چھوڑا اور نفس کا پے رو ہوا۔

(۱۴)
بہر کارے ہرکرا گفتہ تعال
سر قدم کردہ نمودش امتثال

کسی کو برے کام کی دعوت دی تو اس نے سر کے بل چل کر اس کی تابع داری کی۔

(۱۵) ہر کرا گفت ایں چنیں کن اے فلاں!

گفت لبیک و پذیر فتش بجاں

اگر کسی سے کہا کہ اے فلاں! یہ کام کر، تو اس نے لبیک کہتے ہوئے اسے دل و جاں سے قبول کرلیا۔

(۱۶) آں یکے گویاں محمد آدمی ست

چوں من و دروحی او را بر تریست

کوئی کہتا ہے محمد میری طرح ایک آدمی ہیں، انھیں صرف وحی کی وجہ سے برتری حاصل ہے۔

(۱۷) جز رسالت نیست فرقے درمیاں

من برادر خورد باشم او کلاں

رسالت کے علاوہ ہمارے درمیاں کوئی فرق نہیں، میں چھوٹا بھائی ہوں اور وہ بڑے بھائی۔

(۱۸) ایں نداند از عمٰی آں نا سزا

یا خود ست ایں ثمرۂ ختم خدا

یہ کم بخت اپنے اندھے پن کی وجہ سے نہیں سمجھتا یا اس پر اللہ کی طرف سے مہر لگا دی گئی ہے۔

(۱۹) گر بود مر لعل را فضل و شرف

کے بود ہم سنگ او سنگ و خزف

جب لعل کو فضل و شرف حاصل ہے تو پتھر اور ٹھیکری اس کے ہم پلہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۲۰) آں خزف افتادہ باشد بر زمیں

بس ذلیل وخوار و ناکا رہ مہیں

وہ ٹھیکری زمیں پر ذلیل و خوار، بے قدر اور بے کار پڑی رہتی ہے۔

(۲۱) لعل باشد زیب تاج سروراں

زینت و خوبیِ گوش دل براں

لعل بادشاہوں کے تاج کی زینت ہوتا ہے، محبوبوں کے کان کی آرائش و زیبائش بنتا ہے۔

(۲۲) واں دمے کز حلق مذبوحے جہد

کے بفضل مشک اذفر می رسد

وہ خون جو مذبوح کے حلق سے نکلتا ہے، تیز بو مشک کے مرتبہ کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔

(۲۳) بوے او کردہ پریشاں صد مشام
جامہا ناپاک از مسّش تمام

اس (خون) کی بدبو سیکڑوں دماغ کو پریشان کر دیتی ہے، اور اس کے لگ جانے سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔

۲۴ اُو دمِ مسفوح ذمّش در نُبی
مدحت مشک اطیب الطیب از نبی

وہ بہتا ہوا خون ہے جس کی مذمت قرآن میں آئی ہے، یہ مشک ہے جس کی مدحت میں نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اطیب الطیب (سب سے بہتر خوشبو) فرمایا ہے۔

۲۵ مشک اذفر روح را بخشد سرور
ہمچو بوے سنبل گیسوے حور

مشک اذفر روح کو سرور بخشتا ہے جیسے گیسوے حور کے سنبل کی خوش بو۔

۲۶ شامّہ از بوے او رشکِ جناں
ہم معطر زو قباے مہوشاں

اس کی خوش بو سے قوت شامّہ رشک جنت ہے اور حسینوں کے لباس اس سے معطر ہیں۔

۲۷ مولویِّ معدن رازِ نہفت
رحمۃ اللہ علیہ خوش بگفت

مولوی (مولانا روم) جو خفیہ راز کی کان ہیں ان پر اللہ کی رحمت ہو انھوں نے کیا ہی اچھی بات کہی۔

۲۸ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شِیر

اللہ والوں کے کام کو اپنے جیسا نہ سمجھ اگرچہ شیر اور شِیر لکھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔

۲۹ ہے چہ گفتم ایں چنیں شبہ شنیع
کے بود شایان آں قدر رفیع

افسوس! میں نے یہ کیا کہہ دیا، کہاں یہ قبیح تشبیہ اور کہاں اس ذات ارفع و اعلیٰ کی شان۔

۳۰ لعل چہ بود جوہرے با سرخیے
مشک چہ بود خون ناف وحشیے

لعل کیا ہے؟ ایک سرخ جوہر! (اور) مشک کیا ہے؟ ایک جنگلی جانور کی ناف کا خون!

۳۱ مصطفیٰ نور جناب امر کن
آفتاب برج علم من لدن

مصطفی (ﷺ) امر کن (خدائے پاک) کی بارگاہ کے نور ہیں، علم لدنی کے برج کے آفتاب ہیں۔

۳۲ معدن اسرار علام الغیوب
برزخ بحرین امکان و وجوب

مصطفیٰ ﷺ علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) کے رازہائے سربستہ کی کان ہیں، امکان و وجوب کے سمندروں کے درمیان برزخ ہیں۔

۳۳ بادشاہ عرشیان و فرشیاں
جلوہ گاہ آفتاب کن فکاں

حضور ﷺ عرش والوں اور فرش والوں کے بادشاہ ہیں، آفتاب کن فکاں (حاکم ازل) کی جلوہ گاہ ہیں۔

۳۴ راحت دل قامت زیبائے او
ہر دوعالم والہ و شیدائے او

ان کی قامت زیبا دل کا سکون ہے دونوں جہاں ان پر شیفتہ و شیدا ہے۔

۳۵ جان اسمٰعیل بر رو یش فدا
از دعا گویاں خلیل مجتبیٰ

اسماعیل علیہ السلام کی جان ان کے رخ پر قربان! حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ان کے ایک دعا گو:!

۳۶ گشت موسیٰ در طویٰ جویانِ او
ہست عیسیٰ از ہوا خواہانِ او

موسیٰ علیہ السلام وادی طویٰ میں انہی کی جستجو میں رہے، عیسیٰ علیہ السلام ان کے چاہنے والے ہوئے۔

۳۷ بندگانش حور و غلمان و ملک
چاکرانش سبز پوشانِ فلک

حور و غلماں اور فرشتے ان کے غلام ہیں، فلک کے مردان غیب ان کے خدمت گار ہیں۔

۳۸ مہر تابان علوم لم یزل
بحر مکنوناتِ اسرارِ ازل

وہ علوم الٰہیہ کے چمکتے آفتاب ہیں، رازہائے ازل کے پوشیدہ موتیوں کا سمندر ہیں۔

۳۹ ذرۂ زاں مہر بر موسیٰ دمید
گفت من باشم بعلم اندر فرید

اس آفتاب کی ایک کرن موسیٰ علیہ السلام پر پڑی تو انھوں نے کہا میں علم میں یگانۂ روزگار ہوں۔

۴۰ رشحۂ زاں بحر بر خضر اوفتاد
تا کلیم اللہ را شد اوستاد

اس سمندر کا ایک چھینٹا حضرت خضر پر پڑا تو وہ موسیٰ کلیم اللہ کے استاد ہو گئے۔

۴۱ بس ورا زیں قدر شاہ انبیا
لیک مجبورم زفہمِ اغبیا

جو کچھ میں نے کہا سرور انبیا ﷺ کی شان اس سے بہت آگے ہے لیکن میں کم عقلوں کی سمجھ سے مجبور ہوں۔

۴۲ وصف او از قدرتِ انساں وراست
حاش للہ ایں ہمہ تفہیم راست

حضور کی تعریف و توصیف انسان کی طاقت سے باہر ہے، پاکی ہے اللہ کے لیے، یہ جو کچھ بھی ہے سمجھانے کے لیے ہے۔

۴۳ لذتِ دیدار شوخے سیم تن
ماہ روے دل برِ غنچہ دہن

ایسے محبوب کے دیدار کی لذت جس کا بدن چاندی کی طرح، چہرہ چاند سا، ایسا دل بر جس کا دہن غنچہ جیسا۔

۴۴ فتنہ آئینے خراماں گلشنے
رشک گل شیریں ادا نازک تنے

جس کا دستور فتنے اٹھانا، جو ایک چلتا پھرتا گلشن، جس پر گل کو رشک آئے، جس کی ادا شیریں اور

بدن نازک ہو۔

۴۵
گر بخواہی فہمِ او مردے کند
کوز عشق و حسن نا آگہ بود

اگر چاہتے ہو کہ (ایسے شوخ دل بر کے دیدار کی لذت) ایسا آدمی سمجھ جائے جو حسن وعشق سے ناآشنا ہو۔

۴۶
ناکشیدہ منتِ تیر جفا
لب بفریاد و فغاں نا آشنا

جس نے کبھی تیر جفا کا احسان نہ اٹھایا ہو، جس کے لب آہ وفغاں سے بے خبر ہوں۔

۴۷
دل نہ شد خوں نا بہ در یادِ لبے
بر لبش نامد زہجراں یا رَبے

جس کا دل کسی لب کی یاد میں خون نہ ہوا ہو، جس کے لب پر کبھی فراق کے درد میں یارب نہ آیا ہو۔

۴۸
مرغ عقلش بے پرو بالے شود
جز کہ گوئی چوں شکر شیریں بود

(محبوب مذکور کی لذت دیدار کے ادراک سے) ایسے شخص کا مرغ عقل عاجز (اور بے بال و پر) ہو جائے گا۔ اس کے سمجھنے کے لیے بس یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ لذت شکر کی طرح میٹھی ہوتی ہے۔

(۴۹)
گرچہ خود داند اسیر دل ربا
از کجا ایں لذت و شکّر کجا

حالاں کہ اس دل ربا کے عشق میں جو گرفتار ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کہاں یہ لذت اور کہاں شکر؟

(۵۰)
زیں مثل تو می شدی از نیش نوش
لیک من باردگر رفتم زہوش

اس مثل سے تمھیں تو بد مزگی کے بعد مزہ آگیا، گویا زہر کے بعد تریاق مل گیا لیکن میں تو دوبارہ ہوش سے جاتا رہا۔

(۵۱)
ما من از تمثیل می کردم طلب
باز رفتم سوے تمثیل اے عجب

میں تمثیل سے امن کی جگہ تلاش کر رہا تھا مگر تعجب کہ پھر تمثیل کی جانب چل پڑا۔

(۵۲) زیں کرو فر در عجب وا ماندہ ام
حیرت اندر حیرت اندر حیرتم

میں اس شان وشوکت سے تعجب میں پڑا رہ گیا میری حیرت، حیرت در حیرت میں ہے۔

(۵۳) ایں سخن آخر نہ گردد از بیاں
صد اَبد پایاں رَوَد او ہم چناں

یہ بات بیان سے تمام نہ ہوگی سوا َبد تمام ہوجائیں گے اور وہ ناتمام ہی رہے گی۔

(۵۴) نیست پایانش اِلیٰ یوم التناد
ختم کن واللہ اعلم بالرشاد

روز قیامت تک اس کی انتہا نہیں، بس کرو، اللہ ہی درستی کو خوب جانتا ہے۔

(۵۵) خامشی شد مہر لب ہائے بیاں
باز گرداں سوے آغازش عنا

بیان کے لبوں پر خاموشی کی مہر لگ گئی، اس کے آغاز کی طرف پھر اپنی لگام موڑ دے۔

(۵۶) ایں چنیں صدہا فتن انگیختند
بر سرِ خود خاک ذلت ریختند

ان لوگوں نے ایسے سیکڑوں فتنے برپا کیے اور اپنے سروں پر ذلت کی خاک ڈالی۔

(۵۷) فرقۂ دیگر زاسماعیلیاں
بستہ در توہین آں سلطاں میاں

ایک دوسرا فرقہ اسماعیلیوں کا ہے، جس نے سلطان دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین پر کمر باندھ رکھی ہے۔

(۵۸) در دل شاں قصد تازہ فتنہا
بر لب شاں ایں کلام ناسزا

ان کے دل میں ہمیشہ نئے نئے فتنوں کا قصد ہوتا ہے، ان کے لب پر یہ ناروا گفتگو رہتی ہے۔

(۵۹) گر بہ شش طبقات زیرینِ زمیں
حق فرستاد انبیاء و مرسلیں

اگر زمین کے نیچے چھوؤں طبقات میں اللہ نے انبیا و مرسلین بھیجے۔

(۶۰) شش چوں آدم شش چوں موسیٰ شش مسیح
شش خلیل اللہ شش نوح و ذبیح

چھ آدم کی طرح چھ موسیٰ اور چھ مسیح کی طرح (ایسے ہی) چھ خلیل اللہ اور چھ نوح و ذبیح کی طرح۔

(۶۱) ہمدرانہا شش چوں ختم الانبیا
مثل احمد در صفات اعتلا

ان ہی طبقات میں نبی آخر الزماں ﷺ کی طرح چھ نبی بھیجے جو بلندیِ صفات میں احمد مجتبیٰ کی طرح ہیں۔

(۶۲) با محمد ہر یکے دارد مِرے
در صفات ظاہری و باطنے

ظاہری و باطنی خوبیوں میں ہر ایک محمد ﷺ کا ہم پلہ ہے۔

(۶۳) پارہ شد قلب و جگر زیں گفتگو
اِحذَرُوا یٰاَیُّھَا النَّاس احذَرُوا

اس بکواس سے قلب و جگر پارہ پارہ ہو گئے، اے لوگو! (ایسی بیہودہ باتوں سے) بچو، بچو۔

(۶۴) الحذر اے دل! زشعلہ زادگاں
پاے از زنجیر شرع آزادگاں

اے دل! آگ کی اولاد، شیطانوں سے پرہیز کر جن کے پاؤں شریعت کی زنجیر سے آزاد ہیں۔

(۶۵) مصطفیٰ مہریست تاباں بالیقیں
منتشر نورش بہ طبقات زمیں

یقیناً محمد مصطفیٰ ﷺ مہر تاباں ہیں جن کا نور تمام طبقات زمین میں پھیلا ہوا ہے۔

(۶۶) مستنیر از تابش یک آفتاب
عالمے واللہ اعلم بالصواب

اور اسی ایک آفتاب کی تابانی سے عالم روشن ہے اور حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۶۷) گرچہ یک باشد خود آں مہر سَنی
احولانش ہفت بینند از کجی

اگرچہ وہ روشن آفتاب ایک ہی ہے (مگر) بھینگے اسے کجی کی وجہ سے سات دیکھتے ہیں۔

(۶۸) دو ہمی بینند یک را احولاں
الاماں زیں ہفت بیناں الاماں

بھینگے تو ایک کو دو ہی دیکھتے ہیں (اللہ) محفوظ رکھے ان بھینگوں سے جو ایک کو سات دیکھتے ہیں۔

(۶۹) چشم کج کردہ چوں بینی ماہ را
زاحولی بینی دو آں یکتاہ را

جب تو آنکھ کج کر کے چاند کو دیکھے گا تو کجی کی وجہ سے وہ ایک دو دکھائی دے گا۔

(۷۰) گوئی از حیرت عجب امریست ایں
خواجہ! دوشد ماہ روشن چیست ایں

تو حیرت سے کہے گا کہ یہ تو عجیب بات ہے، اے آقا! روشن و تاباں چاند دو ہو گیا، یہ کیا ماجرا ہے۔

(۷۱) راست کردی چشم و شد رفع حجاب
یک نماید ماہ تاباں یک جواب

تو نے آنکھ سیدھی کر لی اور پردہ اٹھ گیا تو تجھے ایک ہی ماہ تاباں نظر آئے گا اور تیرا ایک ہی جواب ہو گا۔

(۷۲) راست کن چشم خود از بہر خدائے
ہفت بیں کم باش اے ہر زہ دَرائے!

اللہ کے واسطے اپنی آنکھ درست کر لے، اے بے ہودہ گو! ایک کو سات دیکھنے والا نہ بن۔

(۷۳) اے برادر! دست در احمد بزن
برکجی نفسِ بد دیگر متن

اے بھائی! احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن تھام لے اور خبیث نفس کی کجی پر پھر نہ اترانا۔

(۷۴) رو تشبّث کن بذیل مصطفیٰ
احولی بگذار سوگند خدا

جا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن سے لپٹ جا، خدا کے واسطے بھینگا پن چھوڑ دے۔

(۷۵) پندہا دادیم و حاصل شد فراغ
ماعلینا یا اخی! الا البلاغ

ہم نصیحت کر کے فارغ ہو گئے، اے بھائی! ہم پر صرف پہنچانا لازم ہے۔

(۷۶) در دوعالم نیست مثل آں شاہ را
در فضیلتہا و در قرب خدا

دونوں جہاں میں اس بادشاہ کا مثل کوئی نہیں، نہ فضائل میں نہ قرب خداوندی میں۔

(۷۷) ماسوی اللہ نیست مثلش از یکے
برتراست ازوے خدا اے مہتدے!

کائنات میں کوئی ان کا مثل نہیں اللہ تعالیٰ ہی ان سے برتر و بالا ہے، اے ہدایت پانے والے!

(۷۸) انبیاے سابقین اے محتشم!
شمعہا بودند در لیل و ظلم

اے محترم! انبیاے سابقین علیہم السلام کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں شمع ہدایت تھے۔

(۷۹) درمیان ظلمت و ظلم و غلو
مستنیر از نور ہر یک قوم او

ظلم و زیادتی اور تاریکیوں میں ہر نبی سے ان کی قوم روشنی پاتی رہی۔

(۸۰) آفتابِ خاتمیت شد بلند
مہر آمد شمعہا خامش شدند

جب خاتمیت کا آفتاب بلند ہوا، سورج طلوع ہوا، ساری شمعیں بجھ گئیں۔

(۸۱) نورِ حق از شرق بے مثلی بتافت
عالَمی از تابشِ او کام یافت

نور حق بے مثالی کے مشرق سے تاباں ہوا، ایک جہاں اس کی تابش سے کام یاب ہوا۔

(۸۲) دفعتہً برخاست اندر مدحِ او
از زبانہا شور لاَ مثلَ لَہٗ

یکایک زبانوں پر ان کی مدح و ستائش میں ''لامثل لہ'' (ان کا کوئی مثل نہیں) کا ایک شور بپا ہوگیا۔

(۸۳) لیک شپر نا پذیرفت از عناد
در جہاں ایں بے بصر یارب مباد

لیکن (روز روشن میں سورج کو نہ دیکھنے والے) چمگادڑوں نے عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قبول نہ

کیا، اے پروردگار ایسے بے نظر دنیا میں نہ رہیں۔

(۸۴)
چشمہا بودند ایں ربانیاں
مزرعِ دل بہرہ یاب از فیض شاں

یہ اللہ والے ایسے چشمے تھے جن کے فیض سے دل کی کھیتیاں شاداب تھیں۔

(۸۵)
ابر آمد کِشتہا سیراب کرد
نخل ہائے خشک را شاداب کرد

ابر رحمت آیا کھیتیوں کو سیراب اور خشک درختوں کو شاداب کر دیا۔

(۸۶)
حق فرستاد ایں سحاب باصفا
کے یُطَھِّرَنَا و یُذْھِبْ رِجْسَنَا

حق تعالیٰ نے اس صاف، شفاف بادل کو بھیجا تا کہ وہ ہمیں پاک کرے اور ہماری ناپاکی دور کرے۔

(۸۷)
بارش او رحمت رب العلیٰ
شور رعدش رحمۃٌ مُّھداۃ آنا

اس کی بارش رب العلی کی رحمت ہے اور اس کی گرج کا اعلان ہے: **انا رحمۃٌ مُّھداۃ**۔ میں ہدیہ کی ہوئی رحمت ہوں۔

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے: "**یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ**" یعنی اے لوگو! میں ایسی رحمت ہوں جو تمھیں تحفے میں ملی ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج:۱، ص:۱۹۵، دار المعرفۃ لبنان)

(۸۸)
رحمتش عام است بہر ہمگناں
لیک فضلش خاص بہر مومناں

اس کی رحمت سب کے لیے عام ہے، لیکن اس کا فضل مومنوں کے لیے خاص ہے۔

(۸۹)
چوں نئی بے مثلیش را معترف
کے شوی از بحر فیضش مغترف

جب تو ان کی بے مثلی کا اعتراف نہیں کرتا تو ان کے دریائے کرم سے کیسے سیراب ہو سکتا ہے۔

(۹۰)
نیست فضلش بہر قوم بے ادب
یَخْطِفُ اَبْصَارَھُم بَرْقُ الْغَضَبْ

ان کا فضل وکرم بے ادب لوگوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ غضب الٰہی کی بجلی ان کی بینائی اچک لیتی ہے۔

(۹۱)
چوں بیینند آں سحاب ایناں زدور
عارضٌ مُّمطِر بگویند از غرور

جب یہ دور سے وہ بادل دیکھتے ہیں تو غرور سے کہتے ہیں کہ یہ ہم پر برسنے والا ہے۔

(۹۲)
بَل ھوَما استعجلُوا خِزیٌ عظیم
اُرسِلَت رِیحٌ بِتَعذِیبٍ اَلِیم

بلکہ یہ بڑی ذلت ہے جس کی انھوں نے جلدی مچائی تو دردناک عذاب کے ساتھ ایک ہوا بھیج دی گئی۔

اس کلام میں ان کافروں کے حال سے تمثیل ہے جن کو عذاب کی وعید سنائی گئی تو انھوں نے کہا کب آئے گا وہ عذاب؟ یہاں تک کہ جب ایک زوردار بادل ان کے سامنے آیا تو انھوں نے خوشی سے کہا یہ ہمیں بارش سے سیراب کرے گا مگر اس کے ساتھ زبردست آندھی عذاب بن کر آئی جس نے سارے کفار کو تباہ کر دیا، یہ حضرت ہود علیہ السلام کے زمانے میں قوم عاد کے ساتھ ہوا۔

(۹۳)
فیض شد باغیظ گرم اختلاط
حَبّذا ابرے عجب خوش ارتباط

بادل کا فیض، خدا کے غضب سے مل گیا، فیض و غیظ دونوں سے عجیب عمدہ ربط رکھنے والا کیا ہی خوب بادل ہے۔

(۹۴)
خرمنے کش سوخت برقِ غیظِ او
گفت قرآں "السّقر" مثویٰ لہٗ

جس خرمن کو اس کے غضب کی بجلی نے جلا دیا قرآن نے اس کے لیے فرمایا کہ جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔

(۹۵)
مزرعے کش آب داد آں بحر جود
حق بتنزیل مبیں وصفش نمود

جس کھیت کو اس دریائے جود وکرم نے سیراب کیا، حق تعالیٰ نے قرآن مبین میں اس کی تعریف یوں بیان فرمائی:

(۹۶)
قُل کزرع اَخرجَ الشَّطأَ اِلیٰ
آزَرَ فاستَغلَظَ ثُمّ استویٰ

کہ دو جیسے ایک کھیتی ہو جس نے نازک کونپل نکالی یہاں تک کہ وہ مضبوط ہوئی پھر موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

(۹۷)
يُعجِبُ الزُّراعَ كالماء المـعِيْن
كَيْ يَغِيْظَ الكافرينَ الظّالِمِين

کاشت کاروں کو بہتے پانی کی طرح بھلی لگتی ہے تا کہ ظالم کافروں کا دل جلائے۔

(۹۸)
ابر نیسان ست ایں ابر کرم
دُر رخشاں آفریں در قعر یم

یہ ابر کرم ابر نَیساں ہے جو سمندر کی گہرائی میں چمک دار موتی بناتا ہے۔

نیسان: بالفتح و سین مہملہ - رومی سال کا ساتواں مہینہ، اس مہینے میں آفتاب برج حمل میں رہتا ہے، اس کی بارش کے قطرات سے سیپی میں موتی پیدا ہوتا ہے، اس کی بارش کو مجازاً "نیسان" کہتے ہیں۔ (غیاث اللغات)

(۹۹)
قطرۂ کز وے چکید اندر صدف
گوہر رخشندہ شد باصد شرف

اس کا ایک قطرہ سیپ کے اندر ٹپکا تو بڑی عزت والا، چمکتا موتی بن گیا۔

(۱۰۰)
بحر زاخر شرع پاک مصطفیٰ
داں صدف عرشِ خلافت اے فتا!

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک شریعت بحر زخار ہے اور اے جوان! جان لے کہ تخت خلافت صدف ہے۔

(۱۰۱)
قطر ہا آں چار بزم آرائے او
زاں کہ او کل بود وشاں اجزائے او

چار مسند نشینان خلافت یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ اس بحر زخار کے قطرے ہیں؛ اس لیے کہ وہ سمندر "کل" ہے اور یہ چاروں اس کے اجزا۔

(۱۰۲)
برگہائے آں گل زیبا بدند
رنگ و بوئے احمدی می داشتند

اس گل زیبا کی "یہ چار" پتیاں تھیں جو احمدی رنگ و بو کی حامل تھیں۔

(۱۰۳)
قصد کارے کرد آں شاہ جواد
ہر یکے اِنِّی لَہٗ گویاں ستاد

شاہ جود و سخا نبی کریم ﷺ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تو ہر شخص یہ کہتے ہوئے کھڑا ہو جاتا کہ یہ کام میں کروں گا، یہ کام میں کروں گا۔

(۱۰۴)
جنبش ابرو نہ تکلیف کلام
خود بود ایں کار آخر والسلام

نہ جنبش ابرو کی ضرورت نہ زبان سے بولنے کی زحمت، وہ کام خود انجام پاتا۔ والسلام

(۱۰۵)
آں عتیق اللہ امام المتقیں
بود قلبِ خاشعِ سلطان دیں

وہ خدا کے آزاد کردہ، متقیوں کے امام (حضرت ابوبکر صدیق) سلطان دیں ﷺ کا پُر خشوع دل تھے۔

(۱۰۶)
واں عمر حق گو زبانِ آں جناب
یَنطِقُ الحَقُّ عَلَیْہِ وَالصَّوَابُ

اور وہ حق بولنے والے عمر آں حضرت کی زبان تھے، جس پر حق و صواب جاری ہوتا تھا۔

(۱۰۷)
بود عثماں شرگیں چشم نبی
تیغ زن دست جواد او علی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کی شرگین آنکھ تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول ﷺ کے تلوار چلانے والے دستِ جود و سخا تھے۔

(۱۰۸)
نیست گردستِ نبی شیر خدا
چوں یَدُ اللہ نام آمد مر او را

اگر شیر خدا (علی) دست نبی نہ ہوتے تو "یداللہ" ان کا نام کیوں ہوتا۔

(۱۰۹)
دست احمد عین دست ذوالجلال
آمد اندر بیعت و اندر قِتال

دست احمد مجتبیٰ ﷺ بعینہٖ دست رب ذوالجلال ہے جس کا ذکر آیت بیعت اور واقعات بدر میں ہے۔

(۱۱۰)
سنگ ریزہ می زند دست جناب
مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ آید خطاب

کنکریاں سرکار کا ہاتھ پھینکتا ہے اور آیت کریمہ "مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی" نازل ہوتی ہے۔

یعنی اے محبوب! جو کنکریاں تم نے پھینکی ہیں وہ تم نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکی ہیں۔

(۱۱۱)
وصف اہل بیعت آمد اے رشید!
فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ یَدُاللہِ المَجِیْد

اے ہدایت یافتہ پیارے! اہل بیعت کی تعریف و توصیف میں "یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" آیا ہے یعنی ان کے ہاتھوں پر عظمت والے اللہ کا دست پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللہَ یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللہَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا" (پارہ:۲۶، سورہ:الفتح، آیت:۱۰)

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بُرے کو عہد توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔ (کنزالایمان)

(۱۱۲)
شرح ایں معنی بروں از آگہی ست
پانہادن اندریں رہ بے رہی ست

اس معنی (یداللہ) کی شرح علم و آگہی سے باہر ہے اور اس راہ میں قدم رکھنا گم راہی ہے۔

(۱۱۳)
تا ابد گر شرح ایں معضل کنم
جز تحیر ہیچ نہ بود حاصلم

قیامت تک اگر میں اس مشکل مسئلے کی وضاحت کروں تو حیرت و پریشانی کے سوا کچھ نہ حاصل ہوگا۔

(۱۱۴)
رَبَّنَا سُبْحَانَکَ لَیْسَ لَنَا
عِلْمُ شَیْءٍ غَیْرَمَا عَلَّمْتَنَا

اے پروردگار، پاک والا صفات! ہمیں کسی چیز کا علم نہیں سوائے اس کے جس کا تو نے ہمیں علم دیا۔

(۱۱۵)
گفتہ گفتہ چوں سخن ایں جا رسید
خامۂ گوہر فشاں داماں بچید

کہتے کہتے جب بات یہاں تک پہنچی تو گوہر فشاں قلم نے دامن سمیٹ لیا۔

(۱۱۶)
مُلہمِ غیبی سُروش راز داں
دامنم بگرفت کای آتش زباں

غیبی الہام والے راز داں فرشتے نے میرا دامن پکڑ کر کہا: اے شعلہ بیاں!

(۱۱۷)
درخورِ فہمت نہ باشد ایں سخن
بس کن و بیہودہ وش خامی مکن

یہ بات تیری سمجھ سے باہر ہے، بس کر اور بے وقوفوں کی طرح نادانی نہ کر۔

(۱۱۸)
اصفیاہم اندریں جا خامشند
از مئے کَلَّتْ لِسَانُہٗ بے ہشند

اصفیا بھی اس جگہ خاموش ہیں اور ''درماندگیِ زبان'' کی شراب سے بے ہوش ہیں۔

(۱۱۹)
راز ہا بر قلب شاں مستور نیست
لیک اِفشا کردنش دستور نیست

ان کے دلوں پر راز پوشیدہ نہیں لیکن انھیں فاش کرنے کی اجازت نہیں۔

(۱۲۰)
ہر کجا گنجے ودیعت داشتند
قفل بر در بہر حفظش بستہ اند

جس جگہ بطور امانت کوئی خزانہ رکھتے ہیں تو اس کی حفاظت کے لیے دروازے پر تالا لگا دیتے ہیں۔

(۱۲۱)
در دل شاں گنج اسرار اے اخو
برلب شاں قفل امر اَنصِتوا

اے عزیز! ان کے دل میں اسرار کے خزانے ہیں، لیکن ان کے لبوں پر امر ''**انصتوا**'' (خاموشی) کا تالا ہے۔

(۱۲۲)
روز آخر گشت و باقی ایں کلام
ختم کن اَنّیٰ لَہٗ طَرَفُ التَّمام

(اس بحث میں) دن ختم ہو گیا اور گفتگو باقی رہ گئی، بس کرو کہ اسے تمامی کا سرا ملنے والا نہیں۔

(۱۲۳)
نغز گفت آں مولوی مستند
راز ما را روز گے گنجا بود

اس مولوی مستند (مولائے روم) نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ ہمارے راز کو سمیٹنے کی دن (زمانے) میں گنجائش کہاں۔

(۱۲۴)
الغرض شد مثل آں عالی جناب
سایہ ساں معدوم پیش آفتاب

حاصل کلام رسول عالی مرتبت کا مثل معدوم ہے جیسے آفتاب کے سامنے سایہ معدوم ہے۔

(۱۲۵)
متفق بر وے ہمہ اسلامیاں
سنیان و بدِعیانِ مُستہاں

سرکار کا مثل معدوم ہونے پر سبھی اہل اسلام متفق ہیں، سنی بھی اور بے قدر بدمذہب بھی۔

(۱۲۶)
ممتنع بالغیر داند یک فریق
ممتنع بالذات دیگر اے رفیق!

اے عزیز! رسول اکرم ﷺ کی نظیر کو ایک فرقہ ممتنع بالغیر مانتا ہے اور دوسرا ممتنع بالذات۔

(۱۲۷)
وا دریغا! کردہ ایں قوم عنید
خرق اجماعے بدیں قول جدید

ہائے افسوس! اس سرکش قوم نے اس قول جدید (شش مثل) سے اجماع کو توڑ دیا۔

(۱۲۸)
اللہ اللہ! اے جہولانِ غبی!
تا بکے بے دینی و فتنہ گری

اللہ اللہ! اے بے وقوف جاہلو! یہ بے دینی اور فتنہ گری کب تک۔

(۱۲۹)
مصطفیٰ و ایں چنیں سوءِ الادب
ایں قدر ایمَن شدید از اَخذِ رب

مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ اور اس طرح کی گستاخی؟ اللہ کی گرفت سے اس قدر بے خوف ہو گئے؟

(۱۳۰)
سابع سبعہ مگوئید از عناد
اِنتَھُوا خَیرًا لَّکُمْ یوم التّناد

عناد اور دشمنی کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو سات کا ساتواں مت کہو، باز آجاؤ قیامت کے دن تمھارے لیے اسی میں بھلائی ہے۔

(۱۳۱)
روز محشر چوں خطاب آید ز عرش
اے قَطِینَانِ فلک سکّان فرش!

روز محشر جب عرش الٰہی سے یہ خطاب ہوگا، اے فلک کے باشندو! زمین کے ساکنو! (بتاؤ)

(۱۳۲)
ہیچ می بینید در ارض و سما
مثل و شبہِ بندۂ ما مصطفیٰ

کیا تم نے زمین و آسمان میں ہمارے بندے مصطفیٰ (ﷺ) کے مثل کسی کو دیکھا ہے۔

(۱۳۳)
یک زباں گویند نے، نے، اے کریم!
کس عدیلش نیست باللہ العظیم

سب بیک زبان کہیں گے نہیں، نہیں، اے رب کریم! واللہ العظیم ان کا کوئی مثل نہیں۔

(۱۳۴)
آں چناں کاندر ازل زارواحِ ما
از اَلستے خاست بے پایاں بَلیٰ

جس طرح روز ازل ہماری روحوں سے ایک اَلَستُ کے جواب میں بے انتہا نعرۂ بلیٰ (کیوں نہیں) بلند ہوا۔

(۱۳۵)
لا جرم آں روز زیں قول وخیم
توبہ ہا ظاہر کنند از ترس وبیم

لامحالہ روز قیامت وہ اس برے قول سے خوف اور ڈر کے مارے توبہ ظاہر کریں گے۔

(۱۳۶)
معترف آیند بر جرم و خطا
معذرت آرند پیش کبریا

اپنے جرم و خطا کا اعتراف کریں گے اور بارگاہ خداوندی میں معذرت پیش کریں گے۔

(۱۳۷)
کاے خدا! از فضل او غافل بدیم
شمس پیش چشم ما جاہل بدیم

کہ اے پروردگار ہم رسول اللہ کی عظمت و فضیلت سے غافل تھے، سورج ہماری نظروں کے سامنے تھا ہم جاہل (اندھے) بنے رہے۔

(۱۳۸)
رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا رحم کن
جاہلانہ گفتہ بودیم ایں سخن

(کہیں گے) اے پروردگار! ہم نے ظلم کیا، ہم پر رحم فرما، ہم نے جہالت میں یہ بات کہی تھی۔

(۱۳۹)
پردہ ہا بر چشم ما افتادہ بود
رحم کن بر جاہلاں رحم اے وَدُود!

ہماری آنکھوں پر پردے پڑے تھے، اے رب ودود! (محبت کرنے والے) جاہلوں پر رحم کر، رحم۔

(۱۴۰)
نفس ما انداخت ما را در بلا!
وائے بر ما و بنادانیِ ما

ہمارے نفس نے ہمیں اس مصیبت میں ڈال دیا ہم پر اور ہماری نادانی پر افسوس۔

(۱۴۱)
عذر ہا در حشر باشد نا پذیر
قاریا! برخواں اَلَمْ یَاْتِ النَّذِیْر

یہ سارے عذر قیامت کے دن نا مقبول ہوں گے، اے قاری! اَلَمْ یَاْتِ النَّذِیْر. (کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا) کی تلاوت کر۔

(۱۴۲)
سخت روزے باشد آں روز الاماں
باختہ ہوش و حواس قدسیاں

وہ دن (قیامت کا دن) بہت سخت دن ہوگا، الامان والحفیظ۔ کہ اس دن قدسیوں کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے۔

(۱۴۳)
واحد قہار باشد در غضب
یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا فِي التَّعَب

خدائے قہار غضب میں ہوگا اور اس دن کی سختیوں کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔

(۱۴۴)
زہر ہا در باختہ افلاکیاں
رنگ از چہرہ پریدہ خاکیاں

فلک والوں کے حوصلے گم ہوجائیں گے اور زمین والوں کے چہرے کا رنگ اڑ جائے گا۔

(۱۴۵)
دو گروہ باشند مسعود و لئیم
كُلُّ فِرْقٍ كَانَ كَا لطَّوْدِ الْعَظِيْم

اس دن دو گروہ ہوں گے ایک سعید دوسرا شقی اور ہر گروہ عظیم پہاڑ کی طرح ہوگا۔

(۱۴۶)
رب سلم التجاے انبیا
شور نفسی بر زبان اولیا

انبیاے کرام "رب سلم" کی التجا کریں گے اور اولیا کی زبان پر "نفسی نفسی" کا شور ہوگا۔

(۱۴۷)
بر لب آمد نامِ آں روزِ سیاہ
موی بر تن خاستم یارب! پناہ

اس ہول ناک دن کا نام زبان پر آیا اور میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اے پروردگار! تیری پناہ۔

(۱۴۸)
اعتراف جرم و توبہ اے اَرِیب!
در چنیں روز سیہ ناید عجیب

اے عقل مند! ایسے وحشت ناک دن جرم کا اعتراف اور توبہ کرنا تعجب کی بات نہیں ہے۔

(۱۴۹)
کیں جہولاں را زطعن و دور باد
ہم بدنیا کیک در موزہ فتاد

لوگوں کے طعن اور دور ہو، دور ہو کہنے سے ان نادانوں کو دنیا میں بھی کہیں چین نہیں، گویا ان کے موزوں میں زہریلا کیڑا گھسا ہوا ہے۔

(۱۵۰)
شاں بہ یک جاے زمانِ گیر و دار
ہمچو پاے سوختہ نامد قرار

انھیں مواخذے کے وقت پاسوختہ کی طرح ایک جگہ قرار نہیں۔

(۱۵۱)
تاج مثلیت گہے برسر نہند
گہ خطاب خاتمیت می دہند

کبھی مثلیت کا تاج سر پر رکھتے ہیں، کبھی خاتمیت کا خطاب دیتے ہیں۔

(۱۵۲)
گاہ بالذات است آں ختم، اے ہمام!
گاہ بالعرض آمد و تخییل خام

کبھی آپ کی خاتمیت کو بالذات کہتے ہیں اور کبھی بالعرض اور طرح طرح کی خام خیالی کو دخل دیتے ہیں۔

(۱۵۳)
نو نیازان کتاب اضطراب
ایں چنیں کردند صدہا انقلاب

کتاب اضطراب سے نئے نئے ربط والوں نے اس طرح کی سیکڑوں تبدیلیاں پیدا کردیں۔

(۱۵۴)
اندریں فن ہر کہ استادے بود
کے بچندیں قلبہا قانع شود

جو اس فن (الٹا پلٹا کرنے) کا استاد ہو وہ اتنی تبدیلیوں پر کیسے قناعت کر سکتا ہے۔

(۱۵۵)
می رسد ازوے بہر فرضی نبی
شقہ معزولی از پیغمبری

اس کی طرف سے ہر فرضی نبی کے پاس پیغمبری سے معزولی کا پروانہ پہنچتا ہے۔

(۱۵۶)
کہ قناعت کن گزشتہ از طمع
برہدایت حسب "عزّ من قنع"

مزید کی حرص سے نکل کر قناعت اختیار کر اس مقولے کی ہدایت کے مطابق کہ جس نے قناعت اختیار کی عزت پائی۔

(۱۵۷)
از نبوت وز نزول جبرئیل
قصد ما بودست ارشاد السبیل

نبوت اور نزول جبرئیل سے ہمارا مقصد سیدھی راہ دکھانا تھا۔

(۱۵۸)
معنیِ شمس است برگ نسترن
موج عماں شرح نسرین و سمن

شمس کے معنی برگ نسترن کے ہیں اور موج عمان کے معنی نسرین وسمن کے۔ نسترن-نسرین (دونوں کے معنی خوش بودار پھول) سمن (چنبیلی کا پھول)

(۱۵۹)
آہوے چین ست مقصود از سما
مرحبا تاویل اطہر مرحبا

آسمان سے مراد "آہوے چین" ہے، یہ کیا پاکیزہ اور بہترین تاویل ہے (یہ تعریف نہیں بلکہ طنز ہے)

(۱۶۰)
الغرض سیماب وش در اضطراب
صد تپیدن کردہ ایں قوم عجاب

غرضے کہ یہ عجیب قوم پارے کی طرح بے قراری میں سیکڑوں اضطراب دکھا چکی۔

(۱۶۱)
چند در کوے جبل بشتافتند
لیک راہ مخلصی کم یافتند

کبھی کبھی یہ پہاڑی راستوں میں دوڑے، لیکن نجات کی راہ نہ پائی۔

(۱۶۲)
من فداے علم آں یکتا شوم
حبّذا داناے راز مکتتم

میں اس ذات یکتا کے علم پر قربان وہ کیا ہی بہتر پوشیدہ راز جاننے والا ہے۔

(۱۶۳)
حبذا سرّو عیاں داناے من
حبذا رب من و مولاے من

کیا خوب ہے میرے ظاہر باطن کا جاننے والا، قابل ستائش ہے میرا رب اور میرا مولا۔

(۱۶۴)
کرد ایماے بریں فتنہ گری
قرنہا پیش از وجودش در نُبی

اس نے اس فتنہ گری کے وجود سے صدیوں پہلے قرآن میں اس کی جانب اشارہ کر دیا۔

(۱۶۵)
احمدا! بنگر کہ ایناں چوں زدند
بہر تو امثال از کفر نژند

اے احمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دیکھو انھوں نے اپنے اوندھے کفر کی بنا پر تمھارے لیے مثالیں بنائیں۔

(۱۶۶)
اوفتادند از ضلالت در چہے
پے نبردند از عمیٰ سوے رہے

گم راہی کی وجہ سے کوئیں میں گر پڑے اور اندھے پن کی وجہ سے کسی طرف راہ نہ پا سکے۔

قرآن میں ہے: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (پارہ:۱۸، سورہ: فرقان:۲۵، آیت:۹)

دیکھو وہ تمھارے لیے کیسی کیسی مثالیں بنا کر گم راہ ہوئے کہ اب کوئی راہ پانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(۱۶۷)
تا بکے گوئی دلا! از این و آں
بر دعا کن اختتام ایں بیاں

اے دل تو کب تک ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہے گا (اس) دعا پر یہ بیان ختم کر۔

(۱۶۸)
نالۂ کن بہر دفعِ ایں فساد
از تہِ دل دُونَہٗ خَرطُ القَتاد

اس فتنہ و فساد کو دور کرنے کے لیے تہِ دل سے بارگاہ رب العزت میں رو رو کر دعا کر، اس کے بغیر فساد کا دفع ہونا بہت مشکل (**"خرط القتاد"** کے معنی ہیں درخت سے چھلکے اور کانٹوں کو ہاتھ سے دور کرنا)۔

(۱۶۹)
اے خدا! اے مہرباں! مولاے من
اے انیس خلوت شبہاے من

اے خدا، اے مہربان، اے میرے مالک، اے میری راتوں کی تنہائیوں میں انیس۔

(۱۷۰)
اے کریم و کارسازِ بے نیاز
دائم الاحسان شہِ بندہ نواز

اے کریم اور بے نیاز کارساز، ہمیشہ احسان کرنے والے اور بندوں پر نوازش کرنے والے بادشاہ۔

(۱۷۱)
اے بیادت نالۂ مرغِ سحر
اے کہ ذکرت مرہم زخم جگر

اے پروردگار! مرغ سحر کی فریاد تیری ہی یاد میں ہے اور تیرا ہی ذکر زخم جگر کا مرہم ہے۔

(۱۷۲)
اے کہ نامت راحت جان و دلم
اے کہ فضلِ تو کفیل مشکلم

اے پروردگار! تیرا نام میرے دل و جان کے لیے راحت اور تیرا فضل میری مشکل (دور کرنے) کا ضامن ہے۔

(۱۷۳)
ہر دوعالم بندۂ اکرام تو
صد چو جان من فداے نام تو

دونوں جہاں تیرے اکرام و احسان کا بندہ ہے، میری جیسی سیکڑوں جانیں تیرے نام پر قربان ہیں۔

(۱۷۴)
ما خطا آریم و تو بخشش کنی
نعرهٔ اِنّی غَفُورٌ می زنی

ہم گناہ کرتے ہیں تو بخش دیتا ہے"انی غفورٌ رحیم"(بے شک میں بہت بخشنے والا مہربان ہوں) کا نعرہ بلند فرماتا ہے۔

(۱۷۵)
اللہ اللہ زیں طرف جرم و خطا
اللہ اللہ زاں طرف رحم و عطا

اللہ اللہ! ادھر(ہماری طرف) سے جرم وخطا اور ادھر(رب کریم کی طرف) سے رحم وعطا۔

(۱۷۶)
زہر ماخواہیم و تو شکّر دِہی
خیر را دانیم شر از گم رہی

ہم زہر چاہتے ہیں اور تو شکر دیتا ہے، ہم گم راہی کی وجہ سے بھلائی کو برائی سمجھتے ہیں۔

(۱۷۷)
تو فرستادی بما روشن کتاب
می کند با ما باحکامت خطاب

اے خدا! تو نے ہمارے پاس روشن کتاب بھیجی جو ہمیں تیرے احکام بتاتی ہے۔

(۱۷۸)
از طفیل آں صراط مستقیم
قوتے اسلام را دہ اے کریم

اے کریم! اس صراط مستقیم کے طفیل مذہب اسلام کو قوت دے۔

(۱۷۹)
بہر اسلامے ہزاراں فتنہا
یک مہ و صد داغ فریاد اے خدا!

ایک مذہب اسلام کے کے لیے ہزاروں فتنے، ایک چاند اور سیکڑوں داغ، فریاد ہے اے خدا!۔

(۱۸۰)
اے خدا ! بہر جناب مصطفیٰ
چار یارِ پاک و آلِ باصفا

اے اللہ! حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کے چاروں یار اور آلِ باصفا کے صدقے۔

(۱۸۱)
بہر مردانِ رَہت اے بے نیاز!
مردماں در خواب ایشاں در نماز

اے پاک بے نیاز! تیرے ان مردانِ راہ کے صدقے جو نماز میں ہوتے ہیں اس وقت جب لوگ نیند میں ہوتے ہیں۔

(۱۸۲)
بہر آب گریۂ تر داماں
بہر شورِ خندۂ طاعت کناں

گنہ گاروں کے آنسوؤں اور اطاعت گزاروں کے نعرۂ مسرت کے واسطے۔

(۱۸۳)
بہر اشکِ گرم دُوراں از نگار
بہر آہِ سردِ مہجوراں زیار

محبوب سے دور رہنے والوں کے گرم آنسو اور یار سے بچھڑوں کی سرد آہ کے واسطے۔

(۱۸۴)
بہر جیبِ چاکِ عشق نامراد
بہر خونِ پاکِ مردانِ جہاد

عشق نامراد کے چاک گریباں کے واسطے اور مجاہدین کے پاک خون کے طفیل۔

(۱۸۵)
پُر کن از مقصد تہی دامان ما
از تو پذرفتن زِ ما کردن دعا

ہمارے خالی دامنوں کو گوہر مراد سے بھر دے ہمارا کام دعا کرنا ہے اور تیری شان قبول کرنا۔

(۱۸۶)
ہیچ می آید زدستِ عاجزاں
جز دعاے نیم شب ای مستعاں!

اے مدد گار! عاجزوں کے ہاتھ سے دعاے نیم شبی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

(۱۸۷)
بلکہ کار تست اجابت اے صمد!
ویں دعا ہم محض توفیقت بود

اے بے نیاز مالک! بلکہ تیرا کام قبول کرنا ہے اور یہ دعا بھی محض تیری توفیق سے ہے۔

(۱۸۸)
ماکہ بودیم و دعاے ما چہ بود
فضل تو دل داد اے رب ودود!

ہم کیا اور ہماری دعا کیا اے محبت کرنے والے پروردگار! تیرے فضل ہی نے حوصلہ دیا۔

(۱۸۹)
ذرۂ بر روے خاک افتادہ بود
آفتابے آمد و روشن نمود

ایک ذرّہ روے زمین پر پڑا ہوا تھا آفتاب نے آکر اسے روشن کردیا۔

(۱۹۰)
تکیہ بر رب کرد عبد مستہاں
اوست بس مارا ملا ذ و مستعاں

ذلیل بندے نے پروردگار پر بھروسا کیا بس وہی ہمارا ماویٰ و ملجا اور مددگار ہے۔

(۱۹۱)
کیست مولاے بہ از رب جلیل
حَسبُنَا اللہ رَبُّنَا نِعمَ الوَکِیل

رب جلیل سے بہتر کون مولا ہے، ہمیں اللہ ہی کافی ہے، وہ ہمارا رب بہترین کارساز ہے۔

(۱۹۲)
چوں بدیں پایہ رساندم مثنوی
بہ تمامش بر کلام مولوی

جب میں نے اس مثنوی کو یہاں تک پہنچا دیا تو بہتر ہے کہ اسے مولاے روم کے کلام پر ختم کروں۔

(۱۹۳)
تا خِتامہ مسک گویند اہل دیں
زاں کہ مشک ست آں کلامِ مستبیں

تاکہ اہل دین کہیں اس کی مہر مشک کی ہے کیوں کہ وہ واضح کلام (مثنوی مولاے روم) مشک ہے۔

(۱۹۴)
چوں فتاد از روزن دل آفتاب
ختم شد واللہ اعلم بالصواب

جب آفتاب دل کے دریچے سے نیچے آیا تو مثنوی بھی ختم ہو گئی اور اللہ ہی درستی کو خوب جانتا ہے۔

ختم شد

مورخہ

۹؍ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

۱۹؍ جنوری ۱۹۹۷ء – اتوار

اختر حسین فیضی مصباحی

استاذ دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو

پیر پیراں میر میراں

از: امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ

ترجمہ: علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

پیرِ پیراں میر میراں اے شہ جیلاں توئی
اُنسِ جانِ قدسیان و غوثِ اِنس و جاں توئی

پیروں کے پیر، میروں کے میر- اے شہ جیلان! - تم ہو، قدسیوں کی جانوں کے لیے اُنس اور انسانوں، جنوں کے فریادرس تم ہو۔

(۲۸)

سَرتوئی سَرور توئی سَر را سر و ساماں توئی
جاں توئی جاناں توئی جاں را قرار جاں توئی

سرتم ہو، سرور تم ہو، سر کے لیے سروسامان تم ہو، جان تم ہو، جاناں تم ہو، جان کے لیے قرار جاں تم ہو۔

(۲۹)

ظلّ ذات کبریا و عکسِ حسن مصطفےٰ
مصطفےٰ خورشید و آں خورشید را لمعاں توئی

تم ذات کبریا کا سایہ ہو اور حسن مصطفیٰ کا عکس، مصطفےٰ آفتاب ہیں اور اس آفتاب کی چمک تم ہو۔

(۳۰)

مَن رَّآنی قَد رَاَ الحق گر بگوئی می سزد
زاں کہ ماہِ طیبہ را آئینۂ تاباں توئی

اگر کہو کہ ''جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا'' تو بجا ہے، اس لیے کہ تم ماہ طیبہ کے تابناک آئینہ ہو۔

(۳۱)

بارک اللہ نوبہارِ لالہ زارِ مصطفیٰ
وہ چہ رنگ است ایں کہ رنگ روضۂ رضواں توئی

بارک اللہ (خدا مبارک فرمائے) لالہ زار مصطفیٰ کے نو بہار، کیا خوب رنگ ہے، باغ رضواں کا رنگ تم ہو۔

(۳۲)

جوشد از قدّ تو سرو و بارد از روے تو گل
خوش گلستانے کہ باشی طرفہ سروستاں توئی

تمھارے قد سے سرو اُبل رہا ہے، تمھارے رخ سے گلاب برس رہا ہے تم کتنے اچھے گلستاں اور کیا خوب باغِ سرو ہو۔

(۳۳)

آں کہ گویند "اولیا را ہست قدرت از اِلہ
باز گردانند تیر از نیم راہ" ایناں توئی

وہ جو کہتے ہیں کہ "اولیا کو خدا کی طرف سے قدرت حاصل ہے وہ آدھے راستے سے تیر کو لوٹا دیتے ہیں" تم وہی ہو۔

(۳۴)

از تو میریم و زِییم و عیش جاویداں کنیم
جاں ستاں جاں بخش جاں پرور توئی وہاں توئی

ہم تمھی سے مرتے، جیتے اور دائمی زندگی گزارتے ہیں، جان لینے والے، جان بخشنے والے، جان کی پرورش کرنے والے تمھی ہو، ہاں تمھی ہو۔

(۳۵)

کہنہ جانے دادہ جانے چوں تو در بریافتیم
وَہ کہ ماں چنداں گرانیم و چنیں ارزاں توئی

ایک پرانی جان دے کر تم جیسی جان کو آغوش میں پایا، عجب کہ ہم کس قدر گراں ہیں اور تم کیسے ارزاں۔

(۳۶)

عالم امی چہ تعلیمے عجیبت کردہ است
کوحَش اللہ بر علومت سِرّ و غائب داں توئی

عالمِ امی نے تمھیں کتنی عجیب تعلیم دی ہے۔ تمھارے علوم پر حیرت و آفریں! تم پوشیدہ اور غائب کے جاننے والے ہو۔

❊❊❊

بابِ ہشتم

سوغاتِ عقیدت

شمع بزم اولیا

تاج العلما حضرت سید شاہ **اولاد رسول محمد میاں قادری** مارہروی قدس سرہٗ

شمع بزم اولیا احمد رضا
نور و چشم اتقیا احمد رضا

دین احمد کا مجدد بالیقیں
سچا عبدالمصطفیٰ احمد رضا

فضل غوث اعظم و بوالفضل سے
دونوں کا مظہر بنا احمد رضا

علم تیرا بحر نا پیدا کنار
ظل علم مرتضیٰ احمد رضا

تیری الفت میرے مرشد نے مجھے
گھٹی میں ہے دی پلا احمد رضا

لاکھ حاسد کچھ بکیں لیکن فقیر
تیرا تیرا ہے ترا احمد رضا

❊ ❊ ❊

سنیوں کا مقتدیٰ

سید العلماء حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ قادری مارہروی قدس سرہٗ

سنیوں کا مقتدیٰ احمد رضا خاں قادری
قادری ہے پیشوا احمد رضا خاں قادر

سر پہ سایہ لے کے تو نے محی دین پاک کا
دین حق زندہ کیا احمد رضا خاں قادری

تو تھا اپنے وقت کا صدیق اس میں شک نہیں
سایۂ بوبکر تھا احمد رضا خاں قادری

ذوالفقار حیدری کا جانشیں تیرا قلم
مظہر مشکل کشا احمد رضا خاں قادری

علم تیرا واقعی تھا بحر ناپیدا کنار
ظل علم مرتضیٰ احمد رضا خاں قادری

مدح گوئی مقصد سیدؔ نہیں اس نظم میں
ہاں وہی ہے مادہ احمد رضا خاں قادری

❊ ❊ ❊

آئینہ حق نما

احسن العلماء حضرت سید شاہ حسن میاں قدس سرہٗ

چہرۂ زیبا تیرا احمد رضا آئینہ ہے حق نما احمد رضا
غوث اعظم مظہر شاہ رسل ان کا تو مظہر ہوا احمد رضا
علم تیرا بحر ناپیدا کنار ظل علم مرتضیٰ احمد رضا
تیرے مرشد حضرت آل رسول ان کو تجھ پہ ناز تھا احمد رضا
اپنے برکاتی گھرانے کا چراغ تجھ کو نوری نے کہا احمد رضا
سنیوں پر یہ ترا احسان ہے اپنے دامن میں لیا احمد رضا
سنیت کی آبرو دم سے ترے اب بھی قائم ہے شہا احمد رضا
جب بھی کوئی مرحلہ آکر پڑا تونے عقدہ حل کیا احمد رضا
نعرۂ شیرانہ جب گونجا ترا قلب نجدی پھٹ گیا احمد رضا
نام لیوا دید کے مشتاق ہیں کھول دے چہرہ ذرا احمد رضا
مفتی اعظم ہوئے واصل بحق ان سے راضی ہو خدا احمد رضا
تیری الفت میرے مرشد نے مجھے دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا

یاد کرتا ہے تجھے تیرا حسنؔ
اس کے حق میں کر دعا احمد رضا

❊ ❊ ❊

امام اہل سنن

از: طوطی ہند حضرت مولانا مفتی محمد رجب علی نان پاروی علیہ الرحمۃ

امامِ اہلِ سنن وہ امامِ اہلِ ہدیٰ — فقیہ ایسا کہ واللہ مرجع الفقہا
وہ آفتاب سپہر علم دیں حسن — وہ ماہتاب معارف و نجم رشد و تقیٰ
وہ جس کے ناخن ادراک کا اشارہ اک — برائے خلق بفضل الٰہ عقدہ کشا
فہیم ایسا کہ فہمِ جہاں ہو جس پہ نثار — عقیل وہ کہ ہیں جس کے گدا سبھی عقلا
جلال علم عیاں جس کے روئے زیبا سے — جمال عشق کی زلفوں پہ جس کے چھائی گھٹا
نعیم و امجد و برہان حق ہیں جس پہ نثار — ضیاو عبد عزیز و سلام جس پہ فدا
وہ جس کے آئینۂ رخ ہیں حجۃ الاسلام — ہوئے جو حامد و محمود مجلس علما
ہیں جس کا مظہر انوار مفتیِ اعظم — کہ جن کے دم سے منور ہے محفل نقبا
بسا ہے کون تخیل میں دل بتا تو سہی — وہ کون ہے کہ یہ جس کے لیے قصد ثنا
تری مجال زبانِ ثنا کہ واہو کر — کرے تو مدحت الطاف بارگاہ رضا
وہ ہیں مجدد دوراں ضیاے دینِ متین — جنید عصر ہیں وہ شبلیِ زماں بخدا
برائے تزکیۂ نفس ان کے در پہ جو آئے — خدا کے فضل سے پاجائے بے مثال دوا
ہے ان کی خاک در فیض کیمیاے غریب — ہے نام ان کا عجب حرز بہر دفع بلا
قضا اگر ہو معلق تو کیا عجب اے دل! — بفیض خاص پلٹ جائے روے تیر قضا
ہے آزمودہ کہ اعدا میں پڑگئی ہلچل — غلام در کی زباں پر جو آیا نام رضا
کہاں میں ذرۂ ناچیز اور کہاں وہ جناب — زمین عجز کہاں اور کہاں وہ عرش ہدیٰ
وہ بادشاہ سخاوت ہیں ان کے در پہ مرا — عریضہ ایسا ہے جیسے فقیر کی ہو صدا
قبول ہے کہ نہیں اس کی فکر لاحاصل — نگاہ فیض کا محتاج ہوں میں ان کی سدا
غلام حضرت عبدالعزیز ہادیِ دیں — رجب منم زدعاے زبان پاک رضا
فیوض مرشد برحق چناں شدہ کہ شدم — گداے مفتی اعظم فقیہ اہل ہدیٰ

☆☆☆☆☆☆

نضر فردوس

۱۴۰۰ھ

در شان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از: حضرت مولانا حکیم ابوالبرکات محمد نعیم الدین صدیقی قادری گورکھپوری

اے امام اہل سنت تاج دار علم و فن
خوب کی تجدید ملّت تم نے اے سرو چمن

نائب شاہ دنٰی ہو جانشین اولیا
رونق بزم طریقت واقف سرّ وعلن

یادگار بوحنیفہ غوث اعظم کے شبیہ
نازشِ مردان حق ہو زینت باغ چمن

تیرے علم و فن کا ہے وہ دبدبہ، جاہ وشکوہ
جھک گئے سب تیرے آگے فیلسوفان زمن

تم نے ہی البرٹ جیسے نامور کو دی شکست
جس کا شاہد ہے ابھی وہ نیر چرخ کہن

رسم بسم اللہ میں تھا کس قدر اونچا سوال
محو حیرت انجمن تھی واہ یہ نوری ذہن

حلقۂ بیعت میں آتے ہی ہوئے شیخ اجل
یعنی اول ہی سے تم ہو پاک طینت پاک تن

مست دل مجذوب حق بھی رہتے تم سے باادب
اہل باطن کی نگاہوں میں ہو ایسے با وزن

نقش بندی، قادری چشتی سہروردی کے تم
ہو امیر کارواں مقبول رب ذوالمِنَن

دین حق کی خدمت واِحیاے سنت کے سبب
اعلیٰ حضرت آپ کو کہتے ہیں سب اہل سنن

کیوں نہ ہو چرچا تمھارا باعث کیف و سرور
محسن ایمان و دیں ہو صاحب خُلق حَسن

عظمت شان نبی کا تم نے وہ خطبہ دیا
جان و تن میں نور آیا بڑھ گئی دل کی لگن

بد نہادوں بد عقیدوں سے ہمیں نفرت ہوئی
اے جزاك اللہ عنا آپ کے ہیں یہ مِنن

دین کش اُن ڈائنوں کو تم نے بے پردہ کیا
سر زمین نجد سے جو بن کے آئی تھیں دلہن

شاطران دین تم سے کانپتے تھے بالیقین
نام حق سنتے ہی ان کے ہوش ہوجاتے ہرن

تم سے تھرّاتا رہا باطل پرستوں کا غرور
جس کا شاہد ہے زمانہ اور خود تھانہ بھون

تھا ترا سیف قلم اعدا کے حق میں خوں فشاں
رزم گاہِ حق و باطل میں رہا توصف شکن

کردیا باطل کو تم نے سرنگوں پیوند خاک
دشمن دیں کو کہاں ہے اب مجال دم زدن

تھا، رہا کا لفظ ہے سب ماضیٰ کی اک خبر
بالیقیں اب بھی وہی ہو شیر حق باطل شکن

چشمِ ظاہر سے تمھاری دید ہوسکتی نہیں
ورنہ پائے ناز پہ رکھتے سبھی اپنا دہن

فرش سے ماتم اُٹھا جب تم چلے سوے جِناں
عرش پہ دھومیں مچیں لو آگیا فخرِ زمن

آپ کی رحلت کو اک عرصہ ہوا لیکن حضور
ہو وہی خورشید تاباں جس کی پھیلی ہے کرن

گلشن اسلام کے گلہائے خوباں میں شہا
سرخ گل ہو یا کہ نرگس، نسترن ہو یاسمن

دیکھے ہیں چشم فلک نے کیسے کیسے مہ جبیں
ان حسینوں میں ہو تم بھی روح پرور ضوفگن

عشق محبوب خدا کی تم کو وہ خوشبو ملی
جس کی بوے مست سے ہے منفعل مشک ختن

مصطفیٰ پیارے کے در سے تم کو وہ شوکت ملی
جس پہ ہوتا ہے نچھاور تاج شاہی کا پھبن

بارگاہ نور سے تم کو وہ تابانی ملی
جس کے آگے ہے خجل در عدن، لعل یمن

ملت بیضا پہ آیا ہے بلاؤں کا ہجوم
ہر طرف اک شور وشر ہے آگیا دور فتن

پاسبان دین و ملت بے حسی کے ہیں شکار
بحر غم میں ہے سفینہ اور دریاموج زن

امت خیرالوریٰ ہے بے قرار و اشک بار
اب ذرا پردہ اٹھاؤ کھول دو بند کفن

پھر وہی تیرا قدم ہو تیری محفل کی بہار
رنگ لائے گلستاں کافور ہوں رنج و محن

بارگاہ ناز میں حسن عقیدت سے حضور
پیش کرتے ہیں سلامی ہم سبھی اہل سنن

اے سراپا خیر و برکت رہبر حق زندہ باد
پیکر رشدو ہدایت خوب رو شیریں دہن

نغمہ سنجی زمزمہ خوانی مرا مقصد نہیں
ہے مجھے محبوب یوں ہی آپ کا ذکر حسن

آپ کے اوصاف تک کس کی رسائی ہو بھلا
ہو نبی کے معجزہ بس ختم ہے اس پہ سخن

عرض کرتا ہے نعیمؔ قادری با صد ادب
ہم پہ برساؤ شہا! اب خاص نعمت کی بھرن

☆☆☆☆☆☆

چومتا ہے تیری پیشانی کو عظمت کا نشاں

از مولانا محمد امجد علی امجؔد قادری
سابق استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو

اے مسیحا قوم کے اے مرد حر صاحب قراں
چومتا ہے تیری پیشانی کو عظمت کا نشاں

تیری ہستی میں فروزاں شمع حق ایمان ہے
عشق ختم المرسلیں تیری حسیں پہچان ہے

حق پہ آنچ آنے نہیں دیتا بگڑ جاتا ہے تو
تیر بن کر بازوے باطل میں گڑ جاتا ہے تو

دیں کی خاطر دشمنان دیں سے لڑجاتا ہے تو
پیش باطل کوہ آہن بن کے اڑ جاتا ہے تو

عصر حاضر کے سلگتے دور میں تیرا قلم
خنجر الحاد ہے احقاق حق کر کے رقم

ترجمہ، تحقیق میں تخریج میں تفسیر میں
سیکڑوں شرح و مطالب ہیں تیری تحریر میں

قول رب العالمین فرمان ختم المرسلین
آپ کی موضوع طبیعت کے ہیں عنوان حسین

اے امام اہل سنت پیشواے اتقیا
ضربۃ الامثال ہے دنیا میں تقوی آپ کا

آپ کے زہد و رع کی دھوم ہر محفل میں ہے
نقش اخلاص و محبت آپ کا ہر دل میں ہے

تیری نکتہ رس نظر جودت نما آئینہ ہے
تیری فکر تیز دریائے گہر گنجینہ ہے

کیا کہوں تیرا قلم کس درجہ ہے حکمت نواز
جس کے انداز نگارش پر ہے علم و فن کو ناز

شہر علم و فضل میں ہر سو ہیں تیرے تذکرے
تو ہے علم دیں کی خاطر علم دیں تیرے لیے

فقہ میں افتا کا پورا حق ادا کرتا ہے تو
ابتدا تا انتہا مفتی نظر آتا ہے تو

تیرے جلوؤں میں سمائے سیکڑوں ہیں علم و فن
تجھ کو قدرت نے بنایا ہے سراپا انجمن

اے امام احمد رضا اے سنیت کی آن و بان
اے امام بو حنیفہ کے مشن کے پاسبان

پاسباں تیرا قلم ہے مسلک احناف کا
تو مکمل ہے نمونہ ہند میں اسلاف کا

اشہب تازندہ کے مانند ہے کلک رضا
دامن قرطاس کا طے کرتا ہے جو راستا

رو برو تیرے کبھی باطل ابھر سکتا نہیں
تیرے آگے لشکر شیطاں ٹھہر سکتا نہیں

وقت کے فتنوں کا تو نے حال ابتر کردیا
روکا ہر الزام، ہر طغیان کو سر کردیا

دست قدرت نے بنایا ہے تجھے وہ آفتاب
جس کے جلوؤں میں ہزاروں ضوفشاں ہیں ماہتاب

جس طرف دیکھو درخشاں آپ کی تنویر ہے
مشتمل ہر فن پہ روشن آپ کی تحریر ہے

آپ کی زندہ قیادت میں امام احمد رضا
کارواں علم و قلم کا آگے بڑھتا ہی رہا

رفتہ رفتہ اہل عالَم پر عیاں ہوتا گیا
ہے صداقت کا حقیقت کا نشاں احمد رضا

واقف رمز طریقت اے شریعت کے امیں
علم و دانش کے یقیناً آپ ہیں ماہ مبیں

آپ کا فیضان خامہ راحت اہل سنن
ہے دلیل راہ بےشک دافع رنج و محن

آپ کا احسان امت پہ رہے گا حشر تک
آپ کا سکہ زمانے پر چلے گا حشر تک

کوئی فتنہ شر کا نقش حق مٹا سکتا نہیں
پھونکوں سے باطل چراغ دیں بجھا سکتا نہیں

مر کے زندہ ہیں ہزاروں مصطفیٰ کے نام پر
ہوکے پابند شریعت دین کے احکام پر

جان کی بازی لگا دیتے ہیں وہ ڈرتے نہیں
جو ہیں عاشق مصطفیٰ کے مر کے بھی مرتے نہیں

عاشق خیر الوریٰ، اے واصف شاہ ہدیٰ
موج زن تیری خطابت میں ہے دریا علم کا

علم کے چشمے ابلتے ہیں جہاں جاتا ہے تو
سیر حاصل لکھتا ہے جس فن کو اپناتا ہے تو

عندلیب گلشن طیبہ تیرا شیریں سلام
پڑھتے ہیں فرط محبت میں جسے سب خاص و عام

جس کے نغمے گونجتے ہیں ہند میں ہر صبح و شام
جھوم کر اہل محبت پڑھتے ہیں جسکو مدام

عشق احمد کی وہ جیتی جاگتی تصویر ہے
نظم کی صورت میں وہ اک نالۂ دل گیر ہے

تو بھی عشق مصطفیٰ میں زندۂ جاوید بن
قادریؔ! احمد رضا سے لے کے اصلاح سخن

اپنے دامن میں لیے غارِ حرا کی خوشبو

از مولانا محمد امجد علی امجدؔ قادری
سابق استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو

اپنے دامن میں لیے غار حرا کی خوشبو
پھیلی عالم میں گلستانِ رضا کی خوشبو

عشق سرکار خیابان وفا کی خوشبو
دل میں گھر کرتی ہے پیغام رضا کی خوشبو

بن کے حب شہ کونین زمانے بھر میں
چھائی ہے چاروں طرف کلک رضا کی خوشبو

مدحت فخر دو عالم کا مقدس پیغام
لیے پھرتی ہے تیرے ساز نوا کی خوشبو

اے رضا تیری صدا یعنی صدائے اسلام
شرح حق ہے گل گلزار رضا کی خوشبو

پیکر عشق معطر ہے تیرا ہر مصرع
اپنے دامن میں لیے شاہ ہدیٰ کی خوشبو

مخزن عشق سے اے سید قرطاس و قلم
پھیلی ہر سو ہے تیری فکر رسا کی خوشبو

بن کے تسکین دل اہل سنن عظمت دیں
بزم افتا سے اٹھی علم رضا کی خوشبو

کیوں نہ آجائیں بھلا اہل طلب در پہ ترے
پاکے اے شیخ تیرے جود و عطا کی خوشبو

محو حیرت ہیں کواکب تیری دانائی پر
عرش پہ پاکے ترے عزو علا کی خوشبو

اب بھی ملتی ہے کتابوں میں بہ شکل تحریر
تیرے کردار تری صبح و مسا کی خوشبو

سنت ختم رسل کا لیے آئین حیات
کیف افزا ہے تیری صدق و صفا کی خوشبو

عشق شاہنشہ کونین سے اہل دل کو
مست کر دیتی ہے نغماتِ رضا کی خوشبو

حوصلہ بخش ہے ہر اہل قلم کے حق میں
تیرے انوار قلم حسن ضیا کی خوشبو

ہو سزاوار نہ کیوں شاہد مضموں کے لیے — حُسنِ تحقیق میں تعبیر ادا کی خوشبو
تیرے گلزار سعادت سے کیے پر دامن — لیے پھرتی ہے صبا دوش ہوا کی خوشبو
کرتی ہے وعظ و نصیحت کو مدلل بر وقت — بزم سرکار میں اشعار رضا کی خوشبو
ابر رحمت کی طرح بر سر اہل سنت — سایہ افگن ہے رضا تیری دعا کی خوشبو
ناز کرتے ترے دیوانے اگر پاجاتے — رضوی گلزار کی پاکیزہ فضا کی خوشبو
زمزمے وقت کا ماحول بدل سکتے ہیں — شرط ہے لے لیں اگر تیری نوا کی خوشبو
مشعل نور ہدایت ہے تری ہر تصنیف — بن کے حکمت کا جہاں دین خدا کی خوشبو
لذت حب نبی، پاس ادب، خوف خدا — تیرے پیمانے میں ہے آب بقا کی خوشبو
اے میرے شیخ تری شیریں مقالی بخدا — دل بیمار کے حق میں ہے شفا کی خوشبو
دیتی ہے بوے وفا جلوۂ حق شام و سحر — تیرے جملوں میں بسی صل علی کی خوشبو
پھیلتی رہتی ہے ہر اک صبح و مسا عالم میں — مجلس عشق سے گلزار رضا کی خوشبو
نارش علم و عمل بنتی ہے ہر محفل میں — ذوق افزا گل سر سبد رضا کی خوشبو
جاذب قلب و نظر ہوتی ہے عاشق کے لیے — تیرے اسلوب میں ہر نعت و ثنا کی خوشبو
مدح خواں تیرے ہیں سب اہل نظر، اہل قلم — پا کے ہر شعبے میں افکار رضا کی خوشبو
اس کا کیا خاک لگے گلشن عالم میں دل — مل گئی جس کو تری نوری ردا کی خوشبو
کاش ملتی دل بے تاب کو ہر شام و سحر — نور و نکہت میں بسی نام رضا کی خوشبو
پھوٹتی ہے تیرے رشحات قلم سے پیہم — عشق کی، خلق کی، اخلاص و ولا کی خوشبو
کیف سا وجد کیے دیتی ہے طاری دل پر — بربط عشق سے ہر اٹھتی صدا کی خوشبو
بن کے فرمان نبی درد کے ماروں کے لیے — رضوی اشعار ہیں جان بخش شفا کی خوشبو

خفتہ قوموں کو جگاتی ہے بہ ہنگام سحر
تیرے نغموں میں بسی مدنی فضا کی خوشبو

قول میں ہوتا ہے قائل کے تفکر کا کمال
نغموں میں ہوتی ہے ہر نغمہ سرا کی خوشبو

لفظ و معنی کا خزانہ تیرا دیوان سخن
جس کے ہر شعر میں ہے دین خدا کی خوشبو

لیے پھرتے ہیں تیرے زمزے ہر کوچے میں
موے محبوب خدا زلف دوتا کی خوشبو

اعلیٰ حضرت کو لکھوں کیوں نہ عظیم البرکت
تابش علم و ہنر علم و حیا کی خوشبو

روشنی لے کے نکل آیا شب تیرہ سے
اعلیٰ حضرت کا قلم بن کے ضیا کی خوشبو

جو مجدد ہے، مفسر ہے، محدث بھی ہے
پھیلی گھر گھر ہے اسی راہ نما کی خوشبو

ہوگئی تیرے قصیدے کا مکمل عنوان
''قاب قوسین'' سے پھوٹی جو دنا کی خوشبو

ہے یقیں پائیں گے محشر میں ترے دیوانے
شافع یوم جزا صل علی کی خوشبو

دعوت فکر وعمل دیتی ہے ہر مومن کو
تیری نظموں میں نہاں بانگ درا کی خوشبو

کفر و الحاد کی تاریک فضا میں امجدؔ
ہے ضیا بار شبستان رضا کی خوشبو

٭٭٭

واقف راز شریعت

مولانا **محمد قاسم ادروی مصباحی** استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور

عاشق ماہ نبوت مرے اعلیٰ حضرت
واقف راز شریعت مرے اعلیٰ حضرت

تم سے زندہ ہوئی سنت مرے اعلیٰ حضرت
تم سے مردہ ہوئی بدعت مرے اعلیٰ حضرت

ہوتے ہی پیر سے بیعت مرے اعلیٰ حضرت
بن گئے شیخ طریقت مرے اعلیٰ حضرت

تم کو مرشد نے تمھارے مرے اعلیٰ حضرت
بخش دی اپنی شباہت مرے اعلیٰ حضرت

نام سنتے ہی لرزجاتے ہیں اہل باطل
مرحبا آپ کی ہیبت مرے اعلیٰ حضرت

آپ کا نام ہے اس دور میں سب سے بہتر
اہل سنت کی علامت مرے اعلیٰ حضرت

یہ ہے فیضان تمھارا کہ ہمارے دل میں
عشق احمد کی ہے دولت مرے اعلیٰ حضرت

دے دو قاسمؔ کو بھی سرکار قلم کا حصہ
اس پہ بھی نظر عنایت مرے اعلیٰ حضرت

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، پیپراکنک، ضلع کشی نگر کے زیرِ اہتمام عروس البلاد ممبئی میں دو روزہ عظیم الشان

تاریخ ساز امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس

منعقدہ: ۲۸/ ۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۵/ ۶/ جنوری ۲۰۱۹ء- سنیچر، اتوار

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، پیپراکنک، کشی نگر کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اسلاف کے کارناموں کو یاد کرنے، انھیں متعارف کرنے اور عوام تک ان کی تعلیمات وارشادات پہنچانے کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتی ہے، اور اپنے کردار وعمل سے اس کے شواہد بھی پیش کرتی رہتی ہے۔ ماضی قریب میں اسی خانقاہ کے زیرِ اہتمام ''سوادِ اعظم اہلِ سنت وجماعت کانفرنس''، عروس البلاد ممبئی کی سرزمین پر تاریخ ساز سہ روزہ ''امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار و کانفرنس'' پیپراکنک میں ''فیضانِ غوثِ اعظم سیمینار و کانفرنس''، ''فیضانِ برکات سیمینار و کانفرنس''، خواجہ غریب نواز سیمینار و کانفرنس''، ''شاہ عبد الحق محدث دہلوی سیمینار و کانفرنس''، ''شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سیمینار و کانفرنس'' اور ''علامہ عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی سیمینار و کانفرنس'' وغیرہ کا انعقاد اسی نیک اور قابلِ تقلید جذبے کی خوب صورت ترجمانی تھی۔

اسی جذبے کے پیشِ نظر امام اہلِ سنت مجدد دین وملت امام الفقہاوالمحدثین ابو حنیفۂ ہند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی عظیم بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کے لیے خانقاہ کے ذمہ داران نے ملک کی اقتصادی راجدھانی ممبئی میں دو روزہ '' امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس'' کا اعلان کیا، خوب زور وشور سے تیاریاں ہوئیں اور ۲۰۱۹ء کے اوائل میں اعلیٰ حضرت کے جشنِ صد سالہ کے موقع پر بڑے عظیم پیمانے پر اس کا انعقاد ہوا، جس کی تفصیلی روداد حسبِ ذیل ہے۔

پروگرام کی نوعیت یہ تھی کہ امام احمد رضا سیمینار کے لیے دو دن اور کانفرنس کے لیے ایک دن مخصوص کیا گیا، سیمینار کی پہلی نشست مورخہ ۲۸/ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۵/ جنوری ۲۰۱۹ء سنیچر کو ''المعین کمیونٹی ہال ، ناگپاڑہ، ممبئی ''میں اور دوسری نشست مورخہ ۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۶/ جنوری ۲۰۱۹ء اتوار کو '' گیتا وکاس بھون، شیواجی نگر، ممبئی'' میں منعقد ہوئی جب کہ تاریخ ساز امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس کا انعقاد '' رفیع نگر، شیواجی نگر، گوونڈی ممبئی''میں ہوا۔

سیمینار کے پہلے سیشن کا آغاز حضرت حافظ وقاری فیض الرحمٰن قادری ایوبی نے تلاوتِ کلامِ پاک سے اپنی مسحور کن آواز میں کیا، حضرت قاری نور الہدیٰ مصباحی، روزنامہ سہارا گورکھپور نے بارگاہِ خیر الانام میں

منظوم خراجِ عقیدت پیش کر کے ادیبِ شہیر حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی کی تازہ تحریر کردہ منقبتِ امام احمد رضا، عوام کے سامنے پیش کی۔

اس کے بعد مقالات کا سلسلہ شروع ہوا اور اس نشست میں جن حضرات نے مقالات پیش کیے ترتیب وار ان کے اسما مع عنوانات درج ذیل ہیں:

مولانا غلام سید علیمی، جمداشاہی	امام احمد رضا کے خلفا
قاری نور الہدیٰ مصباحی، لکشمی پور	امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں
مولانا زبیر احمد، پپرا کنک	امام احمد رضا کے اکابر و معاصر
مولانا محمد قاسم مصباحی، مبارک پور	امام احمد رضا اور ملک العلما
مولانا ساجد علی مصباحی، مبارک پور	امام احمد رضا کے فتاویٰ میں پند و موعظت کا عنصر
مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی، محمد آباد	کنز الایمان کا تعارف و جائزہ
مولانا نفیس احمد مصباحی، مبارک پور	امام احمد رضا احوال و آثار
مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، سلطان پور	امام احمد رضا اور تعظیمِ شانِ رسالت
مولانا صادق علی مصباحی، لکشمی پور	فتاویٰ رضویہ، تعارف و جائزہ

اخیر میں صدرِ مجلس صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے ایک گراں قدر علمی خطبۂ صدارت پیش فرمایا، جس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے دینی، علمی، فقہی اور سماجی کارناموں کا ذکر بڑے ہی اچھوتے اور دلکش انداز میں کیا، اور آپ کی خدمات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ نے پوری زندگی فتنوں کی بیخ کنی اور امتِ مسلمہ کی حفاظت و صیانت میں بسر کی، مذاہبِ باطلہ اور فرقِ ضالہ کے رد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ہر فتنے کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہے، بدعات و منکرات سے کبھی سمجھوتہ نہ کیا، کسی مسلمان کو گناہ میں مبتلا دیکھا تو اپنے واعظانہ اور ناصحانہ کلام سے اس کو معصیت کی دلدل سے نکالنے کی سعیِ بلیغ فرمائی۔ یہی مجدد دین و ملت اور مصلحِ امت کی شان ہے۔ ان کی یہ سعیِ پیہم بے شمار بندگانِ خدا کے حق میں کارگر ثابت ہوئی، لوگ ضلالت و گمرہی سے محفوظ رہے، بہت سے وہ جو کسی ضلالت یا معصیت میں مبتلا تھے، راہِ راست پر آئے، یہ سلسلہ ان کے رشحاتِ قلم سے آج بھی جاری ہے۔ ربِ کریم کے یہاں اس خدمت کا جو اجرِ عظیم ہے وہ ہمارے وہم و گمان سے باہر ہے۔"

اسی مجلس میں حضرت صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کی تین ضخیم جلدوں میں مرتب کردہ کتاب **"فتاویٰ رضویہ جہانِ علوم و معارف"** کی رسمِ اجرا علامہ یٰسین اختر مصباحی کے مقدس ہاتھوں عمل میں آئی اور اس کا ایک سیٹ دار العلوم علیمیہ جمداشاہی کے سربراہِ اعلیٰ حضرت مولانا معین الحق علیمی مصباحی کو المجمع الاسلامی، مبارک پور کی جانب سے پیش کیا گیا، اور اس کتاب کا تعارف پیش کرتے ہوئے علامہ یسین اختر مصباحی نے فرمایا کہ "اردو زبان و ادب میں امام احمد رضا کا سب سے بڑا شاہ کار " فتاویٰ رضویہ " ہے، جس کی ترتیب و اشاعت میں حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی قدس سرہ کی سربراہی میں علماے اشرفیہ اور شاگردانِ حافظِ ملت نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ اہلِ علم و دانش پر مخفی نہیں، اسی طرح سے عربی زبان میں آپ کا سب سے عظیم کارنامہ "جد الممتار علیٰ ردّ المحتار" کی تصنیف ہے، جس کی ترتیب و تحقیق اور اشاعت میں المجمع الاسلامی، بالفاظِ دیگر علماے اشرفیہ اور بالخصوص برادرِ مکرم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے بڑی کدو کاوش فرمائی اور اسے طباعت کے مراحل سے گزار کر عوام و خواص کی بارگاہ میں پیش کیا، جس سے پوری دنیا میں امام احمد رضا کے تفقہ کا زبردست تعارف ہوا۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اور خوب صورت کڑی " فتاویٰ رضویہ جہانِ علوم و معارف " ہے، جس میں علمائے اشرفیہ اور فضلائے اشرفیہ نے فتاویٰ رضویہ کے متعدّد گوشوں پر اساتذہ کی نگرانی میں جو مقالات تحریر کیے، اسے حضرت مصباحی صاحب نے ترتیب و تہذیب کے مراحل سے گزار کر "جشنِ صد سالہ" کے موقع پر امام احمد رضا کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔"

واضح رہے کہ اس نشست کی سرپرستی رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی، بانی و مہتمم دار القلم نئی دہلی نے، قیادت سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے، نگرانی حضرت شاہ سبطین رضا قادری ایوبی سجادہ نشین خانقاہِ قادریہ ایوبیہ نے اور نظامت حضرت مولانا کمال احمد علیمی استاذ دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی نے فرمائی۔ صدرِ مجلس حضرت علامہ محمد احمد مصباحی قبلہ کی دعا پر یہ نشست بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔

اس نشست میں مندوبین کے علاوہ حضرت مولانا معین الحق مصباحی، مولانا سید فضل اللہ چشتی، الحاج محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئی، مولانا مظفر الاسلام مصباحی، مولانا ارشاد احمد مصباحی ساحل شہسرامی، مولانا زبیر احمد مصباحی، سنی بڑی مسجد مدنپورہ، مولانا غلام نبی علیمی، مولانا افتخار اللہ قادری مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الغوثیہ، مولانا عبد الرب مصباحی، مولانا ظہیر الدین مصباحی، اساتذہ جامعہ غوثیہ نجم العلوم ڈونگری ممبئی، مولانا مظہر حسین علیمی، مرکز سنی دعوتِ اسلامی، مولانا غلام معصوم اکبر، دار العلوم محمدیہ مینارہ

مسجد، مولانا نصر اللہ قادری، عالی جناب محمد زبیر قادری، سنی پبلیکیشنز نئی دہلی، مولانا کونین رضا ایوبی، انجینئر حسنین رضا ایوبی، مولانا یحییٰ رضا مصباحی جامعۃ المدینہ فیضان کنزالایمان کھڑک، مولانا سہیل احمد قادری، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، وغیرہ کثیر تعداد میں علما مشائخ اور عوامِ اہلِ سنت اور خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے بے شمار مریدین و متوسلین نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔

سیمینار کی دوسری نشست کا آغاز قاری محمد آفتاب عالم نظامی استاذ دارالعلوم انجمن اسلامیہ، پڈرونہ نے تلاوتِ کلامِ پاک سے کیا، شہزادۂ شریف العلما انجینئر حسنین رضا قادری ایوبی نے بارگاہِ رسالتِ مآب میں نعتیہ اشعار پیش کیے، اس نشست کی صدارت رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی نے اور نظامت حضرت مولانا ساجد علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے فرمائی۔ اس سیشن میں جن حضرات نے مقالات پیش کیے ترتیب وار ان کے اسما اور عنوانات حسبِ ذیل ہیں:

مولانا عبد السلام ثقافی پیرا کنک	امام احمد رضا اور علومِ قرآن
مولانا ثناء المصطفیٰ مصباحی، لکھنؤ	امام احمد رضا اور احترامِ علما
مولانا محمد شمس الدین مصباحی، التفات گنج	امام احمد رضا اور احترامِ صحابہ
مولانا محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی مصباحی، پڈرونہ	امام احمد رضا اور اشاعتِ حنفیت
سراج الفقہا علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی	امام احمد رضا اور فقہ میں حالاتِ زمانہ کی رعایت
مولانا کمال احمد علیمی، جمدا شاہی	امام احمد رضا کا علمِ حدیث اور اصولِ حدیث میں کمال
مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، مبارک پور	امام احمد رضا کردار و عمل کے آئینے میں
مولانا نظام الدین قادری مصباحی، جمدا شاہی	امام احمد رضا اور فروعی اختلافات میں راہِ اعتدال

اسی نشست میں خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی عربی انگلش ریڈر بک کی رسمِ اجرا عمل میں آئی، اس کتاب کا تعارف حضرت مولانا محمد شمس الدین مصباحی نے اپنے مخصوص انداز میں پیش فرمایا اور اس کی رونمائی کراتے ہوئے اس کتاب کے ترتیب دینے کی وجہ کیا ہوئی؟ اس کا اظہار صاحبِ سجادہ شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کے الفاظ میں پیش کیا۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہوگی اور ان کے لیے نہایت ہی معاون و مددگار ثابت ہوگی جو عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی مہارت حاصل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔

اخیر میں صاحبِ سجادہ حافظ و قاری شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

اس نشست میں اصحابِ مقالات کے علاوہ مفتی عبد المجید قادری مصباحی مولانا منظور احمد خان اشرفی مصباحی پونہ، مولانا عابد علی مصباحی پونہ، مولانا محمد شرافت حسین رضوی، سنی چشتیہ مسجد گوونڈی، مولانا محمد محبوب رضا ثقافی، گلشنِ بغداد مسجد گوونڈی، مولانا محمد قیصر حسن برکاتی، مولانا محمد عظمت علی علیمی، مولانا افتخار احمد نوری، مولانا محمد فیروز احمد مصباحی، مولانا محمد فاروق خان مصباحی مہائمی، مولانا محمد علاؤالدین رضوی، مولانا محمد فیروز رضوی، مولانا غلام حسین علیمی، مولانا محمد محمود عالم، مولانا جمشید احمد رضوی، مولانا محمد عارف سبحانی، مولانا محمد مقصود رضا علیمی، مولانا محمد مدنی حسن برکاتی، مولانا کونین رضا ایوبی، مولانا محمد فیض الرحمٰن قادری ایوبی، مولانا مجیب اللہ قادری سائن، امجد علی خان ایوبی، محمد فاروق ایوبی کثیر تعداد میں علما، ائمہ مریدین و متوسلین موجود تھے۔

امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس کی مشترکہ اختتامی تقریب بنام امام احمد رضا کانفرنس آج ہی کے دن بعد نمازِ مغرب تلاوتِ کلامِ پاک سے شروع ہوئی، اس بابرکت محفلِ پاک میں سرپرست اجلاس گلِ گلزارِ اشرفیت، حضرت مولانا معین الدین اشرفی الجیلانی سجادہ نشین خانقاہِ اشرفیہ کچھوچھہ شریف بنفسِ نفیس تشریف فرما تھے، جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا محمد شفیق الرحمٰن عزیزی مصباحی، ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ رونقِ بزم تھے۔ افتتاحی خطاب شہزادہ محمد ابوہریرہ ایوبی اور مولانا محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی مصباحی کا ہوا۔ قاری رفعت اللہ نوری، قاری نورالہدیٰ مصباحی، قاری عبد المجید قادری نے بارگاہِ خیر الانام میں گلہائے عقیدت پیش کیے، جب کہ توسیعی خطبات انجینئر حسنین رضا قادری ایوبی اور حضرت مولانا محمد شمس الدین مصباحی نے پیش فرمائے۔

نوجوان اسکالر انجینئر سید فضل اللہ چشتی نے امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات و خدمات پر بڑا ہی مدلل و مفصل خطاب پیش کرتے ہوئے کہا: ”امام احمد رضا قدس سرہ نے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل مسلمانوں کی معاشی حالت درست کرنے کے لیے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ان کا ایک بینک ہونا چاہیے اور مسلمانوں کو اقتصادی میدان میں قدم جمانا چاہیے، جس سے وہ بنیادی طور پر مضبوط ہوں گے، یہ اعلیٰ حضرت کی دور اندیشی کی ایک ادنیٰ مثال ہے جس کی ضرورت کا آج کوئی بھی ذی شعور انسان انکار نہیں کر سکتا۔“

مبلغِ اسلام حضرت مولانا محمد شفیق الرحمٰن عزیزی مصباحی نے اپنے مخصوص انداز میں اعلیٰ حضرت کی ناقابلِ فراموش خدمات سے عوام کو روشناس کرایا۔ اخیر میں مفکرِ اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خان اعظمی مصباحی دام ظلہ نے تفصیلی خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ ۱۳۴۰ھ کی شروعات سے لے کر اب تک امام احمد رضا

کی حیات و خدمات پر بے شمار کانفرنسیں منعقد ہوئیں، بہت سے سیمینار ہوئے، آپ کی زندگی کے متعدّد گوشوں کو عوام الناس تک پہنچانے کا کام کیا گیا، ان کی تعلیمات وارشادات کی نشر و اشاعت کی گئی، اس کے باوجود ان سو سالوں میں آپ کی ذات پر صرف دس فیصد کام ہوا ہے ابھی ۹۰ رفیصد کام باقی ہے۔“

آگے ارشاد فرمایا کہ ”امام احمد رضا قدس سرہ نے بند کمرے میں بیٹھ کر فقہ اسلامی کے عظیم انسائیکلوپیڈیا بشکلِ فتاویٰ رضویہ کی تصنیف کا جو بیش بہا کارنامہ انجام دیا ہے اس کی مثال نہ تو پہلے ملتی تھی اور نہ ہی آج اس کی کوئی مثال نظر آتی ہے، بلا شبہہ امام احمد رضا نبی کریم ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ اور حضور غوثِ اعظم کی بے مثال کرامت ہیں، ان کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول پیش کرنا ان کی تعلیمات کو عام کرنا ہم سبھی خوش عقیدہ مسلمانوں کی مشترکہ ذمہ داری اور ہم سب کا مذہبی، علمی اور اخلاقی فریضہ ہے، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، اس کے روحِ رواں صاحبِ سجادہ اور اس کے مریدین و متوسلین کو اس فریضے کی انجام دہی پر ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں۔“

اخیر میں کچھ اہلِ خیر حضرات نے علمائے کرام کی عزت افزائی کے لیے ان کی چادر پوشی کی اور حضرت معین میاں صاحب قبلہ نے خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے سجادہ نشین کو اپنی مخصوص شال عنایت کرکے مخصوص دعاؤں سے نوازا، اس طرح سے یہ عظیم الشان تاریخی امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس حضور سید معین میاں کی دعاؤں کی چھاؤں میں اختتام کو پہنچی۔

کانفرنس میں مذکورہ علما و مشائخ کے علاوہ مولانا محمد عابد رضا مصباحی، مولانا محمد یونس خان رضوی، مولانا محمد شکیل احمد، مولانا عتیق الرحمٰن، مولانا محمد مظہر حسین علیمی، مولانا محمد نفیس رضا نوری، مولانا محمد اختر رضا برکاتی، الحاج محمد سعید نوری، بانی و مہتمم رضا اکیڈمی ممبئی، مولانا محمد عتیق الرحمٰن نظامی، مولانا محمد ضیاء الدین مصباحی، لوہر سن، محمد وفاء المصطفیٰ برکاتی، بستی، مولانا عبد الرحیم خان قادری وغیرہ کثیر تعداد میں علما و مشائخ موجود تھے۔

اس عظیم الشان کانفرنس کے انعقاد و اہتمام کے لیے خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے سارے مریدین، متوسلین، محبین اور خلفا جماعت اہلِ سنت کی جانب سے تبریک و تحسین کے مستحق ہیں، بالخصوص عالی جناب عمر فاروق قادری، جناب شفیق احمد خان رضوی، جناب حاجی نیاز احمد ایوبی، جناب امجد علی خان ایوبی، جناب صوفی انور حسین قادری، جناب سید شعیب رضا قادری، جناب شکیل احمد قادری، جناب شمیم مستان قادری، جناب جلال احمد قادری، جناب حنیف جمادار قادری، جناب صوفی غلام مرتضیٰ خان قادری اور جناب یعقوب بھائی ناگپاڑہ نے نہایت ہی ذمہ داری اور نیک نیتی کے ساتھ اس پروگرام میں حصہ لیا، مولیٰ تعالیٰ ان کی ساری مشکلات آسان فرما کر دارین میں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

اخبارات کے تراشے

اعلیٰ حضرت کی عبقری شخصیت، دینی کارنامے تاقیامت یاد کئے جائیں گے

امام احمد رضا سیمینار کے پہلے روز علما کا بیان

ممبئی (پریس ریلیز) عالم اسلام کی مذہبی و روحانی شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ، جنھوں نے ہندوستان کا نام پوری دنیائے اسلام میں اجاگر کرکے ملک کے عوام پر بالخصوص جماعت اہلِ سنت پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ آپ کی ایک ہزار سے زائد تصنیفات اور پچپن سے زائد علوم وفنون میں مہارت اس حقیقت پر روشن دلیل ہیں۔

مذکورہ خیالات کا اظہار علامہ یٰسین اختر مصباحی بانی دار القلم نئی دہلی نے آج خانقاہِ قادریہ ایوبیہ پیر اکنک کشی نگر کے زیر اہتمام المعین کمیونٹی ہال ناگ پاڑہ ممبئی میں منعقد امام احمد رضا سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے علامہ محمد احمد مصباحی، ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے کہا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور آج ایک جہان اس سے فیضیاب ہو رہا ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عالم اسلام کے جلیل القدر فقیہ، عارف اور ایک عبقری شخصیت تھے احادیث پر عبور کا یہ عالم تھا کہ علمائے عرب وعجم انھیں امام المحدثین کے خطابِ جلیل سے نواز رہے ہیں۔ مولانا فروغ احمد اعظمی نے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ علمِ اصولِ دین وعلومِ شرعیہ کے عرفان و فیضان سے داعی حق وہدایت ہیں، آپ نے مسلمانانِ عالم کو پوری استقامت کے ساتھ صحیح و درست دین شاہ راہ پر چلانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا ساجد علی مصباحی نے اپنے مقالات پیش کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علم و عمل کے جبل عظیم اور بحر ذخار کا نام ہے، آپ کے دینی تصنیفی اور تعلیمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اس عالمی شخصیت کے وصال کو سو سال گزر چکے ہیں اسی کی مناسبت سے پوری دنیا میں اس سال ۱۴۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت کے سال سے یاد کیا جارہا ہے۔ پروگرام کی نظامت مولانا کمال احمد علیمی جمدا شاہی، حمایت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور، قیادت علامہ یٰسین اختر مصباحی صدارت علامہ محمد احمد مصباحی نے کی اور حافظ و قاری شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کی نگرانی میں مذکورہ سیمینار بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ اس موقع پر مفتی محمد صادق مصباحی، مولانا نور الہدیٰ مصباحی ساحل گورکھپوری، مولانا غلام سید علیمی، مولانا قاسم علی مصباحی، مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی، مولانا زبیر احمد نے اپنے مقالات پیش کیے اس موقع پر مفتی ارشاد احمد ساحل شہسرامی، مفتی زبیر احمد مصباحی، احمد سعید نوری ڈائریکٹر رضا اکیڈمی ممبئی، سید فضل اللہ چشتی، مولانا کونین رضا ایوبی، انجینئر حسنین رضا ایوبی، مولانا شمس الدین مصباحی، مفتی نظام الدین قادری جمدا شاہی، مولانا معین الحق علیمی، مولانا غلام نبی علیمی مولانا داود کمال علیمی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا سہیل احمد مصباحی، مولانا رضاء المصطفیٰ مصباحی مولانا اظہر حسین مصباحی، مولانا عبد الکریم قادری، مولانا صادق رضا مصباحی مولانا فیض الرحمٰن ایوبی، مولانا ثناء المصطفیٰ برکاتی، مولانا عبد السلام ثقافی، مولانا زبیر احمد قادری وغیرہ موجود رہے۔ پروگرام کا اختتام سلام اور علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر ہوا۔

ممبئی اردو نیوز — متفرقات

امام اعظم کے سچے جانشین تھے اعلیٰ حضرت: مفتی محمد نظام الدین رضوی

دوروزہ امام احمد رضا سیمینار اختتام پذیر

ممبئی۔ ۶رجنوری (پریس ریلیز) خانقاہ قادریہ ایوبیہ پراکنک کشی نگر کی جانب سے صد سالہ جشن اعلیٰ حضرت کے موقع پر ممبئی کی سرزمین گونڈی پر آج دوسرے دن امام احمد رضا سیمینار کا انعقاد علامہ محمد احمد مصباحی کی صدارت علامہ یٰسین اختر مصباحی کی سرپرستی، مفتی محمد نظام الدین رضوی کی حمایت، مولانا ساجد علی مصباحی کی نظامت اور مولانا شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کی نگرانی میں ہوا۔ سیمینار کا آغاز حافظ وقاری محمد آفتاب عالم نظامی نے تلاوت قرآن پاک سے کیا، انجینئر محمد حسنین رضا قادری ایوبی نے نعتِ پاک کے اشعار پیش کیے۔ سیمینار کو خطاب کرتے ہوئے جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے صدر المدرسین مفتی محمد نظام الدین رضوی نے فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت پر پر مغز خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام احمد رضا اپنے فتاوی میں مسائل کی توضیح اور ان کے اثبات میں نصوصِ فقہ، ارشاداتِ سلفِ صالحین اور ارشاداتِ طیبہ تو فراہم کرتے ہی ہیں ساتھ ہی ساتھ آیات قرآنیہ سے بھی جگہ جگہ استناد و استدلال فرماتے ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اعلیٰ حضرت نے پوری زندگی فتنوں کی بیخ کنی کی امتِ مسلمہ کی حفاظت و صیانت کے لیے ہمیشہ مصروف عمل رہے۔ مذاہب باطلہ اور فرق ضالہ کے رد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مقالہ پیش کرنے والوں میں مولانا عبدالسلام ثقافی، مولانا ثناء المصطفیٰ مصباحی، مولانا محمد شمس الدین مصباحی، مولانا محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا کمال احمد علیمی اور مولانا نظام الدین قادری مصباحی کے نام شامل ہیں۔ اس موقع پر درجنوں علما، ائمۂ مساجد و سیکڑوں عوام موجود تھے، واضح ہو کہ گذشتہ شب مذکورہ خانقاہ کی جانب سے خواتینِ اسلام کا بھی ایک پروگرام ہوا۔ اخیر میں خانقاہ کے سجادہ نشین حافظ وقاری مولانا شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی نے علما وعوام کو شکریہ ادا کیا، علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا

یادگار محمد ندیم
ممبئی اردو نیوز
R.N.I. No.MAHURD / 2010 / 30276 www.mumbaiurdunews.com
Postal Regn. No. MCW/338/2017-19 Vol. No. 6 Issue No.367 Sunday 6th January 2019 Price: ₹6/- 16 Pages Mumbai Urdu News

اعلیٰ حضرت کی عبقری شخصیت اور ان کے دینی کارنامے رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے' امام احمد رضا سیمینار کے پہلے روز علما کا بیان

ممبئی۔ ۵ر جنوری: (پریس ریلیز) عالم اسلام کی مذہبی و روحانی شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ جنھوں نے ہندوستان کا نام پوری دنیائے اسلام میں اجاگر کر کے ملک کے عوام پر بالخصوص جماعت اہل سنت پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ آپ کی ایک ہزار سے زائد تصنیفات اور پچپن سے زائد علوم و فنون میں مہارت اس حقیقت پر روشن دلیل ہیں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار مولانا یاسین اختر مصباحی بانی دار القلم نئی دہلی نے آج خانقاہ قادریہ ایوبیہ پر اکنگ کشی نگر کے زیر اہتمام المعین کمیونٹی ہال ناگپاڑہ ممبئی میں منعقد امام احمد رضا سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے مولانا محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے کہا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور آج ایک جہان اس سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت عالم اسلام کے جلیل القدر فقیہ، عارف اور ایک عبقری شخصیت تھے احادیث پر عبور کا یہ عالم تھا کہ علمائے عرب و عجم انھیں امام المحدثین کے خطاب جلیل سے نواز رہے ہیں۔ مولانا فروغ احمد اعظمی نے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ علم اصول دین و علوم شرعیہ کے عرفان و فیضان سے داعی حق و ہدایت ہیں، آپ نے مسلمانان عالم کو پوری استقامت کے ساتھ صحیح و درست دین شاہ راہ پر چلانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا ساجد علی مصباحی نے اپنے مقالات پیش کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علم و عمل کے جبل عظیم اور بحر ذخار کا نام ہے، آپ کے دینی تصنیفی اور تعلیمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اس عالمی شخصیت کے وصال کو سو سال گزر چکے ہیں اسی کی مناسبت سے پوری دنیا میں اس سال ۱۴۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت کے سال کے سے یاد کیا جا رہا ہے۔ پروگرام کی نظامت مولانا کمال احمد علیمی جمد اشاہی، حمایت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور، قیادت مولانا یاسین اختر مصباحی صدارت مولانا محمد احمد مصباحی نے کی اور حافظ و قاری شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کی نگرانی میں مذکورہ سیمینار بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ اس موقع پر مفتی محمد صادق مصباحی، مولانا نور الہدیٰ مصباحی ساحل گورکھپوری، مولانا غلام سید علیمی، مولانا قاسم علی مصباحی، مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی، مولانا زبیر احمد نے اپنے مقالات پیش کیے۔ اس موقع پر مفتی ارشاد احمد ساحل شہسرامی، مفتی زبیر احمد مصباحی، محمد سعید نوری ڈائریکٹر رضا اکیڈمی ممبئی، سید فضل اللہ چشتی، مولانا کونین رضا ایوبی، انجینئر حسنین رضا ایوبی، مولانا شمس الدین مصباحی، مفتی نظام الدین قادری جمد اشاہی، مولانا معین الحق علیمی، مولانا غلام نبی علیمی مولانا داود کمال علیمی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا سہیل احمد مصباحی، مولانا رضا المصطفیٰ مصباحی مولانا اظہر حسین مصباحی، مولانا عبد الکریم قادری، مولانا صادق رضا مصباحی مولانا فیض الرحمن ایوبی، مولانا شاہ المصطفیٰ برکاتی، مولانا عبد السلام ثقافی، مولانا زبیر احمد قادری وغیرہ موجود رہے۔ پروگرام کا اختتام سلام اور مولانا محمد احمد مصباحی کی دعا پر ہوا۔ یہ اطلاع خانقاہ کے میڈیا انچارج نور الہدیٰ مصباحی نے دی ہے۔ واضح ہو کہ مذکورہ خانقاہ کی جانب سے مورخہ ۶ جنوری ۲۰۱۹ کو امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس گوونڈی ممبئی میں منعقد ہوگا۔

Published simultaneously from: Mumbai, New Delhi, Lucknow, Gorakhpur, Hydrabad, Kolkata, Patna, Kanpur & Bangalore
www.samaylive.com, www.roznamasahara.com Date 08-01-2019

ایک صدی میں اعلیٰ حضرت پر صرف دس فیصد کام ہوا ہے

شیواجی نگر میں منعقدہ 2 روزہ امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس بحسن وخوبی اختتام پذیر

ممبئی (پریس ریلیز) شیواجی نگر گوونڈی میں خانقاہِ قادریہ ایوبیہ پراگنک کشی نگر کے زیر اہتمام دوروزہ سیمینار و کانفرنس کا آخری اجلاس 6 جنوری بروز اتوار بعد نمازِ مغرب بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوا۔

پروگرام کے خصوصی خطیب علامہ قمرالزماں اعظمی مصباحی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن نے اپنے خطاب میں کہا کہ ایک صدی میں اعلیٰ حضرت پر صرف دس فیصد کام ہوا ہے جو کام جماعتیں اور تنظیمیں مل نہیں کرسکیں وہ کام آپ نے ایک کمرے میں بیٹھ کر تنہا انجام دیا۔ انجینئر سید فضل اللہ چشتی نے کہا کہ اعلیٰ حضرت نے آج کے ڈیڑھ سو سال پہلے یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو اقتصادی میدان میں آگے آنا چاہیے، ان کا اپنا بینک ہونا چاہیے، اعلیٰ حضرت اپنی ساری کتابوں میں چار سو سے زائد احادیث کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، جو اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ علامہ مفتی محمد شفیق الرحمٰن عزیزی مصباحی ہالینڈ نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات و ارشادات کو قوم کے سامنے پیش کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ہمیں کامیابی مل سکتی ہے۔ ان کے علاوہ انجینئر حسنین رضا قادری ایوبی، مولانا محمد شمس الدین مصباحی، مولانا محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی اور عزیزم محمد ابوہریرہ نے بھی قوم سے خطاب کیا۔ قاری نورالہدیٰ مصباحی ساحل گورکھپوری، قاری رفعت اللہ نوری اور قاری عبدالحمید نے بارگاہِ رسالت میں نعت و مناقب کے اشعار پیش کیے۔ نظامت کے فرائض قاری محمد آفتاب عالم نظامی اور مفتی محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی نے مشترکہ طور پر انجام دیے، اخیر میں صاحب سجادہ حافظ وقاری مولانا شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی نے کلمات تشکر پیش کیے اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا علامہ سید معین الدین اشرف اشرفی الجیلانی کی دعا پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

اعلیٰ حضرتؒ کے دینی کارنامے رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے

امام احمد رضا سیمینار کے پہلے روز علما کا بیان

ممبئی (پریس ریلیز) عالم اسلام کی مذہبی و روحانی شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ، جنھوں نے ہندوستان کا نام پوری دنیائے اسلام میں اجاگر کرکے ملک کے عوام پر بالخصوص جماعت اہل سنت پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ آپ کی ایک ہزار سے زائد تصنیفات اور بچپن سے زائد علوم وفنون میں مہارت اس حقیقت پر روشن دلیل ہیں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار علامہ یسین اختر مصباحی بانی دارالقلم نئی دہلی نے آج خانقاہ قادریہ ایوبیہ پراگنک کشی نگر کے زیر اہتمام المعین کمیونٹی ہال ناگ پاڑہ ممبئی میں منعقد امام احمد رضا سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے کہا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور آج ایک جہان اس سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عالم اسلام کے جلیل القدر فقیہ، عارف اور ایک عبقری شخصیت تھے احادیث پر عبور کا یہ عالم تھا کہ علمائے عرب وعجم انھیں امام المحدثین کے خطاب جلیل سے نواز

رہے ہیں۔ مولانا فروغ احمد اعظمی نے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ علم اصول دین وعلوم شرعیہ کے عرفان و فیضان سے داعی حق و ہدایت ہیں، آپ نے مسلمانانِ عالم کو پوری استقامت کے ساتھ صحیح و درست دین شاہ راہ پر چلانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا ساجد علی مصباحی نے اپنے مقالات پیش کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علم وعمل کے جبل عظیم اور بحر ذخار کا نام ہے، آپ کے دینی تصنیفی اور تعلیمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اس عالمی شخصیت کے وصال کو سو سال گزر چکے ہیں اسی کی مناسبت سے پوری دنیا میں اس سال ۱۴۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت کے سال کے طور پر یاد کیا جارہا ہے۔ پروگرام کی نظامت مولانا کمال احمد علیمی جمداشاہی، حمایت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، قیادت علامہ یسین اختر مصباحی صدارت علامہ محمد احمد مصباحی نے کی اور حافظ وقاری شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کی نگرانی میں مذکورہ سیمینار بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ اس موقع پر مفتی محمد صادق مصباحی، مولانا نورالہدیٰ مصباحی ساحل گورکھپوری، مولانا غلام سید علیمی، مولانا قاسم علی مصباحی، مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی، مولانا زبیر احمد نے اپنے مقالات پیش کیے اس موقع پر

باقی صفحہ ۱۵ پر

اعلیٰ حضرت امام اعظم کے سچے جانشین تھے: مفتی نظام الدین

گوونڈی میں دو روزہ امام احمد رضا سیمینار بحسن خوبی اختتام پذیر

ممبئی (پریس ریلیز) خانقاہ قادریہ ایوبیہ پر اکنک کشی نگر کی جانب سے صد سالہ جشنِ اعلیٰ حضرت کے موقع

پر ممبئی کی سرزمین گوونڈی پر آج دوسرے دن امام احمد رضا سیمینار کا انعقاد علامہ محمد احمد مصباحی کی صدارت علامہ یٰسین اختر مصباحی کی سرپرستی، مفتی محمد نظام الدین رضوی کی حمایت، مولانا ساجد علی مصباحی کی نظامت اور مولانا شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کی نگرانی میں ہوا۔ سیمینار کا آغاز حافظ وقاری محمد آفتاب عالم نظامی نے تلاوتِ قرآنِ پاک سے کیا، انجینئر محمد حسنین رضا قادری ایوبی نے نعتِ پاک کے اشعار پیش کیے۔ سیمینار کو خطاب کرتے ہوئے جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے صدر المدرسین مفتی محمد نظام الدین رضوی نے فقہِ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت پر پُرمغز خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام احمد رضا اپنے فتاویٰ میں مسائل کی توضیح اور ان کے اثبات میں نصوصِ فقہ، ارشاداتِ سلفِ صالحین اور ارشاداتِ طیبہ تو فراہم کرتے ہی ہیں ساتھ ہی ساتھ آیاتِ قرآنیہ سے بھی جگہ جگہ استناد و استدلال فرماتے ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اعلیٰ حضرت نے پوری زندگی فتنوں کی بیخ کنی کی امتِ مسلمہ کی حفاظت وصیانت کے لیے ہمیشہ مصروفِ عمل رہے۔ مذاہبِ باطلہ اور فرقِ ضالہ کے رد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مقالہ پیش کرنے والوں میں مولانا عبدالسلام ثقافی، مولانا شاہ المصطفیٰ مصباحی، مولانا محمد شمس الدین مصباحی، مولانا محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا کمال احمد علیمی اور مولانا نظام الدین قادری مصباحی کے نام شامل ہیں۔ اس موقع پر درجنوں علما، ائمۂ مساجد و سیکڑوں عوام موجود تھے۔ (باقی صفحہ ۷ پر)

اعلیٰ حضرت کی عبقری شخصیت اور ان کے دینی کارنامے رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے

امام احمد رضا سیمینار کے پہلے روز علما کا بیان

ممبئی (پریس ریلیز) عالم اسلام کی مذہبی و روحانی شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ جنھوں نے ہندوستان کا نام پوری دنیائے اسلام میں اجاگر کرکے ملک کے عوام پر بالخصوص جماعتِ اہل سنت پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ آپ کی ایک ہزار سے زائد تصنیفات اور پچپن سے زائد علوم وفنون میں مہارت اس حقیقت پر روشن دلیل ہیں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار علامہ یٰسین اختر مصباحی بانی دارالقلم نئی دہلی نے آج خانقاہ قادریہ ایوبیہ پر اکنک کشی نگر کے زیر اہتمام المعین کمیونٹی ہال ناگ پاڑہ ممبئی میں منعقد امام احمد رضا سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے کہا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور آج ایک جہان اس سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عالم اسلام کے جلیل القدر فقیہ، عارف اور ایک عبقری شخصیت تھے احادیث پر عبور کا یہ عالم تھا کہ علمائے عرب و عجم انھیں امام المحدثین کے خطاب جلیل سے نوازتے رہے ہیں۔ مولانا فروغ احمد اعظمی نے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ علم اصول دین وعلوم شرعیہ کے عرفان وفیضان سے داعیٔ حق وہدایت ہیں۔ آپ نے مسلمانانِ عالم کو پوری استقامت کے ساتھ صحیح و درست دین شاہ راہ پر چلانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا ساجد علی مصباحی نے اپنے مقالات پیش کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علم وعمل کے جبلِ عظیم اور بحرِ ذخار کا نام ہے۔ آپ کے دینی، تصنیفی اور تعلیمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اس عالمی شخصیت کے وصال کو سو سال گزر چکے ہیں اسی کی مناسبت سے پوری دنیا میں اس سال ۱۴۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت کے سال سے یاد کیا جا رہا ہے۔ پروگرام کی نظامت مولانا کمال احمد علیمی حمد اشاہی، حمایت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور، قیادت علامہ یٰسین اختر مصباحی صدارت علامہ محمد احمد مصباحی نے کی اور حافظ و قاری شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کی نگرانی میں مذکورہ سیمینار بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ اس موقع پر مفتی محمد صادق مصباحی، مولانا نورالہدیٰ مصباحی ساحل گورکھپوری، مولانا غلام سید علیمی، مولانا قاسم علی مصباحی، مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی، مولانا زبیر احمد نے اپنے مقالات پیش کیے اس موقع پر مفتی ارشاد احمد ساحل شہسرامی، مفتی زبیر احمد مصباحی، الحاج محمد سعید نوری ڈائریکٹر رضا اکیڈمی ممبئی، سید فضل اللہ چشتی، مولانا کونین رضا ایوبی، انجینئر حسنین رضا ایوبی، مولانا شمس الدین مصباحی، مفتی نظام الدین قادری حمد اشاہی، مولانا معین الحق علیمی، اور علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر ہوا۔ یہ اطلاع خانقاہ کے میڈیا انچارج نورالہدیٰ مصباحی نے دی ہے۔ واضح ہو کہ مذکورہ خانقاہ کی جانب سے مورخہ ۶ جنوری ۲۰۱۹ کو امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس گوونڈی ممبئی میں منعقد ہوگا۔

''امام احمد رضا خانؒ کی علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں''

۲ روزہ سیمینار و کانفرنس کے پہلے دن علماء نے آپؒ کی شخصیت اور علمی کمالات پر روشنی ڈالی

جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے ناظم تعلیمات مولانا محمد احمد مصباحی سیمینار میں امام احمد رضا خان کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے۔

ناگپاڑہ (سعید احمد خان): امام احمد رضا خان کی علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور مختلف موضوعات پر آپ کی تحریر کردہ ۱۰۰۰ سے زائد کتابیں وہ علمی ذخائر ہیں جن سے پوری دنیا استفادہ کر رہی ہے۔ خانقاہ قادریہ ایوبیہ پیر اکنگ کشی نگر کے زیر اہتمام منعقدہ ۲ روزہ کانفرنس کے پہلے دن سیفیجر کو المعین کمیونٹی ہال میں علماء نے مذکورہ بالا اظہار خیال کیا۔ مذکورہ خانقاہ کے ذمہ دار حافظ محمد سبطین نے امام احمد رضا خان کی تصنیفات کی مذکورہ تعداد بتاتے ہوئے کانفرنس کے تعلق سے یہ بھی واضح کیا کہ امام اہلسنت کی زندگی کے مختلف گوشوں اور آپ کی خدمات کو عوام الناس میں متعارف کرانا ضروری ہے تاکہ آپ کی شخصیت کے مختلف پہلو لوگوں کے سامنے اجاگر ہو سکیں۔

اس سیمینار و کانفرنس میں دہلی، اعظم گڑھ، بستی، کشی نگر، گورکھپور وغیرہ سے علماء شریک ہوئے ہیں اور مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مفتی محمد صادق مصباحی، مولانا نور الہدیٰ مصباحی، مولانا قاسم علی مصباحی، مولانا غلام سید علی، مولانا زبیر احمد وغیرہ علماء نے مقالات پیش کئے۔ کانفرنس کا اختتامی اجلاس گوونڈی میں اتوار کو منعقد کیا جائے گا۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ناظم تعلیمات مولانا محمد احمد مصباحی نے کہا کہ ''امام احمد رضا خان عظیم فقیہ اور عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے علوم احادیث کی بناء پر علمائے عرب و عجم نے ان کو امام المحدثین سے نوازا ہے۔''

''مولانا یسین اختر مصباحی (دہلی) نے کہا کہ'' امام احمد رضا خان کی تصنیفات کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے اور ۵۵ رسے زائد علوم و فنون پر آپ کو مہارت حاصل تھی۔ آپ نے اپنی عظیم علمی اور روحانی خدمات کے ذریعہ ہندوستان کا نام پوری دنیا میں روشن کیا۔'' مولانا فروغ احمد اعظمی نے کہا کہ'' فاضل بریلویؒ نے مسلمانان عالم کو پوری استقامت کے ساتھ دین کے صحیح راستے پر چلانے کا فریضہ انجام دیا اور آپ کے علوم و فنون سے آج بھی استفادہ کیا جارہا ہے اور آئندہ بھی کیا جاتا رہے گا۔'' اس موقع پر بڑی تعداد میں علماء سیمینار میں شریک ہوئے۔

بقیہ: اعلیٰ حضرت امام اعظم کے......

واضح ہو کہ گذشتہ شب مذکورہ خانقاہ کی جانب سے خواتینِ اسلام کا بھی ایک پروگرام ہوا۔ اخیر میں خانقاہ کے سجادہ نشین حافظ و قاری مولانا شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی نے علما و عوام کو شکریہ ادا کیا، علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

اعلیٰ حضرتؒ کے کارنامے رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے

ممبئی میں منعقدہ امام احمد رضا سیمینار کے پہلے روز علماء دین کا خطاب

ممبئی (پریس ریلیز) عالم اسلام کی مذہبی و روحانی شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی جنہوں نے ہندوستان کا نام پوری دنیائے اسلام میں اجاگر کر کے ملک کے عوام پر بالخصوص جماعت اہل سنت پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ آپ کی ایک ہزار سے زائد تصنیفات اور پچپن سے زائد علوم وفنون میں مہارت اس حقیقت پر روشن دلیل ہیں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار علامہ یٰسین اختر مصباحی بانی دارالقلم نئی دہلی نے آج خانقاہ قادریہ ایوبیہ پراکنک کشی نگر کے زیر اہتمام المعین کمیونٹی ہال ناگ پاڑہ ممبئی میں منعقد امام احمد رضا سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے کہا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور آج ایک جہاں اس سے فیضیاب ہو رہا ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عالم اسلام کے جلیل القدر فقیہ، عارف اور ایک عبقری شخصیت تھے احادیث پر عبور کا یہ عالم تھا کہ علمائے عرب وعجم انھیں امام المحدثین کے خطاب جلیل سے نواز رہے ہیں۔ مولانا فروغ احمد اعظمی نے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ علم اصول دین وعلوم شرعیہ کے عرفان و فیضان سے داعی حق و ہدایت ہیں، آپ نے مسلمانان عالم کو پوری استقامت کے ساتھ صحیح و درست دین شاہ راہ پر چلانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا ساجد علی مصباحی نے اپنے مقالات پیش کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علم وعمل کے جبل عظیم اور بحر ذخار کا نام ہے، آپ کے دینی تصنیفی اور تعلیمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اس عالمی شخصیت کے وصال کو سو سال گزر چکے ہیں اسی کی مناسبت سے پوری دنیا میں اس سال 1440ھ کو اعلیٰ حضرت کے سال کے طور پر یاد کیا جا رہا ہے۔ پروگرام کی نظامت مولانا کمال احمد علیمی جمدا شاہی، حمایت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی، قیادت علامہ یٰسین اختر مصباحی صدارت علامہ محمد احمد مصباحی نے کی اور حافظ وقاری شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کی نگرانی میں مذکورہ سیمینار بحسن وخوبی پائے تکمیل کو پہنچا۔

جشن اعلیٰ حضرت وسیمینار کی تیاریاں زوروں پر

خانقاہ قادریہ ایوبیہ پراکنک کشی نگر کی جانب سے صد سالہ جشن اعلیٰ حضرت کے موقع پر ممبئی کی سرزمین گوونڈی پر دو روزہ امام احمد رضا کانفرنس اور سیمینار کا انعقاد 5 اور 6 جنوری 2019 کو ہوگا۔ خانقاہ کے سجادہ نشین مولانا قاری شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی نے ایک ریلیز میں بتایا کہ مندرجہ بالا پروگرام کی سرپرستی پیر طریقت علامہ سید محمد معین میاں اشرفی جیلانی، صدارت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارکپور، قیادت علامہ یاسین اختر مصباحی دارالقلم نئی دہلی اور جامعہ اشرفیہ کے صدر مفتی علامہ محمد نظام الدین رضوی برکاتی کی حمایت میں ہوگی. سیمنار میں مقالہ پیش کرنے والے علما و مشائخ میں علامہ فروغ احمد اعظمی، علامہ محمد عارف اللہ فیضی، علامہ عبدالمجید مصباحی ممبئی، علامہ نفیس احمد مصباحی اشرفیہ مبارکپور، علامہ ساجد علی مصباحی، علامہ محمد حنیف خان بریلوی، مولانا شمس الدین مصباحی، مفتی محمد صادق مصباحی مہراج گنج، مولانا غلام سید علی علیمی، نورالہدی مصباحی گورکھپوری، مولانا محمد قاسم مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا جنید احمد مصباحی، مولانا عبدالسلام ثقافی، مفتی رضاء المصطفی برکاتی، مولانا زبیر احمد برکاتی، مولانا محمد داؤد کمال مصباحی، مولانا ارشاد احمد، مولانا فضل الرحمٰن ایوبی وغیرہ کے نام شامل ہیں . کانفرنس کے اہم خطیب علامہ قمرالزماں خان اعظمی اور مفتی شفیق الرحمٰن عزیزی ہوں گے۔ علاوہ ازیں انجینئر سید فضل اللہ چشتی نئی دہلی اور انجینئر محمد حسنین رضا قادری ایوبی کا بھی خاص بیان ہوگا۔ پروگرام کے پہلے روز سیمینار 5 جنوری 2019 بروز سنیچر صبح 10 بجے سے دوپہر دو بجے تک بمقام المعین کمیونٹی ہال 55 مستان ٹینک روڈ فرسٹ فلور ناگپاڑہ ممبئی* دوسرے دن کا سیمینار 6 جنوری 2019 بروز اتوار صبح نو بجے سے دوپہر ایک بجے تک بمقام گیتا وکاس ہال شیواجی نگر گونڈی ممبئی بعد نماز مغرب کانفرنس رفیع نگر شیواجی نگر گونڈی، سجادہ نشین نے لوگوں سے بڑی تعداد میں شرکت کی اپیل کی ہے۔

نورالہدی مصباحی میڈیا انچارج